کلیاتِ آتش

خواجہ حیدر علی آتش

کلیاتِ آتش

خواجہ حیدر علی آتش

مکتبہ شعر و ادب۔ سمن آباد۔ لاہور
e-mail: maktabashair_o_adab@hotmail.com

اشاعتی ادارہ

مکتبہ شعر و ادب
لاہور

ناشر ——— آصف نواز

مطبع ——— قاسم شہزاد پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— -/250 روپے

مکتبہ شعر و ادب ■ سمن آباد ■ لاہور

Ph: 042-7551658, 7577104
e-mail: maktabashair_o_adab@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیاتِ آتش

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا

اسیر اے دوست تیرے عاشق و معشوق دونوں ہیں
گرفتار آہنی زنجیر کا یہ، وہ طلائی کا

تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے
زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

فراقِ یار میں مر مر کے آخر زندگانی کی
رہا صدمہ ہمیشہ روح و قالب کی جدائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ تجھ کو اپنے سائل کی
بنایا کاسہ سر واژگوں کاسہ گدائی کا

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کی رہائی کا

وصالِ یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پر
یقیں مجھ کو نہیں ہے گور تک اپنی رسائی کا

بھروسا آہ پر ہرگز نہیں اے یار عاشق کو
شکار اب تک کہیں دیکھا نہیں تیرِ ہوائی کا

دکھایا حسن سے اعجاز موسیٰ کلکِ قدرت نے
یدِ بیضا بنایا چور انگشتِ حنائی کا

نہیں مٹتی ہے پتھر کی لکیر، احباب کہتے ہیں
رہے گا پائے بُت پر نقش اپنی جبہ سائی کا

شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہے درست اس سے
توجہ میں تری اے یار اثر ہے مومیائی کا

دل اپنا آئینہ سا صاف عشقِ پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اس میں خود نمائی کا

کفِ افسوس ملواتی ہے تیری پاک دامانی
پنہا کر شاہدِ عصمت کو جامہ پارسائی کا

نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا — ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا
گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش — بلبل کا یہ نالہ نہیں، افسانہ ہے اُس کا
گریاں ہے اگر شمع تو سر دھنتا ہے شعلہ — معلوم ہوا، سوختہ پروانہ ہے اُس کا
وہ شوخ نہاں گنج کے مانند ہے اِس میں — معمورۂ عالم جو ہے، ویرانہ ہے اُس کا
جو چشم کہ حیراں ہوئی، آئینہ ہے اُس کی — جو سینہ کہ صد چاک ہوا، شانہ ہے اُس کا
دل قصرِ شہنشہ ہے وہ شوخ اس میں شہنشاہ — عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اُس کا
وہ یاد ہے اُس کی کہ بھلا دے دو جہاں کو — حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا
یوسفؑ نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے — قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُس کا
اللہ رے صفائے دو بنا گوش کا عالم اک — عشاق ہر ایک گوہرِ یک دانہ ہے اُس کا
آوارگیِ نکہتِ گل سے ہے اشارا — جامے سے جو باہر ہے وہ دیوانہ ہے اُس کا
یہ حال ہوا اُس کے فقیروں سے ہویدا — آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

محبت کا تری بندہ ہر اک کو اے صنم پایا — برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا
برنگِ شمع جس نے دل جلایا تیری دوری میں — تو اُس نے منزلِ مقصود کو زیرِ قدم پایا
بجا کرتے ہیں عاشق طاقِ ابرو کی پرستاری — یہی محراب دیر و کعبہ میں بھی ہم نے خم پایا
نشانہ تیرِ تہمت کا ہے میرا اخترِ طالع — اُٹھاؤں داغ میں تو آسماں سمجھے درم پایا
ہزاروں حسرتیں جاویں گی میرے ساتھ دنیا سے — شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا
سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں — غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا
نظر آیا تماشائے جہاں جب بند کیں آنکھیں — صفائے قلب سے پہلو میں ہم نے جامِ جم پایا
جلایا اور مارا حسن کی نیرنگ سازی نے — کبھی برقِ غضب اُس کو، کبھی ابرِ کرم پایا
اق انجام کام آغاز وصلت کا بلاشک ہے — بہت رویا میں روح و تن کو جب مشتاق ہم پایا
اک جو ہر میں اُس کا نقشِ پائے رفتگاں سمجھا — دمِ شمشیرِ قاتل جادۂ راہِ عدم پایا
ہمارا کعبۂ مقصود تیرا طاقِ ابرو ہے — تری چشمِ سیہ کو ہم نے آہوئے حرم پایا

ہوا ہرگز نہ خطِ شوق کا ساماں درست آتش
سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہم نے قلم پایا

کیا داد خواہ ہو کوئی اُس کے قتیل کا
عاشق کے خوں کو حکم ہے آبِ سبیل کا

طے کس طرح سے ہووے رہِ عشق دیکھیے
سنگِ نشاں کا دخل ہے اس میں نہ میل کا

راہِ عدم کو جاتے ہیں خاموش قافلے
بہرہ جرس ہے سرمہ غبار اس سبیل کا

آوارہ ہوں میں گور کی منزل کے شوق میں
رہزن سلوک مجھ سے کرے گا دلیل کا

لے جائے خطِ شوق کبوتر غریب کیا
واں، جس جگہ مقام نہیں جبرئیل کا

محتاج خضرِ راہ نہیں تیری راہ میں
کرتا ہے کام شوق ہمارا، دلیل کا

شب کو چراغ کی نہیں رہرو کو احتیاج
ہر ذرہ آفتاب ہے تیری سبیل کا

یوسفؑ کی جستجو میں روانہ ہیں قافلے
نالاں جرس ہیں، شور ہے کوسِ رحیل کا

عاجز نواز دوسرا تجھ سا کوئی نہیں
رنجور کا انیس ہے، ہمدم علیل کا

باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا
مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیلؑ کا

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی
فرعوں کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا

طوفاں میں ناخدائی کشتیِ نوحؑ کی
کھٹا جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا

بندہ ہے کس کا پوچھیں گے جب منکر و نکیر
عاشق ہوں، میں کہوں گا کہ بندہ جمیل کا

سائل ہوں تجھ کو قید کم و بیش کی نہیں
مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

کوتاہ یاں کمند ہے، قاصر ہے نردبان
بامِ مراد عرش ہے ربِ جلیل کا

آوازہ تیرے عدل کا ہے بسکہ گوش زد
پشّے سے زور چل نہیں سکتا ہے فیل کا

دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے
دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا

دی ہے جو تو نے تشنۂ عزت کو آبرو
کوثر کا پانی ایسا ہے، نے سلسبیل کا

سرمہ کیا جو برقِ تجلی نے طور کو
منظور تجھ کو جلوہ تھا چشمِ کحیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

آئینہ سینۂ صاحب نظراں ہے کہ جو تھا
چہرۂ شاہدِ مقصود عیاں ہے کہ جو تھا

عشقِ گل میں وہی بلبل کا فغاں ہے کہ جو تھا
پرتوِ مہ سے وہی حالِ کتاں ہے کہ جو تھا

عالمِ حسنِ خدا دادِ بتاں ہے کہ جو تھا
ناز و انداز بلائے دل و جاں ہے کہ جو تھا

راہ میں تیری شب و روز بسر کرتا ہوں
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

روز کرتے ہیں شبِ ہجر کو بیداری میں
اپنی آنکھوں میں سبک خوابِ گراں ہے کہ جو تھا

ایک عالم میں ہو ہر چند مسیحا مشہور
نام بیمار سے تم کو خفقاں ہے کہ جو تھا

دولتِ عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے
داغِ دل زخمِ جگر مُہر و نشاں ہے کہ جو تھا

ناز و انداز و ادا سے تمھیں شرم آنے لگی
عارضی حسن کا عالم وہ کہاں ہے؟ کہ جو تھا

جاں کی تسکیں کے لیے حالتِ دل کہتے ہیں
بے یقینی کا تری ہم کو گماں ہے کہ جو تھا

اخرِ منزلِ مقصود نہیں دنیا میں
راہ میں قافلۂ ریگ رواں ہے کہ جو تھا

دہن اُس روئے کتابی میں ہے پر ناپیدا
اسمِ اعظم وہی قرآں میں نہاں ہے کہ جو تھا

کعبۂ مدِّنظر قبلہ نما ہے تا حال
کوئے جاناں کی طرف دل نگراں ہے کہ جو تھا

کوہ صحرا و گلستاں میں پھرا کرتا ہے
متلاشی وہ ترا آبِ رواں ہے کہ جو تھا

سوزشِ دل سے تسلسل ہے وہی آہوں کا
عود کے جلنے سے مجمر میں دھواں ہے کہ جو تھا

رات کٹ جاتی ہے باتیں وہی سنتے سنتے
شمعِ محفل صنمِ چرب زباں ہے کہ جو تھا

پائے خم مستوں کے ہُو حق کا جو عالم ہے سو ہے
سرِ منبر وہی واعظ کا بیاں ہے کہ جو تھا

کون سے دن نئی قبریں نہیں اس میں بنتیں
یہ خرابہ وہی عبرت کا مکاں ہے کہ جو تھا

بے خبر شوق سے میرے نہیں وہ نورِ نگاہ
قاصدِ اشک شب و روز رواں ہے کہ جو تھا

لیلۃ القدر کنایہ نہ شبِ وصل سے ہو؟
اس کا افسانہ میانِ رمضاں ہے کہ جو تھا

دین و دنیا کا طلبگار ہنوز آتش ہے
یہ گدا سائلِ نقدِ دو جہاں ہے کہ جو تھا

اے جنوں وحشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا
جسم کے جامے کو میں نے چاک تا داماں کیا

منہ چھپا اب تو نہ مشتاقوں سے اے خورشید رو!
چرخِ گرداں کی طرح برسوں ہی سرگرداں کیا

مر گئیں تیری جدائی میں ہزاروں حسرتیں
عشقِ غارت گر نے میرے دل کو گورستاں کیا

نالۂ جانکاہ نے پتھر کو پانی کر دیا
مرغ و ماہی کو دلِ بیتاب نے گریاں کیا

جلد نہلا مجھ کو میرے خوں سے اے شمشیرِ یار!
دامنِ دل سال ہا آلودۂ عصیاں کیا

شام سے تا صبح نیند آئی نہ اک دم تجھ بغیر
آگ نالوں نے لگائی اشک نے طوفاں کیا

اے فلک مرہونِ احساں تو نہ تیرا میں ہوا
شکر ہے مجھ کو خدا نے بے سر و ساماں کیا

دلِ کیا وہ نہ سمجھے جو سخن کی قدر کو
نطق نے حیواں سے مشتِ خاک کو انساں کیا

آتشِ دل خستہ تیرا یاالٰہی کچھ نہ تھا
قطرۂ ناچیز کو دریائے بے پایاں کیا

چاندنی میں جب تجھے یاد اے مہِ تاباں کیا
رات بھر اختر شماری نے مجھے حیراں کیا

قامتِ موزوں تصوّر میں قیامت ہو گیا
چشم کی گردش نے کارِ فتنۂ دوراں کیا

پھر گئی آنکھوں میں وہ مژگانِ برگشتہ تو پھر
ذکرِ آرہ تھا جو آہ و نالہ و افغاں کیا

شام سے ڈھونڈھا کیا زنجیر پھانسی کے لیے
صبح تک میں نے خیالِ گیسوئے پیچاں کیا

سلکِ دنداں سے دلِ بیتاب پر بجلی گری
تلخ حسرت نے لبِ شیریں کی کامِ جاں کیا

یادِ ابرو و ذقن میں اُڑ گئی آنکھوں سے نیند
گہ کنواں جھانکا، کبھی تلوار کو عریاں کیا

چہرے کو آتش کدہ سمجھا دلِ دیوانہ نے
گوش و بینی پر گمانِ اخگرِ سوزاں کیا

دھیان میں ساقوں کی شمعوں کے جلا پروانہ وار
زانوؤں کے آئینوں نے رات بھر حیراں کیا

کر دیا مدہوش گردن کی صراحی نے مجھے
ناف نے جامِ شرابِ تند سے طوفاں کیا

دست و بازو کے تصوّر میں ہوا آتش میں قتل
پائے بوسی کی ہوس نے خاک سے یکساں کیا

غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا
نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

برنگِ شمع ہم دل سوختوں نے بزمِ عالم میں
زباں کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

کشاکش دم کی مارِ آستیں کا کام کرتی ہے
دلِ بیتاب کو پہلو میں اک گرگِ بغل پایا

نظر آتے ہیں خالِ عنبریں گردِ لبِ لعلیں
سیاہِ زنگ نے شہرِ بدخشاں میں عمل پایا

گھڑی بھر رو کے کوئے یار میں یوں زنگِ دل کھویا
کہ کپڑا جیسے مفلس نے کھڑے گھاٹ آ کے کلپایا

غمِ فرقت سے عمرِ رفتہ گزری بے قراری میں
تری امداد سے آرام ہم نے اے اجل پایا

شکستہ دل نہ ہو انساں عوض ہر شے کا ملتا ہے
موا فرزند اگر تو داغِ دل نعم البدل پایا

نہ جانا تھا چمن کی سیر کو ہمرہ رقیبوں کے
دلِ عاشق کے توڑے سے بھلا کیا تم نے پھل پایا

رعونت کون سی شے پر ہے ان عزلت گزینوں کو
حصیرِ کہنہ دیکھا دستِ خشک و پائے شل پایا

غضب ہے منزلِ ہستی میں آسائش طلب ہونا
ہجومِ خواب سے رہرو نے ہے آخر خلل پایا

حرارت ہوتی ہے سردار سے افزوں سپاہی میں
زیادہ تر مزاجِ یار سے زلفوں میں بل پایا

ہمیشہ جوشِ گریہ سے رہا پانی میں اے آتش
کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

مری آنکھوں کے آگے آئے گا کیا جوش میں دریا
ہمیشہ صورتِ ساحل ہے یاں آغوش میں دریا

وہ حد کم ظرف ہیں جو ایک ساغر میں بہکتے ہیں
نہیں قطرہ بھی یاں ہنگامِ نوشانوش میں دریا

نکالا چاہے اے غواص تو جلد اب نکال اس کو
خدا جانے کہ کیا پھونکے صدف کے گوش میں دریا

خموشی اور گویائی مری اک اک سے بہتر ہے
سکونت میں یہ قطرہ ہے گہر، تو جوش میں دریا

سرک جائے جو روئے چشمِ تر سے گوشہ دامن کا
نہ دیکھا ہو کسی نے ایسا اپنے ہوش میں دریا

کیا جو ضبطِ گریہ تو کیا دریا کو کوزے میں
کبھی دل کھول کر رویا تو آیا جوش میں دریا

اگر موتی نہ بنتے قطرہ ہائے ابرِ نیساں سے
تو حلقہ ڈالتا آتش صدف کے گوش میں دریا

دل چھٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا
کیسا رفیق ساتھ سے مشکل میں رہ گیا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا

ناقص ہے دوست داری میں کامل نہیں ہے تُو
دشمن سے بھی غبار اگر دل میں رہ گیا

قاتل سنبھل کے تیغ لگا، جائے شرم ہے
تسمہ لگا جو گردنِ بسمل میں رہ گیا

آزادی سے زیادہ اسیری میں لطف ہے
دل مرغِ روح کا قفسِ گل میں رہ گیا

سبقت جو زندگی میں سکندر سے کی تو کیا
اے خضر پیچھے مرگ کی منزل میں رہ گیا

مجنوں برہنہ کرتا اسے اپنی طرح سے
لیلیٰ کا پردہ پردۂ محمل میں رہ گیا

پار اترا، جو کہ غرق ہوا بحرِ عشق میں
وہ داغ ہے جو دامنِ ساحل میں رہ گیا

کافر ہے منکر اس کی کریمی کی شان کا
خالی پیالہ کب کفِ سائل میں رہ گیا

آتش کو دست و تیغ سے ممکن ہوا نہ زخم
بیچارہ مر کے حسرتِ قاتل میں رہ گیا

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

کیا کیا الجھتا ہے تری زلفوں کے تار سے
بخیہ طلب ہے سینۂ صد چاک، شانہ کیا

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا

زینہ صبا کا ڈھونڈھتی ہے اپنی مشتِ خاک
بامِ بلند، یار کا ہے آستانہ کیا؟

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

صیاد اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے دام و دانہ کیا

طبل و علم نہ پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا!

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا

ہوتا ہے زرد سُن کے جو نامرد مدّعی
رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا؟

بے یار سازوار نہ ہوئے گا گوش کو
مطرب ہمیں سناتا ہے اپنا ترانہ کیا

صیاد گل عذار دکھاتا ہے سیرِ باغ
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا

ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑے گا، اُڑے گا نشانہ کیا؟

بے تاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں
مہماں، سرائے جسم کا ہو گا روانہ کیا؟

یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا!

بیمارِ عشق رنج و محن سے نکل گیا
بیچارہ منہ چھپا کے کفن سے نکل گیا

مرغانِ باغ، آتشِ گل نے جلا دیے
صیاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا

پیکِ نگاہ چشمۂ حیواں دہن میں ہے
بچ کر اگر یہ چاہِ ذقن سے نکل گیا

دیکھا جو مجھ غریب کو بولے عدم کے لوگ
مدت سے تھا یہ اپنے وطن سے نکل گیا

عالم جو تھا مطیع ہمارے کلام کا
کیا اسمِ اعظم اپنے دہن سے نکل گیا؟

جوشِ جنوں نے فصدوں سے مطلق کمی نہ کی
سیروں لہو ہمارے بدن سے نکل گیا

آویزہ ترے گوش کا ہو اس اُمید پر
کیا کیا عقیق کانِ یمن سے نکل گیا

زنجیر کا وہ غل نہیں زنداں میں اے جنوں
دیوانہ قید خانۂ تن سے نکل گیا

رستے کو تیرے سن کے سبک ہو کے ہر غزال
دیوانہ ہو کے دشتِ ختن سے نکل گیا

پھر طفلِ حیلہ جُو کا بہانہ نہ مانیو
آتش وہ اب کی بار تو فن سے نکل گیا

جگر کو داغ میں مانندِ لالہ کیا کرتا؟
لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا؟

ملا نہ سرو کو کچھ اپنی راستی میں پھل
کلاہ کج جو نہ کرتا، تو لالہ کیا کرتا؟

جریدہ میں راہِ پُر خونِ عشق سے گزرا
جرس سے قافلے میں بحثِ نالہ کیا کرتا؟

جنونِ عشق میں رہتا تھا امتیاز نہ کچھ
چکور طوقِ گلو مہ کا ہالہ کیا کرتا؟

بجا کیا اسے توڑا جو سر سے دریا کے
حباب لے کے یہ خالی پیالہ کیا کرتا؟

نہ کھایا غصہ کبھی خوانچہ سے قسمت کے
پھنسے جو حلق میں، میں وہ نوالہ کیا کرتا؟

بلائے بد ہوئی داغوں سے سردیِ کافور
سلوکِ نیک زراعت سے ژالہ کیا کرتا؟

دیا نوشتہ نہ اُس بُت کو دل کے سودے میں
خدا کے گھر کا بھلا میں قبالہ کیا کرتا؟

صفا ہوا نہ ریاضت سے نفسِ امّارہ
کوئی نجاستِ سگ کا ازالہ کیا کرتا؟

لگی ہے آگ جو کمبل کبھی اُڑھایا ہے
ترے برہنہ سے گرمی دوشالہ کیا کرتا؟

نہ کرتی عقل اگر ہفت آسماں کی سیر
کوئی یہ سات ورق کا رسالہ کیا کرتا؟

مری طرف جو انھیں کھینچتی کشش دل کی
بتوں کو برہمنوں کا حوالہ کیا کرتا؟

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا؟

عروسِ دہر سے بوئے وفا نہیں آتی
بھلا میں بکر کا اس کے ازالہ کیا کرتا؟

مہِ دو ہفتہ بھی ہوتا، تو لطف تھا آتش
اکیلے پی کے شرابِ دو سالہ کیا کرتا؟

ایک دن فرصت جو میں برگشتہ قسمت مانگتا
دیدۂ تر نوحؑ کے طوفاں کی رخصت مانگتا

تشنگی کرتی جو مشتاقِ دمِ خنجر مجھے
آبِ آہن، شیرِ دایہ کی حلاوت مانگتا

تیرِ بارانِ بلا سے ہو گئی کشت اپنی سبز
رہ گیا دہقاں دعائے ابرِ رحمت مانگتا

داغ لگتا تھا جنوں کو کیا وطن میں مر کے میں
چادرِ گل، شمعِ بالیں، سنگِ تربت مانگتا

دم نکلتا ہی نہیں اے حسرتِ دیدارِ یار
کاش عزرائیل بھی تیری سی صورت مانگتا؟

دوسرا مجھ سا زمانے میں نہیں برگشتہ بخت
گور میں چوری کفن جاتا جو خلعت مانگتا

بے رُخِ عالم فروزِ یار، عزرائیل تھی
شمعِ بالیں، کیا میں بیمارِ محبت مانگتا

آ کے میری خاک پر روتے حسینانِ بہشت
میں اگر اللہ سے بارانِ رحمت مانگتا

روز و شب رکھتا ہوں آغوشِ تصور میں انھیں
سیم تن محبوب بنتے، میں جو دولت مانگتا

حسن کا افسوں دکھاتا معجز روح الٰہی
نقشِ پا تیرا یدِ بیضا سے بیعت مانگتا

یار کے دل میں کدورت آئی ہے، ملتی تو میں
دو گھڑی دل کھول کر رونے کی فرصت مانگتا

رہ گئی عزت خموشی کے سبب سے، شکر ہے
زہر دیتا آسماں مجھ کو جو شربت مانگتا

کیا کہوں آتش اثر اپنی زباں کمبخت کا
تنگ ملتی گورِ تیرہ گر فراغت مانگتا

وحشت آگیں ہے فسانہ مری رسوائی کا
عاشقِ زار ہوں اک آہوئے صحرائی کا

پاؤں زنداں سے نہ نکلا ترے سودائی کا
داغ دل ہی میں رہا لالۂ صحرائی کا

دھیان رہتا ہے قدِ یار کی رعنائی کا
سامنا روز ہے یاں آفتِ بالائی کا

کوہِ غم مثلِ پرِ کاہ اُٹھا لیتا ہوں
ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا

لحدِ تیرہ میں مجھ پر جو لگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شبِ تنہائی کا

کون سا دل ہے نہیں جس میں خدا کی منزل
شکوہ کس منہ سے کروں میں بُتِ رعنائی کا

مردِ درویش ہوں، تکیہ ہے توکّل میرا
خرچ ہر روز ہے یاں آمدِ بالائی کا

بوسۂ چشمِ غزالاں مجھے یاد آتے ہیں
نہیں بھولا میں مزا میوۂ صحرائی کا

زندگانی نے مجھے مردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا

مصرعِ سرو میں لاکھوں ہی نکالوں شاخیں
باندھوں مضموں جو قدِ یار کی رعنائی کا

جب سے شیطان کا احوال سنا ہے میں نے
پائے بُت پر بھی ارادہ ہے جبیں سائی کا

ہوئی تحقیق مجھے غنچے کے چٹکنے کی صدا
شک پڑا تھا دہنِ یار میں گویائی کا

وہ تماشا ہے ترا حسنِ پُر آشوب اے تُرک
آنکھوں کی راہ سے دم نکلے تماشائی کا

کس طرح سے دلِ وحشی کا میں کہنا مانوں
کوئی قائل نہیں دیوانے کی دانائی کا

یہی زنجیر کے نالے سے صدا آتی ہے
قید خانے میں بُرا حال ہے سودائی کا

اک پری کو بھی نہ شیشے میں اُتارا میں نے
یاد کیا آئے گا اس گنبدِ مینائی کا

بعد شاعر کے ہو مشہور کلامِ شاعر؟
شہرہ البتہ کہ ہو مردے کی گویائی کا

شہر میں قافیہ پیمائی بہت کی آتشؔ
اب ارادہ ہے مرا بادیہ پیمائی کا

اے فلک کچھ تو اثر حسنِ عمل میں ہوتا
شیشہ اک رات تو قاضی کی بغل میں ہوتا

وعدۂ وصل کہاں، عاشقِ بے صبر کہاں؟
کام محتاج کا ہے لیت و لعل میں ہوتا

بل نہ نکلا تری زلفوں کا صنم، شانے سے
واقعی زور نہیں پنجۂ شل میں ہوتا

عید تو روز دل اپنا بھی کبھی خوش کرتے
یار آغوش میں، خورشید حمل میں ہوتا

عرش کی سیر ریاضت نے مجھے دکھلائی
دخلِ مزدور ہے سلطاں کے محل میں ہوتا

سخنِ سخت میں سنتا ہوں لبِ شیریں سے
عہد میں اپنے نہیں موم عسل میں ہوتا

داغ ہیں یوں دلِ نازک میں چراغِ روشن
جلوہ گر، جیسے ہے شیشے کے کنول میں ہوتا

آنکھ عاشق سے لڑانے میں گریز اچھی نہیں
امتحاں مرد کا ہے جنگ و جدل میں ہوتا

عزل و نصب اُس کو شب و روز ہے منظور آتشؔ
لطف کیا چرخ کو ہے پھیر بدل میں ہوتا

خاک میں مل کے بھی میں اُس کو نہ دشمن سمجھا
گردشِ چرخ کو اک گردشِ دامن سمجھا

چوٹ جو دل کو لگی اس کی ہنسی سے بے یار
خندۂ کبک کو میں سنگِ فلاخن سمجھا
چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دستِ جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا؟
بسکہ تھی اُس سے عیاں سینۂ عارف کی صفا
چہرۂ یار کو میں نے دلِ روشن سمجھا
زلفیں سنبل ہیں تو پھر نرگسِ شہلا آنکھیں
جس نے دیکھا ترے مکھڑے کو وہ گلشن سمجھا
کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے، سبحان اللہ!
کوئی کعبہ، کوئی جنت، کوئی گلشن سمجھا
یاد آئی جو مجھے اپنی بیاباں مرگی
گنبدِ قصرِ فلک، گنبدِ مدفن سمجھا
سنگِ در جان کے تیرا نہ کیا سجدہ انھیں
کچھ حقیقت کو بتوں کی نہ برہمن سمجھا
سینے سے مثلِ چمن میں نے لگایا جو اُسے
داغِ سودا کو مرا دل گلِ سوسن سمجھا
موم دونوں کو کیا نالۂ آتش خو نے
سنگ کو سنگ، نہ آہن کو یہ آہن سمجھا
ہو گئی یار کے ہاتھوں میں جو مہندی کالی
اُنگلیوں کو میں زبانِ گلِ سوسن سمجھا
سنبلِ تر مجھے بے زلفِ صنم دود ہوا
بے رُخِ یار میں گلزار کو گلخن سمجھا
محفلِ یار میں دیکھا جو سر اُس کا کٹتے
گردنِ شمع کو عاشق کی میں گردن سمجھا

کیوں نہ معراجِ محمدؐ کا ہو قائل آتش
مہ و خورشید کو نقشِ سمِ توسن سمجھا

یار کو میں نے، مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالعِ بیدار نے سونے نہ دیا
خاک پر سنگِ درِ یار نے سونے نہ دیا
دھوپ میں سایۂ دیوار نے سونے نہ دیا
شام سے وصل کی شب آنکھ نہ جھپکی تا صبح
شادیٔ دولتِ دیدار نے سونے نہ دیا
ایک شب بلبلِ بیتاب کے جاگے نہ نصیب
پہلوئے گل میں کبھی خار نے سونے نہ دیا
جب لگی آنکھ، کراہا یہ کہ بدخواب کیا
نیند بھر کر دلِ بیمار نے سونے نہ دیا
دردِ سر شام سے اُس زلف کے سودے میں رہا
صبح تک مجھ کو شبِ تار نے سونے نہ دیا
رات بھر کیں دلِ بیتاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا
سیلِ گریہ سے مرے نیند اُڑی مردم کی
فکرِ بام و در و دیوار نے سونے نہ دیا
باغِ عالم میں رہیں خواب کی مشتاق آنکھیں
گرمیٔ آتشِ گلزار نے سونے نہ دیا
سچ ہے غم خواریٔ بیمار عذابِ جاں ہے
تا دمِ مرگ دلِ زار نے سونے نہ دیا

تکیہ تک پہلو میں اُس گل نے نہ رکھا آتش
غیر کو ساتھ کبھی یار نے سونے نہ دیا

ہوا ہے عشق ہم کو اس کے حسنِ پاک سے پیدا
کیا ہے بیقدر کے نخلوں کو جس نے خاک سے پیدا

کلامِ صاف کو اپنے جو دیکھے اس کو حیرت ہو
یہ آئینہ ہوا ہے جوہرِ ادراک سے پیدا

ہمارے حلق میں دن رات ذکرِ ذاتِ اقدس ہے
خدا نے کی ہے یہ تسبیح خاکِ پاک سے پیدا

ہر اک جا ہے ۔۔۔ واں محبوب کو خط لکھتے ہیں عاشق
عریضے ہوتے ہیں چالیس حرفِ ڈاک سے پیدا

اسیر آزاد ہوں اے جانِ جاں تیری محبت سے
دماغِ دلکشی ہووے الف کی ناک سے پیدا

بخیلوں سے موافق ہو طبیعت کیوں نہ دنیا کی
حلاوت ہوتی ہے ہر قحبہ کو امساک سے پیدا

ترے تیرِ نگہ پر دم نہ کس نخچیر کا پھڑکا
نہ کی دل بستگی کس صید نے فتراک سے پیدا

غم اپنے قتل ہونے کا نہیں، غم ہے تو یہ غم ہے
نہ ہوگا کشتنی مجھ سا مرے سفاک سے پیدا

غنیمت ہے سمجھیے حلقۂ احباب گرد اپنے
یہ دورا پھر نہ ہوگا گردشِ افلاک سے پیدا

دماغِ حضرتِ یعقوبؑ عاشق اس کو کہتے ہیں
ہوئی ہے بوئے یوسفؑ یار کی پوشاک سے پیدا

صدا یہ صید گاہِ عشق میں آتی ہے برسوں سے
نشانہ تیر کا ہو، راہ کر فتراک سے پیدا

بلائے جانِ عالم ہو گئیں ہیں، تیری زلفوں نے
قرابت کی ہے مارِ شانۂ ضحاک سے پیدا

یقیں ہے صبر کرتے کرتے عاجز ان کو کردوں میں
یہ کیا، ہوں سات سو عالم جو ہفت افلاک سے پیدا

دلِ صد پارہ کے ہر پارے پر نقشِ محبت ہے
کہاں ہو سکتے ہیں ایسے نگیں حکاک سے پیدا

ترے افعیِ گیسو سونگھ کر کہتے ہیں افیونی
یہ کیفیت نہ ہوگی نشۂ تریاک سے پیدا

پیامِ مرگ سے ہوتی ہے غمگیں روح کس خاطر
ملے گا خاک میں وہ جو ہوا ہے خاک سے پیدا

مرے خورشید رو کا ایک عالم ہوگا دیوانہ
ہزاروں ہوویں گے صبحِ گریباں چاک سے پیدا

مسیحا سے ہمارے عیسیٰؑ مریمؑ کو کیا نسبت
شفا ہوتی ہے کس کے آستاں کی خاک سے پیدا

یہ کس نخچیرِ ناوک خوردہ کی صورت سے پھڑکا ہے
رمِ آہو ہے تیرے توسنِ چالاک سے پیدا

قدم سے تیرے دیوانوں کی، آبادی کا عالم ہے
ہوا ہے شہر اک صحرائے وحشت ناک سے پیدا

ہنر سے نیاریوں کے حال یہ ظاہر ہوا ہم کو
مقدر میں جو دولت ہو تو زر ہو خاک سے پیدا

سحر تک شام سے چلتی ہیں لاتیں وصل کی شب میں
محبت کی ہے کس گستاخ، کس بے باک سے پیدا

کیا ہے اپنے غنچے سے دہن میں تو نے جو اس کو
شمیمِ گل ہوئی ہے ریشۂ مسواک سے پیدا

عزیز از جاں نہ رکھیں داغِ عشقِ زلف و خط کیونکر
یہ گل ہم نے کیے ہیں کس خس و خاشاک سے پیدا

کنارہ بحرِ ہستی سے نہیں بے جان سے گزرے
کنارہ گور ہے اس کا جو ہو پیراک سے پیدا

دعائے آتشِ خستہ یہی ہے روزِ محشر کو
یہ مشتِ خاک ہووے کربلا کی خاک سے پیدا

کام کرتی رہی وہ چشمِ فسوں ساز اپنا
لبِ جاں بخش دکھایا کیے اعجاز اپنا

سرو گڑ جاویں گے، گل خاک میں مل جاویں گے
پاؤں رکھے تو چمن میں وہ سرافراز اپنا

خندہ زن ہیں، کبھی گریاں ہیں، کبھی نالاں ہیں
نازِ خوباں سے ہوا ہے عجب انداز اپنا

یہی اللہ سے خواہش ہے ہماری اے بُت!
کور بدبیں ہو ترا، گنگ ہو غماز اپنا

سوزشِ دل سے زباں کو نہ ہوئی آگاہی
اُف کیا منہ سے نہ ہم نے، نہ کھلا راز اپنا

خوف ہوتا ہے جگر زمزمہ سن کر بے یار
دل دُکھاتی ہے مغنّی، تری آواز اپنا

نہ سنی یار نے اک بات سخن سازوں کی
رہ گئے کھول کے منہ مفسدہ پرداز اپنا

پر کترنے سے تو صیاد چھری ہی پھیرے
قصہ کوتاہ کرے حسرتِ پرواز اپنا

برہمن کھولے ہی گا بُت کدے کا دروازہ
بند رہنے کا نہیں کارِ خدا ساز اپنا

یاد آتی ہیں ادائیں جو تری اے محبوب!
بھول جاتے ہیں حسینانِ جہاں ناز اپنا

مرغِ دل صید گہِ عشق چلا ہے دیکھیں
طعمہ کرتا ہے اسے کون سا شہباز اپنا

روٹھ کر ملنے جو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
کل خفا تم تھے، مزاج آج ہے ناساز اپنا

خبرِ اوّل و آخر نہیں مطلق آتش
نہ تو انجام ہے معلوم، نہ آغاز اپنا

غم نہیں، گو اے فلک رتبہ ہے مجھ کو خار کا
آفتاب اک زرد پتا ہے مرے گلزار کا

زلف کے حلقہ میں اُلجھا سبزہ گوشِ یار کا
ہو گیا سنگِ زمرد خالِ چشمِ مار کا

ناخدا ہے موت، جو دم ہے سو ہے بادِ مراد
عزم ہے کشتیِ تن کو بحرِ ہستی پار کا

خانۂ زنجیر سے مثلِ صدا ڈرتا ہوں اب
یاد آتا ہے کفِ پا میں کھٹکنا خار کا

جوشِ گریہ نے کیا ہے ناتواں اتنا مجھے
ٹوٹنا ممکن نہیں ہے آنسوؤں کے تار کا

کھا گئی آخر مجھے چشمِ سیاہِ سرمگیں
رزقِ قسمت نے کیا زنگیِ آدم خوار کا

سعیِ لاحاصل مداوائے مریضِ عشق ہے
تھامنا ممکن نہیں گرتی ہوئی دیوار کا

ہاتھ قاتل کا گریباں تک پہنچ سکتا نہیں
اور فرطِ شوق ہے یاں زخمِ دامن دار کا

پھول جو ہے اپنے گلشن کا سپر کا پھول ہے
ہر شجر اس باغ میں لاتا ہے پھل تلوار کا

خطِ روئے یار سے ایذا اُٹھائی ہے زبس
سبزے سے ہوتا ہے صدمہ میرے دل کو خار کا

گرچہ پیشِ طاق ابروئے صنم گیسو نہیں
کعبہ پر نرغہ ہوا ہے لشکرِ کفار کا

اے صنم تیری کرنجی آنکھ سے ثابت ہوا
رنگ اُڑ جاتا ہے روئے مردمِ بیمار کا

یاد میں تیری رقیبِ روسیہ جاگا تو کیا
مرتبہ عالی نہ ہو نظّاقِ شب بیدار کا

اُس پری رُو کے جو کوچے کا گزرتا ہے خیال
بن کے جن، سایہ لپٹتا ہے مجھے دیوار کا

اُٹھ کے دیوارِ لحد سے مردے ٹکراتے ہیں سر
اک قیامت ہے، صنم عالم تری رفتار کا

خم ندامت سے کیا محراب میں کعبہ کی، سر
گردنِ زاہد سے بوجھ اُٹھا نہ جب زنّار کا

زندگی میں بے ادب ہونے نہ دے گو رعبِ حسن
خاک ہے میری پس از مرگ اور دامن یار کا

اے صنم عاشق سے رو پوشی نہیں لازم تجھے
پردہ موسیٰ سے نہیں اللہ کو دیدار کا

بوئے گل آتش کہیں ہوتی ہے محسوسِ نظر
افترا ہے روزِ محشر یار کے دیدار کا

شہر کو نالوں نے مجھ مجنوں کے صحرا کر دیا
جوشِ سیلِ اشک نے چشموں کو دریا کر دیا

ہنس کے بولا یار، میں مارے خوشی کے مرگیا
قصہ طولانی تھا، دو باتوں میں پرچھا کر دیا

پیشتر بھی قطعۂ گلزار تھا وہ سادہ رُو
خال و خط نے اور چہرے کو تماشا کر دیا

جنبشِ مژگاں لبوں پر کھینچ لائی جان کو
زخمِ دل کے چور کو نشتر نے پیدا کر دیا

کچھ نظر آتا نہیں اُس کے تصور کے سوا
حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کر دیا

کیا چمک کر نکلا تھا صورت ملانے یار سے
سامنے خورشید کے اُس نے کفِ پا کر دیا

آہ و نالے سے سوا چرچا خموشی کا ہوا
پاسِ رسوائی نے ہم کو اور رسوا کر دیا

ایک دن پہنچا نہ دستِ یار تک مکتوبِ شوق
طالعِ بد نے کبوتر کو بھی عنقا کر دیا

خطِ مشکیں نے کیا اندھیر روئے یار پر
روئے روشن دیدۂ عاشق میں کالا کر دیا

یار کا رخسارۂ رنگیں ہے آتش رشکِ باغ
جب نقاب اُلٹا، درِ گلزار کو وا کر دیا

تصور ہر نفس ہے پیشِ چشم اُس روئے روشن کا
نگہباں برق کو میں نے کیا ہے اپنے خرمن کا

مجھے مقصودِ دل پردہ دری ہے عیب پوشی میں
گریباں پھاڑ کر کرتا ہوں میں پیوند دامن کا

تواضع دشمنِ جاں کی زیادہ قتل کرتی ہے
خمِ شمشیر معشوقوں کا نہوڑاتا ہے گردن کا

گرایا دل نے لے جا کر مجھے قعرِ زنخداں میں
لکھا تھا ڈوبنا قسمت میں میری چاہِ گلشن کا

سبک وضعوں کا احساں کھینچتا ہے داغ پیشانی
نشاں مٹتا ہے روئے زخم سے کب تارِ سوزن کا

کیا قتل اُس نے کہنے سے رقیبِ تیرہ باطن کے
رکھا گردن پہ اپنی دوست نے احسان دشمن کا

چمن کا عالم آتا ہے نظر گنجِ شہیداں میں
قدم بادِ بہاری ہے مرے قاتل کے توسن کا

حبیبِ بے مروت سے ہے عرضِ حال لاحاصل
نہ بخشے نفع ہرگز کوٹنا کچھ سرد آہن کا

رہِ جلاد تکتا ہوں زبس میں، میرے زنداں میں
نظر آتا ہے چشمِ منتظر ہر چشمہ روزن کا

فروغِ ظاہری کو داغ، روشن دل سمجھتے ہیں
چراغِ بادہ اے آتش نہ ہو محتاج روغن کا

ادب تا چند، اے دستِ ہوس! قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

غضب ہے، جان کو پہلو میں ہونا دل سے دشمن کا
محلِ خوف ہے ہمسایہ قصاب و برہمن کا

جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر
ہمارے اُس کے پردہ رہ گیا دیوارِ آہن کا

یہ خوش اسلوب جسم اُس نوجواں کا ہے جو تاپیں تو
برابر نکلے ڈورا اُس کمر کا اور گردن کا

مئے گل رنگ سے چھلکی جو سرخی پان کی اُس میں
گلوئے یار پر عالم ہوا شیشے کی گردن کا

بہار اک دل کی داغوں نے دکھائی چشمِ قاتل کو
دہانِ زخمِ سینہ بن گیا دروازہ گلشن کا

چنی افشاں جو پیشانی پر اُس نے، چاندنی چھٹکی
ملی مِسّی، تو آئینے میں پھولا تختہ سوسن کا

اندھیرے میں جو ڈر کر مجھ سے وہ خورشید رو لپٹا
شبِ تاریک میں ہاتھ آیا مضموں روزِ روشن کا

کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کفِ داؤد میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنم سے
سمندر موج مارے گر نچوڑوں پاٹ دامن کا

سمجھتے تھے نہ ہم اتنا در انداز اے جنوں تجھ کو
گریباں سے تعلق ہو گیا موقوف دامن کا

درِ فردوس پر رضواں سے رخصت کون لیتا ہے!
سمجھتا ہوں میں کھیل اک پھاندنا دیوارِ گلشن کا

ہوئی ہے مردمِ دنیا کی صورت سے یہ بیزاری
گماں ہوتا ہے اپنے سائے پر بھی ہم کو دشمن کا

اُڑایا پان کی تحریر نے اور اُس کے دانتوں کو
نگیں کا رنگ چمکا دے مقرر ڈاک کندن کا

رُخِ روزِ سیہ ہر صبح آنکھوں کو نظر آیا
ہمارا کوکبِ طالع مگر چہرہ تھا دشمن کا

یقیں منزلِ محبوب اس پر مجھ کو ہوتا ہے
دلِ صد چاک میں میرے ہے صاف انداز چلمن کا

نہیں ہم سا گنہگار اے فلک کوئی زمانے میں
ہمارے مردے کو درکار ہے غسل آبِ آہن کا

ستایا ہے نہایت انقلابِ دہر نے ہم کو
رہا کرتا ہے چشمِ تر کے اُوپر گوشہ دامن کا

مجھے بھی گر کسی نے مجمعے میں حشر کے پوچھا
تو سن لینا کہ پردہ کھل گیا قاتل کے دامن کا

کیا اک آن میں تیغِ قضا نے صاف دو ٹکڑے
گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتش اپنے جوشن کا

آشنا گوش سے اُس گل کے سخن ہے کس کا؟
کچھ زباں سے کہے کوئی یہ دہن ہے کس کا؟

پیشتر حشر سے ہوتی ہے قیامت برپا
جو چلن چلتے ہیں خوش قد، یہ چلن ہے کس کا؟

دستِ قدرت نے بنایا ہے تجھے اے محبوب!
ایسا ڈھالا ہوا سانچے میں بدن ہے کس کا؟

کس طرح تم سے نہ مانگیں، تمھیں انصاف کرو
بوسہ لینے کا سزاوار دہن ہے کس کا؟

شادیٔ مرگ سے پھولا میں سمانے کا نہیں
گور کہتے ہیں کسے، نام کفن ہے کس کا؟

دہنِ تنگ ہے موہوم، یقیں ہے کس کو
کمرِ یار ہے معدوم، یہ ظن ہے کس کا؟

مفسدے جو کہ ہوں اُس چشمِ سیہ سے کم ہیں
فتنہ پردازی جسے کہتے ہیں، فن ہے کس کا؟

ایک عالم کو ترے عشق میں سکتہ ہو گا
صاف آئینے سے شفاف بدن ہے کس کا؟

حسن سے دل تو لگا عشق کا بیمار تو ہو
پھر یہ عناب لب و سیب ذقن ہے کس کا؟

گلشنِ حسن سے بہتر کوئی گلزار نہیں
سنبل اس طرح کا پُر پیچ و شکن ہے کس کا؟

باغِ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
باغباں کون ہے اس کا، یہ چمن ہے کس کا؟

خاک میں اِس کو ملاؤں، اُسے برباد کروں
جان کس کی ہے مری جان! یہ تن ہے کس کا؟

سرو سا قد ہی نہیں، مدِ نظر کا میرے
گل سا رُخ کس کا ہے، غنچہ سا دہن ہے کس کا؟

کیوں نہ بے ساختہ بندے ہوں دل و جاں سے نثار
قدرت اللہ کی، بے ساختہ پن ہے کس کا؟

آج ہی چھوٹے، جو چھٹتا یہ خرابہ کل ہو
ہم غریبوں کو ہے کیا غم، یہ وطن ہے کس کا؟

یار کو تم سے محبت نہیں تو اے آتش
خط میں القاب یہ پھر "مشفقِ من" ہے کس کا؟

روزِ مولود سے، ساتھ اپنے ہوا غم پیدا
لالہ ساں داغ اُٹھانے کو ہوئے ہم پیدا

ہوں میں وہ نخل کہ ہر شاخ مری آرہ ہے
ہوں میں وہ شاخ کہ ہوں برگِ تبر دم پیدا

میں جو روتا ہوں مرے زخمِ جگر ہنستے ہیں
شادی و غم سے کیا ہے مجھے توام پیدا

چاہنے والے ہزاروں نئے موجود ہوئے
خط نے اُس گل کے کیا اور ہی عالم پیدا

دردِ سر میں ہو کسی کے تو مرے دل میں ہو درد
واسطے میرے ہوا ہے غمِ عالم پیدا

زخمِ خنداں ہیں بعینہ لبِ خنداں اپنے
شادمانی میں ہے یاں حالتِ ماتم پیدا

آسماں شوق سے تلواروں کا مینہ برسا دے
مہِ نو نے ترے ابرو کا کیا خم پیدا

کام اپنا نہ ہوا جب کجی ابرو سے
گیسوئے یار ہوئے درہم برہم پیدا

شبہ ہوتا ہے صدف کا مجھے ہر غنچے پر
کہیں موتی نہ کریں قطرۂ شبنم پیدا

چپ رہو، دور کرو، منہ نہ مرا کھلواؤ — غافلو! زخمِ زباں کا نہیں مرہم پیدا
قلزمِ فکر میں ہر چند لگائے غوطے — دُرِ مضموں کوئی یاروں سے ہوا کم پیدا

دوست ہی دشمنِ جاں ہو گیا اپنا آتشؔ
نوش دارو نے کیا یاں اثرِ سم پیدا

توڑ کر تارِ نگہ کا سلسلہ جاتا رہا — خاک ڈال آنکھوں میں میری قافلہ جاتا رہا
کون سے دن ہاتھ میں آیا مرے دامانِ یار؟ — کب زمین و آسماں کا فاصلہ جاتا رہا؟
خارِ صحرا پر کسی نے تہمتِ وزدی نہ کی — پاؤں کا مجنوں کے کیا کیا آبلہ جاتا رہا
دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر — دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

جب اُٹھایا پاؤں آتشؔ مثلِ آوازِ جرس
کوسوں پیچھے چھوڑ کر میں قافلہ جاتا رہا

حشر کو بھی دیکھنے کا اُس کے ارماں رہ گیا — دن ہوا پر آفتاب آنکھوں سے پنہاں رہ گیا
بندگیِ حق میں بھی بھولا نہ میں یادِ صنم — توبہ مے کی، ولیکن داغِ داماں رہ گیا
جوشِ وحشت میں بیاباں کو گیا مانندِ رُوح — جسمِ خاکی کی طرح سے میرا زنداں رہ گیا
پاسِ اُلفت سے جنوں میں بھی نہ کپڑے پھٹ سکے — طوق بن کر میری گردن میں گریباں رہ گیا
اے صبا جاوے چمن میں تُو، تو کہیو یار سے — باغ میں جا کر تو اے سروِ خراماں رہ گیا
دوستی نبھتی نہیں ہرگز فرومایہ کے ساتھ — رُوح جنت کو گئی جسمِ گلی یاں رہ گیا
سامنے ہوتے ہیں مژگاں کے ہوا دل کو یقیں — موت سے اب تیر کے بچنے کا میداں رہ گیا
پہلے ہی پرزے اُڑا ہونے نہ پایا سینہ چاک — یار ثابت وقتِ بد میں اک گریباں رہ گیا
حُسن میں بھی عزت و ذلت خدا کے ہاتھ ہے — گُل کو پیراہن ملا تو شعلہ عریاں رہ گیا
بستیاں ہی بستیاں ہیں گنبدِ افلاک میں — سیکڑوں فرسنگ مجنوں سے بیاباں رہ گیا
بعدِ مدت ساتھ اُس گلرو کے جو دیکھا مجھے — اُڑ گئے مرغِ چمن خالی گلستاں رہ گیا
چال ہے مجھ ناتواں کی مرغِ بسمل کی تڑپ — ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا، واں رہ گیا
کر کے آرائش جو دیکھی اُس صنم نے اپنی شکل — بند آنکھیں ہو گئیں، آئینہ حیراں رہ گیا
راہِ اُلفت میں نہیں اندیشۂ پست و بلند — گر کے کب یوسفؑ میانِ چاہِ کنعاں رہ گیا
جانِ شیریں ہو فراقِ یار سے کیوں کر عزیز — مرگِ صاحب خانہ ہے فاقہ جو مہماں رہ گیا
میری وحشت نے چراغِ راہ جو سمجھا اُسے — آنکھ دکھلا کر مجھے غولِ بیاباں رہ گیا
لاشہ ڈھوا کر نہ کر اس کو بھی اے قاتل اُجاڑ — ہے فقط آباد اک گنجِ شہیداں رہ گیا

کھینچ کر تلوار قاتل نے کیا مجھ کو نہ قتل
شکر ہے گردن تک آتے آتے احساں رہ گیا

کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں
روشنی جاتی رہی، سرو چراغاں رہ گیا

کاروانِ نکہتِ گل کر گیا گلشن سے کوچ
صورتِ نقشِ قدم گلزار حیراں رہ گیا

شامِ ہجراں صبح بھی کر کے نہ دیکھا روزِ وصل
سانپ کو کچلا پر آتش گنج پنہاں رہ گیا

کوئی عشق میں مجھ سے افزوں نہ نکلا
کبھی سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

بجا کہتے آئے ہیں ہیچ اس کو شاعر
کمر کا کوئی ہم سے مضموں نہ نکلا

ہوا کون سا روزِ روشن نہ کالا
کب افسانۂ زلفِ شب گوں نہ نکلا

پہنچتا اُسے مصرعِ تازہ و تر
قدِ یار سا سرو موزوں نہ نکلا

رہا سال ہا سال جنگل میں آتش
مرے سامنے بیدِ مجنوں نہ نکلا

تیری کاکل میں پھنسا ہے دل جوان و پیر کا
سیکڑوں آزاد ہے پابند اک زنجیر کا

وصفِ چشمِ یار میں، یارا نہیں تقریر کا
جائے خاموشی ہے عالم سُرمے کی تحریر کا

کس خوشی سے دوڑ کر عاشق کٹاتے ہیں گلے
نقشِ خُب اے تُرک! جوہر ہے تری شمشیر کا

جانبِ چرخِ مقوّس آہ ہوتی ہے رواں
یہ کماں اک دن نشانہ ہے ہمارے تیر کا

اس قدر بیتاب ہوں تیرے بغیر اے بحرِ حسن
پیرہن دیتا ہے دھوکہ دامِ ماہی گیر

دولتِ دنیا سے مستغنی طبیعت ہو گئی
خاکساری نے اثر پیدا کیا اکسیر

باغ میں شب باش ہو کر لالہ رو جلوا نہ شمع
داغ بلبل کو نہ دے دکھلا کے منہ گل گیر

جو کہ لکھا خوب لکھا، دست رس ہوتا اگر
چومتا میں ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر

روز و شب پیشِ نظر چشمِ سیاہِ یار ہے
کام لیتا ہوں تصور سے میں آہوگیر

عمر بھر مضموں طلائی رنگ کے بندھتے رہے
سرنوشت اپنی بھی نسخہ تھا کوئی اکسیر

حیف کی جا ہے نہ ہووے نرم و چرب اس کی زباں
پرورش پایا ہوا یہ آدمی ہے شیر

گوشِ گل، رخسار لالہ، چشمِ نرگس، سرو قد
باغ کا تختہ بھی صفحہ ہے کوئی تصویر

عاشقوں کے خون سے رنگتی ہے بس وہ سرخ پوش
دیدۂ مریخ جوہر ہے تری شمشیر

کارواں تک رہ رو واماندوں کو پہنچایا گیا
اے جرس! شاہد ہوں تیرے نالے کی تاثیر

فکر قصرِ چرخ میں کیا موجزن ہوتے ہیں اشک
سیل ارادہ کر رہا ہے کس کہن تعمیر

اُس پری رُو طفل کا دیوانہ ہوں آتشؔ جسے
کھیل ہے اک توڑنا سودائی کی زنجیر کا

عالمِ منطق مصوّر ہو تری تصویر کا
منہ کتابی قطبی ہے، خط حاشیہ ہے میر کا

رتبہ پہنچا ہے خموشی سے یہ مجھ دل گیر کا
جو کوئی دیکھے اُسے شک ہو گلی تصویر کا

زندۂ جاوید ہیں قربانیانِ تیغِ عشق
سر کا کٹنا جانتے ہیں پھوٹنا نکسیر کا

مثلِ شانہ دسترس اُس زلف پر ہووے اگر
دعوتِ افعی کروں بھر کر پیالہ شیر کا

جس سے لپٹا سوکھا مجنوں کی طرح سے وہ درخت
عشق پیچے پر مجھے ہوتا ہے شک زنجیر کا

ہجر کے صدمے سے خوبی عشق کی ظاہر ہوئی
زخم کی ایذا سے جوہر کھل گیا شمشیر کا

سرخ باوصفِ سیہ کاری ہے رنگِ رو مرا
سامنا ہوتا ہے کس کے عفو سے تقصیر کا

خط لکھوں گا یارِ سیم اندام کو میں اے قلم
روشنائی میں ہو 'دودہ' روغنِ اکسیر کا

ہر شبِ آدینہ آتا ہے وہ طفلِ شمع رو
اپنا تعویذِ لحد بھی نقش ہے تسخیر کا

نوش بے صرفہ کرے خونِ گنہگارانِ عشق
پھول سے رنگیں ہے پھلوا یہ تری شمشیر کا

غش کریں گے کوہکن وحشت سے مجھ دیوانہ کے
حلقِ بسمل ہے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا

خوبیاں رُخ کی صباحت کا کرے شیریں دہن
قند کے کوزے سے جاری ہووے دریا شیر کا

روسیہ دشمن کا یوں پاپوش سے کیجیے فگار
جیسے سلہٹ کے سپر پر زخم ہو شمشیر کا

دے سکا بوسہ نہ اک وہ برق وش خیراتِ حسن
مالدار بے کرم بھی ابر ہے تصویر کا

حالِ مستقبل نجومی اُس سے کرتے ہیں بیاں
زائچہ بھی نقل ہے پیشانی کی تحریر کا

چار ابرو میں ترے حیراں ہیں سارے خوشنویس
کس قلم کا قطعہ ہے یہ کاتبِ تقدیر کا

نرمیِ ظاہر سمجھ لے سخت گیری کی دلیل
پنبہ بھی بہرِ شرر ہمسر ہے آتش گیر کا

رتبۂ موسیٰ نمازِ پنجگانہ نے دیا
پانچ وقت اللہ سے موقع رہا تقریر کا

کیسی کیسی صورتوں کے اپنے دل میں داغ ہیں
اس مرقع میں بھی ہے کیا کیا ورق تصویر کا

کشتۂ تیرِ مژہ پر تیغِ ابرو بھی چلے
اے شکار انداز! ہو چو رنگ اس نخچیر کا

روک منہ پر وار قاتل کا سپر کی طرح سے
مرد کے چہرے کا زیور زخم ہے شمشیر کا

معرکے میں ہاتھ قاتل کی کمر میں ڈالیے
کھینچیے دامن سرِ میداں گریباں گیر کا

چاک ہوتا ہے کتاں میرے گریباں کی طرح
یہ بھی دیوانہ ہے آتشؔ چاند سی تصویر کا

قدِ صنم سا اگر آفریدہ ہوتا تھا
نہ سروِ باغ کو اتنا کشیدہ ہوتا تھا

ہوا ہے زلف سے گستاخ کس قدر شانہ
ہمارے پاس بھی دست بریدہ ہوتا تھا

نہ کھینچتا تھا زلیخا کو دامنِ یوسفؑ
اسی کا پردۂ عصمت دریدہ ہوتا تھا

دیا نہ ساتھ جو صبر و قرار نے نہ دیا
روانہ ملکِ عدم کو جریدہ ہوتا تھا

مٹائے سے کوئی مٹتا ہے باطلوں کے حق
کچھ اختیار سے کیا برگزیدہ ہوتا تھا

نہ جانتا تھا غضب ہے نگہ کا تیر اے دل
تجھی کو سامنے آفت رسیدہ ہوتا تھا

رُلاتا شام و سحر کس طرح نہ طالعِ پست
بلند سر سے مرے آب دیدہ ہوتا تھا

گریزِ یار نے برباد کر دیا ہم کو
غبارِ راہِ غزال رمیدہ ہوتا تھا

نہ آئی دامنِ دایہ میں نیند اے آتش
درونِ دامنِ خاک آرمیدہ ہوتا تھا

دکھایا آئینۂ فکر نے جب، صفائے آبِ دُرِ سخن کا
دہن کو جوہر کھلا زباں کا، زباں کو عقدہ کھلا دہن کا

ہر ایک گلبن ہے نخلِ ماتم، ہر ایک جُو ہے پُر آب دیدہ
جو زخمِ گل میرے باغ کا ہے تو داغ پتا میرے چمن کا

نظر جو آجائے بیدِ مجنوں تو روؤں مجنوں کی یاد میں خوں
جو دیکھوں تیشہ تو سر کو پھوڑوں خیال بندھ جائے کوہکن کا

برہنہ آیا تھا یاں عدم سے، برہنہ یاں سے چلا عدم کو
نہ بوئے کافور میں نے سونگھی، نہ داغ مجھ کو لگا کفن کا

چھوا جو گیسوئے عنبریں کو تو سانپ کیلا فسوں سے گویا
لیا جو چشمِ سیہ کا بوسہ، شکار میں نے کیا ہرن کا

نگاہوں میں چشمِ نے گوں، بہ رنگِ محفل کرے دگرگوں
وہ حال ہووے جو وقتِ آخر شراب خوروں کی انجمن کا

خراب مٹی نہ ہو کسی کی، کوئی نہ مردودِ دوستاں ہو
جدا ہوا شاخ سے جو پتا، غبارِ خاطر ہوا چمن کا

جو حالِ پروانہ عشق میں ہے، وہی محبت میں عالمِ دل
وہ شمع فانوس کا ہے کشتہ، یہ سوختہ نورِ پیرہن کا

جو پشتہ صحرا میں قبر دیکھی تو میں نے کندہ کیا یہ اُس پر
عبیرِ غربت جبیب کا ہو، غبارِ خاطر نہ ہو وطن کا

نہ یہ نزاکت پری میں ہوگی، نہ حور میں یہ نزاکت آتش
جو ہار پھولوں کا اُس نے پہنا بوجھ اٹھایا ہزار من کا

بُلبُل گلوں سے دیکھ کے تجھ کو بگڑ گیا
قمری کا طوق سرو کی گردن میں پڑ گیا

چیں بر جبیں نہ اے بُتِ چیں رہ غرور سے
تصویر کا ہے عیب جو چہرہ بگڑ گیا

آئی تو ہے پسند اُسے چال یار کی
سن لیجو پاؤں کبک دری کا اُکھڑ گیا

پیچھے ہٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پاؤں
سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھڑ گیا

کھینچی جو میری طرح سے قمری نے آہِ سرد
جاڑے کے مارے سرو چمن میں اکڑ گیا

شیریں کے شیفتہ ہوئے پرویز و کوہکن
شاعر ہوں، میں یہ کہتا ہوں مضمون لڑ گیا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اُس بُت کے آستانے کا پتھر رگڑ گیا

درماں سے اور درد ہمارا ہوا دو چند
مرہم سے داغِ سینہ میں ناسور پڑ گیا

گلدستہ بن کے رونقِ بزمِ شہاں ہوا
کوڑا جو اُس فقیر کے تکیے سے جھڑ گیا

نکلا نہ جسم سے دلِ نالاں شریکِ روح
منزل میں رنگ ناقہ سے اپنے بچھڑ گیا

پہنچا مجاز سے جو حقیقت کے کُنہ کو
یہ جان لے کہ راستے میں پھیر پڑ گیا

فرقت کی شب میں زیست نے اپنی وفا نہ کی
قبلِ سحر چراغ ہمارا نہ بڑھ گیا

پاتا ہوں شوقِ وصل میں احباب کی کمی
حسن و جمالِ یار میں کچھ فرق پڑ گیا

لاشوں کو عاشقوں کے نہ اُٹھوا گلی سے یار
بسنے کا پھر یہ گاؤں نہیں جب اُجڑ گیا

دیکھا تجھے جو خونِ شہیداں سے سرخ پوش
تُرکِ فلک زمیں میں خجالت سے گڑ گیا

برسوں کی راہ آگے عزیزاں نکل گئے
افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا

آیا جو شرحِ لعلِ لبِ یار کا خیال
جھنڈا قلم کا اپنے بدخشاں میں گڑ گیا

میں نے لیا بغل میں پری رُو، وصال کو
دیوِ فراق کشتی میں مجھ سے بچھڑ گیا

آتش پوچھ حال تو مجھ درد مند کا
سینے میں داغ، داغ میں ناسور پڑ گیا

کرم کیا جو صنم نے ستم زیاد کیا
شبِ فراق میں مَیں نے خدا کو یاد کیا

کریمی میں تری شک ہو جسے وہ کافر ہے
مجھے ملول تو دشمن کو میرے شاد کیا

یہ دل لگانے میں مَیں نے مزا اُٹھایا ہے
ملا نہ دوست تو دشمن سے اتحاد کیا

بہا جو نرگسِ فتّانِ یار سے سرمہ
تو میں نے چہرے پہ اُس کو یقین صاد کیا

ہماری آہ سے اے منکرو! حذر مانگو
ہوائے تند نے کیا حالِ قومِ عاد کیا

بچا میں جان کو کر کے تصدقِ عزت
وگرنہ دل نے نہیں کون سا فساد کیا

کہوں جو حالتِ دل یار سے تو کہتا ہے
جو کچھ کہ تو نے کہا، میں نے اعتماد کیا

حسد سے جل کے دبے پاؤں اُڑ گئے اغیار
ہمارے نالوں نے جب کارِ برق و باد کیا

عوض یہی ہے زمانے میں راست بازی کا
سلوک تو نے جو اے چرخِ کج نہاد کیا

یہی کہوں گا خدا سے میں روزِ محشر کو
فراقِ یار نے ناشاد، نامراد کیا

کروں میں شکرِ الٰہی کہاں تلک آتشؔ
درونِ صاف دیا، پاک اعتقاد کیا

یہ انفعالِ گنہ سے میں آب آب ہوا
کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

دل اپنا خون جو بے ساقی و شراب ہوا
ہوائے سرد سے کیا کیا جگر کباب ہوا

کنوئیں میں یوسفِ کنعاں کو پھینکا اخواں اے
نہ سمجھے مصر کے چلنے کا پا تراب ہوا

گرہ تھی دل میں ز بس حسرتِ ہم آغوشی
فشارِ گور کا راحت مجھے عذاب ہوا

شکار گاہِ جہاں میں عزیز ہر دل تھا
بچا جو باز سے، میں طعمۂ عقاب ہوا

بنایا جادۂ رہ مجھ کو خاکساری نے
پھرا جو مجھ سے زمانے میں، وہ خراب ہوا

ہمارا طالعِ خفتہ کہیں نہ پس جاوے
یہ سر پہ اس کے ہے بے ڈھب ہجومِ خواب ہوا

کیا مدام مجھے اشکِ آتشیں نے تر
ہمیشہ میرے نہانے کو گرم آب ہوا

ملا نہ صورتِ دولاب غیر کوزۂ آب
ہزار چرخ چلے، لاکھ انقلاب ہوا

دعائے وصلِ صنم مانگ، دل شکستہ نہ ہو
درِ کریم سے آتشؔ کے جواب ہوا

سبزہ بالائے ذقن دشمن ہے خلق اللہ کا
رہرووں کی موت ہے خس پوش ہونا چاہ کا

تل بٹھاتا ہے فلک منظور کس دل خواہ کا
برجِ میزاں میں نہیں بے وجہ آنا ماہ کا

بسکہ پھرتا ہے خیال آنکھوں میں اُس دل خواہ کا
رنگِ رو کے اُڑنے میں عالم ہے گردِ راہ کا

صفحۂ دل سے اٹھاؤں کس طرح نقشِ صنم
ملک میں ہوتا کسی کے گھر نہیں اللہ کا

کم بضاعت سے خیالِ خام ہے کثرت کو فیض
اکتفا کرتا نہیں لشکر کو پانی چاہ کا

راہِ ہستی میں ہے رخسارِ صنم سے زندگی
تازہ دم کرتا مسافر کو ہے تکیہ راہ کا

لاش بھی گلیوں میں کھنچوا کر گیا ہے قتلِ یار
طول ہی دیتا مزا ہے قصۂ کوتاہ کا

پست فطرت سے سوائے رنج کچھ حاصل نہیں
پا بہ گل کشتی کو کر دیتا ہے پانی تھاہ کا

چھوڑ کر عشقِ صنم زاہد نے ہو مفتونِ حور
کب یقیں لاتا ہے دانا دور کی افواہ کا

دل کو ابروئے صنم کا شیفتہ کرتی ہے آنکھ
درس دیتا ہے معلم پہلے بسم اللہ کا

اے صنم! بندہ نوازی ہے صفت اللہ کی
حیف ہے خالی پھرے سائل تری درگاہ کا

مائلِ معشوقۂ خسرو نہ ہو اے کوہکن
شیر کے جھوٹے کو کھانا کام ہے روباہ کا

جوشِ اشکِ آتشیں کا باعث آہِ سرد ہے
گرم کرتی ہے ہوا جاڑے کی پانی چاہ کا

نزع میں آیا نہ بالیں پر مرے یار، اس لیے — آخرِ ہر ماہ ہے معمول چھپنا ماہ کا
ہوں وہ ابتر طفل جس کو جان کھونا کھیل ہے — کنجِ مرقد ہے گھروندا میری بازی گاہ کا
آسماں روئے زمیں ہے، یار ماہِ چاردہ — حلقۂ احباب گرد اُس کے ہے ہالہ ماہ کا
وہ دہن ہے چشمۂ شیریں، تبسم موج ہے — وہ ذقن ہے چاہ، خال اُس میں توا ہے چاہ کا
ناتواں میری طرح سے ہو جو عشقِ حسن سے — کوہ سے بھاری ترازو میں ہو پلّہ کاہ کا

شعر کہتا ہوں میں اے آتش خدا کی حمد میں
میری ہر اک بیت پر عالم ہے بیت اللہ کا

فرش ہے اے یار خاکِ دوست و دشمن زیرِ پا — ہم گریباں پھاڑیں گے آیا جو دامن زیرِ پا
منکرِ روزِ قیامت ہیں بہت بے اعتقاد — لا کبھی اے سرو قامت، اپنا مدفن زیرِ پا
رنگِ گل سے خوں ہمارے آبلوں کا شوخ ہے — نقشِ پا سے پھولتا جاتا ہے گلشن زیرِ پا
خار کا کھٹکا نہیں رکھتے ہیں ہم آتش قدم — موم ہو جاوے اگر آ جائے آہن زیرِ پا
اُنگلیاں کانوں میں دیتا ہے دمِ رفتار یار — ہر قدم پر آتی ہے آوازِ شیون زیرِ پا
بُت پرستی ہم اگر تیری طرح کرتے تو پھر — سنگِ رہ کو بھی نہ لاتے اے برہمن زیرِ پا
شاہ راہِ ہستیِ موہوم میں وہ چال چل — اپنی آنکھوں کو بچھاویں دوست دشمن زیرِ پا
سرکشی زیبا ہے ہم دیوانگانِ عشق کو — خم ہوئی ہے سیکڑوں کانٹوں کی گردن زیرِ پا
رہ گزر میں دفن کرنا اے عزیزاں تم مجھے — شاید آ جاوے کسی کے میرا مدفن زیرِ پا
پابرہنہ ہی رہے ہم خاکسار اتنے لیے — گوش زد ہوئے ہمارے تا نہ دشمن زیرِ پا
اس قدر تو ناگوارا ہے کڑا پن خلق کو — کفش سے رکھتے ہیں مردم نعلِ آہن زیرِ پا

سرخ رو، تک تو آتش خاکساری نے کیا
صورتِ نقشِ قدم ہے اپنا مدفن زیرِ پا

اگرچہ پاسِ محبت سے ترکِ شیون تھا — برنگِ شمع خموشی میں حال روشن تھا
جسے میں نیک سمجھتا تھا مجھ سے بدظن تھا — یقینِ خضر تھا جس پر مجھے، وہ رہزن تھا
پناہِ چشمِ رقیباں میں بد نگاہ ہوا — خط اُن عذاروں کے اوپر بجائے جوشن تھا
خفا نہ ہو جو ہوئے گال نیلے بوسوں سے — چمن اُداس مری جان غیرِ سوسن تھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈھا بدل کے بھیس اے دوست — جو شیخ کعبے میں تو دیر میں برہمن تھا
ہر ایک کو میں زبس خاکِ عاشق اُڑتی تھی — اُسے کدورتِ خاطر غبارِ دامن تھا

زبس تھے اس کے صغیر و کبیر دیوانے
جواں کو بیڑیاں، لڑکوں کو طوقِ گردن تھا

ہزار جان تصدق ہے زخمِ کاری پر
دعائے حرز پئے چشمِ زخمِ سوزن تھا

دل و جگر ہوئے قوتِ فراقِ یار آخر
برائے شحنۂ حاکم ہمارا خرمن تھا

نہ کھایا میں نے کڑے پن سے زخمِ تیغِ کرم
میں اپنے جوہرِ ذاتی سے غرقِ آہن تھا

یقینِ مرگ جو عشقِ بتاں میں تھا آتش
ہر اک صنم مری آنکھوں میں سنگِ مدفن تھا

تن سے بارِ سرِ آمادۂ سودا اُترا
شکر ہے خنجرِ قاتل کا تقاضا اُترا

حالِ مجنوں تو نہیں نوعِ دگر دیکھا کچھ؟
سارباں آج ہے کیوں چہرۂ لیلیٰ اُترا

اس قدر اپنے یمِ اشک نے کی موج زنی
آخرِ کار نظر سے مرے دریا اُترا

کس طرح مرئیے نہ تجھ پر، فلکِ چارم سے
تیرے کشتے کی زیارت کو مسیحا اُترا

دردِ سر عشق کا سر سے نہ مرے دُور ہوا
جل کے جن تجھ سے نہ اے آتشِ سودا اُترا

وصل کے بعد نہ کس طرح سے ہو رنجِ فراق
دردِ سر ہوتا ہے جب نشۂ صہبا اُترا

چشمۂ حسن کی موجوں سے اشارہ ہے یہی
روتے روتے جو ہوا عشق کا دریا اُترا

دردِ سر میں جو ہوا واں تو بدن یاں ٹوٹا
تپ چڑھی مجھ کو، اگر یار کا چہرہ اُترا

ذقنِ یار میں کی خط نے رسائی پیدا
چاہِ یوسف میں خضر بہرِ تماشا اُترا

کیا عجب روئے جو ماتم میں ہماری وہ بُت
بیشتر کوہ کے اُوپر سے ہے دریا اُترا

باغ سے بادِ بہاری کی ہے آمد آمد
طاقِ میخانہ سے ہے ساغرِ مینا اُترا

دہنِ یار کا رہتا ہے تصوّر اس میں
شیشۂ دل میں پری بن کے ہے عنقا اُترا

سیر رکھتا ہے طبیعت کو کلامِ شیریں
من و سلوا ہے یہ اپنے لیے گویا اُترا

شاخِ گل کو بھی نہ آتش نے چھوا تھا اس پر
خوں تری آنکھوں میں اے بلبلِ شیدا اُترا؟

جب کہ رسوا ہوئے انکار ہے پھر بات میں کیا؟
اے صنم لطف ہے پردے کی ملاقات میں کیا؟

کوئی اندھا ہی تجھے ماہ کہے اے خورشید!
فرق ہوتا نہیں انسان سے دن رات میں کیا؟

یار نے وعدۂ فردائے قیامت تو کیا
شک ہے اے نالۂ دل تیری کرامات میں کیا؟

کوئی بُت خانے کو جاتا ہے کوئی کعبے کو
پھر رہے گبرو مسلماں ہیں تری گھات میں کیا؟

ایک مدت سے ہوں سائل ترے دروازے پر
بوسہ یا گالی، ملے گا مجھے خیرات میں کیا؟

ایسی اونچی بھی تو دیوار نہیں گھر کی ترے
رات اندھیری کوئی آوے گی نہ برسات میں کیا؟
دو گھڑی کی جو ملاقات تھی وہ بھی موقوف
اینا پڑتا تھا خلل یار کی اوقات میں کیا؟
پڑھ کے خط اور بھی مایوس ہوئے وصل سے ہم
یار نے بھیجا سفر سے ہمیں سوغات میں کیا؟
آتشِ مست جو مل جائے تو پوچھوں اُس سے
تو نے کیفیت اٹھائی ہے خرابات میں کیا؟

دل شہید رہِ داماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
ٹکڑے ٹکڑے جو گریباں نہ ہوا تھا، سو ہوا
برق بے نور ہے، اُس رخ کی چمک کے آگے
عالمِ نور کا انساں نہ ہوا تھا، سو ہوا
رونے پر میرے ہوا ہنس کے وہ گل شرمندہ
غنچہ ساں سر بہ گریباں نہ ہوا تھا، سو ہوا
میں نے رنگیں نہ کیا اُس کا تڑپ کر دامن
سرِ جلاد پہ احساں نہ ہوا تھا، سو ہوا
ہو گیا دیکھ کے قاضی بھی طرف دار اُس کا
بے گنہ خونِ مسلماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
ہر زباں پر مری رسوائی کا افسانہ ہے
نسخۂ شوق پریشاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
عرق آلودہ جبیں دیکھ کے دل ڈوب گیا
شبنمِ باغ سے طوفاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
قتل کرکے مجھے، تلوار کو توڑا اُس نے
خونِ ناحق سے پشیماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
یار کے روئے کتابی کی کروں کیا تعریف
بعد قرآں کے جو قرآں نہ ہوا تھا، سو ہوا
آنسو آنکھوں سے نکلتا ہے سو چنگاری ہے
پردۂ دل سے نمایاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
آتشِ عشق سے ہے داغ سراپا میرا
آدمی سروِ چراغاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
گردِ رہ بن کے ہوا صندلِ پیشانیِ یار
ذرہ خورشیدِ درخشاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
پھیروں ہی مصرعِ سودا ہے رُلاتا آتش
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا، سو ہوا

آگ پر رشک سے میں چاک گریباں لوٹا
خاک پر وقتِ خرام اُس کا جو داماں لوٹا
دل کو از بسکہ جو لاگ ابروئے خم دار سے تھی
دمِ شمشیر کو میں دیکھ کے عریاں لوٹا
حق بجانب ہے جو موسیٰؑ کو نہ ہو تابِ جمال
تجھ کو نادیدہ دلِ گبر و مسلماں لوٹا
عیدِ قرباں جو قریب آئی تو کچھ دل میں سمجھ
پاؤں پر آکے مرے حاجبِ زنداں لوٹا
مرغِ بسمل کی طرح تڑپے ہزاروں دلِ زار
ہنستے ہنستے جو کبھی وہ گلِ خنداں لوٹا
میں نے آتش جو کیا نالہ درِ جاناں پہ
دونوں ہاتھوں سے جگر تھام کے درباں لوٹا

خیال آیا جو عشقِ زلف میں دل کی تباہی کا
بندھا فکرِ رسا سے یک قلم مضموں سیاہی کا

ہوا ہے بیشتر دھوکا دلِ پُر داغ پر میرے
شکار اکثر کیا ہے باز نے طاؤس و ماہی کا

سمندر چشمِ تر، بادِ مخالف آہ و نالہ ہے
یقیں ہے کوئی دم میں کشتیِ تن کی تباہی کا

شبِ ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گماں تھا شام سے مجھ پر چراغِ صبح گاہی کا

لحد پر یار آتا ہے مرے شرمندہ کرنے کو
نہ منہ دکھلانے کی جا ہے، نہ موقع عذر خواہی کا

سراسر شست کا عالم میں ہر اک مُو میں پاتا ہوں
تری زلفوں کو شانہ چاہیے دندانِ ماہی کا

کروں تحریر گر میں اپنے رنگِ زرد کی حالت
عجب کیا زعفرانی رنگ ہو جائے سیاہی کا

خدا بھی خوبصورت کو نہایت دوست رکھتا ہے
ارادہ کون سے در پر کروں میں داد خواہی کا

غنیمت جان اے دل! جنبشِ ابروئے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا

مسافر کو عدم کے روکنے والا نہیں کوئی
نہ کھینچا خار نے دامن کبھی دنیا سے راہی کا

زیادہ زخم سے انساں کو احساں اُٹھاتا ہے
نہ ہونا خوف ہے ظلِّ ہمائے بادشاہی کا

دمِ آخر بھی بالیں پر مرے، ہمراہ یار آئے
رقیبوں نے محل باقی نہ رکھا عذر خواہی کا

تری شمشیرِ ابرو سے مگر ہے لاگ اس کو بھی
گلا روزِ ازل سے کیوں کٹا رہتا ہے ماہی کا

جنوں کا لطف اٹھا صحرا کو چل زنداں سے دیوانے
نہیں کھلتا ہے بے میدان کے جوہر سپاہی کا

فرشتوں سے لحد میں گفتگو یاں کون کرتا ہے
شہادت نامہ پڑھ لیں چار مومن کی گواہی کا

مرکب ہے یہ سرتاپا خطا سے اور نسیاں سے
خیالِ خام ہے انساں کو دعوئ بے گناہی کا

بتانِ سنگدل کی صورت آتش کانٹے کھاتی ہے
ارادہ کنجِ عزلت میں ہے اب یادِ الٰہی کا

کشتہ اے یار ہوں میں تیری جفا کاری کا
نقش ہے دل میں ترے میری وفا داری کا

کون وارفتہ نہیں تیری طرحداری کا
حوصلہ سب کو ہے یوسف کی خریداری کا

تار اُس زلفِ معنبر کا نہ توڑ اے شانے!
سلسلہ ہے یہ مرے دل کی گرفتاری کا

لبِ جاں بخش کے اعجاز کا عیسیٰ ہے قتیل
سامری کشتہ ہے آنکھوں کی فسوں کاری کا

نخلِ اُمید کو پہنچے نہ کہیں اس سے گزند
کام کرتی ہے مری آہ سحر آری کا

رُخ پر اس زلف کے چھٹنے سے ہوا دل کو یقیں
چاندنی سے ہے بڑا مرتبہ اندھیاری کا

آنکھ کیوں کر میں رُخِ یار سے پھیروں ناصح
کچھ مداوا ہے نہیں چشم کی بیماری کا

سبزہ رنگوں سے بہت تنگ ہوں، بتلا اے موت!
مجھ کو دروازہ تو اس گنبدِ زنگاری کا

دل میں آتا ہے گلا کاٹیے در پر اُس کے
بوالہوس حوصلہ پھر کر نہ سکیں یاری کا

اُس نے دکھلائی مجھ صورتِ ابرِ رحمت
میں تو آتشؔ ہوں غلام اپنی سیہ کاری کا

دوستی دشمن کی مژدہ ہے اجل کے خواب کا
برہمن بننا غضب ہے گاؤ کو قصاب کا

رنگ چمکا اس قدر اس قاتلِ احباب کا
بند آخر کو نکلنا ہو گیا مہتاب کا

روئے مژگاں ہے بجا اس طاقِ ابرو کی طرف
چاہیے دستِ دعا کو سامنا محراب کا

حسرتِ آبِ دمِ شمشیرِ قاتل میں ہوا
پانی بھی میں نے نہ پایا خانۂ قصاب کا

فرصت اک دم عہدِ طفلی میں نہ رونے سے ملی
پرورش پایا ہوا ہوں دامنِ سیلاب کا

عاشقوں سے اپنے وہ جنگی بھویں ٹیڑھی ہوئیں
اہلِ قبلہ سے پھرا منہ کعبہ کی محراب کا

سوسن اُن ہونٹوں کی مستی دیکھ کر نیلی ہوئی
رنگ پھیکا فندقِ پا نے کیا عناب کا

سیر کر کے دو گھڑی اس میں بہل جاتا ہے دل
دل ہمارا ہے مرقع صحبتِ احباب کا

جامۂ تن ہو گیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اُٹھایا تھا مگر ٹھگ کے لیے اسباب کا

جان آنکھوں میں ہے، صورت دیکھنے کی دیر ہے
یار کا آنا ہے یاں آنا اجل کے خواب کا

مسندِ شاہی کی حسرت ہم فقیروں کو نہیں
فرش ہے گھر میں ہمارے چادرِ مہتاب کا

ساحلِ مقصود دیکھا میں نے جا کر گور میں
ڈوبنا کشتیِ تن کو مژدہ تھا پایاب کا

بے تکلف آستانِ یار پر مارا قدم
دور کوسوں رہ گیا ہم سے محل آداب کا

چشمِ تر سے کانپتی ہے قالبِ خاکی کی روح
کس طرح کشتی نشیں کو ڈر نہ ہو گرداب کا

سنبلِ زلفِ بتاں کا ہو نہ آتشؔ شیفتہ
بھولنا ہی دل سے بہتر ہے پریشاں خواب کا

زلف زیبا ہے قریبِ رُخِ جاناں ہونا
گنج کا سانپ کو لازم ہے نگہباں ہونا

نہ رُلا مجھ کو تُو اے دوریِ کوئے مقصود
راہ میں ظلم مسافر کو ہے باراں ہونا

عشق نے حال کیا مژدۂ بے وارث کا
مرے اُوپر ہے یقیں قبضۂ سلطاں ہونا

آفتِ جاں ہوئی اُس روئے کتابی کی یاد
راس آیا نہ مجھے حافظِ قرآں ہونا

داغ چیچک کے ہیں زیبا ذقنِ یار کے گرد
لطف رکھتا ہے لبِ چاہ چراغاں ہونا

بے طرح مجھ کو رُلاتا ہے غمِ دوریِ یار
ہو مبارک دہنِ گور کو خنداں ہونا

آتشؔ اُس رشکِ پری سے تجھے اللہ ملائے
تا کجا دوریِ بلقیس و سلیماںؑ ہونا

عشق میں ممکن نہیں ہوتا بخیر انجام کا
بد مزا کرتا ہے منہ لگتا کباب خام کا

سر اُٹھا بالیں سے بے خورشیدِ محشر کب مرا
اے خروسِ صبح حاصل شورِ بے ہنگام کا

زلف نے شانے کو پہنچایا رُخِ محبوب تک
زینہ رکھتا قہر ہے بیرونِ خانہ بام کا

ایک جا مثلِ دُرِ غلطاں کہیں ٹھہرا نہ پاؤں
اخترِ اقبال ہوں میں گردشِ ایام کا

دل کو اُلجھایا گرہ پڑنے سے زلفِ یار میں
دانے کا دھوکا مجھے دیتا ہے عقدہ دام کا

گوشہ گیری سے ہے معدومی مجھے مقصودِ دل
ٹوٹ جاتا ہے نگیں کھدتے ہی میرے نام کا

ماتمِ دریا دلاں شادی تنگ ظرفوں کی ہے
گریۂ مینا ہے باعث خندہ ہائے جام کا

نشۂ مے سے ہوا بے ہوش میں برگشتہ وقت
تر دماغی نے خلل پیدا کیا سرسام کا

شپرہ ہے مدعی روسیہ، ہیں آفتاب
مجھ میں اور اس میں ہے فرق اے یار صبح و شام کا

بے کمالِ عشق ہو دل پر نہ نقشِ روئے دوست
سکّہ لگتا غیر ممکن ہے طلائے خام کا

چشمِ گریاں سے گناہِ عشق ثابت ہو گیا
واقعی کرتا ہے تر دامن چھلکنا جام کا

عرش سے آگے ارادہ میری خاکستر کا ہے
دل ہے پروانہ الٰہی کس چراغِ بام کا

جلد سینے سے نکل اے جان! ہجرِ یار میں
ماہیٔ بے آب کو تا چند صدمہ دام کا

مر گیا ہوں جستجوئے کعبۂ مقصود میں
ہے کفن پہ میرے عالم جامۂ احرام کا

جان جاوے پر رضائے دوست سے آتشؔ نہ پھر
ہے محل بندے کو مولی پر نہیں الزام کا

کشتۂ اک عالم ہے چشمِ لعبتِ خود کام کا
استخوانوں میں مزا پاتے ہیں سگ بادام کا

اے تپِ غم گور میں لے چل جوانی میں مجھے
دو پہر ہے موسمِ گرما میں وقت آرام کا

تختۂ میّت فراقِ یار میں معراج ہے
وحی آتا جانتا ہوں موت کے پیغام کا

بادشاہی ہے گدائی کوچۂ دلدار کی
زیرِ پا ہر اک قدم ہے یاں محل آرام کا

اے صنم عاشق سے ملتی ہی نہیں آنکھیں تری
نشہ اللہ رے شرابِ حسن کے دو جام کا

خاتمِ دستِ سلیماں قدر کیا رکھتی ہے یاں
لوحِ محفوظ اک نگینہ ہے ہمارے نام کا

گیسوؤں نے کر دیا وہ چند حسنِ روئے یار
نور ہوتا ہے زیادہ تر چراغِ شام کا

طوقِ زرّیں گردنوں میں قمریوں کی چاہیے
سیرِ گلشن کو ہے عزم اس سروِ سیم اندام کا

عرصۂ روئے زمیں ہو جائے دشتِ کربلا
یار کو میرے ارادہ ہو جو قتلِ عام کا

ہمتِ عالی نہ بعدِ مرگ بھی زائل ہوئی
گر ہوا سبزہ بھی میں، تو سبزہ پشتِ بام کا

داخلِ کعبہ ہوا گم عدم سے برہنہ
پردہ عاشق نے نہ رکھا جامۂ احرام کا

سیکڑوں ہی دل ہے مثلِ ماہیِ بے آب اسیر
یار کا چاہِ زنخداں بھی ہے چشمہ دام کا

ہے یہ مستی میں اپنے عالمِ دیوانگی
حلقۂ چشمِ پری خط ہے ہمارے جام کا

سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست
ٹوٹتا ہے نخل پر انجام خشتِ خام کا

یاد جو آیا طوافِ کعبہ میں آتشؔ وہ ماہ
حال بدتر تھا کتاں سے جامۂ احرام کا

زخمِ کاری کے جو کھانے کو مرا دل دوڑا
سر بکف میں طرفِ کوچۂ قاتل دوڑا

ناتوانی نے یہ حالت مری پہنچائی ہے
دو قدم میں جو چلوں سیکڑوں منزل دوڑا

نہ ہوئی بعدِ فنا بھی مجھے آفت سے نجات
پھاڑ کھانے کو سگِ کوچۂ قاتل دوڑا

اے نسیمِ سحری دھیان کدھر ہے تیرا
تھک گیا چار قدم جو مرے شامل دوڑا

دشتِ پُرخار میں تا چند رہوں سرگرداں
بس زیادہ نہ اب اے دوریِ منزل دوڑا

رونقِ بزم تجھے کھینچ ترے لینے کو
تا درِ خانہ ہر اک صاحبِ محفل دوڑا

بے خبر دل کو کیا یوں صفِ مژگاں نے خراب
دوڑ جیسے کسی دہ پر کوئی عامل دوڑ

منزلِ عشق کی وہ راہ ہے، رکھتے ہی قدم
بن کے قزاق ہر اک حور شمائل دوڑا

ملک الموت نے پیری میں کرم فرمایا
کشت پختہ ہوئی آتشؔ کہ محصّل دوڑا

دوست دشمن نے کیے قتل کے ساماں کیا کیا
جانِ مشتاق کے پیدا ہوئے خواہاں کیا کیا

آفتیں ڈھاتی ہے وہ نرگسِ فتاں کیا کیا
داغ دیتی ہے مجھے گردشِ دوراں کیا کیا

پھر سکی میرے گلے پر نہ چھری اے ظالم!
ورنہ گردوں سے ہوئے کارِ نمایاں کیا کیا

حسن میں پہلوئے خورشید مگر دابے گا
دور کھنچتا ہے ہمارا مہِ تاباں کیا کیا

روئے دلبر کی صفا سے تھا بڑا ہی دعویٰ
سامنے ہو کے ہوا آئنہ حیراں کیا کیا

آنکھیں گیسو کے تصور میں رہا کرتی ہیں بند
لطف دکھلاتا ہے یہ خوابِ پریشاں کیا کیا

گردشِ چشم دکھاتا ہے کبھی گردشِ جام
میری تدبیر میں پھرتا ہے یہ دوراں کیا کیا

چشمِ بینا بھی عطا کی دلِ آگہ بھی دیا
میرے اللہ نے مجھ پر کیے احساں کیا کیا

دوست نے جب نہ دمِ ذبح سسکتا چھوڑا
میرے دشمن ہوئے ہنس ہنس کے پشیماں کیا کیا

گردشِ نرگسِ فتاں نے تو دیوانہ کیا — دیکھو جھکوائے کنوئیں چاہِ زنخداں کیا کیا
جل گیا آگ میں آپ اپنے مَیں مانندِ چنار — پیستے رہ گئے دانت ارّہ و سوہاں کیا کیا
کچھ کہے کوئی، میں منہ دیکھ کے رہ جاتا ہوں — کم دماغی نے کیا ہے مجھے حیراں کیا کیا
گرم ہرگز نہ ہوا پہلوئے خالی بے یار — یاد آوے گی مجھے فصلِ زمستاں کیا کیا

کوئی مردودِ خلائق نہیں مجھ سا آتش
کیا کہوں کہتے ہیں ہندو و مسلماں کیا کیا

چشمِ یاراں میں مرے بعد نہ خوناب اُترا — یاد آیا نہیں پھر دھیان سے جو خواب اُترا
شرط ہے رتبۂ مردانِ خدا کا انصاف — ڈوبا فرعوں وہیں، موسیٰؑ وہیں پایاب اُترا
ہو گیا شوقِ شہادت سے حلال اپنا دل — سان پر چڑھ کے اگر دشنۂ قصاب اُترا
روزِ روشن شبِ تاریک ہوا آنکھوں میں — بام پر سے جو وہ خورشیدِ جہاں تاب اُترا
عشق اُس چاہِ زنخداں کا ہوا جس دن سے — میں نے سمجھا کہ لحد میں دلِ بے تاب اُترا
قتل مستی میں کیا دوست جو مجھ سا اُس نے — دشمنِ جاں سے مری نشۂ احباب اُترا
سامنا روئے منور سے ہوا ہے کس کے — چہرۂ ماہ سے کچھ اے شبِ مہتاب اُترا
وقتِ مشکل میں ہیں سب اہلِ کرم کے محتاج — دیکھ لے لشکرِ جنگی کو لبِ آب اُترا
آتشِ عشق میں ثابت دلِ بے تاب رہا — آنچ کھا کھا کے ہے قائم کبھی سیماب اُترا
بوسۂ لب کا مزا لے کے پیا ہے میں نے — حلق سے میرے ہے جب شربتِ عناب اُترا
برق وش دیکھ کے گیسوئے سیہ کو تیرے — چشمِ انصاف سے ہے ابرِ سیہ تاب اُترا

بھولنا بحرِ محبت کے غریقوں کو نہ یار!
پار بیڑا یہ ترا آتشِ بے تاب اُترا

اک جا کہیں مَیں مثلِ ریگِ رواں نہ ٹھہرا — گردش سے دو گھڑی تو اے آسماں نہ ٹھہرا
اللہ رے جذبِ الفت یوسفؑ کو چاہ میں سے — باہر نکالتے ہی پھر کارواں نہ ٹھہرا
اے زلفِ یار تیری تعریف کیا کروں میں — قیمت میں مشک و عنبر تجھ سے گراں نہ ٹھہرا
پوشاک سرخ پہنی جس روز سے کہ تو نے — مریخ تیرے آگے اے نوجواں نہ ٹھہر
تیرِ نگہ سے طائر کیا کیا شکار ہوتے — تو صید گاہ میں اے ابرو کماں نہ ٹھہر
اے چرخِ بے مروت، بس ہے تنگ مزاجی — خوش تیرے گھر میں دو دن اک میہماں نہ ٹھہر
برباد کر نہ ناحق اے بادِ صرصر اس کو — بلبل کا آشیانہ برگِ خزاں نہ ٹھہر

عزلت گزینی کا جو میں نے کیا ارادہ
کنجِ لحد سے بہتر کوئی مکاں نہ ٹھہرا

پھونک آشیاں ہمارا اے برقِ آتشِ گل
رہنے کے قابل اپنے یہ بوستاں نہ ٹھہرا

میری ہے خاک پر کی منہ زوری اُس نے آتشؔ
پھیروں سمندِ قاتل ورنہ کہاں نہ ٹھہرا

فزوں ہوتا ہے جمعیت سے زیرِ آسماں کھٹکا
درختِ بارور میں باندھتا ہے باغباں کھٹکا

بجا یادِ الٰہی میں ہے شب بیداریِ زاہد
یقیں ہے نیند اُڑ جاتی ہے ہوتا ہے جہاں کھٹکا

نہ تم بیزار ہو ہم سے، نہ ہم بیزار ہوں تم سے
محبت کا مزا کیا ہے، جب آیا درمیاں کھٹکا

زمیں کو زلزلہ آیا جو میری بے قراری سے
ستارے کیسے کیسے جھڑ کے، کیا کیا آسماں کھٹکا

در و دیوار کو دیکھا جو دزدیدہ نگاہوں سے
مری آنکھوں سے اُس کو میں نہایت پاسباں کھٹکا

بدی کس روز اُس گل رُو نے شرطِ دوستی مجھ سے
ہنوز آنکھوں میں دشمن کے میں کانٹا سا کہاں کھٹکا

رہے انسان شب بیدار دنیا کے خزانے میں
مسافر کو ہے اس ویراں سرا کے درمیاں کھٹکا

خدا حامی ہے اپنے بندۂ عاجز کا مشکل میں
نہ واں کھٹکا ہے کچھ ہم کو نہ کچھ ہم کو ہے یاں کھٹکا

بغل میں لے کے یوسفؑ کو اکیلا واں سے گزرا میں
قدم رکھتے ہوئے جس راستے میں کارواں کھٹکا

محبت دل نے کی کس بے یقیں عیار سے آتشؔ
جو کچھ نیکی بھی کی ہم نے سمجھی، وہ بدگماں کھٹکا

لبِ لعلیں نے بدخشان و یمن دکھلایا
مشک بو زلف نے تاتار و ختن دکھلایا

راز سے حسن کے عشاق نہ آگاہ ہوئے
نہ کمر تُو نے دکھائی، نہ دہن دکھلایا

اپنے سودائی کو کیا کیا نہ تری زلفوں نے
عالمِ پیچ و خم و چین و شکن دکھلایا

آسماں ظلم کیے زیرِ زمیں بھی تُو نے
جامہ زیبوں کو رخِ زرد، کفن دکھلایا

تیری رفتار کا انداز نہ پایا ہم نے
کبک و طاؤس نے بھی اپنا چلن دکھلایا

پاؤں شل ہو گئے تھے ٹھوکریں کھاتے کھاتے
ہم غریبوں کو خدا ہی نے وطن دکھلایا

یاد دلوائی چمن نے وہ تری گفت و شنید
گوشِ گل نے، مجھے غنچے نے دہن دکھلایا

تادمِ مرگ نہ بیمار ہوا پھر وہ مریض
اک نظر تو نے جسے سیبِ ذقن دکھلایا

کوچۂ یار بھی مجھ کو وہی دکھلاوے گا
جس نے بُلبُل کو تماشائے چمن دکھلایا

نوجواں، مہرلقا، یار کے بوسے لیتے
ایسا اک ماہ نہ اے چرخِ کہن دکھلایا

تا سحر میں نے شبِ وصل اُسے عریاں رکھا
آسماں کو بھی نہ جس مہ نے بدن دکھلایا

دل کو اُن آنکھوں کا دیوانہ سمجھ صحرا نے سیکڑوں ہی مجھے خوش چشم ہرن دکھلایا
وہی چاہے گا تو اس سے یہ چھٹے گی آتش
حکمِ اللہ نے ہی روح کو تن دکھلایا

اپنی زباں کو بلبلِ اندوہ گیں جلا یا برقِ نالہ سے قفسِ آہنیں جلا
بھڑکایا تھا یہ کیسا نسیمِ بہار نے گل چیں کا ہاتھ آتشِ گل سے نہیں جلا
تُو تو بنا کے سروِ چراغاں نظارہ کر تیری بلا ہے میں اگر اے نازنیں جلا
میرا جگر جلائے سے کیا ہاتھ آئے گا اُس در کا پردہ اے نفسِ آتشیں جلا
مفت آسماں پھنکنے جو مرے دودِ آہ سے کیا کیا بخار دل سے بخارِ زمیں جلا
میں بھی تو دیکھوں گری تری اشکِ آتشیں مشعل کی طرح سے تو مری آستیں جلا
کیا کیا پری اُتاری ہے شیشے میں آہ نے جن کون سا فتیلے سے اپنے نہیں جلا
دنیا میں ہم سا سوختہ قسمت کوئی نہیں دیکھا جو اپنا حال، دلِ شانہ بیں جلا
لیلٰی کی زلف سا ہے دھواں کچھ بلند آج مجنوں کے نالے سے کوئی جنگل کہیں جلا
روئے صبیحِ یار کا دھوکا نہ دل کو دے وہ نازکی کہاں، نہ مجھے یاسمیں جلا
کس لعلِ آتشیں کا ہے دل اپنا شیفتہ جس پر ہمارا نام کھدا، وہ نگیں جلا
آہِ شرر فشاں کا برا ہو شبِ فراق لاکھوں مکان اس سے، ہزاروں مکیں جلا
لالہ رخوں کے عشق میں گل کھا نہ جسم پر نایاب پوستیں ہے، نہ یہ پوستیں جلا
اندھیر ہے نہ ہووے سے اگر دل میں روشنی
آتش چراغ کون سے گھر میں نہیں جلا

لطیف جاں سے ہر اک عضوِ تن نظر آیا گزر کے دل سے مرے وہ بدن نظر آیا
ہزار بوسے ہر اک لب کے گن کے لوں گا میں جو غنچہ سا کوئی گل کا دہن نظر آیا
خضر سے راہِ وطن کیا سمجھ کے پوچھوں میں مجھے تو خود یہ غریب الوطن نظر آیا
جرس کی طرح سے نالے کریں گے بلبلِ باغ اگر وہ یوسفِ گل پیرہن نظر آیا
ہوا جو ذکر چمن میں تری نزاکت کا سفید رنگ رخِ یاسمن نظر آیا
دکھائی آنکھوں نے سیرِ جہانِ رنگارنگ قفس کے چاکوں سے مجھ کو چمن نظر آیا
کرے گی برق جمال اُس کی بند آنکھوں کو وہ خلوتی اگر اے انجمن نظر آیا
یقیں ہوا کہ ہے ظلمت میں چشمۂ حیواں شبِ وصال ہمیں وہ دہن نظر آیا

اُڑھائی چادرِ آب اس کو میں نے رو رو کر
کوئی جو مردہ مجھے بے کفن نظر آیا

پیالے پانی کے دکھلائی دیں گے کاسۂ چشم
رُلائے گا جو وہ چاہِ ذقن نظر آیا

کیا ہے عشق کو آساں سمجھ کے آتش نے
کمال ہم کو تو مشکل یہ فن نظر آیا

زخمِ دل بھرتا ہے جلوہ چہرۂ پُر نور کا
چاندنی میں یاں اثر ہے مرہمِ کافور کا

تختیِ تابوت ہے میرے لیے سامانِ عیش
خشتِ بالیں کو سمجھتا ہوں میں زانو حور کا

کچھ نہ حاصل ہووے کیسی ہی مشقت کیجیے
عشق بازی کام ہے بیگار کے مزدور کا

میں وہ مے کش ہوں چمن میں جس کی صورت دیکھ کر
آب ہو جاتا ہے شیرہ دانۂ انگور کا

داغ سینے ہوتے ہیں، گل کھاتے ہیں عاشق ترے
گرم بازار ان دنوں ہے مرہمِ کافور کا

ہوویں نہ اربابِ صفا ہرگز کسی کے دل کو رنج
گوشۂ دامن سے اُلجھا جھاڑ کب بلور کا

آ کے سینے سے لبوں پر دم اٹکتا ہے عبث
ٹھیرنا اچھا نہیں جب ہو ارادہ دور کا

پھاڑ کر کپڑے نکل جاتا ہوں یاد آتا ہے جب
موسمِ سرما گزرنا بے تکلف عور کا

تشنۂ خوں ہی گیا مجھ ناتواں کا تیرِ یار
گرسنہ مہماں پھرا جاتا ہے بے مقدور کا

ہو نہ اُس لیلیٰ وحشی کا دلِ دیوانہ محو
بیدِ مجنوں سے کہاں پیوند نخلِ طور کا

کس کے داغِ دل سے محشر میں ملایا جائے گا
روز اک خورشید کو ملتا ہے خلعت نور کا

رنج سے راحت نصیبِ طبعِ شیریں کار ہے
بار لاتا ہے قلم ہونے سے نخل انگور کا

دستِ قدرت سے بنایا ہے خدا نے قصرِ تن
دخلِ معمار اس میں ہے، نے دخل ہے مزدور کا

مالِ موذی سے تنفر آدمی کو چاہیے
سونگھ کر سگ چھوڑ دیتا ہے عسل زنبور کا

عہدِ پیری میں کروں کیونکر میں ترکِ جامِ مے
دفع کرتی ہے صبوحی دردِ سر مخمور کا

صفحہ ہر اک میرے دیواں کا ہے آتش رشکِ چشم
یاں سفیدی پر سیاہی سے ہے عالم نور کا

دھیان رہنا شرط ہے اُس دلبرِ مغرور کا
فکر سے نزدیک ہو جاتا ہے مضموں دور کا

منہ نہیں دیکھا ہمارے سینے کے ناسور کا
رنگ اُڑ جاوے گا روئے مرہمِ کافور کا

نرم ہو کچھ تو دلِ سخت اُس بُتِ مغرور کا
کہتے ہیں فریاد رس اللہ ہے مجبور کا

بوسۂ لب میں دو چار، تیرِ مژگاں دل ہوا
نیش کھلوایا طمع نے شہد کے زنبور کا

درد شبِ فرقت اتنا نہیں رُلاتا ہے مجھے
روزن دیوار بن جاتے ہیں منہ ناسور کا

سامنے اپنے تصور سے سمجھتا ہوں تجھے
دور میں نزدیک دکھلاتی ہے انساں دور کا

حوصلہ دل کو ہوا جو دردِ سر کا عشق کے
آنکھوں نے پیدا کیا انسان حسنِ حور کا

محفلِ عشرت میں خستہ خاطروں کو جا نہیں
تاک میں خوشہ نہ دیکھا زخم کے انگور کا

رنج اُٹھاوے گو رقیب مبتذل، محروم ہے
نعمتوں میں خوان کی حصّہ نہیں مزدور کا

کون سے دن سیکڑوں عاشق ترے مرتے نہیں
مشک سے سودا گراں ہے آج کل کافور کا

بادے کا دھوکا دیا اُس میں پسینے نے مجھے
نافِ ساقی پر ہوا شک ساغرِ بلّور کا

حق تلف حق دار کا ہووے نہ دورِ نیک میں
چاندنی میں رزق ہوتا ہے عسل زنبور کا

فی سبیل اللہ ے ساقی نے کی ہے خیرِ خم
دستِ سائل میں پیالہ چاہیے بلّور کا

آمدِ خط پر تو بوسے کا نہ کر انکار یار
شام کو ملتا ہے روزینہ ہر اک مزدور کا

میرے یوسفؑ سے زمین و آسماں کا فرق ہے
خاک کا پتلا ہے یوسفؑ، یار بکّا نور کا

یار کے دل میں کب اس سے راہ پیدا ہو سکے
آہ میں میری ہے عالم گردنِ مغرور کا

ظرف پیدا کر جو چاہے شہرۂ آفاق ہو
نام اک عالم میں چینی نے کیا فغفور کا

بوسۂ عنابِ لب کیجیے نہ عاشق سے عزیز
توڑنا اچھا نہیں ہے خاطرِ رنجور کا

غلغلہ حرفِ اناالحق کا ہے قلقل کی صدا
بادۂ وحدت کا شیشہ سینہ ہے منصور کا

اُڑ کے آتش سے کہاں مضمونِ عالی جا سکے
شاہِ تیر انداز کب چوکا نشانہ دور کا

صاف آئینے سے رخسار ہے اُس دلبر کا
یہ خدا کا ہے بنایا تو وہ اسکندر کا

چشمِ مستانہ کی گردش میں تصور ہے اجل
غفلت انجام ہے جب دَور چلے ساغر کا

دل پہ چوٹ اُس رخِ رنگیں کے نظارے سے لگی
پھول سے صدمہ پہنچتا ہے مجھے پتھر کا

جوشِ وحشت ہے بے قطعِ تعلق مقراض
سگِ دیوانہ کو پابند نہ دیکھا در کا

قلبِ ماہیتِ اربابِ صفا کھوتی ہے قدر
عدمِ آب سے ارزاں ہو بہا گوہر کا

عاشقوں سے طلبِ بوسہ کہاں جاتی ہے
مور سے ہو نہ سکے ترک کبھی شکّر کا

آفتِ جاں ہے فرومایہ کو طاقت ہونا
چوب کو تیر کی ملتا ہے قیامت پر کا

چرخ کے پار گزر جاتی ہے آہِ عاشق
سقف کو توڑتا ہے دُود مرے مجمر کا

نالۂ عاشقِ دل سوختہ ہے آفتِ جاں
بھڑکے خوب آگ جہاں ڈھیر ہے خاکستر کا

دشمنِ ابرو سے زیادہ ہے وہ برگشتہ مژہ
زخمِ شمشیر سے ہے زخم غضب خنجر کا

عہدِ طفلی ہی سے ہے مشقِ تواضع لازم
حلقہ آسانی سے بن سکتا ہے چوبِ تر کا

خالِ رُخ سے ترے ثابت ہوا پیدا ہونا
موج سر چشمۂ خورشید سے بھی عنبر کا

کیا اثر ہو مری آہوں سے بتوں کے دل میں
صدمہ کھینچے نہ رگِ سنگ کبھی نشتر کا

آخرِ کار کیا ہے اُسے مستی نے خراب
ہو سکا ضبط نہ آدمؑ سے مئے کوثر کا

جانے دے آتشؔ اگر اہلِ جہاں تجھ سے پھرے
مرد پیچھا نہ کریں بھاگے ہوئے لشکر کا

وہ نازنیں یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا
جو پہنی پھولوں کی بدھی تو دردِ شانہ ہوا

شہیدِ ناز و ادا کا ترے زمانہ ہوا
اُڑایا مہندی نے دل، چور کا بہانہ ہوا

شب اُس کے افعیِ گیسو کا جو فسانہ ہوا
ہوا کچھ ایسی بندھی گل چراغِ خانہ ہوا

نہ زلفِ یار کا خاکہ بھی کر سکا مانی
ہر ایک بال میں کیا کیا نہ شاخسانہ ہوا

تونگروں کو مبارک ہو شمعِ کافوری
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا

گناہ گار ہیں محرابِ تیغ کے ساجد
جھکایا سر تو ادا فرضِ پنج گانہ ہوا

غرورِ عشق زیادہ غرورِ حسن سے ہے
اُدھر تو آنکھ پھری، دم اِدھر روانہ ہوا

دکھا دے زاہدِ مغرور کو بھی اے صنم آنکھ
جمالِ حور کا حد سے سوا فسانہ ہوا

بھرا ہے شیشۂ دل کو مئے محبت سے
خدا کا گھر تھا جہاں واں شراب خانہ ہوا

ہوائے تند نہ چھوڑے مرے غبار کا ساتھ
یہ گردِ راہ کہاں خاکِ آستانہ ہوا

خدا کے واسطے کر یار چینِ ابرو دور
بڑا ہی عیب لگا جس کماں میں خانہ ہوا

ہوا جو دن تو ہوا اُس کو پاسِ رسوائی
جو رات آئی تو پھر نیند کا بہانہ ہوا

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

نگاہِ نازِ بتاں سے نہ چشمِ زخم بھی رکھ
کسی کا یار نہیں فتنۂ زمانہ ہوا

اثر کیا تپشِ دل نے آخر اُس کو بھی
رقیب سے بھی مرا ذکر غائبانہ ہوا

ہوائے شمد سے بجا اگر کوئی کھڑکا
سمندِ بادِ بہاری کا تازیانہ ہوا

زبانِ یار خموشی نے میری کھلوائی
میں قفل بن کے کلیدِ درِ خزانہ ہوا

کیا جو یار نے کچھ شغلِ برق اندازی
چراغِ زندگیِ خضر تک نشانہ ہوا

رہا ہے چاہِ ذقن میں مرا دلِ وحشی
کنوئیں میں جنگلی کبوتر کا آشیانہ ہوا

خدا دراز کرے عمرِ چرخِ نیلی کو
یہ بے کسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا

نہیں ہے مثلِ صدف مجھ سا دوسرا کم بخت / نصیب غیر مرے منہ کا آب و دانہ ہوا
حنائی ہاتھوں سے چوٹی کو کھولتا ہے یار / کہاں سے پنجۂ مرجاں حریفِ شانہ ہوا
دکھائی چشمِ غزالاں نے حلقۂ زنجیر / ہمیں تو گوشۂ صحرا بھی قید خانہ ہوا
ہمیشہ شام سے ہمسائے مر رہے آتش
ہمارا نالۂ دل گوش کو فسانہ ہوا

دردِ دل سے اس قدر کاہیدہ میں غمگیں ہوا / جسمِ زار آخر کو تارِ بستر و بالیں ہوا
دل کو اپنے کر دیا نازک مزاجی نے حباب / کاہ کا سایہ بھی ہم پر کوہ سے سنگیں ہوا
اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہے تجھ سے اے نسیم! / ہاتھ مہندی سے کسی محبوب کا رنگیں ہوا
دم بھی اس مہماں سرائے دہر میں لینے نہ پائے / آتے ہی یاں توسنِ عمرِ رواں پر زیں ہوا
مر گیا سنتے ہی اس کے نالۂ مرغِ سحر / وصل کی شب میرے حق میں سورۂ یٰسیں ہوا
بل بے بے تاثیر کر دینا لبِ تیشہ کو بند / خون ہی ہونا ترا اے کوہ کن شیریں ہوا
عاشقوں کے مرغِ دل کے خونِ ناحق کے لیے / پنجۂ مژگانِ جاناں پنجۂ شاہیں ہوا
روزِ اول سے دلِ بے تاب میرے ساتھ ہے / صورتِ سیماب میں پیدا ہی بے تسکیں ہوا
خُردِ نیک انسان عاقل ہو، بزرگِ بد نہ ہو / شورِ دریا سے ہے بہتر چشمہ جب شیریں ہوا
ناز کیا کیا کچھ کیے اس بادشاہِ حسن نے / عاشقوں کے واسطے روز اک نیا آئیں ہوا
عطر ساز آئے جو اس گلِ پیرہن کو دیکھنے / عنبرِ سارا وہ گیسو خالِ مشکِ چیں ہوا
تول دیکھا ہم نے میزانِ خرد میں بار ہا / کوہ سے اے نازنیں بھاری ترا تمکیں ہوا
آسماں تک اڑ کے پہنچے تھے ہمارے چند اشک / کہکشاں اک نصف اک نصف ان میں سے پرویں ہوا
ٹاٹ بھی ملنے کا مرقد میں نہیں کل بہرِ فرش / خوش نہ ہو گو آج بندہ صاحبِ قالیں ہوا
منہ دکھا اب تو اسے، اللہ رے تسکینِ جاں
دل کی بے تابی سے عاجز آتشِ مسکیں ہوا

خوش ہوتے ہیں ناداں پہن کر کم خواب کا جوڑا / کفن ہے عاقبت اس عالمِ اسباب کا جوڑ
شعاعِ حسن سے پوشاک کا عالم دگرگوں ہے / تمامی کا نہیں اس فتنۂ احباب کا جوڑ
نہیں کچھ قدر اس کی صاحبِ اکسیر کے آگے / مہوس سے بنے ہر چند آب و تاب کا جوڑ
شبِ فرقت ہوا عنقا الٰہی روزِ محشر تک / جدا ہووے نہ جھٹک کی طرح سرخاب کا جوڑا
پھٹے کپڑے گزی کے اس سے ہم بہتر سمجھتے ہیں / اگر اترا ہوا ہووے تنِ نواب کا جوڑ

فسوں گر کوئی ان مطرب بچوں سے کیا فزوں ہووے　　سرِ مجلس اترواتے ہیں شیخ و شاب کا جوڑا

حنا کا رنگ بھی ہو بار جس نازک طبیعت پر　　بھلا پہنے وہ کیوں کر پاؤں میں جراب کا جوڑا

شبِ فرقت میں کافر ہوں جو میری آنکھ جھپکی ہو　　عبث بہتان غش نے آکے مجھ پر خواب کا جوڑا

لگاؤں ماہ کے سر پر اگر ہاتھ آئے اے آتش

ستاروں کا وہ پائے مہرِ عالم تاب کا جوڑا

آنکھیں عاشق کو نہ تو اے گلِ رعنا دکھلا　　پتلیوں کا کسی ناداں کو تماشا دکھلا

یار کی آنکھ سے تو آنکھ ملائی تو نے　　گردشِ چشم بھی اے نرگسِ شہلا دکھلا

آسماں اور زمیں کا ہے تفاوت ہر چند　　اے صنم دور ہی سے چاند سا مکھڑا دکھلا

اے جنوں تجھ سے مری آنکھ جھپکنے کی نہیں　　قید خانہ تو دکھایا، مجھے صحرا دکھلا

قلزمِ عشق میں کب تک رہوں اے حسن! بتا　　لبِ دریا جو نہیں تو تہِ دریا دکھلا

چوٹی اُس حور کی ایڑی سے بھی بڑھ چلنے لگی　　صبحِ محشر بھی پھر اب اے شبِ یلدا دکھلا

باغباں کون سی صورت مرے جی لگنے کی　　ایک تو مجھ کو قدِ یار کا بوٹا دکھلا

ایک مدت سے ہوں آفت طلب اے گردشِ چرخ!　　کوئی معشوق مجھے آگ بگولا دکھلا

کالے کوسوں نظر آتی ہے دلا منزلِ گور　　آہ کا ابلقِ ایام کو کوڑا دکھلا

عاشقوں سے ترے کرتا ہے نہایت گرمی　　روئے خورشیدِ قیامت کو کفِ پا دکھلا

دھیان آتا ہے جو چوٹی کا کسی کافر کے　　کہتی ہے فکرِ رسا باندھ کے جوڑا دکھلا

چرخِ نیلی ہے بہت اپنے شفق پر نازاں　　لبِ بام آن کے تو بھی کفِ پا دکھلا

بندۂ شاہِ نجف آتشِ دل خستہ ہے

یا الٰہی! اسے اب مرقدِ مولا دکھلا

آنکھوں سے اُس پری کے دلِ ناتواں گرا　　شیشہ ہمارے طاق سے اے آسماں گرا

چشمِ پُر آب نے تنِ خاکی کو ڈھا دیا　　سیلاب کی رسائی ہوئی جب مکاں گرا

منڈلا رہے ہیں کیوں یہ ہُما! چیل کی طرح　　شاید دہانِ سگ سے مرا استخواں گرا

چلتا ہے کیا اکڑ کے ابھی سے دمِ خرام　　سر کس کا تیرے پاؤں پر اے نوجواں گرا؟

گل چیں کب اس کے بوجھ سے خم شاخِ گل ہوئی　　الزام رکھ کے تو نہ مرا آشیاں گرا

نکلی نہ جانِ زار فراقِ بتاں میں بھی　　کہسار سے لپٹ کے نہ میں ناتواں گرا؟

بجلی وہ بہرِ خرمنِ مرغِ چمن بنا　　جو خشک ہو کے شاخ سے برگِ خزاں گرا

حسرت میں خوابِ وصل کی یہ بے خودی رہی — پہروں ہی مجھ کو ہوش نہ آیا جہاں گرا

دیکھا تھا کیوں ان آنکھوں نے آتش ذقن کا حال
لے کر مجھے کنوئیں میں دلِ خستہ جاں گرا

منتظر تھا وہ تو جست و جو میں یہ آوارہ تھا — شیفتہ تیرا ہی تھا جو ثابت و سیارہ تھا
ہے جو حسرت تو سراپا چشم ہونے کی ہمیں — حاصل اس آئینہ خانے میں فقط نظارہ تھا
جب شبِ مہ میں چکور اڑتا ہے مر جاتے ہیں ہم — چتلیوں کا اپنی تارا کوئی رخسارہ تھا
کھول کر دل جب میں روتا تھا فراقِ یار میں — چشمِ تر منبع تھی، ہر موئے مژہ فوارہ تھا
سیلِ گریہ نے یہ کس کے دی سمندر کو شکست — جو حباب آیا نظر، اک واژگوں نقارہ تھا
ایک شب تو وصلِ جاناں کی تواضع اے فلک! — چار دن مہمان تیرے گھر میں میں بیچارہ تھا
روز و شب کے حال کا لکھتا تھا پرچہ روز و شب — کاتبِ اعمال میری ڈیوڑھی کا ہرکارہ تھا
پیٹنا سر اپنے ماتم میں عزیز و یار کا — قلعۂ کنجِ لحد کی فتح کا نقارہ تھا
عہدِ طفلی سے جنونِ عشق کامل ہے شفیق — شاخِ نخلِ بید مجنوں سے مرا گہوارہ تھا
جانِ شیریں مزد جوئے شیر میں تیشے کو دی — حوصلے سے اپنے باہر کوہ کن بے چارہ تھا
حالتِ دل کو بیاں کرتا کسی سے میں تو کیا — عشق میں اک مصحفِ رخسار کے سی پارہ تھا
یہ ہوا ظاہر انا لیلیٰ مجنوں سے ہمیں — اپنا دیوانہ تھا، اپنے واسطے آوارہ تھا
حال اپنا اے صنم اپنی جدائی میں نہ پوچھ — سینہ و سر تھا ہمارا اور سنگِ خارہ تھا
کوچۂ قاتل میں جب شوقِ شہادت لے گیا — سر نہ تھا گردن پر اپنے، بار صد پشتارہ تھا
لوٹتا تھا اس میں بدخوئی سے میں مانندِ اشک — شوخیِ طفلانہ سے جنباں مرا گہوارہ تھا
شانِ عشق اولیٰ ہے مجنوں دودمانِ عشق سے — ناخلف نا قابل و نا لائق و ناکارہ تھا

اہلِ عالم سے ہمیشہ آتش ایذائیں ہوئیں
مردمِ دنیا نمک تھے، میں دلِ صد پارہ تھا

گل سے خوش رنگ ہر اک داغ بدن مجھ کو دیا — آتشِ عشق نے بے خار چمن مجھ کو دیا
عاشقِ مردہ ہے شاید کہ چراغِ مردہ — نہ تو رویا کوئی مجھ کو، نہ کفن مجھ کو دیا
زخمِ کاری نے کیا بند زباں کو میری — زخم نے چپہ چپے زخمِ دہن مجھ کو دیا
گردشِ چرخ نے غربت میں بھی پہنچایا رزق — جائے ناں داغِ عزیزانِ وطن مجھ کو دیا
بوسۂ لب نے ترے وصل کی شب اے محبوب! — حاصلِ ملکِ بدخشان و یمن مجھ کو د

زلف واں افعی ہے، یاں داغ جگر مُہرہ ہے — حسن نے سانپ اُسے، عشق نے من مجھ کو دیا
جا کے اس غم کدے سے یاد کروں گا میں بھی — سات دن رہنے کو تھا قصرِ کہن تجھ کو دیا
میوہ خوروں میں ترے میں بھی ہوں اے نخلِ مُراد! — تو نے عنابِ لب و سیبِ ذقن مجھ کو دیا
دے کے اک بوسۂ خالِ لبِ شیریں اے دوست! — تو نے سو نافۂ آہوئے ختن مجھ کو دیا
دم نکل جائے گا اُس زلف کے سودے میں مرا — سونگھنے کو جو کبھی مشکِ ختن مجھ کو دیا
حسن نے تشنۂ دیدار بہت جب پایا — ڈوب مرنے کے لیے چاہِ ذقن مجھ کو دیا

لعب بازی کی بھی حسرت نہ رہی اے آتشؔ
میرے اللہ نے بازیچۂ تن مجھ کو دیا

آئینہ رُخ کا دکھا مردم کو آنکھ اُوپر اُٹھا — سکۂ بھلا یار اپنا نقشِ اسکندر اُٹھا
بسکہ دل جلتا تھا زیرِ خاک، میری قبر سے — شب کو شعلہ بیشتر، دن کو دھواں اکثر اُٹھا
سامنے ہوتی نہیں اُس شمع رو کے اپنی آنکھ — اے صبا! محفل سے پروانے کی خاکستر اُٹھا
یار نے منہ دیکھ کر آئینہ توڑا وقتِ صبح — بد مزاج انسان ہوتا ہے جہاں سو کر اُٹھا
مثلِ عنقا نام تو مشہور عالم میں رہا — گو کہ اس میلے سے مجھ آزاد کا بستر اُٹھا
اے دلِ دیوانہ صابر کو خدا رکھتا ہے دوست — اُف نہ کر داغِ حسینانِ پری پیکر اُٹھا
پُتی آنکھوں میں وہی گو نازنیں ہے اے صنم! — نعل اُٹھا اب زور پیدا کرکے یا مگدر اُٹھا
جبر کر بے اختیاروں پر نہ اے برق اس قدر — سبزے کی گورِ غریباں سے نہ تو چادر اُٹھا
ہو گیا دنیا ہی میں گردن کشی کا انتقام — پائے قاتل پر سے جھک کر پھر نہ اپنا سر اُٹھا
تشنۂ دیدار مجھ سا دوسرا کوئی نہیں — سب سے پہلے مجھ کو اے ہنگامۂ محشر اُٹھا
دل میں قاتل کے مرے شوقِ شہادت کا ہے نقش — سرنگوں پایا مجھے جب کھینچ کر خنجر اُٹھا
چارپائی لے کے آئے یار، ہنگامہ ہوا — کیا کہوں میں بیٹھ کر اُس کوچے سے کیونکر اُٹھا

صدمۂ رنجِ خمار آتشؔ کہاں تک کیجیے
شیشہ و ساغر برائے ساقیِ کوثر اُٹھا

میں نے عریاں تجھے اے رشکِ قمر دیکھ لیا — دیدہ و دل کو جو تھا مدِ نظر دیکھ لیا
نزع میں یار نے صورت نہ دکھائی مجھ کو — دشمن و دوست کو ہنگامِ سفر دیکھ لیا
لے گئی وحشتِ دل گورِ غریباں کی طرف — ہم نے یارانِ گزشتہ کا بھی گھر دیکھ لیا
خوں کیا غیر کے دل کو مری جاں بازی نے — یار نے چیر کے پہلو کو جگر دیکھ لیا

دہنِ یار سے اک شعر کسی دن نہ سنا
ہم نے اس اپنی زباں کا بھی اثر دیکھ لیا

بھر گیا دامنِ نظارہ گلِ نرگس سے
آنکھ اُٹھا کر جو کبھی تو نے ادھر دیکھ لیا

روبرو رہنے لگا آئینہ آتشؔ شب و روز
یار کو غیر سے بھی شیر و شکر دیکھ لیا

برقِ خرمن تھا کبھی نالہ دلِ ناشاد کا
حوصلہ باقی نہیں اے آسماں فریاد کا

شوقِ دیدِ رُخ نے کھلوایا اُن آنکھوں کا فریب
اُلفتِ گل سامنا کرواتی ہے صیاد کا

عرصۂ محشر میں جاتے ہی جہنم میں پڑا
اور الٹے یاں ارادہ تھا مجھے فریاد کا

دیکھ کر مجھ کو اکڑتے ہیں بہت بالا بلند
کیا بلا ان پر بھی سایہ پڑ گیا شمشاد کا

قتل کرتا ہے اشارے سے ترے عاشق کو ناز
حکمِ سلطاں سے ہے خوں ریزی عمل جلاد کا

مل نہیں چلتے ہیں کج طبعوں سے ہرگز راست باز
چینِ پیشانی سے باہر ہے الف آزاد کا

زالِ دنیا تنگ کرتی ہے نہایت ہی مجھے
ہے مگر اس بیسوا کا کیا بدن فولاد کا

دوستی نبھتی نظر آتی نہیں محبوب سے
ناز یاں اٹھتا نہیں، واں شغل ہے بیداد کا

اس قدر ایذا ہمیں دی ہے بتوں کے عشق نے
حوصلہ جاتا رہا دل کو خدا کی یاد کا

قامتِ موزوں سے قصد آگے نکل چلنے کا ہے
ناز سے ناپیں گے قد اک روز ہم شمشاد کا

دام میں لا کر کیا جب بن چھری اس نے حلال
باغباں بھی ہو گیا عاشق مرے صیاد کا

ضبطِ جوشِ گریہ سے کرتا ہوں اشک آنکھوں میں جذب
گرد ہوں دشمن ہوں لیکن سیل کی بنیاد کا

یادِ دور افتادگاں ہے آتشؔ اُس بُت سے بعید
دھیان کب مولا کو آیا بندۂ آزاد کا

آشیانہ ہو گیا اپنا قفس فولاد کا
آب و دانے نے دکھایا گھر ہمیں صیاد کا

حوصلہ کیا عندلیب خانماں برباد کا
روئے گل بھولے جو منہ دیکھے مرے صیاد کا

گردشِ چشمِ بتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا

وصفِ چشمِ حور کرتا ہے خدا قرآن میں
گلشنِ فردوس میں بھی دخل ہے صیاد کا

رہ گیا تسمہ جو گردن میں لگا تو رہ گیا
کھینچ کر دامن میں کیا دل توڑتا جلاد کا

بارِ عشق اُس نے اُٹھایا اور میلی کی نہ آنکھ
حوصلہ تو دیکھو مشتِ خاکِ بے بنیاد کا

شوخ مہندی سے گنہگاروں کے خوں کا رنگ ہے
ہاتھ ملواتا ہمیں منظور ہے جلاد کا

بے نوایانِ محبت پر گمانِ بد نہ کر
چار ابرو سے بھی یاں دل صاف ہے آزاد کا

گردِ رہ سے کو سمجھتے ہیں مجھے آدم ذلیل
آنکھوں میں گھر ہے مری خاکسترِ برباد کا

قد کشی کو باغ میں جاتا ہے وہ بالا بلند
کاٹا منظور ہے اُس شوخ کو شمشاد کا

خاک میں ملوا دیا میرے کڑے پن نے مجھے
شکر ہے کشتہ ہی ہونا خوب تھا فولاد کا

پھوڑنا سر کو ہوا حجت کمالِ عشق پر
تیشۂ فولاد سے جوہر کھلا فرہاد کا

اے پری رو! کون ہے تیرا جو دیوانہ نہیں
شہر پر عالم ہے صحرائے جنوں آباد کا

قبر پر شیرینی لے جاوے اگر انصاف ہو
منڈ چڑا شاگرد ہووے کوہکن اُستاد کا

اب بھی او بُت آ، جو آتا ہے خدا کے واسطے
غم کلیجہ کھا رہا ہے آتشِ ناشاد کا

نہیں کچھ امتیاز اس عشق کو گم نام و نامی کا
یہ لکھواتا ہے خط مولا سے بندے کی غلامی کا

لہو کا اپنے مثلِ کوہکن میں اب پیاسا ہوں
مزا پڑتا نہ مجھ کو کاش اس شیریں کلامی کا

بلا سے مجھ کو ایذا ہو پر اے جوشِ جنوں پہنچے
زبانِ خارِ صحرا کو نہ صدمہ تشنہ کامی کا

گیا گو جاں سے میں، اے سوزِ غم! پر شکر کرتا ہوں
کبابِ دل میں تو نے نقص تو رکھا نہ خامی کا

گلوے نالہ کو کرتا ہوں وقفِ تیغِ خاموشی
مبادا بارِ خاطر ہو کسی طبعِ گرامی کا

تعاقب کچھ سمجھ کر بھی کسی کا کوئی کرتا ہے
نہ تھا اندیشہ اے فرعوں تجھے موسیٰؑ کے حامی کا

حلاوت کچھ تو ہے جو دے کے اپنی جانِ شیریں کو
مزا چکھتے ہیں مردم جاں کنی کی تلخ کامی کا

شکار اپنے ہمارے حسن کا شاید کہ کھیلے گا
پہنتا ہے مرا صیاد پیراہن دودامی کا

بسر ہو جائے گی کمل کے سائے میں فقیروں کی
مبارک اہلِ دولت کو ہو نمگیرہ تمامی کا

ابھی سیفِ زباں سے لوں میں کارِ ذوالفقار آتش
کوئی کافر جو منکر ہو مری معجز کلامی کا

جذبۂ دل سے کمالِ کہربا ہو جائے گا
سبزۂ بیگانہ اپنا آشنا ہو جائے گا

جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
زندگی سے دم مسیحا کا خفا ہو جائے گا

حالت اُس کی اور میرے استخواں کی ایک ہے
شمعِ کافوری کا پروانہ ہُما ہو جائے گا

چین ڈالا دل کو خالِ عنبریں یار نے
کیا سمجھتا تھا میں دانہ آسیا ہو جائے گا

کیمیا ہے مہربانی صاحبِ تاثیر کی
مس کیا پارس سے جب آہن طلا ہو جائے گا

بحرِ غم سے پار اُتارے گی ہمیں کشتی مے
بادبان ابر اور ساقی ناخدا ہو جائے گا

خوں مسلمانوں کے کرتے ہو بہت مل کر اُسے
دل سے کافر کے سیہ رنگِ حنا ہو جائے گا

مے کشی سے یار کے کیوں کر نہ ہو دل کو سرور
نشے میں اُس کے ہمارا مدعا ہو جائے گا

عیب عریانی چھپا کر کیا قیامت کیجیے
اطلسِ ہفتِ آسماں صرفِ قبا ہو جائے گا

ضد دلاتا ہے عبث آنکھیں چھپا کر مجھ کو یار
سوزِ دل سے جسمِ خاکی توتیا ہو جائے گا

اس قدر نازاں نہ ہو اے شیخ اپنے زہد پر
بندگی کرنے سے تو شاید خدا ہو جائے گا

یار نے وعدہ فراموشی جو ہم سے کی تو کی
موت کا وعدہ تو اے آتش وفا ہو جائے گا

وحشتِ دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا
سیکڑوں کوس نہیں صورتِ انساں پیدا

سحرِ وصل کرے گی شبِ ہجراں پیدا
صلبِ کافر سے بھی ہوتا ہے مسلماں پیدا

دل کے آئینے میں کر جوہرِ پنہاں پیدا
در و دیوار سے ہو صورتِ جاناں پیدا

خار دامن سے اُلجھتے ہیں، بہار آئی ہے
چاک کرنے کو کیا گل نے گریباں پیدا

نسبت اُس دستِ نگاریں سے نہیں کچھ اس کو
یہ کلائی تو کرے پنجۂ مرجاں پیدا

نشۂ مے میں کھلی دشمنیِ دوست مجھے
آبِ انگور نے کی آتشِ پنہاں پیدا

باغ سنسان نہ کر، ان کو پکڑ کر صیاد
بعدِ مدت ہوئے ہیں مرغِ خوش الحاں پیدا

اب قدم سے ہے مرے خانۂ زنجیر آباد
مجھ کو وحدت نے کیا سلسلہ جنباں پیدا

رو کے آنکھوں سے نکالوں میں بخارِ دل کو
کر چکے ابرِ مژہ بھی کہیں باراں پیدا

نعرہ زن کنجِ شہیداں میں ہو بلبل کی طرح
آبِ آہن نے کیا ہے یہ گلستاں پیدا

نقش ان کا نہ کسی لعل سے لب پر بیٹھا
میرے منہ میں ہوئے تھے کس لیے دنداں پیدا

خوفِ نافہمیِ مردم سے مجھے آتا ہے
گاو خر ہونے لگے صورتِ انساں پیدا

رُوح کی طرح سے داخل ہو جو دیوانہ ہے
جسمِ خاکی سمجھ اُس کو جو ہو زنداں پیدا

بے حجابوں کا مگر شہر ہے اقلیمِ عدم
دیکھتا ہوں جسے، ہوتا ہے وہ عریاں پیدا

اک گل ایسا نہیں ہووے نہ خزاں جس کی بہار
کون سے وقت ہوا تھا یہ گلستاں پیدا

موجد اس کی ہے یہ روزی ہماری آتش
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شبِ ہجراں پیدا

اُس کے کوچے میں مسیحا ہر سحر جاتا رہا
بے اجل واں ایک دو، ہر رات مر جاتا رہا

کوئے جاناں میں بھی اب اُس کا پتا ملتا نہیں
دل مرا گھبرا کے کیا جانے کدھر جاتا رہا

جانبِ کہسار جا نکلا جو میں تو کوہکن
اپنا تیشہ میرے سر سے مار کر جاتا رہا

نے کشش معشوق میں پاتا ہوں نے عاشق میں جذب
کیا بلا آئی، محبت کا اثر جاتا رہا

واہ رے اندھیر بہرِ روشنیِ شہرِ مصر
دیدۂ یعقوبؑ سے نورِ نظر جاتا رہا

نشے ہی میں یا الٰہی مے کشوں کو موت دے
کیا گُہر کی قدر جب آبِ گُہر جاتا رہا

کہ نہ اک مونس کی فرقت کا فلک نے غم دیا
دردِ دل پیدا ہوا، دردِ جگر جاتا رہا

حسن کھو کر آشنا ہم سے ہوا، وہ نونہال
پہنچے تب زیرِ شجر ہم جب ثمر جاتا رہا

رنجِ دنیا سے فراغ ایذا دہندوں کو نہیں
کب تپِ شیر اُتر، کس دن دردِ سر جاتا رہا

فاتحہ پڑھنے کو آئے قبرِ آتشؔ پہ نہ یار
دو ہی دن میں پاسِ اُلفت اس قدر جاتا رہا؟

فریبِ حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ، بُت سے برہمن بگڑا

قبائے گل کو پھاڑا جب مرا گل پیرہن بگڑا
بن آئی کچھ نہ غنچے سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا

نہیں بے وجہ ہنسنا اس قدر زخمِ شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا

تکلف کیا جو کھوئی جانِ شیریں پھوڑ کر سر کو
جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا

کسی چشمِ سیہ کا جب ہوا ثابت میں دیوانہ
تو مجھ سے مست ہاتھی کی طرح جنگلی ہرن بگڑا

اثر اکسیر کا یمنِ قدم سے تیرے پاتا ہے
جدا ای خاکِ رہ مل کر بناتے ہیں بدن بگڑا

تری تقلید سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں
چلا جب جانور انساں کی چال، اُس کا چلن بگڑا

زوالِ حسن کھلواتا ہے میوے کی قسم مجھ سے
لگایا داغ خط نے آن کر، سیبِ ذقن بگڑا

رُخِ سادہ نہیں اُس شوخ کا نقشِ عداوت ہے
نظر آتے ہی آپس میں ہر اہلِ انجمن بگڑا

جو بدخو طفلِ اشک اے چشمِ تر ہیں دیکھنا اک دن
گھروندے کی طرح سے گنبدِ چرخِ کہن بگڑا

صفِ مژگاں کی جنبش کا کیا اقبال نے کشتہ
شہیدوں کے ہوئے سالار جب ہم سے تمن بگڑا

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں، اس کا دہن بگڑا

کمالِ دوستی اندیشۂ دشمن نہیں رکھتا
کسی بھونرے سے کس دن کوئی مارِ یاسمن بگڑا

رہی نفرت ہمیشہ داغِ عریانی کو پھاہے سے
ہوا جب قطع جامے پر ہمارے پیرہن بگڑا

رگڑوائیں یہ مجھ سے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ، جادۂ راہِ وطن بگڑا

کہا بلبل نے جب توڑا گلِ سوسن کو گل چیں نے
الٰہی! خیر کیجو نیلِ رخسارِ چمن بگڑا

ارادہ میرے کھانے کا نہ اے زاغ و زغن کیجو
وہ کشتہ ہوں جسے سونگھے سے کتوں کا بدن بگڑا

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا، نہ اک تارِ کفن بگڑا

جہاں خالی نہیں رہتا کبھی ایذا دہندوں سے
ہوا ناسور تو پیدا، اگر زخمِ کہن بگڑا

تونگر تھا بنی تھی جب تک اُس محبوبِ عالم سے
میں مفلس ہو گیا جس روز سے وہ سیم تن بگڑا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب!
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

بناوٹ کیفِ مے سے کھل گئی اُس شوخ کی آتش
لگا کر منہ سے پیمانے کو وہ پیماں شکن بگڑا

کس کو مئے گلگوں سے بے یار کے مطلب تھا
خونِ جگر و دل سے پیمانہ لبالب تھا

کیا کہیے کٹی کیوں کر اے بُت شبِ تنہائی
اللہُ غنی گاہے، گہ نعرۂ یا رب تھا

غمّاز سے خلطہ ہے اس بُت کو تو کیا غم ہے
درگاہِ الٰہی میں شیطان مقرب تھا

سوزِ غمِ فرقت سے یاں شمع کی حالت تھی
ہر صبح مسافر تھا، مہمان میں ہر شب تھا

کیا تلخ کیا اس نے اس عمرِ دو روزہ کو
زہر اپنے لیے عشقِ معشوقِ شکر لب تھا

ایذا جو ہو اُس خال و گیسو سے تعجب ہے
وہ افعیِ بے دنداں، بے نیش یہ عقرب تھا

خونِ شہدا سے تھی اُس پر جو شفق پھولی
ہم دوشِ کبودِ چرخ اُس تُرک کا مرکب تھا

اُس قدِ کشیدہ کی جو شرح کروں کم ہے
اک مصرعِ موزوں میں سو بیت کا مطلب تھا

پہلو میں ہمارے جو وہ ماہ نہ تھا شب کو
تھا داغِ سفید اپنی آنکھوں میں جو کوکب تھا

موقع تھا یہی قاتل بسمل جو کیا تو نے
اولیٰ تھا یہی میرے حق میں، یہی انسب تھا

الفت نے مجھے مارا، ہیبت نے اُسے مارا
میں اور رقیب آتش یک جان و دو قالب تھا

نہ چھوٹے گا چھڑا کر اس کو اے قاتل نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبا ہے کیچڑ کا؟

شرابِ لالہ گوں سے ساقیا جامِ صبوحی بھر
شفق اپنی مجھے دکھلا رہا ہے نور کا تڑکا

زوالِ حسن ہے عاشق کنارہ کرتے جاتے ہیں
بہارِ باغ ہوتی ہے خزاں، موسم ہے پت جھڑ کا

عجب محبوب باشوکت ہے اے بادِ بہاری تو
صدائے خندۂ گل ہے سواری کا تری کڑکا

جو چاہے سینۂ روشن تو سوزِ عشق پیدا کر
شعاعِ مہر ہر اک تار ہے مشعل کے گودڑ کا

زلیخا کو دکھا اے آسماں تصویرِ یوسفؑ کی
یہ دل دیوانہ ہے جس کا، پری پیکر ہے وہ لڑکا

بلند و پست عالم کا بیاں تحریر کرتا ہے
قلم ہے شاعروں کا یا کوئی ہے رہرو بیہڑ کا

سبک سمجھو نہ آہِ عاشقِ شیدا کو بے دردو!
اگر کی بُو دھواں دیتا ہے اس قلیاں کے ککڑ کا

روا رکھ کلفتِ ایام میں بھی قدر نیکوں کی
پھٹے کپڑوں میں بھی ان کو سمجھ لے لعل گودڑ کا

خزاں کے جور سے ایمن بہارِ فکرِ رنگیں ہے
چمن کا اپنے صرصر سے کبھی پتا نہیں کھڑکا

گل و بلبل کی حالت پر بجا ہے گریۂ شبنم
اسے گل چیں کا اندیشہ، اسے صیاد کا دھڑکا

دکھانے کو نہ زور اپنا اکھیڑیں خاک کے پتلے
رگِ جانِ زمیں ریشہ ہے ہر اک پیڑ کی جڑ کا

چھپے ہیں حلقۂ گیسو جو اُس رخسارِ روشن پر
بغل میں ظلمتِ شب نے لیا ہے نور کا تڑکا

بہارِ عالمِ نیرنگ رکھتا ہے مزاج اپنا
جوانوں میں جواں، بڈھوں میں بڈھا، لڑکوں میں لڑکا

نگاہِ خشمگیں آگے کہاں تھی دل جلانے کو
سمجھ کر عاشقِ شیدا مجھے وہ شعلہ رو بھڑکا

دلِ وحشی کی بیتابی کرے گی چاک سینے کو
قفس کی تیلیاں ٹوٹیں گی، یہ طائر اگر پھڑکا

ترے فیلِ فلک رفعت سے تھا وہ بسکہ وابستہ
کمیتِ خامۂ مضموں سواری سے بہت بھڑکا

لیے رہتا ہے زر مٹھی میں میرے مول لینے کو
وہ بلبل ہوں کہ طفلِ غنچہ کا مجھ پر ہے دم پھڑکا

ہماری قبر سے شاید کہ بوئے شیر آتی ہے
وگرنہ یار کا گھوڑا تو ہاتھی سے نہیں بھڑکا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتشؔ کی غزل مجذوب کی بڑ کا

ہے جب سے دستِ یار میں ساغر شراب کا
کوڑی کا ہو گیا ہے کٹورا گلاب کا

صیاد نے تسلیِ بلبل کے واسطے
کنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

دریائے خوں کیا ہے تری تیغ نے رواں
حاصل ہوا ہے رتبہ سروں کو حباب کا

جو سطر ہے وہ گیسوئے حورِ بہشت ہے
خالِ پری ہے نقطہ ہماری کتاب کا

نو آسماں ہیں صفحۂ اول کے نو لغت
کونین اک دو ورقہ ہے اپنی کتاب کا

اے موجِ بے لحاظ! سمجھ کر مٹائیو
دریا بھی ہے اسیرِ طلسم حباب کا

بچھوائیے نہ چاندنی میں بام پر پلنگ
منحوس ہے قِران مہ و آفتاب کا

اک ترکِ شہسوار کی دیوانی روح ہے
زنجیر میں ہمارے ہو لوہا رکاب کا

حسن و جمال سے ہے زمانے میں روشنی
شب ماہتاب کی ہے تو روز آفتاب کا

اللہ رے ہمارا تکلف شبِ وصال
روغن کے بدلے عطر جلایا گلاب کا

مسجد سے مے کدے میں مجھے نشہ لے گیا
موجِ شراب جادہ تھی راہِ صواب کا

انصاف سے وہ زمزمہ میرا اگر سنے
دم بند ہووے طوطیِ حاضر جواب کا

اُلفت جو زلف سے ہے دلِ داغ دار کو
طاؤس کو یہ عشق نہ ہو گا سحاب کا

معمور جو ہوا عرقِ رُخ سے وہ ذقن
مضمون مل گیا مجھے چاہِ گلاب کا

پاتا ہوں ناف کا کمرِ یار میں مقام
چشمہ مگر عدم میں ہے گوہر کی آب کا

آتش شبِ فراق میں پوچھوں گا ماہ سے
یہ داغ ہے دیا ہوا کس آفتاب کا؟

کہتے ہیں عطر جس کو یہ مردم گلاب کا
اے تُرک! درد ہے تری جھوٹی شراب کا

خط دیکھو پیچھے یار کے ہاتھوں میں نامہ بر!
پہلے سوال کیجیو خط کے جواب کا

دیکھا ہے تو نے سامنے رکھ کر جو اس میں منہ
آئینہ برج بن گیا ہے آفتاب کا

کیا کیا ترارے توسنِ جلّاد نے کیے
بوسہ لیا جو میں نے تڑپ کر رکاب کا

مشقِ خرام میں عرق افشاں ہے روئے یار
چھڑکاؤ ہو رہا ہے زمیں پر گلاب کا

ساقی کے دور کھنچنے سے رکتا ہے دم مرا
انگور سے خوش آتا ہے کھنچنا شراب کا

حرص و ہوا کو سینے میں غافل جگہ نہ دے
مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا

خانہ خرابی پر کمرِ موج بندھ چکی
باہر نکالا سیل نے خیمہ حباب کا

زینت پسند وہ نہیں جو ہیں شکستہ دل
محتاج سوے چینی نہ دیکھا خضاب کا

کرتے ہیں سجدہ اس کی طرف کیا سمجھ کے لوگ
کعبہ ہے نام ایک کنشتِ خراب کا

رویا کا حال یار کے آگے کہوں گا میں
یوسفؑ کے منہ سے لطف ہے تعبیرِ خواب کا

دریا میں ڈال دو مرے مردے کو دوستو!
آباد ہو اسیر سے زنداں حباب کا

غنچے کا عقد اس کو نہ کھولیو نہ اے صبا!
ٹوٹا طلسم بند جو ٹوٹا نقاب کا

اُڑتے دکھائی دیں گے پروں کی طرح سے تار
کھینچے گا صدمہ دام مرے اضطراب کا

آتش کی آرزو یہی اے شہسوار! ہے
اُس کا غبار سرمہ ہو چشمِ رکاب کا

ہاتھوں میں یار کے نہیں ساغر شراب کا
دستِ مسیح میں ہے قدح آفتاب کا

آنکھوں میں تیرے چاہنے والوں کے داغ ہے
شبنم پسند ہووے گا حسن آفتاب کا

دو نعمتیں یہ میری ہیں میں ہوں فقیر مست
اک نانِ خشک، ایک پیالہ شراب کا

اندیشہ گفتگوئے نکیرین کا نہیں
رد کردہ ہے سوال ہمارے جواب کا

چاہے شکستِ جہل تو تحصیلِ علم کر
وابستہ یہ طلسم ہے لوحِ کتاب کا

بے معنی شعر میں نے کسی کا اگر سنا
اُس پر ہوا یقیں مجھے بیت خراب کا

اُس تُرک تک پہنچنے کی تدبیر ہے یہی ‏— تعویذ خط ہے بازوئے مرغِ کباب کا
پروانے سے لڑایا ہے بلبل کو رات بھر ‏— شمعوں کو عطرِ یار نے مل کر گلاب کا
کس تُرک نوجواں نے کیا ہے یہ شوقِ تیر ‏— چھٹتا ہے بازوؤں سے ہر اک پر عقاب کا
حد سے نکل چلا ہے بہت سرمہ پوچھیے ‏— لگتا ہے داغ موئے مژہ کو خضاب کا
خورشیدِ حشر کا جو کیا ہے کسی نے ذکر ‏— دکھلا دیا ہے یار نے چہرہ عقاب کا
دیکھے جو تیرے دستِ حنائی کے رنگ کو ‏— شرمندگی سے رنگ ہو نیلا شراب کا
بے خود ہو سن کے مدعی شور و شر پسند ‏— افسانہ اپنا شعر ہے، فتنے کے خواب کا
دریا میں غسل کے لیے اُترا جو وہ صنم ‏— ناقوس مچھلیوں نے بجایا حباب کا
جو چاہیں لکھ لیں کاتبِ اعمال چار دن ‏— دیکھوں گا روزِ حشر میں کاغذ حساب کا

آتش کی التجا ہے یہی تم سے یا علیؑ
صدمہ نہ ہو فشارِ لحد کے عذاب کا

چمن میں شب کو جو وہ شوخ بے نقاب آیا ‏— یقین ہو گیا شبنم کو، آفتاب آیا
اُن انکھڑیوں میں اگر نشۂ شراب آیا ‏— سلام جھک کے کروں گا جو پھر حجاب آیا
میں موج ہوں لبِ ساحل ہیں آسمان و زمیں ‏— کبھی جو جوش میں دریائے اضطراب آیا
اسیر ہونے کا اللہ رے شوق بُلبُل کو ‏— جگایا نالوں سے صیاد کو جو خواب آیا
بسر ہوئی مری اوقات آئینے کی طرح ‏— ملا نہ دانہ جو مجھ کو، میسّر آب آیا
صدائے رعد سے ظاہر ہے برق اندازی ‏— شکار کھیلنے طاؤس کا سحاب آیا
خیالِ صبح میں سویا تو آنکھ پھر نہ کھلی ‏— دکھانے آئینہ جب تک نہ آفتاب آیا
شبِ فراق میں کارِ محال مجھ سے ہوا ‏— اُڑی یہ نیند مری قدسیوں کو خواب آیا
کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی ‏— حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا
ہمیشہ بُلبُل و قمری سے بحثِ نالہ رہی ‏— کسی کماں سے چھٹا تیر میں جواب آیا
شبِ فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا ‏— جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا
بلا ذہین و ذکی ہے وہ طفلِ ابجد خواں ‏— گیا جو سامنے ملّا سرِ حساب آیا
جو علم چاہیے تو ہو اہلِ علم کا پیرو ‏— کمر سے زلف کو اندازِ پیچ و تاب آیا
وہ کوہ اُس بُتِ بے دیں کا کوہِ تمکیں ہے ‏— ہزار ہم نے پکارا، نہ کچھ جواب آیا
گمان ساقی پہ صیاد کا ہوا مجھ کو ‏— حضورِ یار جو لے کر بطِ شراب آیا

چکور حسنِ مہِ چاردہ کو بھول گیا
مراد پر جو ترا عالمِ شباب آیا

اصولِ دیں جو سنے گوش نے، زباں نے کہا
مجھے سوالِ نکیرین کا جواب آیا

ہماری قبر سے آوے گی یہ صدا تا حشر
یہ مردہ آیا کہ مجھ پر کوئی عذاب آیا

گلال مل کے ذرا میں رُخِ منور پر
یقیں ہوا یہ مجھے یار کو عتاب آیا

مقامِ رشک ہے اُلفت میں طالعِ طاؤس
چمن میں قلۂ کہسار سے سحاب آیا

عدم سے ہستی میں جا کر یہی کہوں گا میں
ہزاروں حسرتِ زندہ کو گاڑ داب آیا

محبتِ مے و معشوق ترک کر آتش
سفید بال ہوئے موسمِ خضاب آیا

رنج و راحت کا مرے واسطے ساماں ہو گا
مشعلِ راہِ عدم داغِ عزیزاں ہو گا

گیسوؤں سا نہ کوئی رہزنِ ایماں ہو گا
خالِ ہندو سے ترے خونِ مسلماں ہو گا

رنگ بدلا نظر آتا ہے ہوا کا مجھ کو
گلِ تازہ کوئی اس باغ میں خنداں ہو گا

مجھ جگر سوختہ کی خاک ہے سرمے سے سیاہ
گوشۂ چشم کوئی گوشۂ داماں ہو گا

عود کرنے کی نہیں روح نکل کر تن سے
پھر نہ آباد یہ گھر ہو گا جو ویراں ہو گا

نالۂ بلبلِ شیدا میں اگر ہے تاثیر
دستِ صیاد میں گل چیں کا گریباں ہو گا

بوئے مے رکھتی ہے اس مے کدے میں کیفیت
محتسب توڑ کے شیشے کو پشیماں ہو گا

تیری فریاد کا محتاج میں واماندہ نہیں
اے جرس! میرے لیے قافلہ نالاں ہو گا

سائے میں اس کے مری گور کھدے گی اک دن
اے پری رو! تری دیوار کا احساں ہو گا

آتشِ عشق سے ہوتا ہے سراپا تن داغ
وہ گنہگار ہوں جو سروِ چراغاں ہو گا

خط کا آغاز قیامت ہے رُخِ رنگیں پر
خار و گل دیدۂ انصاف میں یکساں ہو گا

دستِ گستاخ میں قزاق کا پاتا ہوں ہنر
ایک دن یار مرے ہاتھ سے عریاں ہو گا

حسن کا خاتمہ تو، عشق کا میں خاتمہ ہوں
نہ گدا مجھ سا، نہ تجھ سا کوئی سلطاں ہو گا

بعد میرے نہ گرفتار ملے گا مجھ سا
زلفِ خوباں کا بہت حال پریشاں ہو گا

بے نیازی سے فریب اے بُتِ عیار نہ دے
ہم نہ مانیں گے خدا صورتِ انساں ہو گا

اُس کے عاشق ہیں زبس خُرد و بزرگ اے آتش
رشک ہو گا مجھے گر طفل بھی گریاں ہو گا

ہنگامِ نزع محو ہوں تیرے خیال کا
مشتاق ہوں فرشتۂ صاحب جمال کا

پیراہن اُس جواں نے جو پہنا ہے چھال کا
ملتا نہیں چمن میں مزاج اک نہال کا

آلودہ بے گناہوں کے خوں سے ہے تیغ چرخ
نا فہموں کو گماں ہے شفق میں ہلال کا

شانہ بنیں گے بعدِ فنا اپنے استخواں
عقدہ کھلے گا گیسوؤں کے بال بال کا

بنی سہیل، مشتری و زہرہ گوش ہیں
قطبِ شمال حسن ہے تِل تیرے گال کا

کس کس بشر کو لائی ہے دنیا فریب میں
کیا کیا جواں مرید ہے اس پیر زال کا

لاتی ہے واں قضا و قدر مرغ روح کو
پانی جہاں قفس کا ہے، دانہ ہے جال کا

امرد پرست ہے تو گلستاں کی سیر کر
ہر نو نہال رشک ہے یاں خُرد سال کا

اک دم میں جا ملوں گا عزیزانِ رفتہ سے
کیا عرصہ ہے زمانۂ ماضی سے حال کا

سرخ و سفید رنگ سے ہوتا ہے آشکار
وہ جسمِ نازنیں ہے عبیر و گلال کا

اے دل قضا نہ آئے اُدھر ٹکٹکی نہ باندھ
گولی کا سامنا ہے یہ نظارہ خال کا

بوسہ دیے سے حسن میں ہو گی کمی نہ یار
ہوتا نہیں زکوٰۃ سے نقصان مال کا

وہ چشم ہی نہیں دلِ وحشی کی فکر میں
ہر تُرک کو ہے شوق شکارِ غزال کا

زنجیر و طوق ہر برس آ کر پنھا گئی
دیوانہ ہوں میں بادِ بہاری کی چال کا

روزِ سیاہِ ہجر میں میرے جلے چراغ
پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

رونے کی بدلے حال پر اپنے ہنسا کیے
پردہ ہوا نہ فاش ہمارے ملال کا

دکھلایا بے نقاب جسے بندہ ہو گیا
وہ روئے سادہ نقش ہے صاحب کمال کا

کرتی ہے یاں زباں کمرِ یار میں کلام
معدوم ہے جواب ہمارے سوال کا

آتش لحد سے اُٹھوں گا کہتا یہ روزِ حشر
مشتاق ہوں میں یار کے حسن و جمال کا

اُس تُرک کی ثنا میں جو صرف رقم ہوا
خنجر زبان بن گئی، نیزہ قلم ہوا

گستاخ ہاتھ گردنِ دلبر میں خم ہوا
حدِ ادب سے شوق کا باہر قدم ہوا

بے یار باغ، خانۂ بیمار ہو گیا
پھولا جو غنچہ، میں نے یہ سمجھا ورم ہوا

پیدا کی رفتہ رفتہ رسائی کمر تلک
گیسوئے یار جادۂ راہِ عدم ہوا

اقلیم فقر سائے نے اس کے کیا خراب
منحوس چغد سے بھی ہما کا قدم ہوا

یاد آیا طوفِ کعبہ میں ہندوستاں مجھے
کوئے بتاں کا سایہ، لباسِ حرم ہوا

بیڑا ہمارے قتل کا کیوں کر اُٹھاؤ گے؟
کس کر کمر بندھی ہے تو دردِ شکم ہوا

وقتِ اخیر جذبۂ دل کھینچ لائے گا
دیکھیں گے روئے یار جو آنکھوں میں دم ہوا

ٹوٹے ہیں لاکھ شیشۂ تیزاب ہر قدم
کانٹوں پہ آبلوں سے ہمارے ستم ہوا

دنیا میں نیک سے ہے فزوں بد کا امتیاز
کیا کیا گراں نہ شہد سے قیمت میں سم ہوا

شغلِ تصرف آج کس اہلِ نظر کو ہے
ہر آئینہ سکندر و ہر جام جم ہوا

نقشِ دوئی مٹا کے بنا گھر خدا کا، دل
کعبہ ہوا خراب جو بیت الصنم ہوا

چرخِ دنی نے داغ کیا نذرِ دل مدام
دستِ بخیل سے مجھے حاصل درم ہوا

مضمونِ میرزا منشی یک قلم ہے بند
زیرِ نگینِ فکر عراق و عجم ہوا

وارستہ خاطری نے کیا داخلِ بہشت
صحرائے بے تعلقی، باغِ ارم ہوا

تاریخ تیری کا مگر چاند، یار ہے
جس کو نظر پڑا، اُسے اندوہ و غم ہوا

ناگفتنی ہے حال بہار و خزانِ باغ
اک زخم ہے کہ خشک ہوا اور نم ہوا

رکھی تھی اک دن اُس کی چھڑی تو نے ہاتھ میں
ہر نہال ہر گلاب کا تختہ قلم ہوا

نکلی نیام سے تو گلے لپٹی اپنے تیغ
چھوٹا کماں سے تیر تو ہم پر کرم ہوا

چرخے سے بھی کیا نہ کبھی ہم کو سرفراز
قاتل کی تیغ میں نہ تواضع کا خم ہوا

نورانی چہرے پر ترے ابرو کے نقش سے
محرابِ بیتِ کعبہ کا طغرا رقم ہوا

رکھا تھا پاؤں ایک دن اس بدمزاج نے
چینِ جبینِ جادہ نشانِ قدم ہوا

ماتم کدہ ہے اپنا الٰہی کہ بُت کدہ
ہر سنگِ سینہ کوب تراش کر صنم ہوا

آثارِ عشق آنکھوں سے ہونے لگے عیاں
بیداری کی ترقی ہوئی، خواب کم ہوا

راحت سے ایک دن نہ ہوا عشق میں بسر
غم پر غم اپنے دل کو الم پر الم ہوا

دنیا کو آتش ایک کے اوپر نہیں قرار
یہ آج، کل وہ صاحبِ طبل و علم ہوا

انصاف کی ترازو میں تولا، عیاں ہوا
یوسفؑ سے تیرے حسن کا پلّہ گراں ہوا

روئے زمیں پہ ایسا میں بسمل تپاں ہوا
اُڑ کر مرا لہو شفقِ آسماں ہوا

اُس برق وش کا عشقِ نہانی عیاں ہوا
ابرِ سیاہ آہوں کا میرے دھواں ہوا

پیری میں مجھ کو عشقِ حسینِ جواں ہوا
بارِ دگر کبادے میں زورِ کماں ہوا

اہلِ زمیں سے صاف کہاں آسماں ہوا
کس روز برجِ ماہ میں فرشِ کتاں ہوا

معدوم داغِ عشق کا دل سے نشاں ہوا
افسوس بے چراغ ہمارا مکاں ہوا

دو ٹکڑے ایک وار میں خودِ حباب ہے
گرداب موج تیغ کو سنگِ فساں ہوا

دیکھا جو میں نے اُس کو سمندر کی آنکھ سے
گلزار آگ ہو گئی، سنبل دھواں ہوا

ملتا نہیں دماغ ہی گیسوئے یار کا
کچھ ان دنوں میں مشک کا سودا گراں ہوا

خوش چشموں کے فراق میں کھائے یہ پیچ وتاب
شاخِ غزال اپنا ہر اک استخواں ہوا

سختیِ راہِ عشق سے واقف ہوئے نہ پاؤں
جوشِ جنوں مرے لیے تختِ رواں ہوا

انبوہِ عاشقاں سے ہوا حسن کو غرور
کثرت سے مشتری کی یہ سودا گراں ہوا

پیوندِ خاک ہو گئے اک بُت کی راہ میں
پتھر ہماری قبر کا سنگِ نشاں ہوا

پھینکا گیا نہ پیرِ فلک، نعل کی طرح
کوئی نہ طفلِ اشک ہمارا جواں ہوا

تو دیکھنے گیا لبِ دریا جو چاندنی
استادہ تجھ کو دیکھ کے آبِ رواں ہوا

انساں کو چاہیے کہ نہ ہو ناگوارِ طبع
سمجھے سبک اُسے جو کسی پر گراں ہوا

اُس گل سے عرضِ حال کی حسرت ہی رہ گئی
کانٹے پڑے زباں میں جو میلِ بیاں ہوا

اللہ کے کرم سے بتوں کو کیا مطیع
زیرِ نگیں قلم روِ ہندوستاں ہوا

انصاف میں نے عالمِ اسباب میں کیا
بنوائی چاندنی جو میسّر کتاں ہوا

گردش نے اس کی سرمہ کیے اپنے استخواں
چکّی ہمارے پیسنے کو آسماں ہوا

قاتل کی تیغ سے رہِ ملکِ عدم ملی
آہن ہمارے واسطے سنگِ نشاں ہوا

فکرِ بلند نے مری ایسا کیا بلند
آتشؔ زمینِ شعر سے پست آسماں ہوا

جوہر اپنے آئینہ رخسار کا دکھلائے گا
سبزۂ خط یار کا تنکے مجھے چنوائے گا

بوسے لیتا ہوں لبِ شیریں کے میں جس شوق سے
فاقہ کش مومن نہ اس رغبت سے حلوا کھائے گا

لالہ رو کہہ کر لگاتے ہیں گل انداموں کے داغ
روزِ محشر شاعروں کا پوست کھینچا جائے گا

کشتۂ مژگانِ خوش چشمانِ مردم کش نہ ہو
شیر کے پنجے کے زخمی کی طرح چلائے گا

ہے سزاوار اہلِ دولت سے فقیروں کا غرور
ہاتھ کو جو کھینچ لے گا، پاؤں کو پھیلائے گا

کون چھینے بُت کو، توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائے گا

راہ میں وقفہ کرے گا جو نہ مثلِ آفتاب
پاشکستہ ذرّہ ہو مشرق سے مغرب جائے گا

یہ صدا آتی ہے شورِ بحرِ ہستی سے مجھے
گوہرِ مقصود اس دریا سے باہر پائے گا

طفل کے مانند اس پر رال ٹپکے گی مری
باغِ عالم میں مجھے شفتالوئے لب بھائے گا

گوشت کھا کر استخواں میری نہ اے صیاد پھینک
دام میں رکھ دیکھ انھیں، زندہ ہما ہاتھ آئے گا

گرمیِ خورشیدِ محشر کیا جلاوے گی ہمیں
ابرِ رحمت حال پر اپنے کرم فرمائے گا

پوست اس کا صرفِ کفش اے یار ہو گا بعدِ مرگ
آتش اپنے ہاتھ تیرے پاؤں تک پھیلائے گا

رشک کے مارے زمرد خاک میں مل جائے گا
سبزے پر اُس گوش کے فیروزہ ہیرا کھائے گا

دسترس انگشت تک اس سیم تن کے پائے گا
نقش اپنا خانۂ زر میں نگیں بٹھلائے گا

چل نہیں سکنے کا ہرگز تیری اٹھکھیلی کی چال
پاؤں میں موچ آئے گی کبک ایسی ٹھوکر کھائے گا

حسن کا جلوہ بھی کم برقِ تجلی سے نہیں
چشمِ موسیٰ سے جو دیکھے گا، اُسے غش آئے گا

آسیا کی گردش اور اس کی سکونت ایک ہے
سیکڑوں دل کو وہ تمکیں سے ترے پس جائے گا

ایک عالم سے رسا سنتا ہوں میں مجنوں اسے
میری گردن تک ترے گیسو کا حلقہ آئے گا

سردیِ توبے کا یہ ہنگامہ نہیں رہنے کا گرم
آتشِ گل دامنِ بادِ صبا بھڑکائے گا

چار دیوارِ عناصر کی ہے وسعت کس قدر
شش جہت کو تنگ کر دے گا جو دل گھبرائے گا

عرش ہے اس بادشاہِ حسن کا تختِ رواں
وہ صنم کوتل کبودِ چرخ کو دوڑائے گا

بعدِ مردن بھی رہے گا زلفِ مشکیں کا خیال
گور میں بھی میرے سر کے ساتھ سودا جائے گا

خم لگا دے منہ سے ساقی لب تو تر ہوویں مرے
مجھ سے دریا نوش تک کیا کشتیِ مے لائے گا

اپنی زلفوں کے اُلجھنے سے خفا وہ شوخ ہے
جس نے سیدھی بات کی اُلٹا اسے لٹکائے گا

مجھ قدح کش سے بخارِ دل بھی ہوتا ہے شریک
اک نہ اک دن ابرِ آبِ آتشیں برسائے گا

یہ صدا آتی ہے مجھ دیوانے کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیارِ بے خودی میں پائے گا

آستانِ یار سے اُٹھنے کا قصد آتش نہ کر
چھوڑ کر اس در کو سر دیوار سے ٹکرائے گا

عیسیٰ سے نالۂ دردِ دل کی خبر نہ کرتا
ذکرِ درونِ خانہ، بیرونِ در نہ کرتا

دربانِ یار مجھ پر شفقت اگر نہ کرتا
دیوار پھاند جاتا، میں درگزر نہ کرتا

زرگر نگیں سے ہرگز پیوندِ زر نہ کرتا
اسمِ مبارک اُس کا جو نامور نہ کرتا

تلوار کو اگر تو زیبِ کمر نہ کرتا
قاتل. اِدھر کی دنیا کوئی اُدھر نہ کرتا

حسن اُس کو پیشِ خدمت اپنا اگر نہ کرتا
خط عاشقوں کے دل کو زیر و زبر نہ کرتا

اے آفتابِ محشر آنکھوں سے گر گیا تو
منہ پھیرتا جدھر سے، پھر منہ اُدھر نہ کرتا

صندل کو مول لے کر کس کی بلا رگڑتی
میں دردِ سر کی خاطر، یہ دردِ سر نہ کرتا

آنکھیں دکھائیں تو نے، دیوانے ہو گئے ہم
یہ وہ فسوں نہ تھا جو اپنا اثر نہ کرتا

آئینے میں پری سے چہرے کو دیکھیے تو
کیوں کر بھلا محبت تم سے بشر نہ کرتا

شیرینی اُن لبوں کی رکھتا جو تُو تو ہرگز
پانی سے تجھ کو پتلا اے نیشکر نہ کرتا

بُلبُل کے حال پر جو روتا نہ ابرِ باراں
دور دو ہفتہ اک گل ہنس کر بسر نہ کرتا

اے آسماں کفن کے دینے میں دیر کیا ہے
قسمت کے لکھے میں تو شام و سحر نہ کرتا

مل جاتے خاک میں گو سودا زدے بلا سے
زلفِ دراز اپنی تو مختصر نہ کرتا

جادو گہن کا اس پر چلتا جو ہے چلے گا
گرد اپنے یہ حصارِ ہالہ قمر نہ کرتا

بُلبُل کا عشق حسنِ گل سے نہیں خوش آتا
تقلید آدمی کی یہ جانور نہ کرتا

تریاق کا ہے جوہر اس جسمِ سخت جاں میں
کالا بھی کاٹتا تو مجھ کو اثر نہ کرتا

اُن دانتوں کی صفا کا عالم جو اس میں ہوتا
کس کس کو غرقِ دریا شوقِ گہر نہ کرتا

عالم دکھا کے اپنا وہ پنجۂ حنائی
میرے حواسِ خمسہ کو منتشر نہ کرتا

وہ تیرِ آہ اپنے سینے میں ضعف سے ہے
جو خانۂ کماں سے باہر گزر نہ کرتا

بختِ رسا جو زلفِ مشکیں کی طرح رکھتی
معدوم اپنی ہستی عشقِ کمر نہ کرتا

مردِ فقیر ایذا دیتے نہیں کسی کو
میں ذکرِ ارّہ زیرِ شاخِ شجر نہ کرتا

لکھتا جو نامۂ شوق اُس سیم بر کو آتش
تحریر اُس کو خامہ بے آبِ زر نہ کرتا

کوچۂ یار میں کس روز میں نالاں نہ گیا
بُلبُلِ مست سے سودائے گلستاں نہ گیا

حسن کی طرح سے آیا نہ مرے عشق میں فرق
زلفیں واں منڈ گئیں، یاں حالِ پریشاں نہ گیا

واہ رے لوہے کبھی سان کے اوپر چڑھنے
تیغِ ابرو نہ گئی، خنجرِ مژگاں نہ گیا

ہمرہی روحِ رواں کی تنِ خاکی نے نہ کی
ساتھ یوسف کے زمانے سے یہ زنداں نہ گیا

صبح کی شام نظارہ میں رُخِ روشن کے
رات بھر گھر سے ہمارے مہِ تاباں نہ گیا

اُڑ کے پہنچا مددِ جوشِ جنوں سے واں تک
پاؤں سے اپنے میں دیوانہ بیاباں نہ گیا

روز و شب زلف و رخِ یار کا افسانہ رہا
ذکرِ صبحِ وطن و شامِ غریباں نہ گیا

مرغِ بسمل کی طرح رقص کریں گے طاؤس
چار دن اور اگر ابرِ گلستاں نہ گیا

کون سے دل میں نہیں یار ترے عشق کا نقش
کس قلم رو میں شہِ حسن کا فرماں نہ گیا

صادق القول نہیں دوسرا مجھ سا مے کش
شیشے سے عہد تو پیمانے سے پیماں نہ گیا

کون سے شانے کا سینہ نہ کیا زلف نے چاک
کون سا آئینہ اس حسن کا حیراں نہ گیا

خاکِ پا تو نے نہ اس عیسیٰ نفس کی چھڑکی
باغباں نرگسِ گلزار کا یرقاں نہ گیا

مجھ سا غم دوست نہ ہووے گا کوئی دنیا میں
کون سی مجلسِ ماتم میں مَیں مہماں نہ گیا

اے شرر ہوں مقر آتش قدی کا تیری
کوئی دنیا سے تری طرح گریزاں نہ گیا

پھوٹ کر آبلوں نے خشک زبانیں ترکیں
تم سے شرمندہ میں اے خارِ مغیلاں نہ گیا

عاشق اُس غیرتِ بلقیس کا ہوں اے آتش
بام تک جس کے کبھی مرغِ سلیماںؑ نہ گیا

حالِ زار اپنا فنا کے بعد بھی روشن رہا
زرد و ژولیدہ ہمارا سبزۂ مدفن رہا

مردے سے بدتر زبس احوال مجھ مجنوں کا تھا
خانۂ زنجیر میں دن رات اک شیون رہا

میلے کپڑے یار کے سونگھے تھے میں نے ایک دن
نکہتِ گل پر گمانِ بوئے پیراہن رہا

آشیانِ بلبل و قمری ہوا روزن ہر ایک
چار دن جس گھر میں تو اے غیرتِ گلشن رہا

باغِ عالم میں ہوا حسنِ سیہ سے مجھ کو عشق
میں وہ بلبل ہوں کہ جو محوِ گلِ سوسن رہا

صورتِ عاشق سے در پردہ اُسے بھی عشق ہے
غرفے میں جالی رہی، دیوار میں روزن رہا

شمع ساں رو رو کے یادِ گور میں شب روز کی
جب تلک میرا چراغِ زندگی روشن رہا

اس کو یرقانِ سیہ تو اُس کو ہے یرقانِ زرد
خندہ زن نرگس کے اوپر کیا گلِ سوسن رہا

چہرے کو اپنے سواروں میں بھی ہم لکھوا چکے
سال ہا داغِ ابلقِ ایام سا توسن رہا

گردِ رہ نے میری اُڑ کر اس کی آنکھیں بند کیں
ہاتھ ملتا مجھ مسافر کے لیے رہزن رہا

چند روزہ عمر زنجیرِ تعلق میں کٹی
اک پری کا دستِ نازک حلقۂ گردن رہا

دم میں دم جب تک رہا تیری جلو میں اے جنوں
میں گریباں چاک بھی باندھے ہوئے دامن رہا

سختیِ دورانِ تب خارِ جنوں نے سہل کی
موم مجھ دیوانے کی زنجیر کا آہن رہا

دیکھ کر اُس ماہ رُو کو غش رہے دو دو پہر
حال پر اپنے ستارہ اپنا چشمک زن رہا

باغِ عالم کی ہوا آتش نہ راس آئی مجھے
دوست جس گل کا رہا میں، وہ مرا دشمن رہا

ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا
تماشا انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا

گیا بلقیس تک مکتوبِ شوقیہ سلیماںؑ کا
قرانِ مشتری و ماہ کا دورہ قریں آیا

ہنسیں تیرے کرم سے جام مثلِ برق اے ساقی! مبارک ہووے ہم کو ابرِ باراں آفریں آیا
پری شیشے میں اتری کیسے یا قالب میں روح آئی عجب انداز سے آغوش میں وہ نازنیں آیا
ہمیشہ نقش حُب کا، مشتری کے روز لکھتا ہوں ستارہ نیک ہے میرا تو وہ زہرہ جبیں آیا
حنا دیکھی تو پیشِ چشم تیرے دست نازک تھے تری انگشتری یاد آئی جب نامِ نگیں آیا
مبارک کشتیاں مے کی جوانانِ ہند کو ہوویں جہازوں میں فرنگستاں سے آبِ آتشیں آیا
نہ گھبرا چار دن کے واسطے اے روح قالب میں گیا جب اس مکاں سے پھر نہیں اس کا مکیں آیا
نہایت تشنۂ دیدار ہیں خوب اُس کو چوسیں گے اگر اپنے لبوں تک کوئی لعلِ آتشیں آیا
یہ جنسِ دل مقرر اک نظر اس کو دکھاویں گے جو کوئی مشتری بازارِ عالم میں حسیں آیا
مشقت سی مشقت کی ہے راہِ عشق میں ہم نے پسینہ پاؤں کا کس روز یاں سر تک نہیں آیا
نہ چھوڑے گا کسی کو آسماں بے گور میں بھیجے سمجھ زیرِ زمیں اُس کو جو بالائے زمیں آیا
سگِ کو سے شکار اُس کا بجانِ خوش نگہ کرتے نہ شیرِ ہند تک زندہ کوئی آہوئے چیں آیا
گریباں تک بھی دامن سے جنوں ہو رہنما اس کا بغل سے ہو کے دامن تک جو چاکِ آستیں آیا
مری آنکھوں سے اس آئینے کی صورت نہ دیکھے گا کھلے گی حسن کی قلعی جو کوئی قبح بیں آیا
مصوّر کو تری تصویر کا، سودا مبارک ہو مقامِ گیسوئے مشکین و خالِ عنبریں آیا
رجوع اپنے دلِ روشن سے کر آتش جو مضطر ہے
گیا خرم جب اُس درگاہ میں، اندوہ گیں آیا

عدم سے جانبِ ہستی جواں تجھ سا نہیں آیا یہ پشتِ اسپ تک تیری سواری کو ہے زیں آیا
کیا شکرانہ آبِ بقا، پی کر اُسے ہم نے جو اس ظلمت سرا میں لب تک آبِ آتشیں آیا
غنیمت جان اے دل! نقشِ عشق یار جانی کو شرف ہے اس مکاں کا جس میں مہمانِ حسیں آیا
کبھی قسمت کے لکھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتا وہ ناداں ہے جسے خوفِ کراماً کاتبیں آیا
اثر اپنا کیا آخر ہمارے عشقِ کامل نے فرشتہ بھی جو قبضِ روح کو آیا، حسیں آیا
جگہ بدبیں نے کی پہلوئے یارِ نیک طینت میں الٰہی! خیر کیجو، گرگ یوسفؑ کے قریں آیا
بجا ہے عرش کے اوپر دماغ اُس شاہِ خوباں کا دل اپنا نذر لے کر سیکڑوں کرسی نشیں آیا
دکھائے جوہر اپنے آئینے نے فکرِ رنگیں کے مقر منکر ہوئے، باطل گمانوں کو یقیں آیا
نہ ہوگا حسن کا مجھ سا بھی عاشق کوئی دنیا میں نیاز اُس سے کیا پیدا نظر جو نازنیں آیا
صباحت سے تری تشبیہ دی جو شعر میں اُس کو زباں پر میرے صدقے ہونے ماریاکیں آیا
نہ دیکھیں گی کبھی جس کو پھر آنکھیں وہ تماشا ہے غنیمت جان جو پیشِ نگاہ واپسیں آیا

کیا دجّال کو پیوندِ خاک اقبالِ مہدیؑ نے
خدا کے فضل سے خائن گیا آتش امیں آیا

حسن کس روز ہم سے صاف ہوا
گنہِ عشق کب معاف ہوا

لے لیا شکر کر کے ساقی سے
دُرد اس میں ہوا کہ صاف ہوا

تیغِ قاتل پہ اپنا خوں جم کر
مخملِ سرخ کا غلاف ہوا

زہر پرہیز ہو گیا مجھ کو
درد درماں سے المضاف ہوا

خاکساری کی ہو چکی معراج
سینہ اپنا زمینِ صاف ہوا

کمرِ یار نے دکھائی آنکھ
مردمِ دیدہ خالِ ناف ہوا

وعدہ جھوٹا نہ کردہ مرد نہیں
قول سے فعل جب خلاف ہوا

فاتحہ کو جو وہ پری آیا
سنگِ قبر اپنا کوہِ قاف ہوا

اُس کمر کے ثبوت میں عاجز
فکر کر کر کے مُوشگاف ہوا

رند مشرب ہوں مجھ کو کیا، ہووے
مذہبوں میں جو اختلاف ہوا

وہ دہن ہوں، نہ نکلا حرفِ غرور
وہ زباں ہوں، نہ جس سے لاف ہوا

گرد اُس کوچے کے پھرا آتش
حاجی سے کعبے کا طواف ہوا

پیری نے قدِ راست کو اپنے نگوں کیا
محراب قصرِ تن کا ہمارے ستوں کیا

جامے سے جسم کے بھی میں دیوانہ تنگ ہوں
اب کی بہار میں اسے نذرِ جنوں کیا

دیوانے تیرے یوں تو ہزاروں ہیں اے پری!
شیشے میں جس نے تجھ کو اُتارا، فسوں کیا

مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال اُس کو آ گیا
مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنوں کیا

کس کس نگاہِ ناز سے دیکھا مری طرف
کیا کیا نہ چشمِ یار نے مجھ پر فسوں کیا

گرگِ بغل کو پہلو میں دل کی طرح رکھا
یوسف سے بھی عزیز اُسے ہے فزوں کیا

آرائشِ اہلِ حسن کو جادو سے کم نہیں
بے تیغ تیرے دستِ نگاریں نے خوں کیا

آئی بہار، کپڑے لگا پھاڑنے جنوں
عامل نے سالِ حال کا اپنے شگوں کیا

فرہاد سر کو پھوڑ کے تیشے سے مر گیا
شیریں نے ناپسند مگر بے ستوں کیا

دریا بہا شراب کا بے یار رات بھر
مثلِ حباب کاسۂ مے واژگوں کیا

مضموں بندھا نہ ہم سے کبھی دل کے داغ کا
بیرونِ لب زباں سے نہ سوزِ دروں کیا

جوہر وہ کون سا ہے جو انسان میں نہیں — دے کر خدا نے عقل اسے، ذو فنوں کیا
کیا نہ داغ مجھ کو دیے شوقِ بوسہ نے — کیفِ شراب نے جو وہ رخ لالہ گوں کیا
آنکھوں سے جائے اشک ٹپکنے لگا لہو
آتشؔ جگر کو دل کی مصیبت نے خوں کیا

فرطِ شوق اُس بُت کے کوچے میں لگا لے جائے — کعبۂ مقصود تک مجھ کو خدا لے جائے گا
کاٹ کر پر بھی مجھے صیاد بے قابو نہ چھوڑ — ناتواں ہوں، باد کا جھونکا اُڑا لے جائے گا
روتے روتے جان جاوے گی فراقِ یار میں — اشک کا دریا مرا مردہ بہا لے جائے گا
دل مرا مٹھی میں رکھتے ہو، تمھارے ہاتھ سے — چھین کر اک دن اسے دُزدِ حنا لے جائے گا
مصر تک پہنچے نہ جو کنعاں سے وہ یوسفؑ ہوں میں — دستِ اخواں سے چھٹا تو بھیڑیا لے جائے گا
ایک گل اس باغ کا بوئے وفا رکھتا نہیں — سبزۂ بیگانہ، شوقِ آشنا لے جائے گا
وعدۂ صادق تو عزرائیل سے ہے دیکھیے — اس سرا سے مجھ کو کب تک اُس سرا لے جائے گا
غباں گلشن کے دروازے کو کیا رکھتا ہے بند — کون غنچے کی کُلہ، گل کی قبا لے جائے گا
استخواں اُجرت میں دیں گے ہم فقیر اے شاہِ حسن! — عرضی اپنے شوق کی تجھ تک ہُما لے جائے گا
کشتیِ تن بحرِ ہستی میں رہی برسوں تباہ — پار اسے اک دم میں اس کا ناخدا لے جائے گا
حسن دکھلاوے گا اے بُت! تجھ میں شان اللہ کی — تیرے آگے عالم اپنی التجا لے جائے گا
بوسے لے گا دستِ تیغِ بے باک کے
آتشِ مقبول اپنا خوں بہا لے جائے گا

کیجیے برقِ تجلی کو اشارا اپنا — لا چکا حسنِ جہاں سوز حرارا اپنا
یادِ خاطر رہی جنبش تری مژگاں کی صنم! — گنگ کو ہو نہ فراموش اشارا اپنا
کسی تدبیر سے ہاتھ آئے نہ پائے بُتِ شوخ — حق تو یہ ہے نہیں تقدیر سے چارا اپنا
رنگ زرد و لب خشک و مژۂ خوں آلود — گنہِ عشق ہیں ہم، ہے یہ کفارا اپنا
تیغِ ابرو بھی چلے تیغ کیساتھ اے قاتل! — ہم بھی دو ٹکڑے ہوں دل بھی ہو دو پارا اپنا
آئینہ صاف ہوا، دورِ سکندر آیا — خود پسندوں کو مبارک ہو نظارا اپنا
راہ دے صورتِ موسیٰؑ ہمیں بحرِ ہستی — کشتی و پُل سے نہ ہووے گا گزارا اپنا
زیرِ دیوار میں ہم، بام کے اوپر وہ ماہ — ہم زمیں پر ہیں، فلک پر ہے ستارا اپنا
بحرِ ہستی میں یہ طوفاں ہے عدم چھٹنے سے — غوطے کھلواتا ہے ساحل سے کنارا اپنا

صبحِ محشر بھی نہ ہوں خوابِ لحد سے بیدار — منہ نہ دکھلائے ہمیں عمرِ دوبارا اپنا

سال ہا سال سے تحصیلِ سخن ہے آتش
اس قلم رو میں ہے مدت سے اجارا اپنا

ایسی وحشت نہیں دل کو کہ سنبھل جاؤں گا — صورتِ پیرہنِ تنگ نکل جاؤں گا
وہ نہیں ہوں کہ رُکھائی سے جو ٹل جاؤں گا — آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا
شامِ ہجراں کسی صورت سے نہیں ہوتی صبح — منہ چھپا کر میں اندھیرے میں نکل جاؤں گا
کھینچ کر تیغ کمر سے کسے دکھلاتے ہو — نافِ معشوق نہیں ہوں جو میں ٹل جاؤں گا
شبِ ہجر اپنی سیاہی کسے دکھلاتی ہے — کچھ میں لڑکا تو نہیں ہوں کہ دہل جاؤں گا
کوچۂ یار کا سودا ہے مرے سر کے ساتھ — پاؤں تھک تھک کے ہوں ہر چند کہ شل، جاؤں گا
ضبطِ بے تابیِ دل کی نہیں طاقت باقی — کوہِ صبر اب یہ صدا دیتا ہے ٹل جاؤں گا
طالعِ بد کے اثر سے یہ یقیں ہے مجھ کو — تیری حسرت ہی میں اے حسنِ عمل جاؤں گا
چار دن زیست کے گزریں گے تاسف میں مجھے — حالِ دل پر کفِ افسوس میں مل جاؤں گا
شعلہ رُویوں کو نہ دکھلاؤ مجھے اے آنکھو! — موم سے نرم مرا دل ہے، پگھل جاؤں گا
چھلّے گل کھانے کو ہوتے ہیں عنایت مجھ کو — گرمیاں ہیں جو یہی آپ کی، جل جاؤں گا
حالِ پیری کے معلوم جوانی میں تھا — کیا سمجھتا تھا میں دو دن میں بدل جاؤں گا
وہی دیوانگی میری ہے، بہار آنے دو — دیکھ کر لڑکوں کی صورت کو بہل جاؤں گا

شعر ڈھلتے ہیں مری فکر سے آج اے آتش
مر کے کل گور کے سانچے میں مَیں ڈھل جاؤں گا

بُتِ خورشید رُو نوروز کے دن میہماں ہوں گا — خدا کے فضل سے برجِ شرف اپنا مکاں ہو گا
کہیں چھوٹ بھی سکے آلائشِ تن روح سے یارب! — کہاں تک اس خرابے میں یہ گنجینہ نہاں ہو گا
دہن میں تیرے دقت ہووے گی دقت پسندوں کو — تامّل موشگافوں کو کمر کے درمیاں ہو گا
پیمبرؐ کو وسیلہ کر جو قربِ اللہ کا چاہے — گزارا بام تک کس طرح سے بے نردباں ہو گا
حواسِ خمسہ دوری میں کسی کے منتشر ہوں گے — فراقِ دوستاں ہم سے نصیبِ دشمناں ہو گا
عذابِ گور سے واعظ نہایت ہی ڈراتا ہے — ہمارے ساتھ پیوندِ زمیں کیا آسماں ہو گا
عداوت کی تو کیا حاصل نہ تھا معلوم اخواں کو — نکل کر چاہ سے یوسفؑ عزیزِ کارواں ہو گا
ہوائے دہر اگر انصاف پر آئی، تو سن لینا — گل و بلبل چمن میں ہوں گے، باہر باغباں ہو گا

نہیں معشوق سا عاشق کا کوئی دوست دنیا میں — خدا سے کون بندے پر زیادہ مہرباں ہو گا
فضیلت خانۂ کعبہ کو ہے سارے مکانوں سے — کسی محبوبِ عالم کا یہ سنگِ آستاں ہو گا
فرو غصہ کیا جس نے، پچھاڑا دیو کو اُس نے — اُسے رستم کہیں گے ہم جو ایسا پہلواں ہو گا
قدم بھاری ہمارا ہو گا، ہم پر باغِ عالم میں — وہ ٹہنی پھٹ پڑے گی جس پر اپنا آشیاں ہو گا

نہیں اسرار سے آتش یہ پتلا خاک کا خالی
یہی وہ گرد ہے جس سے سوار آخر عیاں ہو گا

کمرِ یار سے کھنچ کر ہوئی تلوار جدا — بے گناہوں سے کھڑے ہوویں گنہگار جدا
مرضِ عشق بھی ہے اور یہ آزار جدا — رُوٹھ کر عیسیٰؑ سے ہوتا ہوں میں بیمار جدا
مول لے کر ہم اُسے اپنے گلے کو کاٹیں — کوئی قاتل کرے ابرو کی جو تلوار جدا
نہیں گفتار ہے عالم سے نرالی اُس کی — طرزِ رفتار الگ، بندشِ دستار جدا
ہاتھ گردن میں جو ڈالوں تو یہ کہتا ہے وہ گل — یارب! انساں کے گلے سے رہے یہ ہار جدا
حق تعالیٰ نے جو چاہا تو دکھا دے گی صنم — زلف سے پیچ تری لپٹی دستار جدا
سوزشِ عشق سے ہووے گی نفاق انگیزی — چار عنصر کو کرے گی یہ تپ حار جدا
تنگ کرتی ہے قبا تجھ کو نہایت اے گل! — بند بند اس کا کرے گا یہ گنہگار جدا
شش جہت میں نہیں اُس روئے کتابی کا نظیر — معنی تو ہیں ہر اک فقرے میں دو چار جدا
حالِ دل کہنے سے کٹتی ہے زباں شمع کی طرح — لب سے لب کچھ نہ اس بزم میں زنہار جدا
خانۂ یار کا سن رکھ یہ نشاں اے قاصد! — تیرے سائے سے کھڑی ہووے گی دیوار جدا
پیشگی دل کو جو دے لے وہ اُسے تحصیلی — ساری سرکاروں سے ہے عشق کی سرکار جدا
بے بہا حسن کا اس کے نہ بنے گا سودا — میرے یوسفؑ سے کھڑے ہوں گے خریدار جدا
ہو نہ ہم سر تری زلفوں سے بنفشہ سنبل — کس کے ہر پیچ میں اک دل ہے گرفتار جدا
یہی رونا ہے جو ان خانہ خراب آنکھوں کا — بام سے در ہے جدا، در سے ہے دیوار جدا

زندہ کو قتل کیا، مردہ کو زندہ آتش
فتنۂ حشر سے ہے یار کی رفتار جدا

لبھاتا ہے نہایت دل کو خطِ رخسارِ جاناں کا — کھٹکے گا مجھے کانٹوں میں سبزہ اس گلستاں کا
رواں رکھتا ہے خوں آنکھوں سے ہجرِ اک مہرتاباں کا — شفق آلودہ رہتا ہے ہلال اپنے گریباں کا
یہی جو آتشِ حسنِ بتاں کی گرم جوشی ہے — جلا ہندو کے مردے کی طرح زندہ مسلماں کا

حسینوں کو دیا دل جس نے، اپنی جان پر کھیلا
روا رکھتے ہیں خوں یہ لوگ بے تقصیر انساں کا

گریباں گیر قاتل ہوں گے ہم فردائے محشر کو
ہمارا محضرِ خوں ہے ہر اک پاٹ اُس کے داماں کا

لب و دنداں سے تیرے لعل و گوہر کو ہے کیا نسبت
نہ وہ ہم سنگ ہے لب کا، نہ وہ ہم پلّہ دنداں کا

خطِ شب رنگ ثبت ہو گیا جو اُس کی ظلمت پر
دہانِ یار کو سمجھا میں چشمہ آبِ حیواں کا

لکھے ہیں سرگزشتِ دل کے مضموں یک قلم اس میں
تماشہ قتل گہ کا ہے مطالع میرے دیواں کا

بہت سے بوسے لینے سے کیا کم ارتباط اُس نے
یقیں ہے سیر خوری رتبہ کھو دیتی ہے مہماں کا

چھری صیاد نے حلقومِ بُلبُل پر جو پھیری ہے
بنا ہے نخلِ ماتم ہر شجر میرے گلستاں کا

عدم کو بازگشتِ روح ہے اک روز ہستی سے
ارادہ بندھ رہا ہے مصر سے یوسفؑ کو کنعاں کا

وہ جانے گا ہماری حالتِ دل، جس نے دیکھا ہے
اشارہ ابروئے پیوستہ سے برگشتہ مژگاں کا

نہیں کچھ دفترِ گل ہی میں لکھی سرگزشت اس کی
شہادت نامۂ بُلبُل ہے ہر پتا گلستاں کا

اُٹھا دے نرگسِ شہلا نہ آنکھ اوپر اگر دیکھے
مرے مرزا منش کی آنکھ میں سرمہ صفاہاں کا

کیا ہے خانۂ زنجیر میں جو یاد صحرا کو
ہوا ہے دور بیں ہر ایک روزن میرے زنداں کا

پھنسے ہیں بسکہ دل سودا زدوں کے تری زلفوں میں
ہر اک موئے رسا پر ان کے عالم ہے رگِ جاں کا

عظیم الشاں کوئی، کوئی رفیع القدر لکھتا ہے
بلند اقبال ہے تو آستانہ تیرے ایواں کا

ہوا ہے تیری خوش چشمی کا شہرہ اے صنم ہر سُو
عجب کیا اُڑ کے پہنچے ہند تک سرمہ صفاہاں کا

قلم روِ حسنِ عالمگیر کی یہ ربع مسکوں ہے
کہ ومہ ہفت کشور میں ہے تابع تیرے فرماں کا

خطِ نورس نے دلوائے لبِ جاں بخش کے بوسے
دکھایا خضرؑ نے آتشؔ کو چشمہ آبِ حیواں کا

خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

جگر خوں پان کھا کر کر چکے لعلِ بدخشاں کا
ملو مہندی جو پھیرا چاہتے ہو پنجہ مرجاں کا

دلِ صد پارہ کو سودا ہے اک گیسوئے پیچاں کا
نگہباں افعیِ مسکیں ہے اس گنجِ شہیداں کا

خدا و پنج تن کے عشق نے اس میں جگہ کی ہے
نگینِ دل پر اپنے نقش ہے مہرِ سلیماں کا

دل اُس کا ہے خیالِ یار اگر تشریف فرما ہو
قدم آنکھوں کے اوپر سر کے اوپر ایسے مہماں کا

فتیلہ اُس کا اس کی ناک میں دیتا ہوں میں مجنوں
مری دیوانگی دم بند کرتی ہے پری خواں کا

خیالِ تن پرستی چھوڑ، فکرِ حق پرستی کر
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہ جاتا ہے انساں کا

شبِ مہتاب میں منہ کھول کر وہ شوخ سوتا ہے
ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے ماہِ تاباں کا

کہاں جاتی ہے یہ ہر چند بھاگے شوقِ منزل سے
ہمیں آگے ہیں جب پیچھا کیا عمرِ گریزاں کا

خوشا حال اُس کا امدادِ جنوں سے جو برہنہ ہے
گریباں گیر ہے کوئی نہ دامن گیر عریاں کا

جمالِ یار نے جو نقش اپنا اُس میں بٹھلایا
دلِ مشتاق پر عالم ہوا یوسف کے زنداں کا

معطل ہیں اطبا، بن کے بیمار اچھے ہوتے ہیں
فسانہ تیرے عنابِ لب و سیبِ زنخداں کا

جبیں پر اپنے افشاں کو جو اُس محبوب نے چھڑکا
کتابی چہرے نے نقشہ دکھایا لوحِ قرآں کا

پھرے رہتے ہیں مشتاقوں سے اپنے آج کل وہ بھی
اُن آنکھوں پر بھی سایہ پڑ گیا برگشتہ مژگاں کا

ملال آیا اُدھر اُس کو، نہ تھا دم اِدھر اپنا
بلائے جاں خفا ہوتا ہے خوش اسلوب انساں کا

رُخِ روشن ترا جو دیکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے
سحر کو کوئی منہ دیکھے تو ایسے مہرِ تاباں کا

زباں سے اُس کے افسانہ دہانِ یار کا سنئے
پیمبر سا کوئی ہوتا جو واقف رازِ پنہاں کا

اسی سے عاشق اُس محبوب کی فریاد کرتے ہیں
شکوہِ حسنِ عالمگیر سے ہے رتبہ سلطاں کا

نشاں تیرا اُن آنکھوں کی محبت نے بتایا ہے
اُدھر پھر جاتے ہیں ہم، رُخ جدھر پھرتا ہے مژگاں کا

کنوئیں لبریز میں نے کر دیے ہیں، ایسا رویا ہوں
خیال آیا ہے جو بے آبیِ چاہِ زنخداں کا

چمک جانے سے اس کے بند ہو جاتی ہیں آنکھیں
یہ دھوکا برق دیتی ہے تمھارے روئے خنداں کا

سنا کرتا ہوں اس کو چھیڑ کر پاؤں سے میں مجنوں
مری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا

کتابی چہرے کے نظارے سے آنکھیں منور ہوں
دلِ احباب کو کھینچے شکنجہ تیرے احساں کا

وہ بوسہ یاد دیتا تھا جو دن کو رات پر ٹالا
لیا تھا صبح میں نے نام کس کنجوس انساں کا

بہار آئی ہے سائل ساغرِ مے کا ہو ساقی سے
چمن سرسبز ہیں آتش کرم ہے ابرِ باراں کا

رُخ و زلف پر جاں کھویا کیا
اندھیرے اُجالے میں رویا کیا

ہمیشہ لکھے وصفِ دندانِ یار
قلم اپنا موتی پرویا کیا

کہوں کیا ہوئی عمر کیونکر بسر
میں جاگا کیا، بخت سویا کیا

رہی سبز بے فکر کشتِ سخن
نہ جوتا کیا میں، نہ بویا کیا

برہمن کو باتوں کی حسرت رہی
خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

مزا غم کے کھانے کا جس کو پڑا
وہ اشکوں سے ہاتھ اپنے دھویا کیا

زنخداں سے آتش محبت رہی
کنوئیں میں مجھے دل ڈبویا کیا

گوش زد جس کے تمہاری چشم کا افسانہ تھا
آہوئے مست اُس کی آنکھوں میں سگِ دیوانہ تھا

شب جو آنکھوں کو خیالِ گیسوئے جانانہ تھا
پنجۂ مژگاں کو حکمِ دست خشک شانہ تھا

خواب میں مجھ کو خیالِ نرگسِ مستانہ تھا
آنکھ کھولی تو لبالب عمر کا پیمانہ تھا

اے پری پیکر! نہ جب تک میں ترا دیوانہ تھا
یہ جو روشن ہے چراغِ حسن، بے پروانہ تھا

حسنِ عالمگیر چھپ سکتا چھپائے سے نہیں
پردے میں تُو، کوچہ و بازار میں افسانہ تھا

اُٹھتے ہی تیرے دگرگوں ہو گیا رنگِ نشاط
جام خالی مے کدے میں سنگ ماتم خانہ تھا

واہ رے انداز و ناز، اللہ رے کبر و غرور
جان یاں جاتی رہی، واں نازِ معشوقانہ تھا

آج کل نے سلسلہ مہر و محبت کا نہیں
عالمِ ارواح میں ، میرا ترا یارانہ تھا

نیند اُڑ جاتی جو سنتا یار میرا حالِ دل
خوابِ شیریں تلخ کر دیتا، یہ وہ افسانہ تھا

بحثِ علمِ عشق کے قابل نہ تھا دونوں میں ایک
کوہکن بے مغز تھا، مجنوں جو تھا دیوانہ تھا

پردہ ہائے گوش تک سننے کو آ جاتی ہے جان
کس قدر دلچسپ حسنِ یار کا افسانہ تھا

حال پر اپنے توجہ کی نظر تھی جن دنوں
آفتابِ ذرہ پرور جلوۂ جانانہ تھا

جوہرِ جامِ جہاں بیں سن کے یہ روشن ہوا
بادۂ نیرنگ سے لبریز اک پیمانہ تھا

لعلِ لب دونوں تھے اب محبوب! لعلِ شب چراغ
دانت جو تھا منہ میں تیرے گوہرِ یک دانہ تھا

عشقِ ناوک افگنی کرتا تھا جب وہ شمع رُو
سیکڑوں ہی تودۂ خاکسترِ پروانہ تھا

مصحفِ روئے حقیقت کی تلاوت سے کھلا
عشقِ معشوقِ مجازی ابجدِ طفلانہ تھا

ساقیا! تعریف تیرے مے کدے کی کیا کروں
ساتھ کیفیت کے تھا لبریز جو پیمانہ تھا

بسکہ رکھتا تھا ہر اک ان میں سے ہیرے کی چمک
جوہروں سے خنجرِ قاتل جواہر خانہ تھا

واہ ری نیرنگ سازیِ طلسمِ زندگی
محویت آنکھیں تھیں، دل اللہ کا دیوانہ تھا

سایۂ بالِ ہُما سے سرفرازی تھی حصول
بادشاہِ وقت زلفوں میں تمہاری شانہ تھا

بھول کر تجھ کو کسی مشکل میں کرتے یاد ہم
آشنا تھا تو، سوا تیرے جو تھا، بیگانہ تھا

روشنی دل میں تصور سے تھی حسنِ یار کے
گنج کی دولت سے مالا مال یہ دیوانہ تھا

حسن دے کر عاشقِ شیدا دیے اللہ نے
ان بتوں کو لازم آتش سجدۂ شکرانہ تھا

عشق کہتے ہیں اُسے مچھۂ ابرو کا
صورتِ زخم لہو تا دمِ آخر تھوکا

نشے میں کرتا ہے کارِ دلِ وحشی وہ تُرک
آتشِ مے سے لگاتا ہے کباب آہو کا

دم فنا دیکھنے والوں کے کیا کرتا ہے
سیفیِ عامل کا. اشارہ ہے تری ابرو کا

نگہِ لطف کی حسرت یہ سمجھاتی ہے ہمیں
ڈھونڈھیے سرمہ اُن آنکھوں کے لیے جادو کا

کہتے ہیں سنبلِ فردوس بھی شاعر اس کو
سلسلہ دور پہنچتا ہے ترے گیسو کا

رُخِ پُرنور کے سودے میں مسلماں ہوئے زرد
خالِ کافر نے لہو خشک کیا ہندو کا

اُس پری رُو نے گھلایا ہے جو سرمہ اُن میں
پُتلیاں آنکھوں کی پُتلا ہوئی ہیں جادو کا

کیا کہوں اُس بُتِ چینی کی صفا کا عالم
نام کو دخل نہیں سارے بدن میں مُو کا

جان لے گا مری اُس چشمِ سیہ کا سودا
ڈر چھلاوے کا بھی رکھتا ہے شکار آہو کا

خطِ پشتِ لبِ یار آنکھوں میں پھر جاتا ہے
دل کو لہراتا ہے سبزہ جو کنارِ جُو کا

مصرعِ قد میں ترے یوں تو ہیں معنی بلند
اک لطیفہ ہے یہ اُس میں کہ ہے دو پہلو کا

کیا کہوں آ گئی ہے نیند کس آسائش سے
مل گیا سر کو جو تکیہ ہے کسی زانو کا

سیرِ گلزار بہت کی، نہ لگا دل بے یار
خار اس خو کا نہ دیکھا نہ تو، گُل اس بُو کا

سارے نخلوں سے شرافت میں ہے بالادستی
سرو شجرہ ہے مرے گل کے قدِ دل جُو کا

تازہ ہو بادِ بہاری سے نہ بُلبل کا دماغ
بوئے گل پر جو پڑے سایہ تمھاری خو کا

یہی شوق آنکھوں کو ہے سارے مہینے رہتا
ماہِ نو دیکھ کے منہ دیکھیے اُس خوش رو کا

سرِ محفل نہ کر اُس شوخ سے گستاخ اے شوق
چاہیے خلوت اسے وقت نہیں قابو کا

فکر کے زور سے باندھا نہیں جاتا آتش
ہاتھ آیا ہے جو مضموں بھی کسی بازو کا

ابدال سے ہوا نہ تو اوتاد سے ہوا
اے جذبِ دل جو کچھ تری امداد سے ہوا

مومن سے بہتر اُس کو سمجھتے ہیں اہلِ دل
کافر جو پیرِ عشق کے ارشاد سے ہوا

گل پر شرف ترا رُخِ خوش رنگ لے گیا
قد کا بلند مرتبہ شمشاد سے ہوا

زلفوں کے دام دیکھ کے گل پھول جائے گا
بُلبل کا سامنا نہیں صیاد سے ہوا

تیرے الف سے قد نے کیا ہے جسے فقیر
مرشد وہی ہے فرقۂ آزاد سے ہوا

رونا بھلا دیا مجھے ابرو کے عشق میں
خنداں جو زخمِ تیغ کی بیداد سے ہوا

کس کس طرح کے ناز کیے جب ظہورِ عشق
حسن و جمالِ یار کی ایجاد سے ہوا

تیغِ قضا سے جب کہ نہ دیکھا کہیں بچاؤ
باہر کھڑا میں قلعۂ فولاد سے ہوا

اے موت! روزِ حشر کرے گا نہ پھر نمود
نخلِ حیات قطع نہ بنیاد سے ہوا

فریاد رس جو داد نہ دے، اُس کی جو رضا
جس نے سُنا وہ غش مری فریاد سے ہوا

سیر اپنے باغ کی بھی نہ کرنے دی کفر نے
کارِ بہشت کوئی نہ شدّاد سے ہوا

عیسیٰ نفس سے میرے یہ کہیو پیام بر!
نسیان کا مرض ہے تری یاد سے ہوا

تیرے ہی کنجِ حسن کے سودوں میں چغد کو
شوقِ خرابہ کشورِ آباد سے ہوا

عاشق کو چین کے قتل نہ کیونکر کرے وہ شوخ
خوں بے گناہ کا نہیں جلاد سے ہوا

تا کوئے یار اشک بہا کر نہ لے گئے
نیکی کا اک عمل نہ بد اولاد سے ہوا

کیا کیا گناہ گارِ محبت کیے ہیں قتل
کس کس کا خوں مرے جلاد سے ہوا

آتش جو بے ستون کو بنایا تو کیا کیا
شیریں کے دل میں گھر تو نہ فرہاد سے ہوا

کشتہ ہے گرم جوشیِ ہرجائی یار کا
مارا ہوا دل اپنا ہے فصلی بخار کا

نافہمی کی دلیل یہ تکیہ ہے دار کا
منصور پر یقیں ہے مجھے، نے سوار کا

بلبل کو سازوار ہو موسم بہار کا
عہدِ شباب مجھ کو مبارک ہو یار کا

رنگِ طلائی رکھتا ہے اندام یار کا
موئے کمر کو رتبہ ہے سونے کے تار کا

پہنچا دیا عدم شبِ تارِ فراق نے
دکھلا دیا سودا ہمارے دیار کا

کرتا ہے مجھ سے ابلقِ ایام شوخیاں
پہچانتا نہیں مگر آسن سوار کا

خاموشی میں بھی باقی ہے گویائی کا نشاں
طوطے کا پر ہے سبزہ ہمارے مزار کا

جلوے سے روئے یار کے ہے دل میں روشنی
ماہِ چہار دہ ہے چراغ اس دیار کا

اللہ سے دعا ہے یہی عندلیب کی
گل چیں کے ہاتھ کے لیے کھٹکا ہو خار کا

عاشق نگاہِ ناز کے رہتا ہے سامنے
پھرتا نہیں ہے تیر سے منہ اس شکار کا

کشتہ تنک مزاجیِ محبوب کا ہوں میں
نازک ہے سنگ شیشے سے میرے مزار کا

اہلِ صفا کی قدر نہیں کرتے تیرہ روز
روشن ہے حال آئینے سے زنگ بار کا

چلنا پڑے گا ملکِ عدم کو پیادہ پا
اس راہ میں نہیں ہے گزارا سوار کا

مطلب نہیں ہے عاشقِ یوسفؑ سے یار کو
وہ ترک آشنا نہیں ، زخمی شکار کا

آتش یہ کس کی چاہ کا دم مارتے ہو تم
وہ دل ربا ہے دشمنِ جاں دوست دار کا

باغِ طلسم چہرۂ رنگیں ہے یار کا
رہتا ہے چار فصل میں موسم بہار کا

دامانِ زیں چھُوا ہے جو اُس شہسوار کا — ہے عرش پر دماغ ہمارے غبار کا
سودا ہوا ہے مرغِ جنوں کے شکار کا — پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا
اُس بادشاہِ حسن کے در کا فقیر ہوں — ظلِّ ہُما سواد ہے جن کے دیار کا
پیری میں داغِ عشق نہ کیونکر عزیز ہو — بے فصل کا ثمر ہے یہ گل بے بہار کا
وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر! — آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا
آتی ہے مجھ کو شمعِ خموشاں سے یہ صدا — تاریکیِ لحد ہے سواد اس دیار کا
فصلِ بہار آئی کہیں قطع ہو چکے — دامن سے سلسلہ یہ گریباں کے تار کا
دستِ علیؑ کی ضرب کا جنبش میں ہے اثر — اُن ابروؤں میں معجزہ ہے ذوالفقار کا
بعدِ فنا ہے کوچۂ گیسو کی جستجو — سودا تو دیکھیو مرے مشتِ غبار کا
چلتی رہی چھری تری اے تُرکِ صید پر — فوّارہ چھُوٹتا رہے خونِ شکار کا
گیسو نے قربِ آئینۂ روئے یار سے — ڈانڈا ملا دیا ہے حلب سے تتار کا
پیچھے نہ پاؤں معرکۂ عشق سے ہٹے — تلوار کھا کے بوسہ لیا دستِ یار کا
باز آویں گے نہ مر کے بھی صورت کے عشق سے — آئینہ ہو گا سنگ ہمارے مزار کا
پھندے میں زلفِ یار کے جب سے پھنسا ہے دل — دیتا ہے صدمہ رُوح کو بستہ شکار کا
بے یار داغ ہوتا ہے لالہ کو دیکھ کر — آتا ہے خوش کسے یہ شگوفہ بہار کا
پی کر شراب موسمِ گل میں ہوا میں مست — حاصل کیا پیادے نے رتبہ سوار کا
اُس شمع رُو کے بعد فنا بھی ہے جستجو — ہر ذرّہ اک چراغ ہے اپنے غبار کا

آتش نہ پوچھ ہجر میں اک نونہال کے
سوزِ دروں سے حال ہے کہنہ چنار کا

کریں گے افترا شاعر قبائے یار پر کیا کیا — بندھیں گے باندھنوں اُس لٹ پٹی دستار پر کیا کیا
اندھیری رات میں ہوتے ہیں صدقے کبک اُڑ اُڑ کے — تمھارے چودھویں کے چاند سے رخسار پر کیا کیا
گیا ہوں بعد مدت کے جو میں دیوانہ صحرا میں — پڑی ہے آبلوں کی آنکھ نوکِ خار پر کیا کیا
شبِ فرقت میں اُس کانِ ملاحت کے تصوّر نے — نمک چھڑکا ہے زخمِ دیدۂ بیدار پر کیا کیا
نہ طاؤسوں کو یہ طرزِ روش آئی، نہ کبکوں کو — قدم مارا نہ کس کس نے تری رفتار پر کیا کیا
سنگھا کر تو نے جو سیبِ ذقن اچھا کیا اس کو — ہوا رشکِ اہلِ صحت کو ترے بیمار پر کیا کیا
گیا وہ ماہ جو صبحِ شبِ وصل اپنے گھر میں سے — اُداسی برسی ہے بام و در و دیوار پر کیا کیا

ہوا تجھ سے نہ عشق اے حسن کس کس کو زمانے میں
ستم تو نے کیے ہیں کافر و دیں دار پر کیا کیا

لبوں پر مسی و پاں کیسے کیسے رنگ لائے ہیں
پیا ہے سرمہ تیری نرگسِ بیمار پر کیا کیا

صفا آئینے کی وہ چہرۂ محبوب رکھتا ہے
پھسلتی ہیں نگاہیں یار کے رخسار پر کیا کیا

کماں سے دی کبھی تشبیہ ہم نے، تیغ سے گاہے
کہی ہیں پھبتیاں اُس ابروئے خم دار پر کیا کیا

فدا کی جان مصری کے عوض میں زہر کھا کھا کر
موئے طوطی تری شیرینیِ گفتار پر کیا کیا

چمن میں جا کے رویا میں جو یادِ روئے رنگیں میں
گری ہے اوس اشکوں سے مرے گلزار پر کیا کیا

مٹانے یادگاروں کو تری خنجر کی آیا تھا
مرے زخموں نے تھوکا مرہمِ زنگار پر کیا کیا

چٹانے کو جو سنگ اے ترک اُسے تو نے گھسیٹا ہے
شہادت خواہ پھڑکے ہیں تری تلوار پر کیا کیا

زکی واں بھی طبیعت بدگمانی سے محبت کی
چمن میں گل سے کھٹکا ہوں میں قربِ خار پر کیا کیا

ہوا جو گوش زد افسانہ حسنِ یار کا آتش
ہماری رال ٹپکی شربتِ دیدار پر کیا کیا

گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا

کیے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

گلے کو کاٹ کر اپنے شہیدانِ محبت نے
لہو کے گھونٹ گھونٹے ہیں حنائے یار پر کیا کیا

خیال آتا ہے اُس خوش رُو کو جو صورت نمائی کا
ہوئے ہیں آئینے حیراں صفائے یار پر کیا کیا

جزائے خیر دے خالق انھیں پان اور مسی نے
دکھائے رنگ لعلِ بے بہائے یار پر کیا کیا

کیا ہے ٹکڑے ٹکڑے آئینے کو پیشتر ہم نے
ہوا ہے رشک صورت آشنائے یار پر کیا کیا

بچھا رکھا ہے احوالِ قیامت ہم نے آنکھوں کو
بندھے گی ٹکٹکی اپنی لقائے یار پر کیا کیا

رہا مجمع ہمیشہ عاشقانِ بے تحمل کا
اڑے مفلس درِ دولت سرائے یار پر کیا کیا

کیا ہے اک جہاں دیوانہ اُس کی جامہ زیبی نے
گریباں چاک ہوتے ہیں قبائے یار پر کیا کیا

کیا ہے خوش خرامِ ناز کا عالم جو دکھلا کر
ملیں ہیں ہم نے آنکھیں پشتِ پائے یار پر کیا کیا

قبائے تنگ پر رکھے کلاہ کج جو دیکھا ہے
ہماری جان نکلی ہے ادائے یار پر کیا کیا

اُٹھانے دی نہ آنکھ اوپر شبِ وصل اس پری رُو کو
چڑھا ہے جن مری ضد سے حیائے یار پر کیا کیا

نہیں آنے کا میرے بعد شانے کا خیال آتش
پڑیں گے پیچ گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

معاف ہووے گا جو کچھ کہ ہے قصور ہمارا
گناہ بخشے گا، اللہ ہے غفور ہمارا

ترے جمال کے نظارے سے ہوئے ہیں یہ روشن
زباں جو ہو کہیں، آنکھیں تو ہے نور ہمارا

عدم سے شوق تمھارا کشاں کشاں ہے لے آیا
کہو تو شب یہیں رہ جائیں، گھر ہے دور ہمارا

اندھیری رات میں نکلے تو نور روز ہو شب میں
چراغِ خانہ ہے وہ رشکِ شمعِ طور ہمارا

شرابِ عشق نہ اک قطرہ بھی ٹپک کے بہے گی
ہزار شیشۂ دل ہووے چور چور ہمارا

فرار کرتے ہیں صورت سے تیرے دل کی جو غم ہیں
نشاط و عیش ہمارا ہے تو سرور ہمارا

مآلِ کار کا دھیان آ گیا کمال ہی روئے
گزر ہوا جو کبھی جانبِ قبور ہمارا

سمایا دیدۂ مشتاق میں وہ غیرتِ یوسفؑ
پسند کس کو کیا واہ رے شعور ہمارا

کھلا یہ آپ کی آرائشِ جمال سے صاحب
حنائی ہاتھوں سے خوں ہو گا بے قصور ہمارا

گئے جو ذروں میں اے رشکِ آفتاب تو اپنے
بہت ہے مرتبہ اتنا ترے حضور ہمارا

تمھارے تکیے سے یہ عرش پر دماغ ہے اپنا
تمھارے لطف و کرم سے ہے یہ غرور ہمارا

بہشت میں بھی نہ بے یار کے لگے گی طبیعت
مزاج پھیر سکے گا نہ حسنِ حور ہمارا

یہ حسن و عشق سے رسوائے ہم دگر ہوئے ہم تم
گناہ اس میں تمھارا، نہ کچھ قصور ہمارا

جو ساتھ چلنا ہے آتش تو باندھیے کمر اپنی
سفر زیارتِ کعبہ کو ہے ضرور ہمارا

مزا صیاد لوٹیں گے ہمارے شعرِ موزوں کا
نشیمن ہے، قفس ہے، آشیاں ہے مرغِ مضموں کا

رفیع القدر ہر مصرع ہے اپنی بیتِ موزوں کا
نہ ایسا طاقِ کسریٰ تھا، نہ قصر ایسا فریدوں کا

چمن آئینہ ہے، گل عکس ہے رخسارِ گلگوں کا
رہا جو سرو، پرچھاواں ہے تیرے قدِ موزوں کا

تری دیوار کے سائے کو میں سر پر سمجھتا ہوں
جو دھیان آتا ہے خوش اقبالیِ بختِ ہمایوں کا

زباں سے اپنی تعریف اپنی آنکھوں کی وہ کرتے ہیں
لبِ معجز بیاں سے سنتے ہیں افسانہ افسوں کا

کہن سالی میں بھی الفت وہی ہے نوجوانوں کی
وہی عشق آج تک ہے مجھ کو حسنِ روز افزوں کا

زوالِ حسن میں تو لوٹ لینے دیجیے کیفیت
بہار آخر ہے، چلتا دور ہے صہبائے گلگوں کا

لبِ جاں بخش کی جنبش پہ ایما ہے اُن آنکھوں سے
تمھارے اور اپنے فرق ہے اعجاز و افسوں کا

نگہ میری نہیں مدِ نظر پر غیر کے پڑتی
وہ شاعر ہوں، نہیں جو آشنا بیگانہ مضموں کا

قرار اس کو نہیں آتا ہماری بے قراری سے
زمانہ آئینہ ہے اپنے احوالِ دگرگوں کا

یہ شوخی سے اپنی ہو گی مہندی اُس پری رو کی
حنا پیدا کرے گی رنگ مجھ سودائی کے خوں کا

تلاش اے نوگلِ خنداں ہے تیری جس قدر مجھ کو
نہ ہو گا اس قدر شاعر بھی جویا تازہ مضموں کا

بنایا صبح سے تا شام اُن کو آئینہ رکھ کر
بلا سے اس میں سودائی ہو کوئی زلفِ شب گوں کا

محبت ہوتی ہے معشوق کو بھی عشقِ کامل سے
زمیں میں ساتھ قاروں کے گڑا ہے گنج قاروں کا

نشاط و عیش کا ساماں ہے تجھ بن مرگ کا ساماں
صدائے چنگ گولی، تیر ہے آوازہ قانوں کا

چمن کی سیر کو خورشید سے پہلے وہ تُرک آوے
نسیمِ صبح سے آگے قدم ہو اُس کے گلگوں کا

نہایت دل مرا دیدار کا قاتل کے بھوکا ہے
قضا دکھلا چکی منہ مجھ کو میرے تشنۂ خوں کا

کھلا دے ہڈیاں سوزِ فراقِ یار جب چاہے
سگِ لیلیٰ کا حق ہے استخواں ہے جو کہ مجنوں کا

بنایا ہے زبس حکمت سے اپنی دستِ قدرت نے
وہ رُخ جوشِ صفا سے رشک ہے قلبِ فلاطوں کا

جنوں لے چل عدم کو یاں بھی گھبراتا ہے دم اپنا
کیا ہے تنگ وحشت نے ہماری عرصہ ہاموں کا

مزا ملتا نہیں نعمت سے اپنی بدنصیبوں کو
نہ دیکھا لالۂ داغی کو اک دن نشہ افیوں کا

صفا کے واسطے منجن وہ بت دانتوں میں ملتا ہے
خدا حافظ ہے آتش آبروئے دُرِ مکنوں کا

تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا
ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا

رُخِ بے داغ دکھلایا تو ہوتا
گل و لالہ کو شرمایا تو ہوتا

چلے گا کبک کیا رفتار تیری
یہ اندازِ قدم پایا تو ہوتا

نہ کیوں کر حشر ہوتا دیکھتے ہم
قیامت قد ترا لایا تو ہوتا

بجا لاتے اُسے آنکھوں سے اے دوست!
کبھی کچھ ہم سے فرمایا تو ہوتا

تری صورت سے ہنسنا تھا نہ لازم
گلوں نے منہ کو بنوایا تو ہوتا

اکڑنا بھول جاتے سرو و شمشاد
یہ قد بوٹا سا دکھلایا تو ہوتا

کہے جاتے وہ سنتے یا نہ سنتے
زباں تک حالِ دل آیا تو ہوتا

صنوبر سے جو کرتا قد کشی تو
نہ گڑ جاتا تو پچھتایا تو ہوتا

سمجھتا یا نہ اے آتش سمجھتا
دلِ مضطر کو سمجھایا تو ہوتا

سامنا تجھ سے جو اے ناوک فگن ہو جائے گا
چوکڑی کو بھول کر تو وہ ہرن ہو جائے گا

نام تیرا جس کو ورد اے گل بدن ہو جائے گا
غنچۂ گل کی طرح خوشبو دہن ہو جائے گا

موسمِ گل میں بدن کو کپڑے پھاڑے کھائیں گے
دھجیاں لینے کے قابل پیرہن ہو جائے گا

تیرے آنے کی چمن میں ہو گی ہر گل کو خوشی
سرخ تر لالہ سے رنگِ یاسمن ہو جائے گا

حسن کا عالم دکھاوے گی مجھے سیرِ چمن — چشمِ نرگس، گوشِ گل، غنچہ دہن ہو جائے گا
عشقِ شیریں میں عبث دونوں کو ہے آپس میں رشک — کوہکن خسرو نہ خسرو کوہکن ہو جائے گا
خلعتِ شاہی نہیں اے بوالہوس! تشریفِ عشق — جس نے پہنا اُس کو یہ جامہ کفن ہو جائے گا
بعدِ مردن بھی رہے گا شوقِ عریانی مجھے — رُوح کو جسمِ مثالی پیرہن ہو جائے گا
ہم کنار اک دن مری تمثال ہو کے یار سے — آئینہ جوشِ صفا سے وہ بدن ہو جائے گا
پھاڑ کر پیوند میں مجنوں کروں گا ہر برس — پیرہن درویش کا دلقِ کہن ہو جائے گا
چشم کے چشموں میں اُن کا اتفاق اچھا نہیں — اشک کے قطروں سے دریا موج زن ہو جائے گا
موت کے آنے کی ہو گی اس قدر شادی مجھے — پھٹ کے اُترے گا شکنجہ پیرہن ہو جائے گا
روئے بت پر آنکھ میری طرح رغبت کی نہ ڈال — سامنا قصاب کا اے برہمن ہو جائے گا
سکۂ داغِ وفا اک دن مرے کام آئیں گے — عشق کے بازار میں ان کا چلن ہو جائے گا
مدعی کیا تشنۂ دیدار ہوویں گے ترے — آب زہرہ دیکھ کر چاہِ ذقن ہو جائے گا
چار دن ہے گرم بازارِ شباب اے نونہال! — کوڑیوں کے مول یہ سیبِ ذقن ہو جائے گا
شاعروں کے کہنے پر اُترا نہ اے گیسوئے یار! — عنبرِ سارا نہ تُو مشکِ ختن ہو جائے گا
خط کے آنے کی خبر تھی روئے رنگیں پر کسے — کیا سمجھتا تھا میں خارستاں چمن ہو جائے گا
دخترِ رز ہو گی حلقے میں ہمارے بے نقاب — خلوتی کو اشتیاقِ انجمن ہو جائے گا
دم فنا اپنا کرے گا کوہکن سر پھوڑ کر — غمزۂ شیریں فریبِ پیر زن ہو جائے گا
ہر گھڑی ہر دم ترقی ہے جمالِ یار کو — رُوح سے بہتر لطافت میں بدن ہو جائے گا
وجد ہو گا ہر شجر کو دیکھ کر اس کی بہار — لالۂ غربت مرا داغِ وطن ہو جائے گا
دم میں دم جب تک ہے، چھٹنے کا نہیں میں یار سے — میرے اُس کے اتفاقِ رُوح و تن ہو جائے گا
قفلِ بے مفتاح کا عالم کرے گی خامشی — مثلِ ماہی بے زباں اپنا دہن ہو جائے گا
منزلِ مقصود دکھلا دے گی توفیقِ ازل — دوست دشمن ہوں گے، رہبر راہ زن ہو جائے گا

یار مہماں ہو گا آتش، وصل کی شب آئے گی
خانۂ شادی مرا بیت الحزن ہو جائے گا

ہلالِ عید ہے بے یار جانی نعل ماتم کا — نہیں ہے غرۂ شوال، عشرہ ہے محرم کا
نہ رکھی دولتِ دنیا کی خواہش خاکساری نے — خدا نے کر دیا حاکم مجھے اکسیرِ اعظم کا
تصورِ یار کے دنداں کا، ہیرے کا نگینہ ہے — ہماری آنکھ کا حلقہ جو ہے، حلقہ ہے خاتم کا

حیائے حسن کی ملامت کو لعلِ یار سے پوچھو
مسیحا سا ہے شاہد پاک دامنی مریم کا

شکستوں پر شکستیں چوٹ پر کھائی ہے چوٹ اس نے
کھلونا ہے ہمارا دل، تری طفلی کے عالم کا

تصور سے اسے ایوانِ دل میں میں لگاؤں گا
صفا سے پیکرِ یار آئینہ ہے قدِ آدم کا

جنازہ ہو چکا تیار اے سروِ رواں اپنا
شگوفہ پھولنا باقی رہا ہے نخلِ ماتم کا

ہوائے فصلِ گل بھڑکا رہی ہے آتشِ گل کو
چمن میں کر رہا کار روغن آب شبنم کا

خموشی قتل کرتی ہے صنم! لِلّٰہ گویا ہو
لبِ جاں بخش پر ہوتا ہے شک عیسیٰؑ بے دم کا

ہوا ہوں موئے لاغر میں پڑے ہیں آنکھوں میں حلقے
پریشاں کر رہا ہے حال سودا زلفِ پُرخم کا

چُرانے سے نہ ہوگی دیو کے زیرِ نگیں کشور
تصرف ہے تو انگشتِ سلیماں میں ہے خاتم کا

چمن میں جا نکلتا ہوں جو بے اُس حورِ جنت کے
حرارہ آتشِ گل لاتی ہے نارِ جہنم کا

عتابِ یار سے رنگِ رُخِ مریخ اُڑتا ہے
نگاہِ خشمگیں کرتی ہے زہرہ آب رستم کا

بلائے جاں ہوا تیرا بگاڑ اے مایۂ شادی!
بنایا کاہشوں نے ہجر کی پُتلا مجھے غم کا

وہ بت بھی راہِ مولا دے اگر بوسے تو بہتر ہے
سخاوت سے زمانے میں ہے ذکرِ خیر حاتم کا

تری ابرو کا دل اے تُرک کشتہ ہو نہ ہے طالع
خوشا حال اس کا جو چورنگ ہو اس تیغِ خوش خم کا

فقیری نے دیا ہے رتبہ اعلیٰ بادشاہی سے
دو عالم ہیں مرا دل ہے، جہاں بیں جام تھا جم کا

بھر آیا زخمِ دل منہ چومنے سے یارِ جانی کے
نہ تھا معلوم شہدِ لب اثر رکھتا ہے مرہم کا

نگاہِ زہر آلودہ سے اُن کا یہ اشارہ ہے
کہاں تریاق سے تصفیہ ہو سکتا ہے اس سم کا

ترے در کی فقیری کو شرف ہے بادشاہی پر
گواہ اس قول کا ہے حال ابراہیمِ ادہم کا

کفِ افسوس مل مل کر گریباں چاک کرتا ہوں
خیال آتا ہے اے رشکِ پری جب تیری محرم کا

لہو پانی کیا ہے شوق نے اُس کعبۂ رُو کے
ہمارے دیدۂ تر پہ ہے عالم چاہِ زمزم کا

زبانِ پاک اگر پیدا کرے انسان اے آتشؔ
ہر اک نامِ الٰہی میں اثر ہے اسمِ اعظم کا

مر گئے پر نہ اثر حبِ شفا کا دیکھا
درد مندوں نے ترے منہ نہ دوا کا دیکھا

تیرے پھرتے ہی اُداسی سی چمن پر چھائی
رنگ بے رنگ گلستاں کی ہوا کا دیکھا

گورے منہ کی ترے یاد آئی سنہری افشاں
لوحِ سیمیں پہ اگر کام طلا کا دیکھا

سامنے آئینہ رکھتے تو غش آ آ جاتا
تم نے انداز نہیں اپنی ادا کا دیکھا

دست و پا یار کے چوموں گا یہ تحفہ دے کر
نوچتا ہوں جو کہیں پیڑ حنا کا دیکھا

ناز معشوق سے غمزے میں زیادہ نکلی
آئی جب راستہ برسوں ہی قضا کا دیکھا

جامہ زیبی ترے اندام کے اوپر ہوئی ختم
تجھ کو پہنا کے جو انداز قبا کا دیکھا

تیری درگاہ کا اللہ رے جلال اے شہِ حسن!
عرش پر ہم نے دماغ اُس کے گدا کا دیکھا

پھانسی دینے میں احبا کے نہ کوتاہی کی
حوصلہ ہم نے تری زلفِ رسا کا دیکھا

اے شہِ حسن! کبھی دھوپ میں نکلا ہے جو تُو
سر کے اوپر ترے سایہ بھی ہُما کا دیکھا

پھر گئیں آنکھیں ہماری طرف کوچۂ یار
جانب کعبہ جو رُخ قبلہ نما کا دیکھا

ہر ستارے سے لڑی آنکھ، ہر اک گل سونگھا
تھا تماشا جو کچھ اس ارض و سما کا دیکھا

ذرّے کی طرح سے ہم نے بھی لڑائیں آنکھیں
رُخ جب اپنی طرف اُس ماہِ لقا کا دیکھا

جوہرِ لوح کیے نشۂ مے نے روشن
ٹوٹتے ہم نے طلسم اُن کی حیا کا دیکھا

سیرِ بت خانے کی جب تک کہ نہ کی تھی ہم نے
کارخانہ ہی نہ تھا شانِ خدا کا دیکھا

سرو و شمشاد و صنوبر کو نہیں کچھ نسبت
قدِ بالا کو ترے ہم نے بلا کا دیکھا

التجا کرتا ہوں اللہ سے وصلِ بت کی
ہاتھ اٹھائے جو محل میں نے دعا کا دیکھا

روئے گل دیدۂ بلبل سے گرا اے محبوب!
رنگ مہندی سے جو تیرے کفِ پا کا دیکھا

چکھ کے یاقوتِ لب کو ترے بے خود ہوئے ہم
نشہ معجوں میں مئے ہوش ربا کا دیکھا

کوئے قاتل کا تماشا اُسے دکھلا آتش
گرم جس نے نہ ہو بازار فنا کا دیکھا

سودے میں ترے دھیان نہیں سُود و زیاں کا
مُطلق جو پس و پیش ہو ارزان و گراں کا

دل سے یہ دمِ فکر ہے قول اپنی زباں کا
بے خونِ جگر کھائے نہیں لطف بیاں کا

فصدوں سے تو سودا نہ گیا حسنِ بیاں کا
دانتوں سے مگر کاٹنا باقی ہے زباں کا

عقدہ کھلے اس گل کے جو غنچے سے دہاں کا
موہوم سمجھتا ہوں قصور اپنے گماں کا

شک ہے کمرِ یار کے اوپر رگِ جاں کا
کیسی رگِ گل، رشتۂ باریک کہاں کا

منہ تم نے شبِ وصل میں کس واسطے ڈھانکا
بے جا نہ کرو ناز یہ غمزہ ہے کہاں کا

تشبیہ نہ دوں ترے گیسوئے رسا کو
اُترا ہوا چلّہ کہوں ابرو کی کماں کا

لہرا کے نہ اُلجھے مژۂ یار سے گیسو
سوزن نہیں دے سکتی ہے زنجیر میں ٹانکا

اک تُرک کے ابرو کے اشارے کا ہوں بندہ
درکار مرے گوش میں ہے حلقہ کماں کا

فرقت میں تری صبر نہیں ہونے کا مجھ سے
بوجھ اُٹھے گا سینے سے نہ اس سنگِ گراں کا

قد سرو ہیں، رخسار ہیں گل، آنکھیں ہیں نرگس
رفتار میں عالم ہے تری باغ رواں کا

تفتیش جو کرتے ہیں مرے حالتِ دل کی
در پردہ پتہ پوچھتے ہیں تیرے مکاں کا

سودا زدوں کی طرح کیا کرتے ہیں باتیں
بے قصد گزارا نہیں اب اپنی زباں کا

پرساں جو ترے حسن کے عالم کا ہے مجھ سے
مشتاق ہے موسیٰ سے تجلّی کے بیاں کا

اک آبلہ پک پک کے خموشی سی ہوئی ہے
کیا شعر کہوں، قافیہ ہے تنگ زباں کا

زیبندہ سخن گویوں میں ہے خواجگی ہم کو
ہے لطفِ بیاں نام غلام اپنی زباں کا

غنچہ نہ دہن ہے، نہ رگِ گل وہ کمر ہے
اندیشۂ باطل ہے ترے وہم و گماں کا

پیری میں بھی دل سے نہ مٹے داغ محبت
گل صبح کو بھی ہو نہ چراغ اپنے مکاں کا

رخ پھیر لیا، بوسہ طلب کرتے ہی، ہم سے
کیا حوصلہ ہے تنگ ترے دہاں کا

کھو دی گئی کوچے میں ترے قبر ہماری
دروازہ کھلا اپنے لیے باغ جناں کا

طوفاں نہ کرائے گل مجھے ہنس ہنس کے نہ رُلوا
بھاری ہے چمن پر قدم اس آبِ رواں کا

بے مثل ہے، یکتا ہے جو تصویر ہے اس کی
کھینچا ہوا کس کا یہ مرقع ہے جہاں کا

دنیا کے خرابے میں نہ گھر جس نے بنایا
جنت میں نہ نکلے گا جواب اس کے مکاں کا

لطفِ دو جہاں حسن سے ہے یار میں میرے
چہرہ ہے پری کا تو بدن حورِ جناں کا

جاں بر ہو کوئی عشق کے آزار سے کیوں کر
آخر میں دق، اول میں مرض ہے خفقاں کا

بنیاد فسادوں کی ہے آغاز سے اس کے
انجام قیامت ہے جہانِ گزراں کا

پیری میں جوانی کے کہاں چہچہے آتش
اب اپنی غزل خوانی ہے غل برگِ خزاں کا

سر سے حاضر منقبت میں بے تامّل ہو گیا
مدحِ حیدرؓ سے کمیتِ خامہ دُلدُل ہو گیا

زلفِ پیچاں سے پریشاں حالِ سُنبل ہو گیا
گل ترے آگے چراغِ لالہ و گل ہو گیا

جام بھرتے بھرتے خالی شیشۂ مُل ہو گیا
مجلسِ جمشید برہم ہو چکی، قُل ہو گیا

انتہائے شوق ہے اب صبر کا طاقت کہاں
ابتدائے عشق میں چندے تحمّل ہو گیا

لے لیا جس نونہالِ حسن نے بوسہ دیا
رزق اپنا میوۂ باغِ توکّل ہو گیا

کون ہے جو اُس کی جانب کو کھنچا جاتا نہیں
حسن کی دولت سے وہ بت مرجعِ کل ہو گیا

نورِ شمع و رنگِ گل دیکھا جو روئے یار میں
گاہ پروانہ بنا میں، گاہ بلبل ہو گیا

مرغِ دل مارا پڑا چشمِ سیاہ یار سے
پنجۂ مژگاں اُسے شاہیں کا چنگل ہو گیا

نے رکھوائی جو کاکل اے بتِ بالا بلند
طرۂ شمشاد باغِ حسن سنبل ہو گیا

جب وہ شاہِ حسن نکلا گرد و پیش اُس کے رہے
عشق بازوں سے سواری کا تجمل ہو گیا

کافروں کو زلف کے زنار سے پھانسی ملی
مومنیں کا مصحفِ رُو سے ترے قُل ہو گیا

تیرے آنے کی خوشی نے کر دیا یہ رنگ سرخ
ٹھیک بلبل کے بدن پر جامۂ گل ہو گیا

بے تکلف بند کھولوں گا قبائے یار کے
جامے سے باہر جو شوقِ بے تامل ہو گیا

بسکہ انگشتِ حنائی میں رہا تھا مدتوں
لالۂ بے داغ چھلے کا ترے گل ہو گیا

بڑھتے بڑھتے تا کمر پہنچے وہ موئے مشک بُو
رفتہ رفتہ مغز سر، سودائے کاکل ہو گیا

جوش پر آیا جو بحرِ یار میں دریائے اشک
تہ ہوا سطحِ زمیں کا، آسماں پل ہو گیا

خط نکلنے پر صفا چاہے جو یار آتش کہاں
صاف ہونے میں ہمارے اب تامل ہو گیا

ہاتھ سے تیرے ہی لکھی ہے جو اے قاتل! قضا
زندگی سے تنگ ہیں ہم بھی، رضینا بالقضا

زندگی میں کر دیا ہے مجھ کو مردہ عشق نے
میری قبضِ روح کو آتی ہے لا حاصل قضا

خوابِ غفلت میں نہ کھو ہنگامِ پیری رائگاں
چونک، ہوتی ہے نمازِ صبح اے غافل! قضا

دل نہ دوں گا پیشتر سے دے چکا ہوں یار کو
جان حاضر ہے، جو مجھ سے ہوتی ہے سائل قضا

بے گنہ جلاد سے پھروائی گردن پر چھری
کر چکی تیرے شہیدوں میں ہمیں داخل قضا

بزمِ دنیا سے اُٹھاتی ہے تو غم اس کا نہیں
عالمِ ارواح کی دکھلائے گی محفل، قضا

عشق کا صدمہ نہیں اُٹھ سکنے کا معشوق سے
پہلے مجنوں سے کرے گی لیلیٰ محمل قضا

عاشقِ حسنِ بتاں سختی ہے برسوں سے مجھے
دق کرے گی خون تھکوا کر بنے گی سل، قضا

نزع کی ایذا سے ہو جاوے گی اک دم میں نجات
سہل کر دے گا خدا ہر چند ہو مشکل قضا

میں اُسے بھولا ہوا ہوں، وہ مجھے بھولی نہیں
میں تو غافل ہوں مگر مجھ سے نہیں غافل قضا

پاس اپنے وعدے کے اوپر سمجھتا ہوں اُسے
دور ہو ہر چند مجھ سے سیکڑوں منزل قضا

حسن سے اک شمع رُو محبوب کے ہے دل کو عشق
مثلِ پروانہ سمجھتا ہوں سرِ محفل قضا

آج کل ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل جل کے خاک
کھیلتی ہے شمع ساں سر پر ترے اے دل قضا

بہرِ قبضِ روح آتش حور بن کر آئے گی
عشق بازی میں اگر سمجھی تمھیں کامل قضا

طرہ اُسے جو حسنِ دل آزار نے کیا
اندھیر گیسوئے سیہ یار نے کیا

گل سے جو سامنا ترے رخسار نے کیا
مژگاں نے وہ کیا کہ جو کچھ خار نے کیا

ناز و ادا کو ترک مرے یار نے کیا
غمزہ نیا یہ تُرکِ ستم گار نے کیا

افشاں سے کشتہ ابروئے خم دار نے کیا
جوہر سے کام یار کی تلوار نے کیا

قامت تیری دلیل قیامت کی ہو گئی
کام آفتابِ حشر کا رخسار نے کیا

میری نگہ کے رشک سے روزن کو جان دی
رخنہ یہ قصرِ یار کی دیوار نے کیا

سودائے زلف میں مجھے آیا خیالِ رُخ
مشتاق روشنی کا شبِ تار نے کیا

حسرت ہی بوسۂ لبِ شیریں کی رہ گئی
میٹھا نہ منہ کو تیرے نمک خوار نے کیا

فرصت ملی نہ گریے سے اک لحظہ عشق میں
پانی مرے لہو کو اس آزار نے کیا

سیماب کی طرح سے شگفتہ ہوا مزاج
اکسیر مجھ کو میرے خریدار نے کیا

قد میں تو کر چکا تھا وہ احمق برابری
مجبور سرو کو تری رفتار نے کیا

حیرت سے پا بہ گل ہوئے روزن کو دیکھ کر
دیوار ہم کو یار کی دیوار نے کیا

پتھر کے آگے سجدہ کیا تو نے برہمن
کافر تجھے ترے بُتِ پندار نے کیا

کاوش مژہ نے کی رُخِ دلبر کی دید میں
پائے نگاہ سے بھی خلش خار نے کیا

عاشق کی طرح میں جو لگا کرنے بندگی
آزار داغ دے کے خریدار نے کیا

اعجاز کا عجب لبِ جاں بخش سے نہیں
پیغمبر اُس کو مصحفِ رخسار نے کیا

طُرّے کی طرح سے دلِ عاشق کو پیچ میں
کس کس لپیٹ سے تری دستار نے کیا

آنکھوں کو بند کر کے تصور میں باغ کے
گلشن قفس کو مرغِ گرفتار نے کیا

نالاں ہوا میں اُس رُخِ رنگیں کو دیکھ کر
بلبل مجھے نظارۂ گلزار نے کیا

ہکلا کے مجھ سے بات جو اُس دل رُبا نے کی
کس حسن سے ادا اُسے تکرار نے کیا

اُلٹا اُدھر نقاب تو پردے پڑے اِدھر
آنکھوں کو بند جلوۂ دیدار نے کیا

لذّت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور
پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا

ناصاف آئینہ ہو تو بدتر ہے سنگ سے
روشن یہ حال ہم کو جلا کار نے کیا

حلقے کی نافِ یار کے تعریف کیا کروں
گول ایسا دائرہ نہیں پرکار نے کیا

دیوانِ حسنِ یار کی آتش جو سیر کی
دیوانہ بیتِ ابروئے خم دار نے کیا

ہشیاری رنج دیتی ہے قیدِ فرنگ کا
دیوانگی نشانہ بناتی ہے سنگ کا

سودائی ہے جو تیرے خطِ سبز رنگ کا — رہتا ہے اُس کو آٹھ پہر نشہ بنگ کا
اللہ رے دماغ بُتِ شوخ و شنگ کا — نازک مزاج شیشے سے پتلا ہے سنگ کا
دریائے حسن چہرہ ہے اُس شوخ و شنگ کا — مژگاں نہیں ہے، اژدہ ہے پشتِ نہنگ کا
کلمہ پڑھیں گے دونوں مرے خانہ جنگ کا — زاغِ کماں ہو اس میں کہ طوطا تفنگ کا
مہماں بہار باغ ہے دو چار روز کا — چندے ہے دَور دورِ شرابِ فرنگ کا
غیرت کا کوئے عشق و جنوں میں گزر نہیں — ہوتا ہے تنگ حوصلہ یاں عار و ننگ کا
صوفی ہیں، دورِ جام ہے، جوشِ بہار ہے — خرقے ہیں اور داغ مئے لالہ رنگ کا
اے بُت! خدا کے واسطے دل کو نہ سخت کر — اس کعبے میں ضرور نہیں فرش سنگ کا
معجون آب وگل ہی سے رہتے ہیں مست ہم — کس کو دماغ ہے مئے یاقوت رنگ کا
سنتا ہوں تختہ پھولا ہے نرگس کا باغ میں — آنکھیں لڑائیے جو ارادہ ہو جنگ کا
مرغِ چمن کے نالوں سے ہے یہ صدا بلند — قائل ہے دید کے یہ طلسم آب و رنگ کا
رتبہ ہے پست تختِ سلیماں کا اے پری! — پایہ بہت بلند ہے تیرے پلنگ کا
وحدت پسند ہے تو زمانے سے کر گریز — یک رنگ آشنا نہیں ہوتا دو رنگ کا
تیار رہتی ہیں صفِ مژگاں کی پلٹنیں — رخسارِ یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا
چھرّوں سے کم نہیں شررِ آہِ آتشیں — طاؤسِ آسماں ہے شکار اس تفنگ کا
زورِ کہاں ہے ابروئے خم دارِ یار میں — سوئے مژہ میں توڑ ہے تیرِ خدنگ کا
رخسار صاف چاہیے نظارے کے لیے — آئینہ ہو، حلب کا ہو یا ہو فرنگ کا
وہ چشم گھات میں دلِ پُر داغ کے نہیں — آہو کو ہے ارادہ شکارِ پلنگ کا
بعدِ فنا بھی رنگِ طبیعت نہ جائے گا — تُربت سے میری پیڑ اُگے گا چنگ کا
یوسف کے حسن کے جو ہیں کارواں میں مست — نالہ سرود کا ہے اُنھیں شور زنگ کا
ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام ہو — مُطرب نہ تار ٹوٹے اب آوازِ چنگ کا
جو مصقلی دو ابروئے خم دارِ یار تھے — دھبا لگا آئینۂ رُخ کو زنگ کا
میری طرح ہوئی ہو نہ بیمار چشمِ یار — کھلتا نہیں سبب کچھ اجل کے درنگ کا

اس گنبدِ سپہر کو میں کیا کروں گا یاد
آتش ہمیشہ رنج رہا گورِ تنگ کا

بس کیا عجب طلا اگر اکسیر سے ہوا — کم ہے جو کچھ کہ صاحبِ تاثیر سے ہوا

قابو میں یار عشق کی تاثیر سے ہوا
کیا حسنِ اتفاق یہ تدبیر سے ہوا

دل تنگ چھٹ کے زلفِ گرہ گیر سے ہوا
سودا نکل کے خانۂ زنجیر سے ہوا

بے یار غم مغنی کی تحریر سے ہوا
کانوں میں درد چنگ کی تقریر سے ہوا

مردانِ عشق زلف کے پھندے میں پھنس گئے
شیروں کو سلسلہ تری زنجیر سے ہوا

دکھلائی شان طالعِ بیدار حسن نے
یوسفؑ عزیز خواب کی تعبیر سے ہوا

شدّاد کو خدا سے نہ کرنی تھی ہمسری
دوزخ میں گھر، بہشت کی تعمیر سے ہوا

گرمی جو کی مقابلے میں رُوئے یار نے
خورشید سرد قرصِ تباشیر سے ہوا

جھڑنے لگے جو منہ سے اُس آرامِ جاں کے پھول
دل باغ باغ یار کی تقریر سے ہوا

دنیا سے بے نیاز قیامت نے کر دیا
اکسیر کا جو کام تھا اکسیر سے ہوا

مارا نگاہِ ناز سے اُس تُرک نے اُسے
استادہ جو کہ فاصلۂ تیر سے ہوا

آئینۂ خیال کو منظور تو رہا
جب سامنا ہوا تری، تصویر سے ہوا

وحشت ہوئی تصورِ رخسارِ یار سے
دیوانہ آفتاب کی تسخیر سے ہوا

خُم خانۂ حدوث میں مستِ قدیم ہوں
طفلی میں مجھ کو نشۂ مے شیر سے ہوا

اچھا کیا فلک نے جو رکھا مجھے علیل
بہتر ہوا جو مصلحتِ پیر سے ہوا

مارا پڑا میں جنبشِ ابرو سے بے گناہ
رتبہ شہید کا تری شمشیر سے ہوا

یاد آئی زلفِ یار جو سنبل کو دیکھ کر
گلزار تنگ حلقۂ زنجیر سے ہوا

پھڑکا کیا مرقعِ عالم کے حسن پر
ہر روز عشق اک نئی تصویر سے ہوا

آغازِ خط کا زلفِ مسلسل سبب ہوئی
انبوہ مور دانۂ زنجیر سے ہوا

اُس نوجواں کا ناز یہ کہتا ہے کھینچئے
وہ ظلم جو فلک کے نہ ہو پیر سے ہوا

زنداں میں اُس پری کا جو آیا کبھی خیال
کارِ سپند، دانۂ زنجیر سے ہوا

حسن آڑے آ گیا مرے، بخشا کریم نے
شایانِ عفو عشق کی تقصیر سے ہوا

اے پیرِ عقل پھر نہیں آتشؔ ترا مرید
تقدیر کے خلاف جو تدبیر سے ہوا

بیاباں کو بھی ہنگامِ جنوں میں سیر کر دیکھا
سرِ شوریدہ کو پائے غزالاں پر بھی دھر دیکھا

تجھے موجود پایا یار، تجھ کو جلوہ گر دیکھا
ترا دیدار آنکھوں کو جو تھا مدِ نظر، دیکھا

تری مستانہ آنکھوں کی نہ گردش کا اثر دیکھا
مئے گلرنگ سے سو سو طرح پیمانہ بھر دیکھا

تمھارے رُوبرو پھیکا رُخِ شمس و قمر دیکھا
وہ نانِ بے نمک پایا، یہ شیر بے شکر دیکھا

سوادِ گیسوئے مشکیں میں ظلمت شام کی پائی
بیاضِ گردنِ محبوب میں نورِ سحر دیکھا

محبت میں مزا ملتا ہے ایذائیں اُٹھانے سے
اُسی کو ہم نے چاہا جو حسیں بیدادگر دیکھا

مسافر ہی نظر آیا، نظر آیا جو دنیا میں
جسے دیکھا اُسے آلودۂ گردِ سفر دیکھا

دلِ سوزاں کی حالت سینۂ سوزاں میں یاد آئی
کسی مجمر میں ہم نے عود کو جلتے اگر دیکھا

خریدارِ محبت آئے بھی بازارِ عالم میں
وہی سودا کیا ہم نے کہ جس میں دردِ سر دیکھا

نیا غمزہ کیا صیاد نے اپنے اسیروں سے
کیا آزاد اُسے جس مرغ کو بے بال و پر دیکھا

حلاوت سے نہیں اک ذرہ موجودات کا خالی
گرہ میں قند کو باندھے ہوئے ہر نیشکر دیکھا

ہوئے ہیں کیا سمجھ کر پردۂ فانوس سے باہر
مگر شمعوں نے پروانوں کو بھی بے بال و پر دیکھا

بھری نیت نہ ہرگز لاکھ کھایا مجھ کو بے صرفہ
فراقِ یار سا کوئی نہیں جوع البقر دیکھا

خدا کی شان اے بُت جلوہ گر ہے حسن سے تیرے
تجلی طور پر دیکھی جو تجھ کو بام پر دیکھا

جگر خوں ہو گیا بدگو کا اپنے چپکے رہنے سے
خموشی میں بھی مظلوموں کے نالے کا اثر دیکھا

خبر اک دن نہ لی، پوچھا نہ حال اپنے فقیروں کا
وہ شاہِ حسن ہم نے بادشاہِ بے خبر دیکھا

یہ مستغرق تصور میں ہوئیں اُس طاقِ ابرو کی
پھریں اپنی نگاہیں جس طرف، کعبہ اُدھر دیکھا

تڑپتے دیکھ کر مجھ کو کہا ہنس کر یہ اُس بُت نے
خدا کے دوست کو رنج و الم میں بیشتر دیکھا

فراقِ یار میں جب عشق نے مجھ کو ٹٹولا ہے
جو دل فولاد کا پایا تو پتھر کا جگر دیکھا

بدخشاں و یمن چھانا، لگائے غوطے دریا میں
نہ لب سا لعل اے آتشؔ نہ دنداں سا گہر دیکھا

کھینچے چو رنگ عاشق کو نگاہِ ناز کا
دیکھ لینا شرط ہے شمشیرِ خانہ ساز کا

صوفیوں کو وجد میں لاتا ہے نغمہ ساز کا
شبہ ہو جاتا ہے پردے سے تری آواز کا

یہ اشارہ ہم سے ہے اُن کی نگاہِ ناز کا
دیکھ لو تیر قضا ہوتا ہے اس انداز کا

گفتگو بڑھ جائے گی تقریرِ عیسیٰؑ نے جو کی
وہ لبِ جاں بخش بھی دم بھرتے ہیں اعجاز کا

پڑ گئے سوراخ دل میں گفتگوئے یار سے
بے کنایے کے نہیں اک قول اُس طنّاز کا

زندہ اُن آنکھوں کے کشتے کو نہ وہ لب کر سکے
اس فسوں پر زور چل سکتا نہیں اعجاز کا

روح قالب سے جدا کرتا ہے، قالب روح سے
ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ تیرے ناز کا

سرمہ ہو جاتا ہے جل کر آتشِ سودا سے یار
دیکھنے والا تری چشمِ فسوں پرداز کا

بہرِ پامالیِ عاشق ہوتی ہے مشقِ خرام
شور ہے خلخالِ پائے یار کی آواز کا

منہ سے بے دل کے اشارے سے نکلتا کچھ نہیں
مثلِ نے محتاج ہے اپنا دہن دم ساز کا

حیرت آنکھوں کو ہے نظارے میں اُس محبوب کے
یہ نہیں کھلتا کہ دل کشتہ ہے کس انداز کا

یہ اشارہ کر رہی ہے ابروئے خم دارِ یار
کام منہ چڑھنا ہے اس تلوار کے جاں باز کا

اے زباں! کیجو نہ شرحِ حالتِ دل کا خیال
منکشف ہونا نہیں بہتر ہے مخفی راز کا

غیبتِ عاشق کے سننے کا دماغ اُس کو نہیں
بند ہو جاتا ہے پیشِ یار دم غماز کا

کاٹ کر پر مطمئن صیاد بے پروا نہ ہو
روحِ بلبل کی ارادہ رکھتی ہے پرواز کا

کھینچ دیتا ہے شبیہِ شعر کا خاکا خیال
فکرِ رنگیں کام اس پر کرتی ہے پرواز کا

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتشؔ مرصع ساز کا

بلائے جاں مجھے ہر ایک خوش جمال ہوا
چھری جو تیز ہوئی، پہلے میں حلال ہوا

گِرو ہوا تو اُسے چھوٹنا محال ہوا
دلِ غریب مرا مفلسوں کا مال ہوا

کمی نہیں تری درگاہ میں کسی شے کی
وہی ملا ہے جو محتاج کا سوال ہوا

دکھا کے چہرۂ روشن وہ کہتے ہیں سرِ شام
وہ آفتاب نہیں ہے جسے زوال ہوا

دُکھا نہ دل کو صنم اتحاد رکھتا ہوں
مجھے ملال ہوا تو تجھے ملال ہوا

بچھایا آنکھوں نے وہ رخ تلاشِ مضموں میں
خیالِ یار مرا، شعر کا خیال ہوا

ترے شہید کے جیب کفن میں اے قاتل!
گلال ہے بھی ہے رنگِ عبیر لال ہوا

بلند خاک نشینی نے قدر کی میری
عروج مجھ کو ہوا جب کہ پائمال ہوا

غضب میں یار کے شانِ کرم نظر آئی
بنایا سروِ چراغاں جسے، نہال ہوا

یقیں ہے دیکھتے صوفی تو دم نکل جاتا
ہمارے وجد کے عالم میں ہے جو حال ہوا

وہ ناتواں تھا ارادہ کیا جو کھانے کا
غمِ فراق کے دانتوں میں مَیں خلال ہوا

کیا ہے زار یہ تیری کمر کے سودے نے
پڑا جو عکس مرا، آئینے میں بال ہوا

دکھائی تھی نہ تمھیں چشمِ سرگیں اپنی
نگاہِ ناز سے وحشت زدہ غزال ہوا

دہانِ یار کے بوسے کی دل نے رغبت کی
خیالِ خام کیا، طالبِ محال ہوا

رہا بہار و خزاں میں یہ حال سودے کا
بڑھا تو زلف ہوا، گھٹ گیا تو خال ہوا

جنوں میں عالمِ طفلی کی بادشاہت کی
کھلونا آنکھوں میں اپنی ہر اک غزال ہوا

سنا جمیل بھی تیرا جو نام اے محبوب!
ہزار جان سے دل بندۂ جمال ہوا

لکھا ہے عاشقوں میں اپنے تو نے جس کا نام
پھر اُس کا چہرہ نہیں عمر بھر بحال ہوا

گنہ کسی نے کیا، تھرتھرایا دل اپنا
عرق عرق ہوئے ہم، جس کو انفعال ہوا

ترے دہان و کمر کا ذکر آیا یار!
گمان و وہم کو کیا کیا نہ احتمال ہوا

کمال کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں
ہزار شکر کہ مجھ کو نہ کچھ کمال ہوا

تمھاری ابروئے کج کا تھا دوج کا دھوکا
سیاہ ہوتا اگر عید کا ہلال ہوا

دیا جو رنج ترے عشق نے تو راحت تھی
فراق تلخ تو شیریں مجھے وصال ہوا

وہی ہے لوحِ شکستِ طلسم جسم آتش
جب اعتدالِ عناصر میں اختلال ہوا

وحشت نے ہمیں جب کہ گلستاں سے نکالا
غیرت نے قدم پھر نہ بیاباں سے نکالا

ہاتھوں نے جو مہندی کو گلستاں سے نکالا
سرمے کو اُن آنکھوں نے صفاہاں سے نکالا

کالی ہوئی شوخی سے ترے ہاتھ کی مہندی
یہ رنگ نیا پنجۂ مرجاں سے نکالا

سوزن نے کیا خارِ کفِ پا سے جو باہر
گویا کہ وہ گل میرے گریباں سے نکالا

باتیں سنیں اللہ کی مشتاق تھے جس کے
مطلب تھا جو کچھ اپنا، وہ قرآں سے نکالا

جھجکی نہ دمِ قتل جو قاتل سے مری آنکھ
کھنچوا کے مجھے گنجِ شہیداں سے نکالا

گردن مری اے دستِ جنوں! تو نے جھکائی
آزاد کیا، بندِ گریباں سے نکالا

کیوں کر وہ شہِ حسن کرے چینِ جبیں دور
طغرے کو کسی نے نہیں فرماں سے نکالا

وحشت نے کیا خانۂ زنجیر سے باہر
صحرا کی ہوا نے مجھے زنداں سے نکالا

مسی کا نہیں رنگ لبِ یار کے اوپر
ظلمت نے ہے سرچشمۂ حیواں سے نکالا

دیوانہ ہوا دیکھ کے پریوں کی ادائیں
وحشت نے مجھے ملکِ سلیماں سے نکالا

اے حسنِ عمل دونوں کو سمجھا جو برا میں
الفت کا مزا گبر و مسلماں سے نکالا

ہر چند کہ کاوش رہی مضمون میں اُس کے
پانی نہ ترے چاہِ زنخداں سے نکالا

لٹکایا ہے زلفوں کو انھوں نے بھی تری طرح
پریوں نے بھی ہے سلسلہ انساں سے نکالا

نالاں رہے ہم کوچۂ محبوب میں آتش
بلبل نے بخار اپنا گلستاں سے نکالا

وصل کی شب رنگِ گردوں نوعِ دیگر ہو گیا
شام سے یار اور میں جامے سے باہر ہو گیا

عیسیٰؑ مریم وہ لعلِ روح پرور ہو گیا — روئے زیبا حسنِ یوسفؑ سے پیمبر ہو گیا
ظلم سے اپنے پشیماں وہ ستم گر ہو گیا — دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتھر ہو گیا
اُس شہِ خوباں کو جب لکھا عریضہ شوق کا — اس قدر لوٹا ہما اُس پر، کبوتر ہو گیا
تختۂ نردِ عشق دل کھیلا جو حسنِ یار سے — اُڑ گئے ایسے مرے چھکّے کہ ششدر ہو گیا
منتخب تو نے کیا لے کر قلم کو ہاتھ میں — صاد تیرا شعر کے چہرے کا زیور ہو گیا
روح کو تفریح ان دانتوں کے دیکھے سے ہوئی — آبِ گوہر سے ہرا دل کا صنوبر ہو گیا
کوچۂ گیسو سے کس دلبر کے آئی تھی نسیم! — بوئے سنبل سے دماغِ جاں معطر ہو گیا
جنبش اُن مژگاں نے کی مجھ پر چھری سی چل گئی — مرغِ بسمل کی طرح آخر تڑپ کر ہو گیا
عشق کا قصہ کہیں گے ہم حضورِ شاہِ حسن — وقتِ شب دربار اگر اپنا مقرر ہو گیا
کو بہ کو پھرتا ہوں میں خانہ خرابوں کی طرح — جیسے سودے کا ترے سر میں مرے گھر ہو گیا
رتبہ سنبل کو بہم پہنچا خس و خاشاک کا — پیشِ زلفِ یار مٹی مشک و عنبر ہو گیا
صورتِ قاتل کے دیکھے سے ہوئی ایسی خوشی — اپنی آنکھوں میں ہلالِ عید خنجر ہو گیا
قبر پر بیٹھا ہمارے ہو کے وہ قاتل، فقیر — نقش جاں بازی کا اپنی اُس کے دل پر ہو گیا
چھوٹ کر مرجع سے اپنے ہے پریشاں حال روح — بھول کر گھر کو تباہی میں کبوتر ہو گیا
بوجھ ہے حمال کا قاتل سے اُٹھنے کا نہیں — طولِ شرحِ شوق سے مکتوب دفتر ہو گیا
لعل و گوہر اب لب و دنداں سے کھوئے گئے — پانی پانی اُس طلائی رنگ سے زر ہو گیا
فکرِ رنگیں نے بنایا باغ، دیواں کو مرے — برگِ گل صفحے، رگِ گل نقشِ مسطر ہو گیا
گوشِ عارف میں یہ گورستاں سے آتی ہے صدا — آسماں ہے وہ زمیں کے جو برابر ہو گیا
آنکھ سے دیکھا، سنا کرتے تھے صحبت کا اثر — تیری گردن میں صراحی دار گوہر ہو گیا
قتلِ عاشق کا اشارہ تو تم ابرو سے کرو — تیغ ہے پیدا جو خوں ریزی کا جوہر ہو گیا
کشورِ دل کو کیا غارت خطِ شب رنگ نے — گردِ لشکر میں جسے سمجھا تھا لشکر ہو گیا
تیرے پہلو سے جدا ہوتے ہی اے آرامِ جاں! — استخواں جو تھا مرے پہلو میں، خنجر ہو گیا
خطبہ بلبل نے پڑھا، تیرے بہارِ حسن کا — بامِ گلبن سنتے تھے جس کا وہ منبر ہو گیا
شوقِ خود بینی ہوا تجھ کو جو اے سلطانِ حسن! — آئینہ تمثال سے تیرے سکندر ہو گیا
سامنا جو پڑ گیا، ہوش اُڑ گئے، بے خود ہوا — جامِ چشمِ یار، بے ہوشی کا ساغر ہو گیا

ایک الف سے قد کے سودے میں ہوا آتش فقیر
چار ابرو کو صفا کر کے قلندر ہو گیا

شادمانی میں نے کی غم جس قدر افزوں ہوا
بادۂ گل رنگ اُسے سمجھا، اگر دل خوں ہوا

گل سے رنگیں تر ہمارے شعر کا مضموں ہوا
سرو سے سرسبز اپنا مصرعۂ موزوں ہوا

کاکلِ مشکیں کے سودے سے ہوا میں سر بہ جیب
سانپ نے کاٹا تو مجھ کو نشۂ افیوں ہوا

موسمِ گل کی ہوا نے دور کی قیدِ لباس
زائل اعجازِ جنوں سے عقل کا افسوں ہوا

مغز کے بدلے بھرا سودا جو عشقِ یار کا
کاسۂ سر پردہ پوشی کے لیے واژوں ہوا

پھرتے پھرتے جستجوئے گوہرِ مقصود میں
بیٹھ کر رویا گھڑی بھر میں جہاں جیحوں ہوا

حکم سے اُس کے کیا جو قتل مجھ کو بے گناہ
یار کا شاکر تو میں جلاد کا ممنوں ہوا

خوں کیا غربت میں دل اپنا وطن کی یاد میں
شہر میں آئے تو داغِ لالۂ ہاموں ہوا

اے جنونِ عشق! کالے کا اثر رکھتا ہے تو
گل ترے آگے چراغِ عقلِ افلاطوں ہوا

تول دیکھا ہم نے میزانِ خرد میں بار ہا
سرو ناموزوں ہوا، قدِ یار کا موزوں ہوا

گاہ گریاں، گاہ خنداں، گاہ نالاں، گہ خموش
عشق کے نیرنگ سے حال اپنا گوناں گوں ہوا

آرزو مندِ شہادت مر گئے حسرت سے یار
بے گنہ جب تیغ سے تیری ہمارا خوں ہوا

فکرِ رنگیں نے اُسے باندھا عسس کی طرح سے
سامنے دزدِ حنا کا جب کوئی مضموں ہوا

یار جب آیا وہ تُرک اُڑنے لگا بے اختیار
رنگِ رو میرا مرے محبوب کا کلگوں ہوا

بن گئی گور اُس کی راحت کے لیے آغوشِ حور
داخلِ جنت تمہارے کوچے کا مدفوں ہوا

دیدۂ فرہاد سے شیریں ادا دیکھا کیا
نازِ لیلیٰ جب کیا تم نے تو میں مجنوں ہوا

غائب آنکھوں سے خیالِ یار اے آتشؔ نہ ہو
جان کے اوپر بنے گی دل اگر محزوں ہوا

دوست تھا، لازم ہے ماتم تم کو مجھ مایوس کا
مرگِ دشمن پر بھی ہوتا ہے مقام افسوس کا

خار آنکھوں میں ہیں گل، باغِ جہاں کے تجھ بغیر
دل نہیں لگتا کسی صورت ترے مانوس کا

مشتِ خاک اپنی غبارِ راہ ہو گئی بعدِ مرگ
سر میں سودا لے چلے ہیں یار کے پابوس کا

مے سرِ بازار پی کر ہو نہ رسوا اے صنم!
توڑنا اچھا نہیں ہے شیشۂ ناموس کا

موسمِ گل کی ہوا پلوا کے مے رکھتی ہے مست
رقص دکھلا دیتا ہے ابرِ کرم طاؤس کا

پاک دامانی کا تیرے جب گزرتا ہے خیال
کرنے لگتا ہے دل اپنا ذکر "یا قدوس" کا

عالمِ مستی میں چلتا ہے جو تیری چال یار
اپنی آنکھوں پر قدم پڑتا ہے اُس طاؤس کا

سرو پر ہوتا ہے آنکھوں کو قدِ بالا کا شک / دیتی ہے دھوکا قبائے گل ترے ملبوس کا
روشنی شمع رکھتا ہے خیالِ روئے یار / منزلِ دل پر ہے عالم گنبدِ فانوس کا
کچھ نہیں سنتا خبر، جا کر کہے کیا یار سے / دم خموشی سے ہماری بند ہے جاسوس کا
چشمِ بینا چاہیے تو جلوہ گر ہے ہر طرف / پردہ ہے اے شمع رُو! پردہ ترا فانوس کا
آدمی کو موت کے آنے کی لازم ہے خوشی / عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا
حسن میں تیرے خدا کی شان ہے اے نازنیں! / دیکھ کر بُت تجھ کو نالا کرتے ہیں ناقوس کا
ایک شاہِ حسن کی فرقت میں دل بے تاب ہے / سینہ کوبی میں ہمارے غلغلہ ہے کوس کا
ڈھونڈھتی ہیں آنکھیں اُس محبوب کا نقشِ قدم / چاہتا ہے دل شرف حاصل کرے پابوس کا
بوسہ جب مانگوں تو منہ کو پھیر لیتے ہیں یہ بُت / صورت ان کی ہے سخی کی، دل مگر منحوس کا

موسمِ گل کی ہوا کرتی ہے تکلیفِ شراب
پردہ کھل جاتا ہے آتش زہدِ سالوس کا

آ گیا مجھ کو پسینا جب کوئی ملزم ہوا / خاک میں میں مل گیا جو سر کسی کا خم ہوا
یادِ فصلِ گل میں آنکھوں کا عجب عالم ہوا / اشک جو مژگاں سے ٹپکا، قطرۂ شبنم ہوا
مردے بھی دیکھے سے تیرے یار زندہ ہو گئے / جان میں جان آ گئی، دم میں ہمارے دم ہوا
نغمۂ بلبل کی خاطر کان تو رکھتا ہے گل / گوشِ صوفی سے سنا تو وجد کا عالم ہوا
نزع کی حالت ہے، سن رکھیے وصیت مہرباں! / روح ہو گی شاد اگر تم کو نہ اپنا غم ہوا
اُس پری رو نے کیے منڈوا کے زلف آزاد اسیر / سلسلہ سودا زدوں کا درہم و برہم ہوا
جب نظر آیا کوئی رخسار آئینے سے صاف / دم بخود میں رہ گیا، آئینے کا سا عالم ہوا
کر دیا صاف آئینے سے مصقلی نے عشق کے / دل مرا حسن و جمالِ یار کا محرم ہوا
بوئے گل سے بد دماغ اس نازنیں کو جب سنا / اس قدر چھینکے کہ نتھنوں میں ہمارے دم ہوا
چشمِ وحدت بیں سے سیرِ عالمِ کثرت جو کی / ذرہ بھی اپنی نظر میں نیرِ اعظم ہوا
کالے کے کاٹے کی لہر آنے لگی بے اختیار / سونگھتا اُس گیسوئے مشکیں کا مجھ کو سم ہوا
ہاتھ میں رکھنے سے تیرے قدرِ انگشتر کھلی / نامِ اقدس سے نگینِ تاجِ سر خاتم ہوا
دوسرا ہم سا نہ پایا جب کوئی ہمدرد دوست / زخم پر اپنے نمک کافور کا مرہم ہوا
ایک بوسہ مانگنے پر، دے کے لاکھوں گالیاں / بخل میں قاروں، سخاوت میں وہ بُت حاتم ہوا
چپ رہا عقدہ کھلا جس کو دہانِ یار کا / ہو گیا وہ گنگ جو اس راز کا محرم ہوا

مر گیا سودائے گیسوئے مسلسل میں جو میں — خانۂ زنجیر میں چالیس دن ماتم ہوا
جلوۂ یوسفؑ دکھایا حسن روئے یار نے — وہ لب جاں بخش نور دیدۂ مریم ہوا
بھر گئے آنکھوں میں مشتاقِ گزشتہ نشے میں — دورِ جامِ مے میں اکثر ذکرِ جم ہوا
زور مردانہ اکھاڑا ہے، اکھاڑا عشق کا — چار دن کشتی لڑا جو اس میں وہ رستم ہوا
عاشقوں سے جھک کے کب ملتا ہے وہ بالا بلند — قمریوں سے سرو کا کس دن اکڑنا کم ہوا
دے کے پھانسی مجھ سے بے تقصیر کو گیسوئے یار — گردن اہلِ ندامت کی طرح سے خم ہوا

شعرِ رنگیں میرے بلبل نے جو اے آتش پڑھے
چہرۂ گل پر پسینا قطرۂ شبنم ہوا

قبضہ ہے اس پر تمھارے حسن سے خوں ریز کا — کام ابرو کے اشارے سے ہو تیغ تیز کا
کشتہ ہے سو جان سے دل نرگسِ خوں ریز کا — سر کو سودا ہے تری زلفِ بلا انگیز کا
جب لبِ شیریں سے گالی دی ہے ہم کو یار نے — ذائقہ حاصل ہوا ہے شہدِ زہر آمیز کا
تا ابد دل کو نہ بھولے گی ملاحت یار کی — عشق ہے روزِ ازل سے حسنِ شور انگیز کا
بے ستوں پیچھے بنا، کھود اس کو پہلے کوہکن — دل میں شیریں کے ہوا ہے وہ جو گھر پرویز کا
چاہیے آغازِ خط ہو گل سے رخ پر یار کے — دل کو لہراتا ہے جوبن سبزۂ نوخیز کا
عاشقوں کے خون میں نہلا کے تیغ یار نے — رنگ گلگوں کر دیا اُس ماہ کے شب دیز کا
نشے میں دکھلا کے آنکھیں قتل کرتا ہے وہ ترک — کام کرتی ہے شرابِ تند تیغ تیز کا
بھولتی آنکھیں نہیں اک دم تجھے اے شہسوار! — یاد تیری دل سے رکھتی ہے خلش مہمیز کا
جب سے دکھلایا ہے آنکھوں نے ترا حسنِ شباب — نشہ رہتا ہے ہمیں اک ساغرِ لب ریز کا
کم نہیں عباسیوں سے مفسدہ پرداز غیر — توڑیے دکھلا کے آنکھ ان پر غضب چنگیز کا
مہربانی حال پر میرے نہ فرمائیں طبیب — دردِ سر ہو گا نہ مجھ بیمار سے پرہیز کا
خط نہ لکھا یار نے اچھا کیا تھا ناگوار — ہاتھ سے قاصد کی آنا اُس کی دستاویز کا
صورِ اسرافیل کا پھکنا اسے افسانہ ہے — کشتہ ہے جو تیرے بالائے قیامت خیز کا

میں کنایے کی کسی سے گفتگو کرتا نہیں
ناگوار آتش ہے سننا حرفِ طنز آمیز کا

باغِ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا — ذکر کرتا ہے ہر اک مرغِ خوش الحاں تیرا
کوئی تجھ سا نہیں لاثانی ہے تو اے محبوب! — حق تو یہ ہے کہ جو عاشق ہو تو انساں تیرا

گل کو خوش رنگی میں نسبت رخِ روشن سے نہیں
طرۂ سنبل سے ہے گیسوئے پریشاں تیرا

جلوۂ حسن نے دریا کی دکھائیں لہریں
ہاتھ مہندی سے ہوا پنجۂ مرجاں تیرا

تو ہے محبوب اُسے ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ اس میں
دم بھرا کرتا ہے مور اور سلیماںؑ تیرا

لالہ ہی اک نہیں اے یار! غلام داغی
سروِ آزاد بھی ہے بندۂ احساں تیرا

جانِ شیریں سے بھرے دل کو تمنا ہے یہی
آبِ شیریں کے عوض چاہِ زنخداں تیرا

بات بے مصلحتِ وقت نہیں تو نے کی
عین حکمت ہے وہ جو کچھ کہ ہے فرماں تیرا

کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سر بسجود
کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا

باغِ عالم میں ترے دم سے ہے اپنی ہستی
چلتے ہیں سونگھ کے ہم سیبِ زنخداں تیرا

خوش بیاں لائے ہیں ایمانِ کلامِ اقدس
کلمہ پڑھتے ہیں وہ، سنتے ہیں جو قرآں تیرا

جسمِ خاکی سے ہے دشوار رسائی تجھ تک
گرد اُڑ کر نہیں چھو سکتی ہے داماں تیرا

بانٹ چاہے جسے دولت دو جہاں کی اے دوست
چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

عشق نے آنکھوں کو دیدار دکھایا آخر
پردہ پوشی سے ہوا حسن نہ پنہاں تیرا

نیتِ اہلِ توکل ہے کرم نے بھر دی
سیرِ نعمت سے دو عالم کی ہے مہماں تیرا

چھوڑتا عاشقِ شیدا نہیں بے قتل کیے
تیغِ عریاں کی طرح حسن ہے عریاں تیرا

کس پری رشک کا دیوانہ ہے تو اے آتش
چاک رہتا ہے مرے یار گریباں تیرا

ہاتھ قاتل کا مرے خنجر تک آ کر رہ گیا
کہنیوں تک آستینوں کو چڑھا کر رہ گیا

باغ میں مَیں بلبلوں کو جو اڑا کر رہ گیا
خندہ زن گل ہو کے، غنچہ مسکرا کر رہ گیا

ہو چکی تھی میرے نالوں سے قیامت آشکار
خواب سے سر فتنۂ محشر اُٹھا کر رہ گیا

کارواں یاروں کا پہنچا منزلِ مقصود میں
میں بگولے کی طرح سے خاک اڑا کر رہ گیا

بڑھ چکے تھے دستِ گستاخ اس کمر کے درمیاں
شوقِ وصلِ یار دل کو گدگدا کر رہ گیا

سوزشِ دل سے جلے لیکن زباں نے اُف نہ کی
صورتِ تب خالہ دل ہونٹوں پہ آ کر رہ گیا

کر چکی تھی موسمِ گل کی ہوا نشتر طلب
خون جتنا تھا بدن میں جوش کھا کر رہ گیا

جب کسی لیلیٰ شمائل کا سنا کانوں سے ذکر
بید مجنوں کی طرح میں تھرتھرا کر رہ گیا

ہنس پڑے تیری طرح سے گل جو مجھ پر باغ میں
پانی پانی ہو گیا، آنسو بہا کر رہ گیا

شہرِ خوباں میں رہا کرتا ہوں میں خانہ بدوش
شب ہوئی جس کوچے میں بستر لگا کر رہ گیا

چپ نہ رہنا تھا دلا فکرِ دہانِ یار میں
بول اُٹھنا تھا جگر حُجت کی پا کر رہ گیا

ٹھوکروں سے راہ کی ازبسکہ حالت غیر تھی
پاؤں اپنا یار کے کوچے میں جا کر رہ گیا

سامنا شوقِ شہادت نے کیا، چھوٹا جو تیر
جب کھنچی شمشیر، مَیں گردن جھکا کر رہ گیا

تو نے منہ پھیرا سوالِ بوسہ پر مجھ سے جو یار
ہونٹ کیا کیا اپنے دانتوں سے چبا کر رہ گیا

شمع ساں اظہار کا یارا نہ آتش کو ہوا
سرگزشت اپنی زباں تک اپنی لا کر رہ گیا

شبِ وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا، خدا مہرباں تھا

مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا، قِراں تھا

وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی
زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا

نکالے تھے دو چاند اس نے مقابل
وہ شب صبحِ جنت کا جس پر گماں تھا

عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل
فرح ناک تھی روح، دل شادماں تھا

مشاہد جمالِ پری کی تھیں آنکھیں
مکانِ وصال اک طلسمی مکاں تھا

حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا

کیا تھا اسے بوسہ بازی نے پیدا
کمر کی طرح سے جو غائب دہاں تھا

حقیقت دکھاتا تھا عشقِ مجازی
نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے، عیاں تھا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

دل شبِ فرقت میں ہے ازبسکہ خواہاں مرگ کا
اشتیاقِ یار سے افزوں ہی ارماں مرگ کا

چاہیے خالِ پری بہرِ سپندِ چشمِ غول
یہ چراغِ گور ہے مجھ سے بیاباں مرگ کا

موسمِ گل کی ہوا کرتی ہے تکلیفِ جنوں
دیتی ہے پیغام تنگیِ گریباں مرگ کا

کیا بیانِ دردِ دل پیشِ اطبا کیجیے
کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا ہے درماں مرگ کا

جب کہا مر جاوے گا اپنے گلے کو کاٹ کر
ہنس کے فرمایا "نہیں مختار انساں مرگ کا"

حسرتِ تازہ تمنائے اجل نے مجھ کو دی،
جب کہیں دیکھا مہیا میں نے ساماں مرگ کا

اس قدر گردوں مری قیدِ گریباں سے ہے تنگ
پھر نہ چھوڑوں ہاتھ اگر آ جائے داماں مرگ کا

دانت ہلتے ہیں، ہوئے ہیں مُوئے سر سارے سفید
گور ہنستی ہی سمجھ کر مجھ کو شایاں مرگ کا

شام ہوتے ہی شبِ فرقت میں آ نکلے اگر
صبحِ محشر تک رہے گا مجھ پر احساں مرگ کا

کیوں نہ اے آتش جوانوں کی طرح باندھوں کمر
پیر ہوں، درپیش ہے طے کرنا میداں مرگ کا

روئے مژہ اُن آنکھوں نے دل کو دکھا دیا
صیاد نے شکار چھری سے لڑا دیا

تشبیہ دی جو چہرۂ قاتل کی خال سے
گولی نے بے تفنگ نشانہ اُڑا دیا

کافر سے بھی نہ ہو جو کیا نازِ حُسن نے
عاشق کے دل کو توڑ کے کعبے کو ڈھا دیا

دل دے کے بوسۂ لبِ لعلیں کیا خرید
بازارِ عشق میں سے یہ آ کر لیا دیا

ٹھہرا حضورِ یار نہ ماہِ چہاردہ
دن ہو گیا، نقاب جو شب کو اُٹھا دیا

قہرِ خدا ترا دہنِ تنگ ہے صنم!
بجلی گرائے گا جو کبھی مسکرا دیا

تِل کیا بنایا یار نے روئے تصبیح پہ
فرعوں کو تختِ عاج کے اوپر بٹھا دیا

ذکر آ گیا جو خاکِ شہیدانِ ناز کا
سن کر اسے گلال سا تم نے اُڑا دیا

سودائے زلفِ یار کی سر میں جگہ ہوئی
دامِ بلا میں دل کو قضا نے پھنسا دیا

بے داغ ہونے نے رخِ پُرنورِ یار کے
داغِ جبیں، کا ماہ کو دھبا لگا دیا

احسان مانو حسنِ خداداد کا بتو!
پتھر تھے، تم کو شیشے سے نازک بنا دیا

خط سے رہا نہ حسنِ رخِ یار کا فروغ
بجھنے نے اس چراغ کے دل کو بجھا دیا

پوچھا ہے عارفوں سے جو ہم نے مکانِ یار
آنکھوں کو بند کر کے ہی دل کا پتا دیا

مغرور ہو نہ حسنِ جوانی پہ آدمی
پیری نے آسماں کی کمر کو جھکا دیا

خلخالِ پائے یار سے ہے یہ صدا بلند
غافل جو سوتے تھے انھیں ہم نے جگا دیا

اللہ رے شوق دل کو زنخدانِ یار کا
غش آ گیا جو سیب کسی نے دکھا دیا

آتش خرامِ یار بھی ہے دولتِ کثیر
اکسیر تھا وہ خاک میں جس کو ملا دیا

شوق اگر کوچۂ محبوب کا رہبر ہوتا
گامِ اول میں قدم کعبے کے اندر ہوتا

گوشِ خوباں میں لٹکتا جو میں گوہر ہوتا
زر جو ہوتا تو حسینوں ہی کا زیور ہوتا

حق ہے اے جان کہ تجھ سا نہیں دلبر ہوتا
دل عالم میں نہیں تیری طرح گھر ہوتا

نہیں معلوم انھیں، دل جوئی نہیں جو کرتے
کہ ثواب اس کا ہے سو حج کے برابر ہوتا

اس قدر اہلِ جہاں کو ہے محبت زر سے
پیٹ میں مارتے، سونے کا جو خنجر ہوتا

اُس پری تک جو خطِ شوق مرا لے جاتا
تاجِ ہُد ہُد کے سزاوار کبوتر ہوتا

خال کی بو بھی ہے اس رخ کے پسینے کے شریک
شاملِ عطر ہے فی الواقعہ عنبر ہوتا

توڑتا پاؤں کو جو تخت کی خواہش کرتے
کاٹتا سر کو، اگر مائلِ افسر ہوتا

قابلِ دید ہے ہر چند صفا سے وہ رخ
آئینہ تھا جو مروت کا بھی جوہر ہوتا

بحرِ ہستی میں نظر آتے نہ مانندِ حباب
خالی اک لحظہ ہوا سے جو ترا سر ہوتا

میٹھی باتوں کا عجب کیا ہے دہن سے اُن کے
بیشتر پستہ ہے آلودۂ شکر ہوتا

میرے زنداں میں کرم بادِ بہاری کرتی
نکہتِ گل کی طرح جامے سے باہر ہوتا

جام بھر بھر کے مے ناب سے دیتا جمشید
آئینہ تجھ کو دکھاتا جو سکندر ہوتا

گرد پھرتا کبھی، آغوش میں لیتا گاہے
یار کے قد سے جو اونچا نہ صنوبر ہوتا

تیری فرقت میں شب اے ترک یہ تنگ آیا تھا
چیرتا پہلوے خالی کو جو خنجر ہوتا

عشق ہو بندگیِ حسن سے کیوں کر باہر
دوست اللہ کا کیسا ہی پیمبر ہوتا

ساغرِ مے کا طلب گار نہیں اے ساقی!
دونوں آنکھوں سے تری مست دو ساغر ہوتا

باغ بے یار جو جاتا تو بچے غارتِ دل
تختۂ لالہ قزلباش کا لشکر ہوتا

باغِ عالم کے تماشے کا یہی حاصل ہے
لالہ تھا داغِ محبت جو میسر ہوتا

سوزشِ عشق میں یہ دل ہے قائم آتش
پانی ہو ہو کے بہا کرتا جو پتھر ہوتا

ردیف باے تازی

گرم ہو کیسا ہی، کتنا ہے کھنچے دور آفتاب
رو بروئے یار ہے اک قرصِ کافور آفتاب

یار کو دیکھے تو اندھا ہو رقیب رُو سیاہ
دیدۂ خفاش کو کرتا ہے بے نور آفتاب

منہ نہ دیکھا ہو ترا اس رشک سے جلتا ہوں میں
اے صنم! جب پوجتے ہیں کیسے مغرور آفتاب

مہر طینت میں بتانِ مہر طلعت کی نہیں
سبز کر دیتا ہے کیونکر تاکِ انگور آفتاب

نیش سے لگتے ہیں ہجرِ یار میں تارِ شعاع
آسمان نیلگوں چھتا ہے، زنبور آفتاب

داغ پہلو ہے جو پہلو میں وہ مہ پیکر نہ ہو
چشمِ حربا میں پری بن جائے یا حور آفتاب

حسنِ غارت گر سے نسبت کون دیتا ہے اُسے
تابۂ آہن ہے پیشِ روئے پُر نور آفتاب

بام پر وہ مہروش آتا ہے، صبحِ عید ہے
پردۂ شب سے نہ نکلے تا بہ مقدور آفتاب

سر بلندوں کے لیے ہے عیب بھی آتش ہنر
آسماں کا داغِ پیشانی ہے مشہور آفتاب

چھین سکتا ہے کوئی جائے خیالِ یار خواب
تیری قسمت میں نہیں اے دیدۂ بیدار، خواب

حالتِ بد میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
کوچ کر جاتا ہے پیش از مردنِ بیمار، خواب

پرتوہ ہے یہ مگر حسنِ لطیفِ یار کا
آنکھوں میں ہے، پر نظر آتا نہیں زنہار خواب

دیدۂ خانہ خراب اب روتے روتے پھوٹ جائیں
اُڑ گیا پاتے ہی بوئے انتظارِ یار، خواب

دامنِ دایہ اُسے شاید کہ سمجھا کوہ کن
جاتے ہی آیا میانِ دامنِ کہسار خواب

سایۂ طوبیٰ میں لے چل مجھ کو اے خوابِ اجل!
کیجیے تا چند زیرِ سایۂ دیوار، خواب

خفتگاں مجھ کو نظر آتے ہیں مردے سے پڑے
صبح تک دکھلاتی ہے یہ چشمِ شب بیدار، خواب

بعدِ مُردن بھی نہ ہوں گے بند روزن کی طرح
میری آنکھوں سے، بہت دکھتا ہے ننگ و عار، خواب

زیست میں راحت کو کیا روؤں میں بعدِ مرگ بھی
گور میں آنے نہ دے گا وعدۂ دیدار خواب

وقتِ شب ہو، بادہ ہو، تنہا مکانِ یار ہو
کس کو دکھلاتا ہے ایسا طالعِ بیدار، خواب

نیند آتی ہے مرے جاتے ہی آتش یار کو
ہو گیا ہے جان کو میری غریب آزار، خواب

کیا دیجیے گا عاشقِ دل گیر کا جواب
خاموشی کے سوا نہیں تقصیر کا جواب

آئینہ لے کے صنعتِ اسکندری کو دیکھ
تصویر کھنچی ہوئی، تصویر کا جواب

مژگانِ یار تیر ہیں، ابرو کمان ہے
نے اس کماں کا حل، نہ اُس تیر کا جواب

خط دے کے کہیو اب کی زبانی یہ نامہ بر!
تحریر کا جواب، نہ تقریر کا جواب

اللہ جانتا ہے اسے خوب، کیا کہوں
میرا سوال، اُس بتِ بے پیر کا جواب

زنداں میں شب کو ڈر کے جو اس نے کیا ہے غل
میں نے دیا ہے نالۂ زنجیر کا جواب

لکھتا ہوں بیتِ ابروئے محبوب کی جو شرح
شمشیر کھینچتا ہوں میں شمشیر کا جواب

گویا زبانِ شعلہ سے ہرگز ہوئی نہ شمع
تدبیر سے محال ہے تقدیر کا جواب

آتش کہاں تک اپنے نوشتے کو روؤں میں
لکھا نہ یار نے مری تحریر کا جواب

خط سے اُس رُخ کا حل ہوا مطلب
شرح سے متن کا کھلا مطلب

تو وہ مرجع ہے جس سے رکھتے ہیں
کافر و رند و پارسا مطلب

منزلِ گور میں وصال ہوا
گوشے میں چھپ کے ہو گیا مطلب

التجا ہے یہی زباں سے مجھے
گوش سے ہو نہ آشنا مطلب

بیتِ ابرو کی کیا کروں تعریف
سُوجھتا ہے نیا نیا مطلب

دہنِ زخمِ کشتگاں سے ہے
میرے قاتل کو مرحبا مطلب

برہمن سے نہ پوچھا اک بُت نے
کیا ہے اے بندۂ خدا! مطلب

بند خط اُس نے پھاڑ کر پھینکا
ہم نے جب کھول کر لکھا مطلب

اے شہِ حسن! ہم فقیروں کو
ہے زباں سے تری دعا مطلب

دہن و زلف کا میں قائل تھا
کبھی اُلجھا، کبھی رُکا مطلب

حسن سے عشق کون کرتا ہے
کس کو ہے دردِ بے دوا مطلب

فتنہ پرداز چشم کو اُس کی
مکر منظور ہے، دغا مطلب

جو کہ شاکر ہوا مقدر پہ
خطِ پیشانی کا پڑھا مطلب

شاعرِ حال گو تھا میں آتش
میرے ہر شعر میں بندھا مطلب

زعم میں اپنے یہ نافہم جو اُستاد ہیں سب
معترض ہو جیے تو قابلِ ایراد ہیں سب

صورتِ سیل، یہ خوش روستم ایجاد ہیں سب
خانہ بربادیِ احباب کی بنیاد ہیں سب

مکتبِ عشق میں جو ہیں وہ فلاطوں حکمت
کوئی شاگرد کسی کا نہیں، اُستاد ہیں سب

آج کل چاہنے والوں سے خفا ہے وہ شوخ
مستحقانِ کرم موردِ بیداد ہیں سب

روزِ اول سے ہیں سایے کی طرح سے ہمراہ
رنج و اندوہ و ملال اپنے یہ ہمزاد ہیں سب

قطع ہو جائے اگر سلسلۂ مہر و وفا
پھر گرفتار نہیں ہے کوئی، آزاد ہیں سب

دخترِ عشق بھی کیا دخترِ خوش طالع ہے
نظری فرد نہیں اس میں کوئی، صاد ہیں سب

عشوہ و غمزہ و بد مذہب و ناز و انداز
واسطے تیرے گنہگاروں کے جلاد ہیں سب

آفتِ جاں نہیں مُو کون سا اُن مژگاں کا
خلش و کاوش و پرخاش کی بنیاد ہیں سب

شوق ہے دل میں تو آنکھوں میں تصوّر اُس کا
منزلیں جلوۂ محبوب کی آباد ہیں سب

صاف آئینے سے ہیں تیغ سے خوں ریز یہ لوگ
ان حسینوں میں غرض جوہرِ فولاد ہیں سب

کون سا دل ہے نہیں جس میں غمِ عشق اے حسن
خوگر آہ و فغاں، نالہ و فریاد ہیں سب

کیا تماشا ہے جو وہ سروِ رواں آ نکلے
قد کشی کرنے کو استادہ تو شمشاد ہیں سب

جگر و دیدہ و دل کا میں کہوں کیا احوال
نامرادان میں سے ہر ایک ہے، ناشاد ہیں سب

عاشقِ خستہ ترے ہجر سے تنگ آئے ہیں
"المدد" کی ہے صدا سائلِ امداد ہیں سب

آئینہ لے کے حسینوں نے نہ زلفیں دیکھیں
دام میں اپنے اسیر آپ یہ صیاد ہیں سب

رند ہوں مجھ کو صراحیِ ملّاں جنّت ہے
سرِ زاہد کو مبارک رہے سودائے بہشت

نہیں ملتا لبِ شیریں کا جو بوسہ، نہ ملے
حور کے ہاتھ سے کھاؤں گا میں خرمائے بہشت

وصلتِ حور کی ہر صبح دعا ہے مجھ کو
روز اللہ سے کرتا ہوں تقاضائے بہشت

عشق میں تیرے رہیں اشکوں سے آنکھیں لبریز
یہی دو چشمے ہیں دنیا میں دو دریائے بہشت

سائلِ کوئے حسیناں ہوں خدا سے اپنے
کافرِ عشق ہوں، مجھ کو نہیں پروائے بہشت

گلِ جنّت سے ہے خوش رنگ وہ روئے رنگیں
پست بالا کی بلندی سے ہے طوبائے بہشت

حکم سے اپنے جہنم میں جسے تو بھیجے
پھر وہ کافر ہے جو اُس کو رہے پروائے بہشت

داورِ حشر سے محشر میں کہوں گا میں بھی
یہ گنہگار بھی رکھتا ہے تمنائے بہشت

محفلِ حور وشاں کو ہے یہی میری دعا
تجھ کو آباد رکھے انجمن آرائے بہشت

تیرے کوچے کی ہوا اُس میں نہ چلتی ہوگی
مر کے بھی دیکھ لیں مشتاق تماشائے بہشت

حور کی آنکھوں سے شرمائی ہوئی ہیں آنکھیں
صورتِ یار کے دیوانے ہیں شیدائے بہشت

دیکھے رضواں جو تری چشمِ سیہ کو تو کہے
اُس کی ہم چشم نہیں نرگسِ شہلائے بہشت

عاشقِ ساقیِ کوثر ہوں میں رند اے آتشؔ
مے کوثر کے لیے ہے مجھے سودائے بہشت

آئے بہار، جائے خزاں، ہو چمن درست
بیمار سال بھر کے نظر آئیں تن درست

تیشے سے جب کرے گی تجھے پیر زن درست
صورت دکھائی دے گی نہ اے کوہکن درست

منصور بھی جو ہوں تو انا الحق کہیں نہ ہم
اپنے طریق میں نہیں یہ ما و من درست

سجدہ کریں تجھے بت و زنار توڑ کر
جانیں حقیقت اپنی اگر برہمن درست

رنگیں خیال میری طرح ہو جو باغباں
ہر ایک فصل میں رہے رنگِ چمن درست

حالِ شکستہ کا جو کبھی کچھ بیاں کیا
نکلا نہ ایک اپنی زباں سے سخن درست

رکھتے ہیں آپ پاؤں کہیں پڑتے ہیں کہیں
رفتار کا تمھاری نہیں ہے چلن درست

جو پہنے اُس کو جامۂ عریانی ٹھیک ہو
اندام پر ہر اک کے ہے یہ پیرہن درست

عشاق و بوالہوس کو وہ پہچان جائیں گے
چھپتی نہیں ہے صورتِ بیمار و تن درست

صورت کا تیری دل نہ ہو کیونکر فریفتہ
نقشہ درست، بینی و گوش و دہن درست

آرائشِ جمال کو مشاطہ چاہیے
بے باغباں کے رہ نہیں سکتا چمن درست

جامے پہ اُس کے قطع ہوئی ہے قبائے ناز
ٹھیک اُس کو جانے تجھے اُسے وہ بدن درست

سونے نہ جاؤ فتنہ جگا کر، تمام رات
وعدہ ہے میرا آپ کے دن بھر تمام رات

اللہ ری صبح عید کی اُس حور کو خوشی
شانہ تھا اور زلفِ معنبر، تمام رات

گلشن میں آ گیا جو قدِ یار مجھ کو یاد
رویا میں زیرِ پائے صنوبر تمام رات

غفلت میں ہم نے عہدِ جوانی کو کھو دیا
اب بیٹھے ہاتھ ملتے ہیں کھو کر تمام رات

کیا انتظارِ یار کی حالت بیاں کروں
رہتی ہے جان آنکھوں کے اندر تمام رات

بے یار دل کسی سے نہ میرا بہل سکا
کیا کیا چمک کے نکلے ہیں اختر تمام رات

کرنے دے کرتے ہیں جو ہوس ناک گرمیاں
باقی پڑی ہے اے دلِ مضطر تمام رات

مارا ہے پھانسی دے کے مجھے زلفِ یار نے
ہو گا عذابِ قبر مقرر تمام رات

اے ماہِ چاردہ یہ گریز اب نہیں ہے خوب
پہلے کیا تھا کس لیے خوگر تمام رات

گویا زبانِ شمع جو ہوتی تو پوچھتا
کٹتی ہے ہجرِ یار میں کیوں کر تمام رات

کھولے بغل کہیں لحدِ تیرہ روزگار
سویا نہیں کبھی میں لپٹ کر تمام رات

کنڈی چڑھا کے شام سے وہ شوخ سو رہا
پٹکا کیا میں سر کو پسِ در تمام رات

تا صبح گفتگو تھی نگاہوں میں یار سے
آنکھوں میں دشمنوں کی کیا گھر تمام رات

بے یار فرشِ گل مری آنکھوں میں خار تھا
لوٹا کیا میں کانٹوں کے اوپر تمام رات

دیوانہ کون سے صنمِ باوفا کا ہوں
زنداں میں میرے آتے ہیں پتھر تمام رات

دن کو تو چین لینے دے اے گردشِ فلک
کافی ہے مجھ کو گردشِ ساغر تمام رات

راحت کا ہوش ہے کسے آتش بغیرِ یار
بالیں میں خشتِ خاک ہی بستر تمام رات

روز و شب ہنگامہ برپا ہے میانِ کوئے دوست
ہڈیوں پر میری لڑتے ہیں سگانِ کوئے دوست

حور کی تعریف گویا یار کی تعریف تھی
ذکر کو جنت کے میں سمجھا بیانِ کوئے دوست

تشنۂ خونِ جہاں ہے یہ، تو وہ قتالِ خلق
آفتِ جاں ہیں زمین و آسمانِ کوئے دوست

قاصدِ کشتہ نظر آتا ہے ہر مردہ مجھے
مجھ کو گورستاں کے اوپر ہے گمانِ کوئے دوست

ہم نشیں کہتے ہیں افسانے سے آ جاتی ہے نیند
ہجر کی شب میں سنوں گا داستانِ کوئے دوست

رشک سے کہتے ہیں میں نے صاف اسے سمجھا رقیب
صورتِ دیوار اگر دیکھی میانِ کوئے دوست

نقشِ پائے غیر پاتا ہوں پسِ دیوار میں
آشنائے دُزد نکلا پاسبانِ کوئے دوست

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست

جادہِ رہ نقشِ قدم ہے، خارِ رہ قزاق ہے
ہو چکے دشمن ہمارے رہ روانِ کوئے دوست

آتش اہلِ کربلا سے چل کے اب کہتا ہوں میں
اے خوشا طالع تمہارے ساکنانِ کوئے دوست

تار تارِ پیرہن میں بھر گئی ہے بوئے دوست
مثلِ تصویرِ نہالی میں ہوں یا پہلوئے دوست

چہرۂ رنگیں کوئی دیوانِ رنگین ہے مگر
حسن مطلع ہیں مسیں، مطلع ہے صاف ابروئے دوست

ہجر کی شب ہو چکی روزِ قیامت سے دراز
دوش سے نیچے نہیں اترے ابھی گیسوئے دوست

دور کر دل کی کدورت محو ہو دیدار کا
آئینے کو سینہ صافی نے دکھایا، روئے دوست

واہ ری شانے کی قسمت، کس کو یہ معلوم تھا
پنجۂ شل سے کھلیں گے عقدہ ہائے موئے دوست

داغ دل پر خیر گزری تو غنیمت جانیے
دشمنِ جاں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں خوئے دوست

دو مریں گے زخمِ کاری سے تو، حسرت سے ہزار
چار تلواروں میں شل ہو جائے گا بازوئے دوست

فرشِ گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
خشت زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست

یاد کر کے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم
جب اڑاتی ہے ہوائے تند خاکِ کوئے دوست

اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوئے دوست

نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات
نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات

جلوہ گر ماہ ہے خورشید لقا دل بر ہے
جمع ہیں گھر میں مرے شمس و قمر آج کی رات

بھولتا ہے کوئی بے تابیِ دل کا عالم
یاد آوے گی کل اے دردِ جگر آج کی رات

شام سے دل کو خیال رُخِ نورانی ہے
خواب میں مجھ کو دکھاوے گی سحر آج کی رات

دو گھڑی بیٹھیے تکلیف جو کی ہے صاحب
بعد مدت کے تم آئے ہو ادھر آج کی رات

روشنائی میں مَیں پاتا ہوں عدم کی ظلمت
اے قلم چھوٹے نہ مضمونِ کمر آج کی رات

صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش
بڑھ گئی روزِ قیامت سے مگر آج کی رات

رُخِ رنگیں کا تصور ہے تماشائے بہشت
بند کر کھول کے آنکھوں کو نہ درہائے بہشت

گل ترے چھلّے کے اے حور ہیں گلہائے بہشت
دیکھنے آتے ہیں مشتاق تماشائے بہشت

کوچۂ حور لقا یار چھٹا ہے جب سے
ہائے جنت کبھی کہتا ہوں کبھی وائے بہشت

تو جو لیلیٰ ہے تو مجنوں ہیں ترے دیوانے
تو جو شیریں ہے تو عاشق ترے فرہاد ہیں سب

صورتیں کشتوں کی اپنے نہیں بھولا قاتل
خواب دیکھے ہیں جو یوسفؑ نے مرے یاد ہیں سب

اس جفا جُو کو نہیں قدر وفاداری کی
رائگاں محنتیں ہیں، کوششیں برباد ہیں سب

دل نہ کیوں کر ہو حسینانِ جہاں پر مائل
غیرتِ حور ہیں سب، رشکِ پری زاد ہیں سب

قامتِ یار ہے بانیِ قیامت آتش!
فتنہ پردازیاں اس چشم کی ایجاد ہیں سب

ردیف بائے فارسی

بہتر دکھائی دیں کہیں شمس و قمر سے آپ
دیکھیں جو آئینے کو ہماری نظر سے آپ

ہوتے ہیں گوش زدلبِ شیریں سے حرف تلخ
اپنے دہن کو صاف کریں نیشکر سے آپ

درباں غریب خاک کرے عرضِ باریاب
کانوں کو بند کرتے ہیں میری خبر سے آپ

فریاد عاشقوں کی گوارا نہ کیجیے
واقف نہیں ہیں آہ و فغاں کے اثر سے آپ

آئینے نے جو زلف کا عالم دکھا دیا
دیکھیں گے راہ شام کی صاحب! سحر سے آپ

خط نے غرورِ حسن کو کھویا ہے مہرباں
مجبور ہو گئے ہیں قضا و قدر سے آپ

اُس نازنین کو دیکھ کے کہتے ہیں غیب داں
کچھ نازکی میں کم نہیں اپنی کمر سے آپ

آئینہ دیکھنے کا کہاں ہے تمھیں دماغ
زلفوں میں شانہ کرتے ہیں کس دردِ سر سے آپ

اچھا ہوں یا برا ہوں تمھارا ہوں جو کہ ہوں
آگاہ ہیں غلام کے عیب و ہنر سے آپ

کیا کیا ہمارا طائرِ دل ہے پھڑک رہا
کس دن شکار کھیلنے نکلیں گے گھر سے آپ؟

ہوش ایسے اُڑ گئے ہیں خبر کچھ نہیں رہی
آئے ہیں کس طرف سے، گئے ہیں کدھر سے آپ

بدنام ہو گے تم بھی جو رسوا کیا ہمیں
بے خیر اسی میں باز رہیں اب بھی شر سے آپ

زاری بھی کر کے اپنے نصیبوں کو دیکھ لیں
ہاتھ آئے زور سے نہ تو ہم کو نہ زر سے آپ

خانہ خرابِ عشق جو میری طرح کرے
ٹکرائیں اپنے سر کو مرے سنگ در سے آپ

آتش تمھارے گریے میں ہوتا جو کچھ اثر
کرتے درخت خشک ہرے چشمِ تر سے آپ

ردیف تائے مثناۃ

تا صبح نیند آئی نہ دم بھر تمام رات
تو چکیاں چلیں مرے سر پر تمام رات

آئینے سے بنے گا رخِ یار کا بناؤ
شانے سے ہوگی زلفِ شکن در شکن درست

کم شاعری بھی نسخۂ اکسیر سے نہیں
مستغنی ہو گیا جسے آیا یہ فن درست

آئینہ رکھ کے سجدہ میں اپنے جھکائے سر
بت کی طرح تراش کے جو ہو برہمن درست

بھاری نہ ہوویں گی مجھے مجنوں کی بیڑیاں
بہرِ امام، امام کا ہے پیرہن درست

پرچھاواں اُن کا عاشق و معشوق پر پڑے
برسوں رہا معاملۂ روح و تن درست

غربت زدوں کے حال کا افسانہ چھیڑتے
ہوتی اگر طبیعتِ اہلِ وطن درست

طنز و کنایہ کی نہ رہے ہم سے گفتگو
اپنے شکستہ حال سے، کیجیے سخن درست

مستوں کے حلقے سے کوئی حلقہ نہ خوب تھا
اپنا مزاج رکھتی جو یہ انجمن درست

مشقِ سخن نے بندشِ الفاظ چست کی
سچ ہے یہ بات، کرتی ہے ورزش بدن درست

دنیا سی خانگی کوئی ہو گی نہ بیسوا
شوہر سے اپنے رہتی نہ دیکھی یہ زن درست

قاتل کے اشتیاق میں خود کاٹتے گلا
آراستہ ہے گورِ ہماری، کفن درست

وہ رشکِ باغ سیر کو آتا ہے باغ میں
کہہ دو کہ ہو رہیں گل و سرو و سمن درست

پانی نہ نکلے جس میں سے ناقص ہے وہ کنواں
نزدیک اپنے تو نہیں چاہِ ذقن درست

آتش وہی بہار کا عالم ہے باغ میں
تا حال ہے دماغ ہوائے چمن درست

کون سی جا ہے جہاں تیرے نہیں اے یار! مست
دیکھیے جس کوچے میں بڑ مارتے ہیں چار مست

کہہ کے یہ ساقی سے رکھے ہیں گرو دستار مست
سر برہنہ ہے جو مستوں میں وہ ہے سردار مست

حسن کے نظارے سے ہوتی ہے کیفیت حصول
عشق رکھتا ہے ہمیں بے بادۂ گلنار مست

فصلِ گل ہے ساقی یوسف لقا ہیں ساتھ ساتھ
لالہ گوں مے پیتے پھرتے ہیں سرِ بازار مست

کون پوجے بُت کو، کس سے ہو سکے یادِ خدا
اپنے اپنے حال میں ہیں کافر و دیں دار مست

حسن کی نیرنگ سازی سے عجب اس کا نہیں
مست ہو ہشیار تجھ کو دیکھ کر، ہشیار مست

مے کدے میں نشے کی عینک دکھاتی ہے مجھے
آسمان مست و زمیں مست و در و دیوار مست

زاہدوں کی پنج گانہ سے فضیلت ہے اُسے
نشے کے عالم میں کرتے ہیں جو استغفار مست

ساقی و پیرِ مغاں سے ملتجی ہوتے نہیں
دیکھ لیتے ہیں تری صورت ترے دیدار مست

دخترِ رز کے لیے ہوتا ہے اک دن کشت و خوں
محتسب پر کھینچتے ہیں آج کل تلوار مست

منکشف ہے مجھ کو احوالِ خراباتِ مُغاں
میرے آگے کہتے ہیں مے خانہ کے اخبار مست

عام ہے سودا تمھارے گیسوئے پُر پیچ کا
روز زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں دو چار مست

زاہدانِ خشک کو کیفیتِ دنیا نہیں
ساغرِ گل سے ہوئے کس دن چمن میں خار مست

آگے آگے ہو کے یاد اُن کو دلا دیتا ہوں میں
بھول جاتے ہیں جو راہِ خانۂ خمار مست

خار خار دل کہے کس سے بنے بلبل کی کون
باغباں مست و صبا مست و گلِ گلزار مست

روشنیِ دل سمجھتے ہیں زلالِ بادہ کو
دردِ مے کو جانتے ہیں غازۂ رخسار مست

ترک عادت ہے عداوت آدمی کی واسطے
مے نہ دی تو نے تو اے ساقی ہوئے بیمار، مست

واہ آتش کیا زباں رکھتا ہے کیفیت کے ساتھ
سامعیں ہوتے ہیں سن سن کر ترے اشعار مست

آئینے کی طرف نہیں آتا خیالِ دوست
قربان شانِ حسنِ عدیم المثالِ دوست

پتلی ہوا ہے آنکھ کی اپنے خیالِ دوست
یاں تو یہ حال ہے، نہیں معلوم حالِ دوست

الطاف نامہ یار کا لے کر کرم کرے
صورت دکھائے ہُد ہُد فرخندہ فالِ دوست

حسنِ شباب تک نہیں طفلی گئی ہنوز
ظاہر نہیں ہوا ابھی ہم کو کمالِ دوست

سن کر فسانہ یوسفؑ و یعقوبؑ کا کہا
کرتا ہے چشمِ یار کو روشن جمالِ دوست

اُن ابروؤں کے حسن کی تعریف کیا کروں
ماہِ چہاردہ سے ہیں بہتر ہلالِ دوست

یاد آئی دن کو بات ملاقاتِ یار کی
شب کو رہا تصورِ روزِ وصالِ دوست

معشوق آنکھ پھیرے نہ عاشق سے اے کریم
وحشی سے اپنے ہو نہ گریزاں غزالِ دوست

دل پر یقین ہوتا ہے مجھ کو امین کا
جانِ عزیز کو میں سمجھتا ہوں مالِ دوست

وہ قد ہے مثلِ سرو ہمیشہ بہار پر
اندیشۂ خزاں نہیں رکھتا نہالِ دوست

رخسار سے صباحتِ کافور ہے عیاں
بوئے لطیفِ مشک سے رکھتے ہیں خالِ دوست

چینِ جبینِ یار سے بنتی ہے جان پر
ہوتا ہے ناگوارِ طبیعت ملالِ دوست

مریخ کی طرح سے ہے خوں ریزِ عاشقاں
پہنے لباس سرخ تو ہے حسبِ حالِ دوست

گڑ گڑ گئے ہیں سروِ چمن قد کو دیکھ کر
گردن کشوں کے سر ہوئے ہیں پائمالِ دوست

انداز جو ہے یار کا ہے مصلحت وہی
اک ایک سے ہے خوب جمال و جلالِ دوست

رہتی ہیں آنکھیں بند تصور میں یار کے
تارِ نگہ سے اپنے بندھا ہے خیالِ دوست

دل کو خیال یار کا ہر آن چاہیے
آئینہ چاہیے، نہ رہے بے مثالِ دوست

مانگیں جو بوسہ ہم تو نہ انکار کیجیے
اے یار! دوست رد نہیں کرتے سوالِ دوست

رخسارِ یار پر ہے کسے آرزوئے خط
ہو رُو سیاہ اُس کا جو چاہے زوالِ دوست

خواہانِ جاں ہوا جو وہ دلدار کی طرح
دشمن پر اپنے مجھ کو ہوا احتمالِ دوست

آتش یہ وہ زمیں ہے کہ صائب نے ہے کہا
"خوشتر ز گوشوارہ بود گوشمالِ دوست"

ردیف تائے ہندی

گل کو قبا پہن کے تو اے کج کلاہ کاٹ
مارِ سیاہ زلف سے سنبل کی راہ کاٹ

شوخی حسن کا ہے اشارہ یہی اُسے
صورت دکھا کے رنگ رخِ مہر و ماہ کاٹ

مختار کر دیا تجھے اے مارِ زلفِ یار
سوتے میں سونگھ، جاگتے میں مجھ کو خواہ کاٹ

عاشق ہوں بوسہ آج کا کل پر نہ ٹال یار
روزینۂ فقیر نہ اے بادشاہ! کاٹ

اس ترک سا ہے کون سا خوں ریز دوسرا
کس کی کمر کی تیغ کا ہے بے پناہ کاٹ

کہتا ہے ہجر میں یہی اُس شمع رُو کا دھیان
تو روشنی کے شغل میں روزِ سیاہ کاٹ

اے تُرک تیرے قبضے میں ابروی تیغ ہے
چن چن کے شوق سے تو سرِ بے گناہ کاٹ

موئے مژہ ہر ایک چھری ہے بنکیت کی
بد بیں ملائیں آنکھ تو تیرِ نگاہ کاٹ

بے وجہ عاشقوں سے نہ منہ اے صنم! چھپا
بے جرم و بے قصور نہ حقِ سیاہ کاٹ

قاضی کو عاشقوں کی عدالت میں حکم ہو
سچ سچ گواہی دے تو زبانِ گواہ کاٹ

آتش خموش! دل نہ بچے گا یار کا
بے معنی ہے یہ مصرعِ موزوں آہ، کاٹ

دو ٹکڑے کر چکے کہیں تیغِ دوسر کی چوٹ
سر کو جھکا، کہ چل چکی قاتل کمر کی چوٹ

آزادِ عشق سے یہ ہوا ہوں میں ناتواں
پتھر کی چوٹ ہے مجھے گل برگِ تر کی چوٹ

ٹکرایا کرتے ہیں شب و روز اس سے متصل
سر ہے ہمارا اور ترے سنگِ در کی چوٹ

درد اُس کو ہو گا سن کے مری آہِ دردناک
جس دل نے کھائی ہووے گی ترچھی نظر کی چوٹ

مشتاقِ دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
کھاؤں کدھر کی چوٹ، بچاؤں کدھر کی چوٹ

اے آسماں! دکھائیں گے آیا جو بام پر
پیدا کیا ہے ہم نے بھی شمس و قمر کی چوٹ

بد بیں کو اپنی بزم میں اے بُت! جگہ نہ دے
پتھر کو کاٹتی ہے یہ کافر نظر کی چوٹ

ہوتا ہے آہِ سرد سے یوں اپنے دل میں درد
پُروا ہوا میں دکھتی ہے جیسے بشر کی چوٹ

دل کو لگی ہے چشمِ سیہ کی تری نظر
رکتی نہیں کسی سے قضا و قدر کی چوٹ

مفلس کا کام یاں نہیں دولت کا کھیل ہے
دنیا قمار خانہ ہے چلتی ہے زر کی چوٹ

بدتر نہیں ہے غم غمِ فرزند سے کوئی
دل کو نصیب ہو نہ الٰہی جگر کی چوٹ

صدمہ فراق کا ہو نہ مشتاقِ وصل کو
اس کے عوض لگے اسے تیغ و تبر کی چوٹ

سودائے عشق ہو نہ تمھارے دماغ میں
آتش بٹھا ہی دیتی ہے انساں کو سر کی چوٹ

ردیف ثائے مثلثہ

دل میں گھر کر کے منہ آنکھوں سے چھپاتے ہو عبث
ناز و انداز سے باہر ہوئے جاتے ہو عبث

چوٹی، ایڑی سے مری جان بڑھاتے ہو عبث
بوٹے سے قد کو یہ شاخ اور لگاتے ہو عبث

اے بتو! تم کو بھی دعوائے الوہیت ہے
توڑ کر دل کو مرے کعبے کو ڈھاتے ہو عبث

عاشقوں سے نہیں کیا سجدہ ادا ہو سکتا
داغ پیشانیِ زاہد کو لگاتے ہو عبث

غافلو! منزلِ دنیا ہے سرائے فانی
اس خطر گاہ میں تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث

مرد تلوار کے آگے سے کوئی ہٹتے ہیں
ہم کو ابرو کے اشاروں سے ڈراتے ہو عبث

صاحبِ سیبِ زنخداں و بہی غبغب ہو
کس زباں سے میں کہوں تم مجھے بھاتے ہو عبث

جانبِ شیشہ جو دیکھوں تو مغاں کہتے ہیں
آنکھوں میں دخترِ رز کو پے جاتے ہو عبث

بوسے لیتا ہوں تو کہتا ہے وہ رشکِ یوسف
گرگ کی طرح سے پھاڑے مجھے کھاتے ہو عبث

شاعرو! ذکرِ دہان و کمرِ یار نہ ہو
سرِ مخفی ہیں، زباں پر انھیں لاتے ہو عبث

سایہ ساں لگ چلو آتش نہ بہت یار سے تم
دشمن و دوست کی آنکھوں میں سماتے ہو عبث

ردیف جیم تازی

نازک حباب سے ہے مرا دل، مرا مزاج
بہہ جائے پانی ہو کے جو بدلے ہوا مزاج

اک دم رہے نہ باغِ جہاں میں شگفتہ ہم
پژمردہ غنچہ تھا کوئی اپنا رکا مزاج

دشمن بھی ہو تو دوستی سے پیش آئیں ہم
بیگانگی سے اپنا نہیں آشنا مزاج

اک دن رکا نہ تنگ بغل میں لیا ہزار
اُس گل بدن کا پا گئی ہے کیا قبا مزاج

پابوس سے ترے یہ ہوا ہے اُسے شرف
کب ایسا شوخ رکھتا تھا رنگِ حنا مزاج

مشقِ ستم ہے اس لیے اس طفلِ شوخ کو
اصلاح پر نہ مجھ سے کبھی آئے تا مزاج

صحت نہیں نوشتۂ بیمارِ عشق میں
چُھٹ جاتی ہے غذا، نہیں پاتی دوا مزاج

کچھ غم نہ تھا ہزار زمانہ خلاف تھا
افسوس یار کا نہ موافق ہوا مزاج

ہم کو تو دل کی چاہ نے مجبور کر دیا
پھیرے مگر بتوں کی طرف سے خدا مزاج

دیوانہ دیکھتا ہوں میں دنیا کا خلق کو
آتشؔ پری کا رکھتی ہے یہ بیسوا مزاج

فصلِ گل ہے، لُوٹیے کیفیتِ مے خانہ آج
دولتِ ساقی سے مالا مال ہے پیمانہ آج

بادشاہِ وقت ہے اپنا دلِ دیوانہ آج
داغِ سودا ہم کو دیتا ہے جنوں نذرانہ آج

دولتِ دنیا سے مستغنی ہوں میں دیوانہ آج
گنجِ اُگل دیتا ہے میرے واسطے ویرانہ آج

تیرے کوچے کا ہے اے خانہ خراب افسانہ آج
شیخ کعبہ چھوڑتا ہے برہمن بُت خانہ آج

جلوۂ حسنِ پری دکھلا رہی ہے فصلِ گل
عقلِ کُل کہیے اُسے جو کوئی ہے دیوانہ آج

خوب رو تجھ سا کوئی بازارِ عالم میں نہیں
قیمتِ یوسفؑ نہ تھی جو ہے ترا بیعانہ آج

وصل کی شب ہے، اندھیرے کا ہے وعدہ یار سے
شمع کا ہونا نہیں ممکن، کہاں پروانہ آج

وہ پری پیکر کرے جو ناز، زیبا ہے اُسے
شہر آباد اُس کے دیوانوں سے ہے ویرانہ آج

نزع کی حالت ہے کوئی آشنا اپنا نہیں
دیکھیے جس کو، نظر آتا ہے وہ بیگانہ آج

آمد آمد اُس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اُڑ جاوے جو ہاتھ آویں پرِ پروانہ آج

ہم نشیں کہتے ہیں ذکرِ عیش نصفِ عیش ہے
میں کہوں، تو سن جمالِ یار کا افسانہ آج

امتیازِ خوب و زشت اپنے زمانے میں نہیں
ایک سا ہے آہوئے مست و سگِ دیوانہ آج

جان سے بیزار ہوں اک شمع رو کے عشق میں
ساتھ لے کر مجھ کو کودے آگ میں پ...

تلوے سہلاتی ہیں پریاں خانۂ زنجیر میں
وقت کا اپنے سلیمانؑ ہے ترا د...

مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب
دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ...

نقشِ آسیبِ پری ہے صورتِ زیبا تری
ہوش میں آتا ہے تجھ کو دیکھ کر...

زلف کو لٹکاتے ہیں رخسار پر سو سو طرح
آئینہ اُن کا مصاحب ہے، مقر...

کل ہمارا اور اُس کا امتحاں ہو جائے گا
آشنائی کا ترے دم تو بھر...

میرے مرنے کی دعا مانگے وہ بُت پڑھ کر نماز
کس طرف جا کر کروں میں...

وصل کی شب ہے کہاں ساقی تکلف برطرف
میں تمھیں پیمانہ دوں، تم مجھ...

دیکھوں تو کیونکر پری ہوتی نہیں شیشے میں بند
بعد مدت ہوش میں آیا ہوں...

مال ہے اپنا جو یوسفؑ آ گیا بازار میں
ہے زرِ قیمت کمر میں، با...

عرش پر ہے ان دونوں میں اہلِ دنیا کا دماغ
کون سا گھر ہے، نہیں جس میں ہے بالا خانہ آج

چشمِ وحدت بیں میں اپنی نیک و بد دونوں ہیں ایک
گرگ و یوسفؑ سے برابر ہے ہمیں یارانہ آج

حالِ مشکیں کو ترے ارزاں سمجھ کر مول لوں
قیمتِ خرمن بھی کر دے گر ملے یہ دانہ آج

نزع کی مشکل بھی آساں ہوتی ہے آتش نہ ڈر
شاہِ مرداں سے طلب کر ہمتِ مردانہ آج

عاشقِ مہجور کے مانند ہے بے تاب موج
رکھتی ہے دریا میں حالِ ماہیٔ بے آب موج

غرق ہونا پار اتر جانا ہے بحرِ عشق سے
لے چلے کشتی کو اپنی جانبِ گرداب موج

ڈوبے ہیں دریا میں تیرے عاشقِ بے تاب بھی
مثلِ عنبر کیا عجب پیدا کرے سیماب موج

اپنا مہمانِ طفیلی جانتے ہیں ہم اُسے
آئے گی گھر میں ہمارے ہمرہِ سیلاب موج

دم فنا ہووے تو ممکن ہے سخن گوئی کا ترک
آبِ دریا خشک ہو جاوے تو ہو نایاب موج

کیا سمجھ کر بحرِ ہستی میں کروں راحت طلب
دیکھتا ہوں روز و شب دریا میں ہے بے خواب موج

چاندنی کی سیر کو آیا اگر وہ بحرِ حسن
قدرتِ اللہ دیکھے گی شبِ مہتاب موج

بحرِ اُلفت کے شناور ہو اگر میری طرح
خواب میں بھی پھر نہ دیکھے صورتِ نایاب موج

گنج باد آور بہا لاوے، جو خسرو ہو کوئی
اب بھی ہے آتش میانِ عالمِ اسباب موج

ردیف جیم فارسی

ک روز اِس سرائے سے ہے لاکلام کوچ
سن تو سہی، پکارتا ہے یہ مقام کوچ

حرص و ہوا الٰہی! نہ دل میں مرے رہے
تیرے مقامِ خاص سے کر جائیں عام کوچ

اک عمر سے رواں ہوں رہِ کوئے یار میں
دکھلا چکی وہ منزلِ عالی مقام کوچ

اب ضبطِ آہ و نالہ کی طاقت نہیں مجھے
صبر و قرار و ہوش کا ہے صبح و شام کوچ

جہاں میں آبِ رواں سے کھلا یہ حال
استادگی کی جا نہیں یاں ہے دوام کوچ

ل میں گور کی میں مسافر پہنچ چکوں
آخر ہو توشہ راہ کا، ہووے تمام کوچ

ہے، جاں بلب ہے، مگر تو ہے بے خبر
خدمت سے تیرے کرتا ہے اب یہ غلام کوچ

جب دیکھو رہروی میں ہوں ریگِ رواں کی طرح
میرا مقام وہ ہے کہ جس کا ہے نام کوچ

رات روز و شب ہے وطن میں سفر جنھیں
وہ پختہ مغز سمجھے ہیں سودائے خام کوچ

آتش خدا نے چاہا تو کرتے ہیں آج کل
ہندوستاں سے جانبِ بیت الحرام کوچ

ردیف حائے حطی

شفق صبح نہ دیکھی نہ سنی نوبتِ صبح
وقت کو ہاتھ سے کھوتی ہے مری غفلتِ صبح

شکوہ کس منہ سے زمانے کی دورنگی کا کروں
رشکِ شب زلف ہے، چاند سا منہ غیرتِ صبح

دیکھ کر آئینہ یار آنکھوں میں پھر جاتا ہے
یاد آتی ہے مجھے بھولی ہوئی صحبتِ صبح

مئے گل رنگ سے بھر جامِ صبوحی ساقی!
ظلمتِ گور میں یاد آئی یہ کیفیتِ صبح

وصل میں ہجر کا دھڑکا جو لگا رہتا ہے
شام سے پھرتی ہے آنکھوں میں مری صورتِ صبح

کوچۂ یار کو کہتے ہیں بہشت اے قاصد!
یادِ رکھیو یہ نشاں آٹھ پہر حالتِ صبح

عہدِ پیری میں تو کر یادِ الٰہی غافل
رات تو کٹ گئی غفلت میں نہ کھو فرصتِ صبح

نور کا نام ہے یہ خانۂ گردوں میں نہیں
گور میں ساتھ ہی لے جاؤں گا میں حسرتِ صبح

آتش اک رات جو تنہا وہ دل آرام ملے
سجدۂ شکر کروں پڑھ کے میں دو رکعتِ صبح

ردیف خائے معجمہ

ہوتی جو اے صنم ترے سیبِ ذقن کی شاخ
پھر چل نہ سکتی ایک نہالِ چمن کی شاخ

مارا پڑا ہوں دیکھ کے اک سیوتی سا رنگ
لازم جریدتن کو ہے نسترن کی شاخ

جو خالِ عنبریں ہے وہ اک مشک نافہ ہے
آنکھیں تری ہرن ہیں، بھویں ہیں ہرن کی شاخ

دیکھا جو سخت روئیِ ابنائے دہر کو
سمجھا میں نرم موم سے بھی کرگدن کی شاخ

بوٹے سے قد کا تیرے نظارہ لگائے گا
کس کس نہ ہوشیار کو دیوانہ پن کی شاخ

باغِ جہاں میں کیا کہوں کیا حال ہے مرا
سوکھی ہوئی ہو جیسی درختِ کہن کی شاخ

روئے صبیحِ یار کی اُلفت کے روگ سے
گھل کر ہوا ہے اپنا بدن یاسمن کی شاخ

تشبیہ دیتے ساعدِ زیبائے یار سے
ہوتی جو خاردار نہ نازک بدن کی شاخ

صحرا و کوہ دیکھے، گلستاں کی سیر کی
ہاتھ آئی آتش اپنے نہ سیبِ ذقن کی شاخ

مے نے کیے عذارِ بتِ شوخ و شنگ سرخ
کندن کا اور آگ میں ہوتا ہے رنگ سرخ

نسبت یہ گل سے ہے ترے جسمِ لطیف کو
ہم پلہ برگِ گل سے ہو جیسے کے سنگ سرخ

روئے نگار ہے جو ہے نقشِ قدم مرا
کانٹوں نے کر دیا ہے یہ تلووں کا رنگ سرخ

جوشِ جنوں نے گو کہ مجھے زرد کر دیا
چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکوں کے سنگ سرخ

گو صیدِ ناتواں ہوں، پر اتنا ہے گرم خوں
ہو جائے چھالے پڑ کے زبانِ خدنگ سرخ

تحریرِ وصفِ لعلِ نگارینِ یار میں
شنجرف سے ہوا ہے سیاہی کا رنگ سرخ

کیفیتِ شراب ہے جوہر شجاع کا
ہوتا ہے چہرہ غازیوں کا وقتِ جنگ سرخ

لکھا جو ہے جوابِ خطِ شوق یار نے
قاصد کا مثلِ رقعۂ شادی ہے رنگ سرخ

کہتے ہیں اشکِ خون شبِ ہجرِ یار میں
کشتے کی چارپائی ہے اپنا پلنگ سرخ

عاشق نشانہ رہتے ہیں اُس تُرک شوخ کے
جب تک کہ گرم ہو کے نہ ہو لے تفنگ سرخ

ساقی بہارِ گل کی رعایت ضرور ہے
لالے کے پھول سے ہو شرابِ فرنگ سرخ

اُس طفل نے بڑھا کے شفق سے ملا دیا
جس دن قریبِ شام اُڑایا پتنگ سرخ

ہو گی تری طرح سے نہ اے تُرک خوش نما
پہنے پھرے لباس سپاہِ فرنگ سرخ

قاتل کو اپنی تیغ زنی کا جو شوق ہو
روئے زمیں ہو صورتِ میدانِ جنگ سرخ

پھوٹا لحد میں دل کا پھپھولا تو دیکھنا
ہو جائے گا مزار کا آتشؔ کے رنگ سرخ

قدرتِ حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رخ
خالِ مشکیں دلِ فرعوں، یدِ بیضا ہے وہ رخ

نور جو اُس میں ہے خورشید میں وہ نور کہاں
• یہ اگر حسن کا چشمہ ہے تو دریا ہے وہ رخ

پھوٹے وہ آنکھ جو دیکھے نگہِ بد سے اُسے
آئینے سے دلِ عارف کے مصفا ہے وہ رخ

مِ عالم ہے توجہ سے اُسی کی آباد
شہر ویراں ہے اگر جانبِ صحرا ہے وہ رخ

سامریِ چشمِ فسوں گر کی فسوں سازی سے
لبِ جاں بخش کے ہونے سے مسیحا ہے وہ رخ

مِ نظارہ لڑے مرتے ہیں عاشق اس پر
دولتِ حسن کے پیش آنے سے دنیا ہے وہ رخ

سایہ کرتے ہیں ہُما اُڑ کے پروں سے اپنے
تیرے رخسار سے دلچسپ ہو عنقا ہے وہ رخ

گل غلط، لالہ غلط، مہر غلط، ماہ غلط
کوئی ثانی نہیں، لاثانی ہے، یکتا ہے وہ رخ

کون سا اُس میں تکلف نہیں پاتے ہر چند
نہ مرصّع، نہ مذہب، نہ مطلّا ہے وہ رخ

خال ہندو ہیں، پرستش کے لیے آئے ہیں
پُتلیاں آنکھوں کی دو بُت ہیں کلیسا ہے وہ رخ

کون سا دل ہے جو دیوانہ نہیں ہے اُس کا
خطِ شب رنگ سے سرمایۂ سودا ہے وہ رُخ

اس کے دیدار کو کیونکر نہ ہوں آنکھیں مشتاق
دل ربا شے ہے، عجب صورتِ زیبا ہے وہ رُخ

تا کجا شرح کروں حسن کی اُس کے آتشؔ
مہر ہے، ماہ ہے، جو کچھ ہے، تماشا ہے وہ رُخ

ردیف دال

قاتل اپنا جو کرے گنجِ شہیداں آباد
دہنِ زخم کہیں خانۂ احساں آباد

کون ہے جو تری دوری میں نہیں مرتا ہے
ایک گھر رہنے نہ دے گی شبِ ہجراں آباد

بعد فرہاد کے پھر کوہ کنی میں نے کی
بعد مجنوں کے کیا میں نے بیاباں آباد

مدتیں دل کے خرابے کو ہوئی ہیں، دیکھیں
پھر بھی ہوتا ہے کبھی یہ دہ ویراں آباد؟

سرو اکڑتے ہیں تو غنچے ہیں شگفتہ ہوتے
یوں ہی رہ جائے الٰہی یہ گلستاں آباد

کوچۂ یار میں ہو روشنی اپنے دم کی
کعبہ و دیر کریں گبر و مسلماں آباد

کثرتِ داغِ محبت سے الٰہی بھر دے
منزلِ دل کو کریں آ کے یہ مہماں آباد

وہ شہ حسن پریشاں ہمیں کیوں رکھتا ہے
چاہتا اپنی رعیت کو ہے سلطاں آباد

کوئی پریوں کا اکھاڑ جو نظر آتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ ہے ملکِ سلیماں آباد

خوب رویوں کا ہے آنکھوں میں تصور رہتا
خانۂ چشم کو کرتے ہیں یہ انساں آباد

جس طرف دیکھیے، آتا ہے نظر وہ محبوب
جلوۂ یار سے ہے عالمِ امکاں آباد

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم کی آتش
طوق و زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

مئے گل رنگ سے لبریز رہیں جام سفید
چشمِ بد بیں کو کرے گردشِ ایام سفید

بسکہ اُس بت کی طبیعت ہے زمانے سے خلاف
صبح پوشاک سیہ ہے تو سرِ شام سفید

کون سی شام نہیں صبح ہوئی اے مغرور!
ایک دن ہوتی ہے یہ زلفِ سیہ فام سفید

قطرۂ اشک میں سرخی کا کہیں نام نہیں
لہو تیرا بھی ہوا اے دلِ ناکام سفید

دل کی تسکیں کو میں پیغامِ صفا کا سمجھوں
پُرزہ کاغذ کا جو بھیجے وہ گل اندام سفید

چاندنی رات میں وہ ماہ جو یاد آتا ہے
کاٹنے دوڑتے ہیں مجھ کو در و بام سفید

وصل کی شب جو ہوئی صبح یکایک تو ہوا
میں اِدھر زرد، اُدھر روئے دل آرام سفید

نسبت اُس فتنۂ دوراں سے کوئی اندھا دے
یار کی آنکھ سیہ، دیدۂ بادام سفید

کسی حالت میں نہیں فکر سے دشمن غافل
آفتِ مرغ ہے، رنگین ہو یا دام سفید

بس ہے اتنی ہی زمانے کی دو رنگی آتش
مئے گل رنگ سے لبریز رہیں جام سفید

قبر پہ یار نے قرآن پڑھا میرے بعد
شرطِ الفت کی ملی مجھ کو جزا میرے بعد

ہو گیا سلسلۂ مہر و محبت برہم
نازنیں بھول گئے ناز و ادا میرے بعد

یاس و حرمان و غم و درد یہ بڑھ جائیں گے
بے کسی کا نہیں لگنے کا پتا میرے بعد

رنگِ رخسارِ گل و لالہ دگرگوں ہو گا
نہ رہے گی یہ گلستاں کی ہوا میرے بعد

زندگی تک ہیں قیامت کے یہ سارے دھڑکے
مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد

دوست داری کا گنہ گار ہوں، وہ دشمنِ جاں
مغفرت کی مرے مانگے گا دعا میرے بعد

میں جو نوشہ تو وہ بن جائے گی آغوشِ عروس
گور سے آئے گی شہنا کی صدا میرے بعد

خونِ ناحق کا مرے کھینچے گا خمیازہ
ہاتھ ملیے گا بہت مَل کے حنا میرے بعد

قفسِ تن سے چھٹا میں تو چمن سے لا کر
بوئے گل کس کو سنگھا دے گی صبا میرے بعد

کُلہِ کج نہیں رہنے کی تمھارے سر پہ
تنگ و چست ایسی نہ ہووے گی قبا میرے بعد

ہڈیاں کھا کے جو مجھ کشتے کی لذت پائی
صدقے ہو گا مرے قاتل کے ہُما میرے بعد

میں نہ ہوں گا تو نہ ہو گا یہ قمارِ الفت
کوئی بدلے گا نہیں شرطِ وفا میرے بعد

گور تک ساتھ رہے پڑھ کے جنازے کی نماز
فرض جو تھا سو کیا تم نے ادا میرے بعد

آئینہ رکھ کے بنانے کے نہیں شانے سے
مختصر ہووے گی یہ زلفِ رسا میرے بعد

قبر پہ فاتحہ کو آئے وہ شوخ اے آتش
نیک توفیق دے اُس بُت کو خدا میرے بعد

چاندنی رات میں کھولوں جو ترے خواب میں بند
عمر بھر آنکھ نہ ہو پھر شبِ مہتاب میں بند

شمع ساں سوزشِ دل ہم نے کسی سے نہ کہی
رہ گئی اپنی زباں محفلِ احباب میں بند

یار کے واسطے لکھوں جو خطِ شوقیہ
یک قلم ہوویں یہ سیکڑوں القاب میں بند

اپنے ہم جنس سے شاید کہ یہ بہلے کوئی دم
دلِ بے تاب کو کیجیے چہ سیماب میں بند

ناز کرتا ہے وہ بُت اپنے ہوا خواہوں سے
برہمن ہوتے ہیں، واں خانۂ قصاب میں بند

شیشہ خالی ہوا ساقی کہ مرا دم نکلا
روح مستانہ ہے مینائے مئے ناب میں بند

آستیں جوش میں کیا آنسوؤں کو روکے گی
ٹھہر سکتا ہے کہاں آمدِ سیلاب میں بند

روزِ وصل آئے گا، آخر شبِ ہجراں ہو گی
کام رہنے کا نہیں عالمِ اسباب میں بند

زمزمے کرتا ہے شاید کہ گلے ہیں آتش
رگِ گل سے قفسِ بلبلِ بے تاب میں بند

تا چند کروں سینے میں مَیں آہ و فغاں بند — کب تک رہے اس گھر میں الٰہی یہ دھواں بند
اس قلزمِ ہستی میں ہیں وہ گوشہ نشیں ہم — دن رات رہا مثلِ حباب اپنا مکاں بند
ہم الفتِ دیں ہے اسے ہم لذتِ دنیا — وہ گنج ہے دل جس میں ہے نقدِ دو جہاں بند
منہ دیکھتا ہوں یار کا، کچھ کہہ نہیں سکتا — آنکھیں تو کھلی ہیں مری لیکن ہے زباں بند
گردش ہے جو قسمت کی وہ موجود ہے واں بھی — گو شیشۂ ساعت میں رہے ریگِ رواں بند
پھرتا ہے یہ کوئی تو ترے کوچے میں شب کو — تا صبح نہیں ہوتی ہے آوازِ سگاں بند
تنگ آ کے شبِ وصل میں ہو جائے برہنہ — اندام کو اُس گل کی قبا کے ہوں گراں بند
سر سبز گلستاں ہوں چلے بادِ بہاری — کھولے اُسے ساقی جو ہے مدّت سے دکاں بند
آواز یہی کوچۂ قاتل سے ہے آتی — ہوتا ہے جدا بند سے انساں کا یہاں بند
سودے نے تری زلفِ مسلسل کے کیے ہیں — زندانِ محبت میں ہزاروں ہی جواں بند
دکھلائے گا اللہ مجھے یار کا کوچہ — مومن ہوں، رہے گا نہ درِ باغِ جناں بند

قسمت مجھے کیوں گنبدِ افلاک میں لائی
آتش خفقانی کو قیامت ہے مکاں بند

منہ لپیٹوں میں تو دم کر دے خیالِ یار بند — خوابِ بد دیکھوں جو ہوویں دیدۂ بیدار بند
جنبشِ ابرو سے آئینہ نہ ٹکڑے ہو نہ ہو — بیشتر کرتے ہیں ساحر سحر سے تلوار بند
کیا کہوں وعدہ خلافی سے ترے احوالِ شب — کھول کر دروازے کو کرتا ہوں سو سو بار بند
دل میں آتا ہے کہ اک دن رو کے دھو ڈالوں انھیں — روز لکھتے ہیں کراماً کاتبین دو چار بند
حسن جنسِ بے بہا، اہلِ زمانہ تنگ چشم — آج کل کرتا ہے قحطِ مشتری بازار بند
تو نے اک پیچا سجا ہے ہاتھ سے اپنے جو یار! — کرتے ہیں قالب تہی سن کر اُسے دستار بند
پوچھتا ہے طنز سے کیا باندھی ہے کس پر کمر؟ — باندھی ہے اس پر کمر کھولوں ترا شلوار بند
دیر میں جاوے اُلٹ کر گر تو چہرے سے نقاب — مصحفِ رُخ پر تصدق بُت کریں زنار بند
گوش زد ہووے اگر تقریر تیرے مست کی — زاہدانِ خشک ہوں مثلِ زبانِ خار بند
موسمِ گل کی ہوا چلتی ہے ساقی جام بھر — شیشے میں تا چند رکھے گا مئے گلنار بند

روح جب قالب میں آئی مجھ کو آتش کھل گیا
ہو چکا کنجِ قفس میں بلبلِ گلزار بند

خوب رُو ہوتے ہیں سن کر تری تقریر سفید — اور خاموشی سے ہم عاشقِ دل گیر سفید

وہ سیہ کار ہوں ظلمت کدۂ دہر میں مَیں
چاہیے دے نہ کفن بھی مجھے تقدیر سفید

لبِ جاناں کی کبودی جو اُنھیں دکھلاؤں
زرد ہووے گلِ سوسن تو طباشیر سفید

خاکساری سے ہوا آئینۂ دل روشن
کیا مسِ قلب کو کرتی ہے یہ اکسیر سفید

سرد مہریِ بتاں کی جو حکایت لکھوں
شمع کافوری سے ہو خامۂ تحریر سفید

عید کا دن ہے، بغل گیر وہ دلبر ہو گا
پہنے پوشاک ہر اک عاشقِ دل گیر سفید

دل منّور ہے خیالِ رخِ نورانی سے
پرتوِ ماہ سے رہتی ہے یہ تعمیر سفید

کیا جواں مردوں کو اُجلا یہ دنی رکھے گا
اوڑھ لے آپ تو چادر فلکِ پیر سفید

سخت جانی مجھے قاتل سے نہ شرمندہ کرے
نہ چھری اور نہ منہ پر سے ہو شمشیر سفید

وہ شکر لب رہے آسیبِ نظر سے محفوظ
چشمِ بدخواہ ہو مثلِ قدحِ شیر سفید

کام فرمائیں تکلف کو جو دیوانے تو ہو
قصرِ منعم کی طرح خانۂ زنجیر سفید

شادی و غم سے ہے عالم کا مرقع توام
سرخ تصویر ہے کوئی، کوئی تصویر سفید

عقل نے اصلِ حقیقت سے کیا ہے آگاہ
خوں سمجھتا ہوں میں ہر چند کہ ہو شیر سفید

ہر زمیں پر ہے نئی آب ہوا کی تاثیر
مردمِ زنگ سیہ، مردمِ کشمیر سفید

غمِ ہجراں پئے لیتا ہے لہو جونک کی طرح
کیوں نہ ہو رنگِ رُخِ آتشِ دل گیر سفید

ردیف دال ہندی

رکھتا ہے یار ابروئے خم دار پر گھمنڈ
اُس تُرکِ تیغ زن کو ہے تلوار پر گھمنڈ

ہو گا خزاں میں رنگ دگرگوں بہار کا
گل چیں کا یہ دو ہفتہ ہے گلزار پر گھمنڈ

عاشق ہیں گرد رہتے ستاروں کی طرح سے
زیبا ہے تم کو چاند سے رخسار پر گھمنڈ

کبر و غرور کی ہے سزاوار اس کی شان
حسن و جمال ختم کریں یار پر گھمنڈ

تقریر اپنی اور روش یار کی ہے خوب
گفتار پر ہمیں، اُسے رفتار پر گھمنڈ

چار روز لالہ و گل کی بہار ہے
کیجیے قبا پہ اور نہ دستار پر گھمنڈ

یوسف لقا سے میرے زیادہ نہ ہووے گا
یوسف کو اپنی گرمیِ بازار پر گھمنڈ

عیسیٰ مریضِ عشق سے اپنے نہ پھیر منہ
لازم نہیں ہے شربتِ دیدار پر گھمنڈ

آتش سخن شناس سے قدرِ سخن سمجھ
سارا ہے اس گہر کا خریدار پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

زورِ بازو ہی کو بازو کا میں سمجھا تعویذ
بس ہے انسان کو تقدیر کا لکھا تعویذ

دشمن و دوست پس از مرگ ملیں گے آنکھیں
نقشِ حُب کا ہے مرے سنگِ لحد کا تعویذ

دل سے دشمن سے رہی جنگ ہمیشہ درپیش
نہ زرہ پہنی کبھی میں نے، نہ باندھا تعویذ

جذبۂ دل سے پری رویوں کو تسخیر کیا
نہ تو گاڑا، نہ جلایا، نہ بہایا تعویذ

ذقنِ یار کے بوسے کی تمنا ہی رہی
لکھ کے کس روز کنوئیں میں نہیں ڈالا تعویذ

مے کی تکلیف نہ کیونکر کریں ان آنکھوں کے جام
موے سر ابرِ سیہ، برق سنہرا تعویذ

نہیں ٹلتی کسی صورت سے بلائے مبرم
ڈھونڈھے کس واسطے آتش کوئی گنڈا تعویذ

ردیف رائے مہملہ

شانہ ٹوٹا تارِ گیسوئے معنبر توڑ کر
پھل نہیں پاتا کوئی شاخِ صنوبر توڑ کر

اُس نگہ سے سینے میں ممکن نہیں دل کو پناہ
قلعے میں تیرِ قضا لگتا ہے بکتر توڑ کر

شاخِ گل پر سے کیا تھا بسکہ بلبل کو اسیر
ہاتھ پر صیاد نے بٹھلا لیا پر توڑ کر

پھوڑتا تیشے سے اپنا سر نہ تھا اے کوہکن!
چھینتا شیریں کو تھا پرویز کا سر توڑ کر

باز آیا فعل سے اپنے نہ بدمستی میں بھی
شیشے کو منہ سے لگایا میں نے ساغر توڑ کر

اے دلِ صد چاک اُلجھ کر زندگی بھی ہو نہ تنگ
پیچ کا اُن گیسوؤں کے شانہ بن کر، توڑ کر

درد بازو میں رہے گا سخت جانی سے مری
خونِ عاشق کی قسم کھاؤ گے خنجر توڑ کر

شیشے کو توڑا اگر تو نے لڑا کر جام سے
محتسب رکھ دی تری گردن برابر توڑ کر

آئینہ لیتا تو ہے وہ لا اُبالی دیکھنا
پھیر دے گا چار دن میں اے سکندر توڑ کر

قیدِ ہستی سے جو تنگ آتا ہوں تو کہتا ہے دل
توڑیے دیوار کو زنداں کے لنگر توڑ کر

یاد آتے ہیں ستم اُس سنگ دل محبوب کے
توڑتا ہے دل مرا شیشے کو پتھر توڑ کر

دیکھنے والا جو آرائش کا مجھ سا اُٹھ گیا
پھینک دو گے اے حسینو! تم یہ زیور توڑ کر

دم فنا کرتا ہے آتش جنبشِ مژگاں کا شوق
چھیدتے ہیں دل رگِ سودا یہ نشتر توڑ کر

جلد ہو بہرِ سفر اے مہِ کنعاں تیار
ہو چکا تیرے لیے مصر میں زنداں تیار

باغِ عالم میں ہوں میں وہ شجرِ سوختہ بخت
میری شاخوں سے ہوئے سروِ چراغاں تیار

آبلہ پائی نے صحرا میں رلایا جو مجھے
ابرِ مژگاں نے کیے نخلِ مغیلاں تیار

چل دلا وقت ہے سینہ کے سپر کرنے کا
برچھیاں تانے ہوئے ہیں صفِ مژگاں تیار

پشتِ پا کیوں نہ یہ کونین کے اوپر مارے
دستِ قدرت سے ہوا پیکرِ انساں تیار

سر بلندی بھی ہے سرگشتگیِ بخت کیساتھ
خاک اُڑے اپنی تو ہو گنبدِ گرداں تیار

رنج اُٹھانے میں زبس میں نے مزا پایا ہے
زخم کے واسطے رکھتا ہوں نمک داں تیار

تو بھی اے گریہ دکھا چہرۂ رنگینِ حبیب
بارشِ ابر سے ہوتا ہے گلستاں تیار

زور بھی خاک کے پتلے کو نہیں پچتا ہے
کشتی لڑنے کو ہوئے گبر و مسلماں تیار

غمِ عالم ہے شکارِ دلِ شوریدہ مزاج
میں نے پہلو میں کیا شیرِ نیستاں تیار

کون سے روز نہ دامن نے مجھے اُلجھایا
کب گلا گھونٹنے کو تھا نہ گریباں تیار

بعدِ مجنوں جو گیا میں مرے سر پر آتشؔ
سایہ کرنے کو ہوئے بیدِ بیاباں تیار

بھاگو نہ مجھ کو دیکھ کے بے اختیار دور
اے کودکاں! ابھی تو ہے فصلِ بہار دور

مانندِ مرغِ قبلہ نما پیشِ چشم ہے
وہ کعبۂ مراد ہو ہم سے ہزار دور

عیسیٰؑ نے نسخے میں ترے بیمار کے لکھا
دردِ فراق کو کرے پروردگار دور

اے خضرِ راہ منزلِ مقصود، الغیاث!
چھوٹا ہے مجھ غریب کا مجھ سے دیار دور

گردن نہ خم ہو شمع صفت، گو جہانیاں
تن پر سے میرے سر کو کریں لاکھ بار دور

مضمون باندھ لاتی ہے فکر اپنی عرش سے
ڈھونڈھا ہے جب تو ہم کو ملا ہے شکار دور

روپوش ہے جو ناز سے اُس کا گلہ نہیں
نزدیک دل سے ہے، رہے آنکھوں سے یار دور

کیفِ شراب میں ہے مزا فکرِ شعر کا
رکھتا پیادے سے ہے ارادہ سوار دور

بنتی ہے جان پر جو حرارت سے عشق کی
کرتا ہوں آہ کھینچ کے دل کا بخار دور

تسکین کے لیے گئے منزل میں گور کی
پہنچے تڑپ تڑپ کے ترے بے قرار دور

وصلِ حبیب حاصلِ عمرِ عزیز ہے
وہ گل ملے تو ہجر کا ہو خار خار دور

فرقت میں یار کے یہ سخن تکیہ ہے مرا
مخدوم سے نہ اپنے ہو خدمت گزار دور

پیری میں ترکِ مے کا ارادہ نہ کیجیو
آتشؔ صبوحی کرتی ہے شب کا خمار دور

قصۂ سلسلۂ زلف نہ کہنا بہتر
پیچ در پیچ ہے، خاموش ہی رہنا بہتر
ضبطِ گریہ سے جلا کرتی ہیں آنکھیں سچ ہے
بند ہونے سے ہے ناسور کا بہنا بہتر
دونوں ہاتھوں کی ترے یار کروں کیا تعریف
بایاں دہنے سے تو پھر بائیں سے دہنا بہتر
یاد کو دیکھیں گے پہنا کے شبِ مہ میں، اُسے
مل گیا کوئی اگر پھولوں کا گہنا بہتر
نفس لتارہ سا رکھتا ہے یہ سرکش دشمن
آدمی کے لیے غافل نہیں رہنا بہتر
ٹیڑھی سیدھی سے غرض رکھتے نہیں اے آتش
جو کہے یار ہمیں سن کے یہ کہنا، بہتر!

خط سے کب جاتے ہیں عاشق کوئے جاناں چھوڑ کر
کشتِ پختہ کو کبھی بھاگے نہ دہقاں چھوڑ کر
کعبہ ساں جائے ادب ہے چار دیوارِ لحد
یاں قدم رکھتا ہے تخت اپنا سلیماںؑ چھوڑ کر
کھا لیا داغِ فراقِ یار نے آخر مجھے
ہو نہ غافل ملک پر عالم کو سلطاں چھوڑ کر
مصحفِ روئے صنم سے منحرف زاہد نہ ہو
منہ دکھاوے گا خدا کو کیا تو ایماں چھوڑ کر
مٹ نہ بعدِ مرگ بھی اے داغِ اُلفت ہے بعید
صاحبِ خانہ کو سوتا جائے مہماں چھوڑ کر
نیک بختوں کو نہ دے رنجِ انقلابِ روزگار
واصلِ خورشید ہو شبنم گلستاں چھوڑ کر
فرقتِ تن سے ہے شاداں روح اپنی جس قدر
خوش نہ ہو گا اس قدر دیوانہ زنداں چھوڑ کر
چاند سے رخسار پر لہرا کے آنے دیجیے
کیجیے اندھیر زلفوں کو پریشاں چھوڑ کر
کارِ مردانہ کیا چاہے تو اے دستِ جنوں!
کھینچ دامانِ پری، میرا گریباں چھوڑ کر
شہدِ لب کا تیرے سن پایا تھا افسانہ کہیں
زہر کھایا مورچوں نے شکرستاں چھوڑ کر
باغ میں آ کر کہاں جاتا ہے اے رشکِ بہار!
گل کو خنداں چھوڑ کر، بلبل کو نالاں چھوڑ کر
اے کماں کش! ہے کشش سے دل کی اُمید قوی
تیر پہلو سے مرے نکلے تو پیکاں چھوڑ کر
کاٹ کر کوچے قدم رکھ
کیت ہاتھ اُس کے ہے بھاگا جو نہ میداں چھوڑ کر
اُن لبوں سے گیسو
شک ہو گا اس ختن میں، یہ بدخشاں چھوڑ کر
باغِ عالم میں
اُڑاتی ہے صبا کس گل کا داماں چھوڑ کر
دل میں نیستی
چھوڑ کر

ا
کو ہے بادِ بہاری تیار
دل ز
ئی جان ہماری تیار

مجھ کو مجنوں سے بھی جس وقت کہ لاغر پایا
کشتی لڑنے کو ہوئی بادِ بہاری تیار

اس قدر تنگ گریباں نہیں زیبا پیارے!
پھانسی دیجے اسے گردن ہے ہماری تیار

سرمہ، اندھیر، حنا قہر، قیامت مسّی
فتنہ انگیزی کی ترکیبیں ہیں ساری تیار

ہار پھولوں کے پہنتے ہو تو میری خاطر
بدھی زخموں کی کرے تیغ تمہاری تیار

رزق ہر صبح پہنچتا ہے مجھے بے منت
خونِ دل، لختِ جگر کی ہے نہاری تیار

زندگی میں جو فراغت نہ ہوئی تو نہ ہوئی
اے فلک! تنگ نہ ہو گور ہماری تیار

اس زمانے میں سپاہی نہیں بیگاری ہیں
نہ تو تلوار بچی ہے، نہ کٹاری تیار

ضد سے دھیان اُس کی تکلف کا نہ آیا ہرگز
رہی لگ چلنے کو دامن سے کناری تیار

تیرے دیوانے کی وحشت ہے زیادہ ہر سال
بیڑیاں ہوتی ہیں ہر مرتبہ بھاری تیار

کمرِ یار کا شک اُن کی کمر پر جو پڑا
پھاڑ کھانے کو ہوے یوز شکاری تیار

تختِ تابوت کہاں بن کے غبار اُڑ جاؤ
باؤ کے گھوڑے کی آتش ہے سواری تیار

دیکھی جو صبح زلفِ سیہ فام دوش پر
نظارہ کرتے کرتے ہوئی شام دوش پر

طفلی سے ہوں دو چار نشیب و فرازِ دہر
راحت نہ گور میں تھی، نہ آرام دوش پر

مجھ سخت جاں کا سایہ جو سیلاب پر پڑے
لادے پھرے حباب در و بام دوش پر

نادانی کا سبب ہے جو ہے طفل کو قرار
رہنے نہ دے گی گردشِ ایام دوش پر

زلفِ سیاہِ یار کمر تک نہیں گئی
صیّاد کا مرے ہے ابھی دام دوش پر

بالائے بام ہو جو مسیحا نفس مرا
مردہ نہ ٹھہرے زیرِ لبِ بام دوش پر

چلتے ہیں کیا یہ مار کے مغرور ٹھوکریں
سر پر ہر اک قدم ہے، ہر اک گام دوش پر

طفلی میں بھی مرا یہی عالی دماغ تھا
جاتا تھا روز تا بہ لبِ بام دوش پر

پیوندِ خاک ہونے کا اللہ رے اشتیاق
آیا نہ گور تک مجھے آرام دوش پر

کاندھا مرے جنازہ کو کیا دے وہ نازنیں
بھاری ہے جس کو زلفِ سیہ فام دوش پر

عاشق نشانہ تیر کے ہوتے تری طرح
رکھتا اگر کماں کو بہرام دوش پر

پھرتے ہیں اس بہار میں مستوں کے ساتھ ساتھ
ساقی سبو کی طرح لیے جام دوش پر

اے موت! آ کہیں، رہوں تا چند منتظر
لادے ہوئے سفر کا سرانجام دوش پر

رہتے ہیں میرے کاتبِ اعمال رنج میں
آتش اٹھاؤں گا میں در و بام دوش پر

جھڑتے ہیں پھول منہ سے اس تنگی دہن پر
غنچہ نثار تیری رنگینیِ سخن پر

بعدِ فنا کنوئیں کے پانی سے غسل دینا
کھوئی ہے میں نے جانِ شیریں چہ ذقن پر

دونوں کلائیاں دو پھولوں کی ڈالیاں ہیں
گل کھائے ہیں یہ میں نے خوبانِ گلبدن پر

کیونکر تری قبا سے تشبیہ دوں میں اس کو
دو بُو نے بھی نہیں ہیں اک گل کے پیرہن پر

ہم سے خلاف ناحق صیاد و باغباں ہے
نالوں سے اپنے کس دن بجلی گری چمن پر

گھبراتی ہے یہ اس میں وہ اس سے رک رہا ہے
جادو کیا ہے غم نے کچھ میرے روح و تن پر

دیکھے جو تل کسی کے نازک کلائیوں کے
بھونروں کو میں نے سمجھا شاخِ گلِ سمن پر

بھوکوں کو سیب و بہ میں راہِ خدا کھلاؤں
بوسے کو لب جو پہنچیں اُن غبغب و ذقن پر

اُس ترک سے جو کی ہیں صحرا میں چار آنکھیں
جھنجھلا کے کیا ہی کتے چھڑوائے ہیں ہرن پر

کشتوں کو تری قبریں دیکھیں جو دیکھ لینا
زندوں کو ہو گی حسرت مُردوں کی انجمن پر

دو پھل ہوئے ہیں پیدا اک نخلِ حسن میں سے
بادام و پستہ صدقے اُس چشم، اُس دہن پر

ملتا ہے کیا جو آتش مرتے ہیں اہلِ دنیا
اک دو وجب زمیں پر اس یک دو گز کفن پر

دم نکلتا ہے نگاہِ چشمِ مستِ یار پر
نشے کا ڈورا بلائے جاں ہے اس تلوار پر

شرم سے وہ سرمگیں آنکھیں جھکی جاتی نہیں
رات بھاری ہو گئی ہے مردمِ بیمار پر

خوش نما ہے چہرۂ محبوب پر زلفِ سیاہ
عالم اک دکھلاتی ہے کالی گھٹا گلزار پر

چھیڑ سکتا ہے کوئی ابرو کو شانہ مثلِ زلف
ہاتھ پھر سکتا ہے تیغِ تیز کی کب دھار پر

کھنچتا ہے آپ کو دور اس قدر کیوں آفتاب
سایہ کیا سورج مکھی کا ہے کسی رخسار پر

کیا کروں پست و بلند راہِ الفت کا بیاں
چاہ میں اک پاؤں ہے، اک پاؤں ہے دیوار پر

سرسری سمجھو نہ میری آہ کو اے سرکشو!
پھونک ہی دے گی گرے گی جب کہ بجلی خار پر

حسن کے منہ کی نقاب اُٹھیں گے بیمارانِ عشق
مُہر توڑیں گے جو کی ہے شربتِ دیدار پر

کیوں نہ پھانسے عاشقوں کے دل وہ طفلِ برہمن
طُرّہ ہے گردن کا ڈورا دوش کے زنار پر

رو دیا ہے عاشقوں نے ابرِ باراں کی طرح
تم نے مارا ہے قدم جو برق کی رفتار پر

رنگِ شب اُڑتا ہے گیسوئے سیہ کو دیکھ کر
داغ ہے ماہِ دو ہفتہ و ترے رخسار پر

لٹپٹی پگڑی سے قاتل کی میں کیا تشبیہ دوں
داغ کا دھبا لگا ہے لالہ کی دستار پر

تو جو اے عیسیٰ نفس! آیا عیادت کے لیے
تندرستوں کو ہوئی حسرت ترے بیمار پر

تیرے دانتوں سا کوئی موتی سمندر میں نہیں
لعل لب سا اک بدخشاں کے نہیں کہسار پر

دوست کو لے کر بغل میں رات بھر سوتا ہوں میں
رشک ہے دشمن کو میرے طالعِ بیدار پر

یار کی فرقت میں رو کر قصرِ تن کو ڈھاؤں گا
پانی پھر جاوے گا اس گھر کے در و دیوار پر

دام میں لا کر کرے صیاد بے پروا حلال
بلبلِ بے تاب صدقے ہو چکی گلزار پر

خود غلط ناحق نہ ہوں تقلیدِ آتش سے ہلاک
چور کب منصور بن سکتا ہے کھنچ کر دار پر

دکھائی حسن نے قدرت خدا کی آ کے جوبن پر
چراغِ طور کا عالم ہے تیرے روئے روشن پر

کریں گے اس سے صید اک دن ہمائے تیغِ قاتل کو
رگوں کا جال یاں پھیلا ہوا ہے اپنی گردن پر

دکھائی دخترِ رز نے یہ مے خانہ میں نیرنگی
دمِ طاؤس کا عالم ہوا مینا کی گردن پر

نمازی کو شراب اُس کو پلائی جا کے مسجد میں
کلیسا میں گیا تو بت کو دے پٹکا برہمن پر

کوئی پھینکے فلک اپنی طرف منہ اُس کا کرتا ہے
ہمارا نام کندہ ہے مگر سنگِ فلاخن پر

بھلا دیکھیں تو گو بازی میں سبقت کون کرتا ہے
ادھر ہم بھی ہیں توسن پر اُدھر تم بھی ہو توسن پر

مری آوازِ پا سن کر فنا ہو جان موذی کی
وہ رہرو ہوں کمر باندھی ہے جس نے خونِ رہزن پر

وہ بدگوئی مری کرتا ہے میں نیک اُس کو کہتا ہوں
فرشتے میرے لعنت کرتے ہوں گے میرے دشمن پر

نمودِ غیر ہے مقصودِ دل آتش مزاجوں کو
یہ ساری گرمیِ حمام ہے موقوف گلخن پر

تماشا دیکھ گورستاں میں نیرنگِ زمانہ کا
جو گل ہیں خندہ زن تو رو رہی ہے شمع مدفن پر

زمیں پکڑی تو پھر چھوڑی نہ ہرگز بید مجنوں نے
نشانِ داغِ مجنوں رہ گیا صحرا کے دامن پر

عروجِ حسنِ بازاری پسندِ دل نہیں ہوتا
مجرّد ہوں مگر رغبت نہیں قحبہ کے جوبن پر

جنوں لے چل بیاباں کو، میں باز آیا گلستاں سے
خوش آتی ہے کسے چشمک زنی نرگس کی سوسن پر

یہ صرفِ سینہ کوبی ہے وہ صرفِ نعلِ ماتم ہے
مرے ماتم سے آفت رہتی ہے اک سنگ و آہن پر

ہر اک مصرع میں یاں مضموں ہے آتش دوست داری کا
ہمارے شعر کا انصاف ہے، انصاف دشمن پر

بہار آئی ہے، عالم ہے گلِ و نسرین و سوسن پر
جوانانِ چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر

نقاب اُلٹے جو تو رخسارِ آتش رنگ سے اپنے
پر پروانہ سے آرے چلیں شمعوں کی گردن پر

دلِ نازک کو اپنے جنبشِ مژگاں سے کیا ڈر ہے
چھری چلتی کبھی دیکھی نہیں شیشے کی گردن پر

حذر عالی مقاموں کو ہے لازم خاکساروں سے
پیادے غالب آئے ہیں سوار پشتِ توسن پر

ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد اڑ کر پڑے رہرو کے دامن پر

یہ چشم اکثر آتے ہیں تماشا دیکھنے اس کا
کھلے آ ہوئے شہری سبزہ اپنے مدفن پر

نہایت بلبلِ شیدا کا اس نے دل جلایا ہے
جو بس ہووے تو رکھوں آگ میں گلچیں کے دامن پر

نہ دیکھ سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں
شگوفہ پھولنا ممکن نہیں دیوارِ آہن پر

زرہ جس دن سے اے قاتل گلے میں تو نے ڈالی ہے
طلا و نقرہ کو اک رشک ہے اقبالِ آہن پر

نہانے کو نہ جا حمام میں ہمرہ رقیبوں کے
لٹا دے گا ہمیں رشک آتشِ سوزانِ گلخن پر

نہ سمجھا پر نہ سمجھا میرے خطِ شوق کا مطلب
مقدر نے مجھے عاشق کیا کس طفلِ کودن پر

تری زلفِ سیہ اک دن سفیدائے یار ہووے گی
یہ وہ شب ہے چلے گی جو طریقِ روزِ روشن پر

حرارت طور کے شعلے کی ہر اک دانہ رکھتا ہے
یقیں ہے خاک ہو بجلی گرے گر اپنے خرمن پر

فنا ہو کر بھی چھوڑے گی نہ خو نظارہ بازی کی
ہماری خاک کے ذرے کریں گے قبضہ روزن پر

جو کامل ہیں نہیں اندیشہ آتش ان کو بدبیں کا
دہانِ زخمِ کاری خندہ زن ہیں چشمِ سوزن پر

اول سے حسن، عشق کو لایا ہے راہ پر
عاشق چکور روزِ ازل سے ہے ماہ پر

منکر ہیں ذاتِ صانعِ عالم کے دہریے
نافہموں کا عمل ہے فقط لا الٰہ پر

دکھلائی برق نے جو ترے دانتوں کی چمک
مِسّی کا شک ہوا مجھے ابرِ سیاہ پر

مدفوں ہیں اس زمیں میں ہزاروں ہی تاج دار
بچھتا ہے تختِ شاہ، سرِ بادشاہ پر

کوچے سے یار کے نہ صبا دور پھینک اسے
مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر

اعضا گواہی دینے کو حاضر ہیں روزِ حشر
مرتا ہے کیا سمجھ کے یہ انساں گناہ پر

قسمت کی خوبی دیکھیو اس شاہِ حسن کی
دھوکا ہوا فقیر کا مجھ داد خواہ پر

میں کشتی شکستۂ دریائے عشق ہوں
ہنستا ہے ناخدا مرے حالِ تباہ پر

ہم سے خلاف ہے فلکِ تیرہ روزگار
جن تو چڑھا نہیں سرِ دیوِ سیاہ پر

یاد آگیا ہے سبزہ جو مژگانِ یار کا
بوسے دیے ہیں دیدۂ مردم گیاہ پر

اے طفلِ تُرک اِدھر بھی گزرگاہ ہو
تکیہ ترے فقیر کا ہے شاہ راہ پر

آزار سہل بھی نہیں موذی کے واسطے
دیکھا نہ گنج کو سرِ مارِ سیاہ پر

دیتے ہیں خالی وار کو دشمن کی تیغ کے
تکیہ نہیں ہے ہم کو سپر کی پناہ پر

صاحب کمال صوفیِ عالی مقام ہے
رقص اس کا کیسا لاتا ہے مطرب کو راہ پر

ہالے میں عاشقوں کو ہوا ماہ کا یقیں
باندھا جو شملہ یار نے زریں کلاہ پر

گوشِ بتاں کے پردے پھٹے اس کے شور سے
رحمت خدا کی، اپنی اثر دار آہ پر

کس گل کے خطِ سبز کے کشتہ ہیں اہلِ شرع
جائز رکھا ہے سجدہ انھوں نے گیاہ پر

دندانِ یار جب سے سمائے ہیں آنکھ میں
لیتے ہیں موتی جوہری اپنی نگاہ پر

شہرِ بتاں میں حوصلہ فریاد کا نہ کر
یاں رسم دُرّے پڑنے کی ہے داد خواہ پر

مشتاق اہلِ مے کدہ ہیں یاں کرم کرے
ابرِ سیہ کا لطف نہیں خانقاہ پر

آتش زمین کو بھی سمجھتا ہوں آسماں
ہوتا ہے برجِ دلو کا شک مجھ کو چاہ پر

حکم رانی پر ہوا ملکِ سلیمانِ بہار
عشق پیچاں بن گیا طغرائے فرمانِ بہار

زخمِ خنداں یار بن ہے روئے خندانِ بہار
تیرِ بارانِ بلا ہے مجھ کو بارانِ بہار

بے بقا ہے ہستیِ شبنم سے بارانِ بہار
برق کی چشمک سے کم وقفہ ہے دورانِ بہار

زلفِ سنبل کو سمجھیے، گوشِ گل کو جانیے
نرگسِ شہلا کو کہیے چشمِ فتانِ بہار

شاخِ گلبن پر یہ طفلِ غنچہ سے ظاہر ہوا
نے سوارانِ چمن ہیں مردِ میدانِ بہار

کیا سمجھ کر روندتے ہیں مجھ کو سیارِ چمن
سبزۂ بیگانہ ہوں، لیکن ہوں مہمانِ بہار

زلف کا ہونا قریبِ چہرۂ رنگیں ہے شرط
باغ بے سنبل ہے بے شیرازہ دیوانِ بہار

چاکِ پیراہن ہر اک گل کا بعینہٖ زخم ہے
کھیت ہے تلوار کا یارب کہ میدانِ بہار

روشنی ہووے جو آنکھوں میں تو سیرِ باغ کر
لالۂ آتش زباں ہے شمعِ ایوانِ بہار

آپ جوئیں ہیں صفا سے سینۂ اشراقیاں
ہر گلِ خوشبو ہے افلاطونِ یونانِ بہار

پیش آتے ہیں بدوں سے بھی کرم کیساتھ نیک
رزقِ زنبورِ عسل ہے ریزۂ خوانِ بہار

رنگ میرا اور تیرا دیکھ کے حیراں ہوئے
نقش بندانِ خزاں و نقش بندانِ بہار

جان تازہ آتی ہے آتے ہی تیرے باغ میں
جاتے ہی تیرے نکل سی جاتی ہے جانِ بہار

لالہ و گل سے ہنوز آباد ہے بزمِ چمن
سرو شمعِ سبزہ ہے، سنبل شبستانِ بہار

بہرِ سیرِ باغ جاتا ہے جو تو اے شمع رو!
صدقے ہوتے ہیں پتنگے بن کے مرغانِ بہار

نخلِ ماتم کی طرح ہوں بوستانِ دہر میں
نے سزاوارِ خزاں آتش نہ شایانِ بہار

گردِ کلفت جم رہی ہے ہر زماں بالائے سر
کیا زمیں پیدا کرے گا آسماں بالائے سر

کیا عجب ہے داغِ سودا کا مکاں بالائے سر
میزباں رکھتا ہے پائے میہماں بالائے سر

برگِ گل رکھوں اگر میں ناتواں بالائے سر
دم چڑھے ہو صدمۂ سنگِ گراں بالائے سر

برق سی چمکی تری تیغ اے جواں بالائے سر
اس ہما کا سایہ ہووے مہرباں بالائے سر

کھینچتا ہے تیغ جب وہ دلستاں بالائے سر
سارے تن سے کھنچ کے آ رہتی ہے جاں بالائے سر

پار اُتر جاؤں کرم سے تیرے اے بادِ مراد!
زیرِ پا کب سے ہے کشتی، بادباں بالائے سر

پھر بہار اے بے نیاز آوے پھریں پھر گو بہ گو
ٹوکرے پھولوں کے رکھ کر باغباں بالائے سر

رکھتے ہیں اے بت ترے سر پہ بٹھانے کے لیے
گنبدِ دستار سے زاہد مکاں بالائے سر

خونِ ناحق کوچے میں اس ترک کے ہوتے رہیں
لاشہ تڑپے لاشہ پر، سر ہو طپاں بالائے سر

کون تجھ سا پادشاہِ حسن ہے اے مہروش!
تاج زریں مہ ہے، کلغی کہکشاں بالائے سر

کیا سمجھ کر شمع سے میں یار کو تشبیہ دوں
یاں دہن میں ہے زباں واں زباں بالائے سر

بلبل و قمری برابر دونوں ہوتے ہیں حلال
گل کو رکھتا ہے جو وہ سروِ رواں بالائے سر

عالمِ بالا کی نعمت کا اگر بھوکا ہوں میں
آسماں پر سے فرشتے اُتریں خواں بالائے سر

اس قدر تو سعی کرتا ہوں میں راہِ عشق میں
پاؤں کا میرے پسینا ہے رواں بالائے سر

فکر کی گرمی سے جلتا ہے زبس میرا دماغ
جائے مُو دکھلائی دیتا ہے دھواں بالائے سر

لکھ کے خطِ حسرت میں قاصد کے ہوں میں مجنوں ہوا
چاہیے ہُد ہُد بناوے آشیاں بالائے سر

ایک دن تو بام پر سے روئے نورانی دکھا
پڑ رہی ہے کیسی خاک۔ آستاں بالائے سر

صورتِ یوسف ہے وہ طفلِ حسیں ہر دل عزیز
آنکھوں پر رکھتے ہیں یہ اُس کو جواں بالائے سر

کون سا گلرو ملے گا مہندی اپنے پاؤں میں
بوتے ہیں نخلِ حنا کو باغباں بالائے سر

حسرتِ شاہی ترے در کے فقیروں کو نہیں
تخت ہے ہم کو زمیں، چتر آسماں بالائے سر

کس جگہ زیرِ زمیں قبریں نہیں، آہستہ چل
پاؤں پڑتے ہیں ترے اے جانِ جاں بالائے سر

میل آرائش چراغِ حسن کو دے گا فروغ
سرخ بتی باندھے گا وہ دلستاں بالائے سر

یہ بھی دیوانہ کسی گلرو کا ہووے اے کریم
آشیاں بلبل کا رکھے باغباں بالائے سر

تا کجے سر میں نہاں رکھوں میں سودا زلف کا
موئے سر کے بدلے سنبل ہو عیاں بالائے سر

آرزو ہے پاؤں پر اُس کے ہمارا سر ہو، اور
دستِ شفقت پھیرے وہ شوکت نشاں بالائے سر

کون سا حلقہ ہے جس میں اک دل عاشق نہیں
طرۂ گیسو ہے اُس گل کو گراں بالائے سر

لے کرتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے اہلِ زمیں
کیوں اٹھایا چاہتا ہے آسماں بالائے سر

اپنے عریانوں کا پردہ رکھے گا وہ عیب پوش
روزِ محشر ہو گی چشمِ مرد ماں بالائے سر

قتل جب چاہے کرے آتشؔ وہ تُرکِ جنگجو
نے گلے میں ہے زرہ نے خود یاں بالائے سر

خونِ دل کے ساتھ ہے لختِ جگر کا انتظار
سوئے مژگاں کو ہے شاخِ آسا ثمر کا انتظار

سروِ قدِ یار کے مضموں کا رہتا ہے خیال
خشک کرتا ہے لہو مصراعِ تر کا انتظار

تارے گنتے گنتے شب کو صبح کر دیتا ہوں میں
نیند اُڑا دیتا ہے اک رشکِ قمر کا انتظار

شب جو تم نے صبح وعدہ باغ چلنے کا کیا
ہر گھڑی دل کو زیادہ تھا گجر کا انتظار

راہ سے آنکھوں کے نکلے جانِ مضطر چاہیے
شام سے فرقت کی شب میں ہے سحر کا انتظار

ٹکٹکی بندھوائے رکھتا ہے ہمیشہ سوئے در
مردمِ دیدہ کو اُس نورِ نظر کا انتظار

قطع کر رکھیو کفن اپنے لیے اے آسماں!
ہو نہ ہنگامِ سفر رخت سفر کا انتظار

کود پڑنے کا زبس ہے یار کے گھر میں خیال
ہے اندھیری رات میں پچھلی پہر کا انتظار

عشق پیدا کر کی کچھ حسن و خوبی کی نہیں
سودۂ صندل ہے تیرے دردِ سر کا انتظار

خود چلوں گا یار سے لینے جوابِ خطِ شوق
اور میں کرتا ہوں دو دن نامہ بر کا انتظار

ناتواں ہو جاتا ہے فکرِ سخن سے آدمی
رشتہ کر دیتا آتشؔ اس گہر کا انتظار

ردیف رائے ہندی

ت ہے ہو نہ زلف و رخ و یار سے بگاڑ
رہتا ہے ورنہ کافر و دیں دار سے بگاڑ

مثلِ نسیم ہوں چمنِ روزگار میں
گل سے بناؤ ہے نہ مجھے خار سے بگاڑ

رنجیدہ جب سے ہم سے وہ خانہ خراب ہے
گھر سے بگاڑ ہے در و دیوار سے بگاڑ

ہوں میں مزاجِ عناصر میں اختلاف
آپس میں ہو گا ایک دن ان چار سے بگاڑ

بوسہ طلب کروں تو مجھے گالیاں ملیں
بے وجہ ہو نہ عاشقِ رخسار سے بگاڑ

مہ کی مہربانی تک اپنی تھی زندگی
غیرت سے مر گئے جو ہوا یار سے بگاڑ

آزردہ ہیں وہ بوسۂ لب کے سوال پر
شیرینی کے لیے ہے نمک خوار سے بگاڑ

ے سوا کسی سے علاقہ نہیں مجھے
لازم نہیں ہے خادمِ سرکار سے بگاڑ

ے ... تن لہر ... آئی ہے تجھے
رکھتا ہے اپنے تشنۂ دیدار سے بگاڑ

دیوانے آج کل کے کچھ آتش نہیں ہیں ہم
مدّت ہوئی کہ ہے سر و دستار سے بگاڑ

ردیف زائے معجمہ

ساتھ ہے بعدِ فنا حسرتِ فتراک ہنوز
دامنِ زیں سے لپٹتی ہے مری خاک ہنوز

کپڑے پھٹتے ہیں مری خانۂ زنجیر میں بھی
پاؤں تو ست ہوئے، ہاتھ ہیں چالاک ہنوز

کون کہتا ہے بسر ہو گئے ایّامِ جنوں
اک گریباں نظر آتا نہیں بے چاک ہنوز

آنکھ بھر کر نہ کبھی چاند سی صورت دیکھی
نہیں آلودہ ہماری نگہِ پاک ہنوز

عشق نے نقش بٹھایا جو نگینِ دل پر
میں نے جانا کہ زمانے میں ہیں حکاک ہنوز

باغباں کیسی بہار آئی ہے، کیا عالم ہے
نظر آتے ہیں چمن میں خس و خاشاک ہنوز

کیا کروں اُس کو جو نکلے نہ بخار اک دل کا
دو سمندر ہیں مرے دیدۂ نم ناک ہنوز

اس قدر قحط ہے کس واسطے ہے کا ساقی
زیرِ دیوارِ چمن اینڈتے ہیں تاک ہنوز

استخواں خاک ہوئے، خاک بھی برباد ہوئی
صاف ہوتا نہیں اس پر بھی وہ سفاک ہنوز

وہی پستی و بلندی ہے زمیں کی آتش
وہی گردش میں شب و روز ہیں افلاک ہنوز

جوش و خروش پر ہے بہارِ چمن ہنوز
پیتے ہیں نوجوان شراب

پاتا نہیں میں یار کو میلِ سخن ہنوز
معدوم ہے کمر کی طرح سے

برسوں سے رو رہا ہوں شب و روز متّصل
ہنستے ہیں مدّتوں سے مرے

رخسارِ یار پر نہیں آغازِ خط ابھی
دیکھا نہیں ان آنکھوں نے سو

انجامِ کار کا نہیں آتا خیال کچھ
غربت میں بھولے بیٹھے ہیں

عالم ان ابروؤں کی کجی کا جو ہے سو ہے
بل کھا رہی ہے زلفِ

خلعت کی کیا اُمید رکھیں آسماں سے ہم
اس نے تو داب رکھا ہے

عالم حجابِ یار کا تاحال ہے وہی
خلوت نشیں ہے رو

اپنے صفائے سینہ کا حیران کار ہے
دیکھا نہیں ہے آئینے

ہر چند باغِ دہر میں مدّت سے ہوں مقیم
آتش نظر پڑا نہ وہ سیبِ ذقن ہنوز

فیض سے ابرِ بہاری کے ہوئے گلزار سبز
ساقیِ مے خانہ کو بندھوا دیے دستار سبز

شدتِ دردِ جدائی سے دگرگوں حال ہے
زرد ہو جاتا ہوں سو سو بار، سو سو بار سبز

پ سا دیکھا نہیں جاتا غرورِ حسن سے
آئینے کے آگے ہو جاتا ہے روئے یار سبز

فیض نیکوں سے نہ ہو اُن کو وہ جو ہیں بدسرشت
کیا کرے باراں زمینِ شور میں اشجار سبز

ہوں میں وہ بلبل جواہر خانہ جس کا باغ ہے
سرخ مثلِ لعلِ گل، شکلِ زمرد خار سبز

زخم پہلو میں نے دکھلایا تھا اک دن کھول کر
ہو گیا ہیبت سے رنگِ مرہمِ زنگار سبز

سوزشِ دل میں اثر ہے تابشِ خورشید کا
تاک کو کرتی ہے اپنے آہِ آتش بار سبز

انقلابِ دہر سے ایمن نہیں ہے حسن بھی
سبزۂ خط سے ہوئے ہیں لالہ گوں رخسار سبز

چار دن جوشِ جوانی کے غنیمت جانیے
خشک ہو کر نخل پھر ہوتا نہیں زنہار سبز

مے کدے میں سیرِ نیرنگِ جہاں دیکھیں گے ہم
جام ہوں تیار بھر بادۂ گلنار سبز

بسکہ اشکوں سے نمی ہے میرے گھر میں روز و شب
مہندی کی ٹٹی سے رہتی ہے ہر اک دیوار سبز

دیکھیے کس کس کو وہ زریں قبا کرتا ہے قتل
سرخ اک پیچا غضب ہے، قہر ہے شلوار سبز

کون کہتا ہے نہیں عناب لب سے اس کو عشق
چہرۂ آتش ہے مثلِ چہرۂ بیمار سبز

ردیف سین مہملہ

کرتے ہیں عبث یار سراغِ پرِ طاؤس
زخمی کو نہیں اُس کے دماغِ پرِ طاؤس

صیاد بھی، زخمی بھی، اسے باندھیں گے دونوں
جو دم ہے غنیمت ہے، فراغِ پرِ طاؤس

محتاج نہیں روشنیِ عاریتی کا
داغ اپنا ہی ہے شمع و چراغِ پرِ طاؤس

اے ابر! ترے عشق میں یہ رنگ دکھایا
ہر داغ ہے اک لالۂ باغِ پرِ طاؤس

دھویا کرے بارانِ بہاری اسے آتش
چھٹنے کے پروں سے نہیں داغِ پرِ طاؤس

ذرہ خورشید ہو، پہنچے جو درِ یار کے پاس
سایہ بن جائے ہُما، لوٹ کے دیوار کے پاس

طرۂ زلف سے زیبا نہیں رخسار کے پاس
خوش نما کتنے ہیں گولے کمرِ یار کے پاس

کوچۂ یار میں سائے کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس

سیکڑوں تشنۂ دیدار ہیں معلوم نہیں
کس کی قسمت کا ہے پانی تری تلوار کے پاس

مجھ کو دربانی کی خدمت ہو تو اے خانۂ یار!
سائے کو آنے نہ دوں میں تری دیوار کے پاس

فکرِ مرغانِ چمن کی ہے، بہار آئی ہے
جھونپڑا ڈالا ہے صیاد نے گلزار کے پاس

کب جواب آئے خطِ شوق کا واں سے دیکھوں
روز ہو آتا ہوں ہرکارۂ اخبار کے پاس

کارِ زنجیر جو اُن گیسوئے پیچاں سے ہوا
روئیں گے بیٹھ کے آزاد گرفتار کے پاس

پھر گیا منہ تری ابرو کی طرف سے اُن کا
سینے کو کھول کے جاتے تھے جو تلوار کے پاس

ایڑیاں شوقِ شہادت میں کہاں تک رگڑوں
اب تو جلاد کو بھجواؤ گنہگار کے پاس

حالتِ نزع ہے صورت کوئی بچنے کی نہیں
اُٹھ گیا رو کے جو آیا ترے بیمار کے پاس

باغِ عالم میں جو رکھا ہے قدم اے آتش
خندہ زن گل کی طرح بیٹھ کے ہو خار کے پاس

ردیف شین معجمہ

جلا میں شمع کے مانند عمر بھر خاموش
تمام عمر کٹی قصہ مختصر خاموش

جبیں کے نور سے اسلام یاں ہویدا ہے
رہیں گے مجھ کو نکیرین دیکھ کر خاموش

نہیں قرار زمانہ کو ایک حالت پر
جو دو پہر ہوں میں نالاں تو دو پہر خاموش

جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالمِ وحشت میں بیشتر خاموش

نہ کعبے میں نظر آیا، نہ بت کدے میں تو
اُٹھا میں بیٹھ کے اک دم اِدھر اُدھر خاموش

چمن میں کون سا غنچہ نہیں شگفتہ ہوا
ہمارا غنچہ دہن کیوں ہے اس قدر خاموش

بتوں کے دل کو دکھاؤں میں اپنے دل کی طرح
خدا کے قہر کا رکھتا ہے مجھ کو ڈر خاموش

ہوئی ہے قاتلِ عالم صباحتِ رخِ یار
چراغِ زیست کو بھی کرتی ہے سحر خاموش

زباں کھلنے کا نقش منہ بھرائی ہے
دہانِ غنچہ کو رکھتا ہے مشتِ زر خاموش

نہ راہ ہی مجھے سوجھی، نہ پھاندنے کی گھات
پھرا کیا پسِ دیوار و پیشِ در خاموش

روانہ ہوتا ہے پہلو سے پچھلے پہرے یار
چراغِ صبح سے کرتا ہوں پیشتر خاموش

کمندِ زلف کا ٹوٹے نہ تار اے شانے!
رہا بہت میں گلا گھونٹ کر خاموش

نہ چھیڑ قصۂ موئے میانِ یار آتش
کسی نے دیکھی ہے معشوق کی کمر؟ خاموش!

ردیف صاد مہملہ

آفتِ جاں ہے ترا اے سروِ گل اندام رقص
ساتھ ہر ٹھوکر کے کرتا ہے ہمارا کام رقص

طبعِ عالی باز رکھتی ہے تماشے سے مجھے
بام پر گویا کہ میں ہوں اور زیرِ بام رقص

کس طرح کرتا ہے یہ ذلت گوارا آدمی
فی الحقیقت کچھ نہیں غیر خیالِ خام رقص

چہرۂ محبوب پر گیسو نہیں لہرا رہے
بُت کے آگے کرتے ہیں کفارِ نافرجام رقص

اے دلِ پُر داغ! بے تابی سے کچھ حاصل نہیں
ہو سکا طاؤس سے کب قابلِ انعام رقص

دم فنا ہوتا ہے دامن کی ہر اک ٹھوکر کے ساتھ
خرمنِ اُمید کو ہے برق کا پیغام رقص

حرصِ دنیا حسنِ غارت گر کو رکھتی ہے خراب
بہرِ زر کرتے ہیں محبوبانِ سیم اندام رقص

سینہ کوبی کی صدا ہے یہ کہ گھنگھرو کی صدا
بے قراری ہے تری یا اے دلِ ناکام رقص

ایک دن لایا تھا جامِ مے ترے ہونٹوں تلک
آج تک کرتا ہے یہ گردونِ مینا فام رقص

چشمِ راحت کارِ ذلت میں، خیالِ خام ہے
عمر بھر رقاص کو رکھتا ہے بے آرام رقص

اپنی صورت سامنے اپنے، تماشا گاہ ہے
کیا سمجھ کر یہ روا رکھتے ہیں خاص و عام رقص

مے کدے میں چل کے سیرِ عالمِ نیرنگ کر
قلقلِ مینا ہے نغمہ اور دورِ جام رقص

دل اسی پہلو میں آتش پیش ازیں بے تاب تھا
یہ وہی جا ہے جہاں ہوتا ہے صبح و شام رقص

ردیف ضاد معجمہ

کام ہے شیشے سے ہم کو اور ساغر سے غرض
مست رہتے ہیں شرابِ روح پرور سے غرض

عشق صورت سے خیال آیا ہے معنی کی طرف
جب صدف سے مدعا تھا اب ہے گوہر سے غرض

آشنا ہوتے ہیں مفلس کے کہاں یہ لالچی
زر کی خواہش ان حسینوں کو ہے زیور سے غرض

اپنے فعلوں سے تعجب ہے نہ ہووے جو فساد
زن سے مطلب ہے، زمیں سے مدعا، زر سے غرض

بوسۂ لب مانگنے پر گالیاں دیتا ہے یار
زہر ملتا ہے اُسے جس کو ہو شکر سے غرض

آنکھ گل پر لالۂ رخسار کی پڑتی نہیں
عاشق قامت نہیں رکھتے صنوبر سے غرض

بے جا بھی نہ اے دل! ناگوارِ طبع ہو
اب تو اتنی ہے تری اُس ماہِ پیکر سے غرض

صاف ہو کر گلستانِ حسن کی لوٹی بہار
یہ مراد آئینے کی تھی، یہ سکندر سے غرض

عاشقِ بے تاب کو بوسہ عنایت کیجیے
مردِ مفلس کی نکلتی ہے تونگر سے غرض

شکوہ اُس کا بھی زباں زد ہو نہ اے دل چاہیے
گر اُٹھا دی ہے جہانِ سفلہ پرور سے غرض

فرشِ قالین و نمد کا آشنا ہوتا نہیں
آتش درویش کو ہے اپنے بستر سے غرض

ردیف طا

سبزے سے خطِ یار کے ہوتا ہے تُم غلط
کیوں کر کہیں نوشتۂ قسمت کو ہم غلط

ایسے فریب اُس نے حریفوں کے کھائے ہیں
حق حق کہوں جو میں تو کہے وہ صنم غلط

معشوق سے اُمیدِ وفا ہے خیالِ خام
وعدہ دروغ یار کا، قول و قسم غلط

مایوس ہو نہ مرغِ دل اک دن شکار ہے
تیرِ نگہ نشانے کو کرتا ہے کم غلط

ہوتی ہے دھن میں نشے کے دونی ہوائے وصل
کیا ہجر میں شراب پیے سے ہو غم غلط

اے شوق! راہِ یار میں لے تو چلا ہے تُو
جادے سے پڑنے پائے نہ نقشِ قدم غلط

کعبہ سنا ہے نام جو کوچے کو یار کے
کرتے ہیں برہمن رہِ بیت الصنم غلط

شاعر نہیں ہے، ہیچمداں ہے، کہے جو ہیچ
ہستی کو اُس کمر کی ہے کہنا عدم، غلط

پھل پائے گا نہ عشق سے ابروئے یار کے
اے دل ہے ابرِ تیغ سے چشمِ کرم غلط

تحریرِ یار کے لیے کرتا ہوں خطِ شوق
مطلب کو لکھنے پائے نہ آتش قلم غلط

نشۂ عشق کا اثر ہے شرط
لب خشک اور چشمِ تر ہے شرط

بے خبر ایک دن سفر ہے شرط
کہے رکھتے ہیں ہم، خبر ہے شرط

مست تیری مئے محبت کا
دین و دنیا سے بے خبر ہے شرط

صندلی رنگ سیکڑوں معشوق
عشق بازی کا دردِ سر ہے شرط

قول پر قول ہم سے یار سے ہے
شرط پر شرط، شرط پر ہے شرط

کہوں کیوں کر میانِ یار کو ہیچ
جسم کے واسطے کمر ہے شرط

زلفِ خوباں دراز لازم ہے
خالِ کوتاہ و مختصر ہے شرط

قابلِ • گوش سیکڑوں گوہر
گوش بھی قابلِ گہر ہے شرط

تمنا ہے بندگی تیری
اُس قدر ہو کہ جب قدر ہے شرط

گلشنِ عیش کے نظارے کو
مثلِ غنچہ گرہ میں زر ہے شرط

توبۂ مے کے توڑنے کے لیے
ساقیِ غیرتِ قمر ہے شرط

لب شیریں سے میٹھی باتیں کر
زہر میں زہر کے اثر ہے شرط

جھوٹے پچوں کا دیتے ہیں دھوکا
جوہری کے لیے نظر ہے شرط

عشق میں صبر کار مشکل ہے
دل کے خوں کرنے کو جگر ہے شرط

طور سے کیا کیا تجلی نے
حسنِ بے پردہ سے حذر ہے شرط

عہدِ پیری میں روئے رنگیں دیکھ
سیرِ گلزار کو سحر ہے شرط

معرکہ عشق کا ہے یاں آتش
پاؤں پر تیغ زن کے سر ہے شرط

ردیف ظا معجمہ

سخت گوئی سے تجھے چاہیے اے یار لحاظ
بات بڑھ جاتی ہے کھو دیتی ہے تکرار لحاظ

جام توڑے سے نہ مانوں گا تجھے زور آور
توڑنا یار کا اے چرخِ ستم گار لحاظ

نہ تو ہندو ہی میں ٹھہرا، نہ مسلماں نکلا
مجھ سے رکھتے ہیں بجا کافر و دیں دار لحاظ

اُٹھ گیا پردہ، چھٹی روح سے آلائشِ تن
نہ رہا میرے ترے عاقبتِ کار لحاظ

یار ہے، باغ ہے، سبزہ ہے، مے گلگوں ہے
مجھ کو رہتا نظر آتا نہیں زنہار لحاظ

مثلِ عنقا ہے مجھے مردمِ دنیا سے گریز
صحبتِ بد سے ہے انساں کو سزاوار لحاظ

آبگینے سے ہے نازک دلِ بیمار آتش
بدمزاجی سے مری رکھتے ہیں غم خوار لحاظ

ردیف عین مہملہ

قدر کیا رکھتی ہے پیشِ چہرۂ پُر نور شمع
نام کو چربی کا پُتلا گو ہوئی مشہور شمع

صاف آتا ہے نظر پوشاک سے نورِ بدن
پیرہن فانوس ہے جسمِ بُتِ مغرور شمع

اُڑ گئے اغیار سنتے ہی مری آوازِ پا
رہ گئی مجلس میں عذرِ لنگ سے مجبور شمع

نیش زن کو اپنی دولت سے نہیں ممکن فروغ
کب ہوئی روشن میانِ خانۂ زنبور شمع

شب کی شب اُس شعلہ رو سے گرم صحبت ہے تو کیا
صبح کو پیدا کرے گی سردیِ کافور شمع

اے فلک! اتنا تو محفل میں فروغ اپنا بھی ہو
یار کے نزدیک بیٹھیں ہم، کھڑی ہو دور شمع

بام پر تو نے جو بچھوایا پلنگ اے شعلہ رو!
رات بھر روشن رہی بالائے کوہِ طور شمع

یہ بھی عاشق ہے مگر رکھتی ہے جو میری طرح
اشکِ گرم و سینۂ سوزاں، تنِ محرور شمع

جستجوئے یار میں نکلوں اندھیرے میں اگر
راہ بتلاوے پری مجھ کو، دکھاوے حور شمع

دیدۂ بینا دلِ روشن نظر آتا نہیں
اُڑ گئی بزمِ جہاں سے صورتِ کافور شمع

صورتِ پروانہ جلتے ہیں رقیب رُو سیاہ
سوزِ غم سے ہو گیا ہے آتشِ رنجور شمع

خاک ہو جاتی ہے جل کر ہمرہِ پروانہ شمع
ہے تو زن، رکھتی ہے لیکن غیرتِ مردانہ شمع

شام کو آتی ہے، وقتِ صبح کر جاتی ہے کوچ
منزلِ ہستی کو سمجھے ہے مسافر خانہ شمع

تیری محفل میں اگر دیکھے مری گستاخیاں
شوخیِ پروانہ سمجھے بازیِ طفلانہ شمع

سوزشِ دل کا بیاں، کچھ کچھ کیا تھا رات کو
موم ہو کر بہہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع

گریۂ مستانہ کرتے کرتے آخر ہو گئی
کر چکی معمور اپنی عمر کا پیمانہ شمع

ور کچھ مطلب نہیں پروانے کا سمجھے رہے
آشنا کو آشنا بیگانے کو بیگانہ شمع

آشنائے حال بھی بیگانہ بعدِ مرگ ہے
گور پر دیوانے کے لاتا نہیں دیوانہ شمع

جنبشِ شعلہ نہ جاں اُس کو اشارے سے یہ یار!
کرتی ہے محفل میں تیری سجدۂ شکرانہ شمع

روئے روشن سا ترے رکھتی رخِ روشن اگر
جان قیمت مانگتی گاہک سے دل بیعانہ شمع

لائی ہے ایماں یہ کس کا مصحفِ رو دیکھ کر
رکھتی ہے اشکوں سے اپنے سبحۂ صد دانہ شمع

دل میں رہتا ہے خیالِ چہرۂ پُر نورِ یار
پرتوِ مہتاب سے رکھتا ہے یہ کاشانہ شمع

چشمِ غول آنکھوں میں پھر جاتی ہے اس کے شعلے سے
یاد دلواتی ہے مجھ دیوانے کو پروانہ شمع

عکسِ روئے آتشیں سے تیرے اے گل پیرہن!
زلفِ شب گوں میں ہوا ہر ایک خارِ شانہ شمع

سر کو کٹواتی اگر مجھ سخت جاں کی طرح سے
ڈال دیتی آہنِ گل گیر میں دندانہ شمع

روشنی دیکھے گا یا رب! کون سا رشکِ پری
ڈھالتا ہے اپنی چربی سے ہر اک دیوانہ شمع

عزتِ مہماں ہے لازم، چاہیے پروانے کو
در تلک لینے کو آوے لے کے صاحب خانہ شمع

حسن ناقص ہے کوئی عاشق نہ ہو آتش اگر
ہے یقیں بے پر پری ہے ہے جو بے پروانہ شمع

روشنیِ بزم ہے یاں چہرۂ گل رنگ و شمع
جمع ہیں پروانہ و مرغانِ خوش آہنگ و شمع

اُٹھتے ہی اُس رونقِ محفل کے سب بیکار تھے
جام و مینا، ساقی و مطرب، رباب و چنگ و شمع

کنجِ مرقد میں یہ داغِ دل سے میرا حال ہے
گرمیوں کی رات میں جیسے مکانِ تنگ و شمع

آتشِ فرقت رہی بعدِ فنا بھی مشتعل
موم ہو کر بہہ گئے میری لحد پر سنگ و شمع

ساعدِ سیمیں سے نسبت دی کوئی ناقص اسے
اپنے آگے ایک سی ہے ساقِ پائے لنگ و شمع

فکرِ رنگیں کو جو ہو انگشت و فندق کا خیال
دست بستہ آئیں مضمونِ گلِ اورنگ و شمع

راہ بھولوں گر شبِ تاریک میں مَیں تیرہ روز
منزلِ ہستی ہے عنقا ہو صدائے زنگ و شمع

بزمِ ماتم ہے ہر اک محفل فراقِ یار میں
رات بھر جلتے ہیں آتش عاشقِ بے ننگ و شمع

ردیف غین معجمہ

بزم میں رنگیں خیالوں کے جو ہو روشن چراغ
سنبلستاں ہو شبستاں، لالۂ گلشن چراغ

چاند سے مکھڑے کو دیکھا آنکھیں روشن ہو گئیں
پرتوِ مہتاب سے بن جاتے ہیں روزن چراغ

روشنیِ طور ہو بارِ دگر ممکن نہیں
تیرے صدقے کا کہاں سے لائے گا روغن چراغ

دن کو بیداری میں رہتا ہے خیالِ روئے یار
رات بھر میں دیکھتا ہوں خواب میں روشن چراغ

سیکڑوں پروانوں کو اس نے کیا خاکِ سیاہ
موم کر سکتا نہیں اپنا دلِ آہن چراغ

دل ہمارا مردہ ہے، سینہ ہمارا گور ہے
داغ سینے کا ہے گویا گور پر روشن چراغ

یار کو بھڑکا کے مجھ سے کوئی پاتا ہے فروغ
آتش افروزی سے ہونے کا نہیں دشمن چراغ

صبح تک چلتی ہے آہوں سے ہمارے بادِ تند
شام سے فانوس رکھتی ہے تہِ دامن چراغ

دھیان آ جاوے جو مضمونِ چراغِ کشتہ کا
واسطے تشبیہ کے ہوویں گلِ سوسن چراغ

گنجِ زر رنگِ طلائی نے کیا منہ یار کا
لعلِ لب کو میں نے سمجھا مال پر روشن چراغ

منزلِ ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دوست کر
رات ہو جاوے تو دکھلا دے تجھے رہزن چراغ

داغِ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں
غم نہیں اس کا، نہ ہو اپنے سرِ مدفن چراغ

بتیاں اُس کی بنا کر میں کروں روشن چراغ
باد سے اُڑ کر بجھا دے گر مرا دامن چراغ

رات بھر جلتا ہے یہ، آٹھوں پہر جلتا ہے وہ
دل کو دیکھے اور اپنا سینۂ آہن چراغ

قلب ماہیت گدازِ عشق سے ہووے اگر
موم ہو کر کیا عجب روشن کرے آہن چراغ

تازہ ہو جاتا ہے یادِ رفتگاں سے داغِ دل
کارواں کرتا ہے اس ویرانے میں روشن چراغ

بسکہ جلتے ہیں حسد سے دیکھ کر میرا فروغ
روز اُڑایا کرتے ہیں بندوق سے دشمن چراغ

امن میں رکھتی ہے شر سے فتنے کی روشن دلی
چور پھر جاتا ہے گھر میں دیکھ کر روشن چراغ

تیل کا مقدور تو اس کو نہیں باقی رہا
گھر جلا کر اب مگر روشن کرے دشمن چراغ

روزِ فرقت کچھ شبِ دیجور سے بھی ہے سیاہ
دن کو ہووے گا ہمارے گھر میں اب روشن چراغ

کون کہتا ہے ستارے اپنی برقِ آہ سے
بن گیا ہے اس سیہ خانے کا ہر روزن چراغ

جا نہیں داغِ محبت کی دلِ بے عشق میں
خانۂ خالی میں دیکھا ہے کہیں روشن چراغ

دوست داری کے مزے سے آشنا ہووے اگر
اپنی چربی سے جلا دے راہ میں دشمن چراغ

یک دلی سے دو سیہ رویوں کے ہو ہنگامہ گرم
آتش افروزی کریں باہم ہوں جب روغن چراغ

سامنا کرتا ہے کیا اُس کا شبستاں میں چراغ — مردِ میداں ہے تو نکلے دن کو میداں میں چراغ
جب نہ دیکھا شمع رویوں کے زنخداں میں چراغ — رکھ دیا ہم نے بجھا کر طاقِ نسیاں میں چراغ
شمع مینا سے ہو ساقی شہر میں بھی روشنی — لالے نے روشن کیا کوہ و بیاباں میں چراغ
روشنی کی اُس کے حلقوں میں جو روئے یار نے — ہو گئے روشن شبِ زلفِ پریشاں میں چراغ
کون سا بلبل پھنسا ہے دام میں صیاد کے — باغباں گھی کے جلاتا ہے گلستاں میں چراغ
کیا کہوں کتنے مرے تن پر ہیں داغِ آتشیں — اس قدر ہوں گے نہ اک سروِ چراغاں میں چراغ
روئے روشن کا خیال آنکھوں کو رونے میں رہے — رات بھر رکھتے ہیں روشن فصلِ باراں میں چراغ
داغِ دل کی روشنی ہے بوریائے فقر پر — شیر کی چربی سے جلتا ہے نیستاں میں چراغ
نورِ شمعِ طور ہے سینے کے ہر اک داغ میں — دیکھ لے منہ ڈال کر میرے گریباں میں چراغ
ہو گیا اس پر زلیخا کو یقیں فانوس کا — حسنِ یوسفؑ نے کیا روشن جو زنداں میں چراغ
چہرۂ روشن دکھاؤ تم جو شب کو بے نقاب — دیدۂ بے نور ہووے چشمِ انساں میں چراغ
عشق کی تاثیر سے بعدِ فنا ہو گا فروغ — میری مٹی کے جلیں گے کوئے جاناں میں چراغ
کون سا دل ہے، نہیں کشتہ جو حسنِ گرم کا — بزمِ عالم میں ہے تو گنجِ شہیداں میں چراغ
خاک کا پیوند ہوں گا جب میں تیرہ روزگار — پھر نہ دیکھے گا کوئی گورِ غریباں میں چراغ
رتبۂ اعلیٰ و اسفل میں ہے فرق اے فلک! — شمع روشن بام پر ہووے تو ایواں میں چراغ

واسطے اپنے نہیں منظور مجھ کو روشنی
میں جلاتا ہوں تو آتش راہِ مہماں میں چراغ

سن رکھے شام ہوتی ہے میرا انجمن چراغ — اُس شمع رُو کے آگے نہ ہو خندہ زن چراغ
یاد آ گئی جو رات کو زلفِ رسائے یار — آنکھوں میں اپنے ہو گیا کالے کا من چراغ
چاہے جو روشنی ترے رخسار کی کہاں — پیدا تو کر لے پہلے یہ لب یہ [illegible] چراغ
دکھلایا چاہے داغِ جنوں کو جو روشنی — لے جنوں کو اپنا پھٹا پیرہن
ممکن خزاں نہ ہووے بہارِ شباب کو — گل ہو نہ تیرے حسن کا اے گل بدن چراغ
ہو گا نہ روشنی میں رخِ یار سے فروغ — رکھتا ہے ناحق آرزوئے خار زن
عالم میں جلوہ گر ہے مرا یار اس طرح — ہوتا ہے جیسے روشنی انجمن

لے جائیں کوئے یار میں مجھ کو جو پائے شوق
روشن کروں میں جا کے میانِ چمن چراغ

مجبور ہیں نہیں تو اندھیرے میں گور کے
مُردے جلائیں بیچ کے اپنا کفن چراغ

جلتا ہے خود بھی قبر میں روشن کیا کریں
غربت زدوں کے نام کے اہلِ وطن چراغ

دیکھا جو بُت کے حسنِ خدا داد کی طرف
مسجد میں تو جلائے گا اے برہمن چراغ

ٹھوڑی کے گرد یار کے خالِ سیہ نہیں
بجھ کر ہیں رہ گئے لبِ چاہِ ذقن چراغ

اے خاکِ آتش اپنا جو منظور ہو فروغ
چڑھ چاک پر کمہار کے تُو اور بن چراغ

ردیف فاء

اللہ ہووے بلبلِ ناشاد کی طرف
گل چیں جو بولتا ہے تو صیاد کی طرف

برسوں سے قدِ یار کا مضموں نہیں بندھا
مدت ہوئی گئے نہیں شمشاد کی طرف

بستی سے اُن لبوں کو تعلق جنھوں کو ہے
تھوکیں کبھی نہ سوسنِ آزاد کی طرف

چلنے میں کی جو شوقِ شہادت نے رہبری
گردن جھکائی کوچۂ جلّاد کی طرف

اے جذبِ دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو
جاتا ہے دھیان جب تری امداد کی طرف

آئینے کی طرف نہ خیال آیا آپ کا
دیکھا نہ تم نے جوہرِ فولاد کی طرف

لایا ہے عشق حسن کا تیرے کشاں کشاں
آتا تھا کون عالمِ ایجاد کی طرف

عاشق ہی داد خواہ نہیں ورنہ روز و شب
فریاد رس کے کان ہیں، فریاد کی طرف

نکلا ہے تیری زلف کا جب سے کہ سلسلہ
آوازے ہیں اسیروں کے آزاد کی طرف

سمجھے نہ معصیت کوئی اپنا جنوں سے عشق
مدِنظر ہے حسنِ خداداد کی طرف

گردوں سے چاہتے ہیں یہی ہم گناہگار
منہ سوئے قبلہ، آنکھیں ہوں جلّاد کی طرف

طاقت ہے کس کی دیکھے جو رغبت کی آنکھ سے
اُس فتنہ و فساد کی بنیاد کی طرف

عاشق ہیں محوِ حسن، جو چاہو ستم کرو
کس کا خیال جاتا ہے بیداد کی طرف

بیت الحزن میں میرے وہ یوسف کرم کرے
شادی کا بھی گزر ہو غم آباد کی طرف

جوشِ جنوں ہے موسمِ گل کا ہے زور شور
سودائی کھینچے جاتے ہیں فصاد کی طرف

جھوکا دیا ہے دام نے کس گل کی زلف کا
بلبل اشارے کرتے ہیں صیاد کی طرف

شیریں بھی چاہتی جو اُسے پیر زن تو کیا
خسرو نہ دیکھ سکتا تھا فرہاد کی طرف

آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جس میں شفیق من
سودا ہوا ہے میر سے اُستاد کی طرف

رجوع بندہ کی ہے اس طرح خدا کی طرف
پھرے ضمیرِ خبر جیسے مبتدا کی طرف
بعید کیا ہے مروت سے تیری اے شہِ حسن!
نگاہِ لطف سے دیکھے جو تو گدا کی طرف
کہاں وہ زلف، کہاں خونِ نافۂ آہو
جو مشک سمجھے ہیں وہ لوگ ہیں خطا کی طرف
اُلجھ کے شانے سے کھاتا ہے سیکڑوں جھٹکے
قصور ہے یہ تیرے گیسوئے رسا کی طرف
خدا نے دردِ محبت عطا کیا ہے جسے
اُسے توجہِ خاطر نہیں دوا کی طرف
مَلا جو تم نے لہو دست و پا میں عاشق کا
نہ ہو گا میل طبیعت کو پھر حنا کی طرف
کرے گا یار مری جنگِ غیر میں امداد
جو آشنا ہیں، وہ ہوتے ہیں آشنا کی طرف
فراقِ یار میں رہتا ہے یوں تصوّرِ گور
خیال جیسے مسافر کا ہو سرا کی طرف
نہ ہو گا ہم سفرِ روحِ پیکرِ خاکی
یہ سوئے ارض رواں ہوگا، وہ سما کی طرف

بہت خراب رہا بُت کدے میں اے آتش
خدا پرست ہے، چل خانۂ خدا کی طرف

یہ دل ہے جب سے تمھارے خیال سے واقف
کہ چار خلط نہ تھے اعتدال سے واقف
کمال ہو جو ہو اپنے کمال سے واقف
کرے تو وجد جو ہو جائے حال سے واقف
خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف
نہ ہو مزاجِ مبارک ملال سے واقف
نہیں جو روز شب و ماہ و سال سے واقف
وہی ہے خوب زمانے کے حال سے واقف
نہ ہوں گی آنکھیں تمھارے جمال سے واقف
جلا کے طور کرے گی جلال سے واقف
زباں سے کس کی مہِ چاردہ نہیں سنتے
زمانہ ہے ترے فضل و کمال سے واقف
خبر ہے کیا تجھے اُن گیسوؤں کی مشاطہ
ہنوز شانہ نہیں بال بال سے واقف
دعائے خیر یہی ہے مری حسینوں کو
نہ ہو کمال تمھارا زوال سے واقف
مراد پر نہیں آیا ہنوز حسنِ شباب
گل و ثمر نہیں اُس نونہال سے واقف
فسانہ طورِ تجلّی کا سن کے کان کھلے
نہ تھے کرشمۂ حسن و جمال سے واقف
وہ کام کرتے ہیں جو دل اشارہ کرتا ہے
شگوں سے ہیں، نہ تو ہم گوشِ فال سے واقف
کہا یہ اُس نے نہ سودا کسی کو زلف کا ہو
ہوا جو مجھ سے پریشان حال سے واقف
فنا کے بعد کھلا دل کو عشق کا پردہ
تمام ہو کے ہوئے ہم کمال سے واقف

بہت سے لطف ترے چہرے میں ہیں ان میں سے
نگاہ اپنی بھی ہے خال خال سے واقف

شراب دے مجھے ساقی میں رندِ مشرب ہوں
فقیر ہوں گے حرام و حلال سے واقف

کھلے گا ساقی و پیرِ مغاں کو حال اپنا
یہ مشتِ خاک بھی ہو گی کلال سے واقف

قلم نے چہرے حسینوں کے لوح پر لکھ کر
کچہریوں کو کیا خط و خال سے واقف

پڑا ہے ابروئے ساقی کا عکس ساغر میں
پڑھے وہ ہو جو دعائے ہلال سے واقف

چمن کی سیر کو وہ شوخ طبع آ نکلے
گلوں کے کان بھی ہوں گوشمال سے واقف

ہوا سے آئی ہے لہرا کے آنکھ پر وہ زلف
کمندِ مشکی ہوئی ہے غزال سے واقف

ازل سے محرمِ رازِ پری ہوں میں مجنوں
مرے فرشتے نہیں میرے حال سے واقف

بہار آئی ہے، لُطف و کرم نے ساقی کے
کیا ہے دُرد کشوں کو زلال سے واقف

نہ ہوتا تل ترے رُخ پر، نہ اے صنم ہوتا
ہلال کعبے سے، کعبہ بلال سے واقف

بہے بہے پھریں دریائے اشک میں افلاک
پلوں کو کیجیے کشتی کی چال سے واقف

پری ہے، حور ہے، یا روح قصرِ جسم میں ہے
بشر ہوں، میں نہیں پردے کے حال سے واقف

درِ کریم نہیں سیر گاہِ مغروراں
نہ آئے یاں وہ نہ ہو جو سوال سے واقف

نہ چند روزِ جدائی بھی منقضی ہوں گے
کہاں فراق، ہوئے جب وصال سے واقف

زہے وہ عہدِ جوانی، زہے وہ دن کہ نہ تھے
یہ مُو خضاب سے، دنداں خلال سے واقف

رقیب مبتذل اُس گل عذار کے ہوں گرد
یہ خار خس نہیں آتش کے حال سے واقف

ردیف قاف

داغِ دل، زخمِ جگر ہے، نعمتِ الوانِ عشق
سیر اپنی جان سے ہو جاتے ہی مہمانِ عشق

نعمتِ دنیا کو کر دیتا ہے تلخ اُس کا مزا
شیرۂ جاں سے ہے شیریں حلوۂ دکانِ عشق

زلفِ لیلیٰ سے سوا ہر سطر سودا خیز تھی
ہو گیا دیوانہ مجنوں پڑھتی ہے دیوانِ عشق

حق یہی مذہب ہے، باطل ہے جو ہے اس کے خلاف
مردِ مومن ہے وہی، لایا ہے جو ایمانِ عشق

ہم دو مشہور ہیں شہرِ حسیناں میں مرے
بندۂ احسانِ عشق و تابعِ فرمانِ عشق

ہو مبارک تم کو مصحف کی تلاوت زاہدو!
دو جہاں بھولے ہوئے ہیں حافظِ قرآنِ عشق

دل جگر داغوں سے، دونوں ہیں دکاں صراف کی
کشورِ تن میں ہی جاری، سکۂ سلطانِ عشق

تولتے ہیں موتیوں میں اشک حسنِ یار کو
دونوں آنکھیں اپنی ہیں دو پلۂ میزانِ عشق

سیر ہو جاتے ہیں ایسے، بھوک پھر لگتی نہیں
زہر دیتا ہے نمک خواروں کو اپنے خوانِ عشق

ایک دن تیری کمر کا طوق ہوں گے ان کے ہاتھ
اے صنم! ناامیدی رکھتے ہیں مردانِ عشق

ارغوانی اشک ہیں، تو زعفرانی رنگ ہے
اپنے خاطر ہے مہیا آج کل سامانِ عشق

قطع ہو جاتے ہیں دنیا کے تعلق یک قلم
چھٹ گیا وہ، ہو گیا جو قیدیِ زندانِ عشق

دو جہاں میں آتش اس سے کوئی شے بہتر نہیں
وصف جو کچھ کیجیے، اعلیٰ ہے اُس سے شانِ عشق

ردیف کاف تازی

کسی حسیں کی ہو کیا قدر یار کے نزدیک
وہ گل عذار ہے یکتا ہزار کے نزدیک

خدا نے کی ہے عطا، اُس صنم کو دولتِ حسن
طلا و نقرہ ہیں کیا مال، یار کے نزدیک

قفس تک آئے جو لے کر چمن سے نکہتِ گل
یہ فاصلہ ہے نسیمِ بہار کے نزدیک

شراب پینے کی کرتی ہے فصلِ گل تکلیف
دن آتے ہیں بطِ مے کے شکار کے نزدیک

کروڑ کوس سے مے خانہ دور ہو ہر چند
کرم کرے تو ہے ابرِ بہار کے نزدیک

ہوا یہ دیدۂ بیدار سے مجھے روشن
ہمیشہ روز ہے، شب زندہ دار کے نزدیک

جو بس چلے تو کروں منفعل سرِ محفل
پری و حور کو بٹھلا کے یار کے نزدیک

بلا سے ایک اگر کشتہ ہو گیا مجھ سا
تری نمود تو قاتل ہے چار نزدیک

نہ ٹالیں آج کے وعدے کو کل کے اوپر آپ
یہ جبر ہے دلِ بے اختیار کے نزدیک

پس از فنا تری درگاہ کی جو مٹی ہو
وہ خاکسار ہے، مجھ خاکسار کے نزدیک

یہ عاشقی کی وہ منزل ہے، راہ میں جس کی
پیادہ پائی ہے بہتر سوار کے نزدیک

طلسمِ تازہ دکھاتی ہے ہوشیاری بھی
جہانِ مردہ ہے شب زندہ دار کے نزدیک

وہ ردِ خلق ہوں، غالب ہے بعدِ مردن بھی
بنے مزار نہ میرے مزار کے نزدیک

سمجھتے ہم کمرِ یار کو نہیں بے پیچ
اگرچہ ہیچ ہو وہ روزگار کے نزدیک

وہ لوگ کرتے ہیں تعریفِ خلد منبر پر
گئے نہیں جو کبھی کوئے یار کے نزدیک

سپر کی طرح چڑھے منہ وہ تیغِ ابرو کے
سزا جو اپنی سمجھ لے کنار کے نزدیک

خلش کرے نہ مرے دل سے وہ مژہ کیونکر
شکستِ آبلہ ہے فتح خار کے نزدیک

عجیب شہرِ غم آباد، عشق بھی ہے کوئی
خوشی پھٹکتی نہیں اس دیار کے نزدیک

ہزار پست کیا ہے فلک نے اے آتشؔ
بلند قدر ہیں ہم، اعتبار کے نزدیک

ہر قبر پر اُڑائے علی الاتصال خاک
سمجھے جو آدمی کہ ہے میرا مآل خاک

آنکھوں کا عاشقوں کی، رہِ یار میں ہے فرش
دامن پر اُس کے اُڑ کے پڑے کیا مجال خاک

چاہے فروغِ آتشِ گل تو جو کچھ دنوں
اے عندلیب! دیدۂ گل چیں میں ڈال خاک

تا حال وہ غبارِ دلِ یار ہے سو ہے
خاطر سے اپنی دور ہو گردِ ملال خاک

روشن ہے جس سے منزلِ دل تُو وہ شمع ہے
دم سے ہے تیرے مظہرِ حسن و جمال خاک

نقشِ قدم کو تاجِ سر اُس کا ہوں دیکھتا
اُفتادگی میں رکھتی ہے میرا سا حال خاک

سودا رہے گا سر کو بہت روئے یار کا
مدّت کے بعد ہوتے ہیں مٹی میں بال خاک

اُس سیم بر کا جب سے زمیں پر پڑا ہے پاؤں
آنکھوں میں نیاریوں کے ہے اُس دن سے مال خاک

پیدا کرے گا خُم سے زیادہ پیالہ ظرف
مجھ مست کی ملے جو تجھے اے کلال خاک

اُس رُوئے آتشیں کی ہوا میں یہ رنگ ہے
گاہے عبیر بنتی ہے، گاہے گلال خاک

غنچہ نہ ہو شگفتہ، نہ چھڑکیں جو باغباں
تیرے قدم کے نیچے کی اے نونہال! خاک

صورت بگڑتی بنتی ہے، اے ماہ چاردہ!
بہروپیوں کا رکھتی ہے آتشؔ کمال خاک

بہار میں جو ہوا ہے مرا گریباں چاک
ہوئے ہیں لالہ و گل کی طرح سے خنداں چاک

صدا یہ غنچۂ گل کے ہے کھلنے سے آتی
کرے جو تنگ گریباں، ہے اُس کے شایاں چاک

بنائے ساغرِ مے جو کمھار تیرے لیے
پیالے ہوں مہ و خورشید و چرخِ گرداں چاک

کھلے چمن میں جو گیندے کے پھول تو یہ کھلا
کیے بہار نے ظاہر، خزاں کے پنہاں چاک

نکل کے تن سے دکھادے گی اپنے جوہر روح
کھلے کا مطلبِ خط جب کہ ہو گا عنواں چاک

جنوں کا جوش اتارے گا پھاڑ کر کپڑے
بہار میں بدن اپنا کریں گے عریاں چاک

کروں گا زلف کے سودے میں تار تار ایسا
دکھائی دیں گے مری جیب کے پریشاں چاک

ملاؤں پیرہنِ گل سے کیا لباس اپنا
ہوا نہیں ابھی دستِ جنوں سے چنداں چاک

دکھائے عالمِ صبحِ بہار اگر رکھوائے
نقاب میں وہ رخِ غیرتِ گلستاں چاک

کیا ہے عشق نے اک مہروش کا دیوانہ
سحر کی طرح سے رہتا ہوں میں گریباں چاک

یقیں ہوا ہمیں سودا ہوا زلیخا کو
کیا جو کھینچ کے یوسفؑ کا اُس نے داماں چاک

اثر جنوں کا رکھتی ہے دل کی بے تابی
قبائے صبر کو کرتا ہے آتشؔ انساں چاک

ردیف کاف فارسی

لاتی ہے ہر نگہ میں نیا چشمِ یار رنگ
دکھلا رہی ہے گردشِ لیل و نہار رنگ

مستیٔ عشق کیفِ مئے لالہ گوں نہیں
اس رنگ پر جما نہیں سکتا خمار رنگ

ہر ایک صفحہ ہے مرے دیواں کا اک چمن
مسطر وہ دام ہے کہ ہے جس کا شکار رنگ

گل ہائے باغ ہوتے ہیں تیرے حضور زرد
اُڑتا ہے تجھ کو دیکھ کے بے اختیار رنگ

گلشن خراشِ ناخنِ غم سے بنے گا رُخ
اے دل! دکھائے گا یہ ترا خار خار رنگ

چہرا مرا طلسم ہے حکمت سے عشق کی
اک حال پر کبھی نہیں پاتا قرار رنگ

بعدِ فنا سمائیں گے ہم چشمِ یار میں
پیدا کرے گا سُرمئی اپنا غبار رنگ

رخسارِ زرد پر مرے بہتے ہیں اشکِ خوں
یک جا دکھا رہی ہے خزان و بہار رنگ

خوں میں نہا نہا کے شہیدوں کے لائے گا
نقرا ترا کمیت کا اے شہسوار رنگ

بھڑکا رہی ہے آتشِ فرقت ہوائے وصل
سیماب کی طرح سے ہے کرتا فرار رنگ

نیرنگیٔ فنا ہے لگی اُس کی فکر میں
ہستیٔ مستعار ہے بے اعتبار رنگ

مضموں بندھے ہیں بوقلموں روئے یار کے
رنگ ریز بن کے فکر رنگے گی ہزار رنگ

بلبل کی طرح ہم کو بھی ہوتا چمن سے عشق
آتشؔ جو چار فصل میں ہوتے نہ چار رنگ

نہ کر زیادہ بس اب اے فراقِ جاناں تنگ
گلے کو کاٹتا ہے اپنے ہو کے انساں تنگ

طلسمِ تازہ دکھاتا ہے دیدۂ دل کو
کشادہ چہرے کے اوپر دہانِ جاناں تنگ

رہے نہ لالہ و گل سے کوئی جگہ خالی
بہارِ باغ سے ہو عرصۂ گلستاں تنگ

پہنائی زخموں کی بڑھی جو تیغ نے تیری
خوشی سے ہو گئے پیراہنِ شہیداں تنگ

نصیب شانے کے پیارا کرے دلِ صد چاک
بغل میں لیں اسے وہ گیسوئے پریشاں تنگ

وہ دل ہے جس میں تصور ہو خوش جمالوں کا
وہ گھر ہے جس کو کہ رکھے ہجومِ مہماں تنگ

نکل کے خانۂ زنداں سے میں کدھر جاؤں؟
جنوں کے جوش میں ہے دو جہاں کا میداں تنگ

یہ گوش ہی ہیں کہ باتیں زباں کی سنتے ہیں
نکل گئے ہیں دہن میں سے ہو کے دنداں تنگ

بہارِ گل میں جو دل کو ہوائے صحرا ہے
ہوا ہے روح کو قالب سے اپنے زنداں تنگ

شکار مومن و کافر کا کھیلا ہے وہ تُرک
کمندِ زلف سے ہیں ہندو و مسلماں تنگ

نقابِ رخ سے جو دن کو وہ شمع رُو اُلٹے
یقیں ہے کثرتِ پروانہ سے ہو ایواں تنگ

بہارِ گل میں جو میں دھجیاں نہ لوں اس کی
گلا دبانے کو پھانسی سے ہو گریباں تنگ

نہ کیجیو سرِ آتش پہ اپنا سایہ ہُما!
فقیر کے ہے بدن پر قبائے سلطاں تنگ

ردیف لام

مومن کا مددگار ہے شاہِ نجف اے دل!
حامی ہے ترا شیرِ خدا، لاتخف اے دل!

بت توڑنے کو دوشِ نبیؐ پر وہ چڑھا ہے
کعبہ کو تولد سے ہے اُس کے شرف، اے دل!

بے واسطہ ہے احمدؐ مرسل کا خلیفہ
دنیا کے طلب گار کریں حق تلف اے دل!

معصوم ہے عیبوں سے زمانے کے بری ہے
وہ لالۂ بے داغ و مہ بے کلف اے دل!

خاکِ نجف اکسیر ہے مومن کی نظر میں
شفاف ہے الماس سے دُرِ نجف اے دل!

حاصل اُسے تو قلزمِ قدرت کا سمجھ لے
گوہر ہے علیؑ کون و مکاں ہے صدف، اے دل!

آئینہ تحقیق کا رہتا ہے مشاہد
حق اُس کی طرف ہے وہ ہے حق کی طرف اے دل!

ریب اماموں میں سر آمد وہ ولی ہے
سمجھے نہ مقدم یہ جماعت کی صف، اے دل!

مدحِ اسد اللہؑ میں تقریر نہ ہو بند
دریا کی طرح تا کہ نہ آ جائے کف اے دل!

دشمن ہو جو ایسے کا، کہے رکھتا ہے آتش
شیطان کے نطفے سے ہے وہ ناخلف، اے دل!

عمرِ دو روزہ ہی میں ہزاروں نہ کھائے گل
بعدِ فنا بھی خاک نے میری کھلائے گل

سیرِ چمن نے اور بھی دل کو کیا اُداس
بے یار شورِ زاغ ہوئے خندہ ہائے گل

میرے ہی داغِ دل کی نہ تدبیر کر سکا
ورنہ اس آسماں نے نہ کیا کیا مٹائے گل

سنتا ہے کون نالہ و فریادِ عندلیب
مدہوش ہے چمن میں پیالہ چڑھائے گل

وعدہ وصال کا ہے اندھیرے میں گور کے
شمعِ حیات جلد کہیں ہو بھی جائے گل

چھڑکی ہے باغباں نے مگر خاکِ پائے یار
رکھتی ہے روئے حور کا عالم صفائے گل

وجہ یہ جگر میں نہیں اس کے چار داغ
دل پر ہیں تیری کفش کے لالے نے کھائے گل

حجابِ یار کیا آہِ سرد نے
کھولے نسیمِ صبح نے بندِ قبائے گل

ملتا ہے کس طرح لب نانِ فقیر کو — آ کر تنورِ چرخ سے ہم نے تو کھائے گُل
صیاد نالہ سن کے جو رویا تو لطف کیا — کُنجِ قفس باغ سے اُڑ اُڑ کے آئے گُل
واں لب ملے رقیب سے، یاں دم نکل گیا — مقراضِ تارِ عمر ہوئے برگ ہائے گُل
اے عندلیب! تجھ کو مبارک ترا چمن — کس کے مزاج سے ہے موافق ہوائے گُل

آتش بقول مصرعِ سودا غرض نہیں
یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گُل

دردِ دل کا جو کہا میں نے فسانہ شبِ وصل — نیند آنے کا ہوا اُس کو بہانہ شبِ وصل
نہیں کوتاہ کسی حال میں ہمت میری — خشک ہو ہاتھ تو ہو زلف کا شانہ شبِ وصل
حسرتِ جلوۂ دیدار بہت ہے مجھ کو — چاہیے میرے لیے آئینہ خانہ شبِ وصل
صبح ہوتے ہوئے اُس بُت نے قدم رنجہ کیا — نہ رہا شکر و شکایت کا زمانہ شبِ وصل
میں نے صندل کی طرح ماتھے کو رگڑا تا صبح — دردِ سر کا جو کیا اُس نے بہانہ شبِ وصل
مرتے ہیں رشک کے مارے پسِ دیوار رقیب — شور کرتا ہے جو پازیب کا دانہ شبِ وصل
یار کیا مجھ کو آئینے دولتِ پائندہ ملی — ہاتھ آیا مرے قاروں کا خزانہ شبِ وصل
چاندی آئینے میں میں نے اُسے دکھلائی — سیرِ دریا کا جو لایا وہ بہانہ شبِ وصل
خط سے پیغامِ زبانی نے ترقی کی ہے — آج کُل تیرِ دعا کا ہے نشانہ شبِ وصل
دونوں مہمان دمِ چند ہیں، دیکھوں پہلے — جان جاتی ہے کہ ہوتی ہے روانہ شبِ وصل
عاشقوں کی کششِ دل ہے کہ لائی ہے اُسے — چاہتا ورنہ خدا سے ہے زمانہ شبِ وصل

آتش اُس گل کو ہی لے جا کے چمن میں رکھنا
ہو مبارک تجھے بلبل کا ترانہ شبِ وصل

وہم ہے یار کا آغوش میں آنا شبِ وصل — پیرہن میں مجھے مشکل ہے سمانا شبِ وصل
سجدۂ شکر خدایا میں کیسے رکھتا ہوں — پاؤں پر یار کے سر کو ہی جھکانا شبِ وصل
جس قدر سوئے، غنیمت میں سمجھتا ہوں اُسے — بختِ خفتہ کو ہے تا صبح جگانا شبِ وصل
وقت کو ہاتھ سے کھونا ہے غضب غفلت میں — موت سے کم نہیں کچھ نیند کا آنا شبِ وصل
عشق ہے آنکھوں کو تلووں سے مجھے ملنے کا — پائنتی یار کی ہے میرا سرہانا شبِ وصل
رخصتِ یار کے اوپر گلا کاٹوں گا — آبِ شمشیر سے ہے مجھ کو نہانا شبِ وصل

یار وحشی کو یہ لائی ہے بغل میں آتش
دامِ عنقا ہے جسے کہتے ہیں دانا شبِ وصل

ملک الموت سے کچھ کم نہیں خوں خوار کی شکل
مر گیا، جس کو نظر آئی مرے یار کی شکل

دردِ دل پوچھنے والا کوئی میرا نہ رہا
ہو گئی صورتِ عنقا مرے غم خوار کی شکل

باغباں آنے دے صیاد کو، آزردہ نہ ہو
نظر آوے گی نہ پھر بلبلِ گلزار کی شکل

آنکھ بجلی کے چمکنے سے جھپک جاتی ہے
دیکھیں ہم بھی تو ترے طالبِ دیدار کی شکل

یار نے عاشقِ رنجور کو کب پہچانا
ناتوانی سے بدل جاتی ہے بیمار کی شکل

ڈھونڈھ لے اور مجرد کوئی زالِ دنیا
میری پاپوش کے قابل نہیں مردار کی شکل

دل کے گاہک تو ہزاروں ہی پری رُو دیکھے
دیکھیے جانِ حزیں کے بھی خریدار کی شکل

زرد ہوتا تھا مرے سامنے روئے رستم
اب ڈراتی ہے مجھے مردۂ بیمار کی شکل

یار نے غیر کے بدلے جو دیا مجھ کو جواب
پھر گئی آنکھوں میں دشمن کے طرف دار کی شکل

یار جو ناز کرے سبزۂ خط پر کم ہے
کچھ کی کچھ ہو گئی اُس آئینہ رخسار کی شکل

کوچۂ یار میں کرتے ہیں اندھیرے میں جو غل
خوب پہچانی ہوئی ہے مری دو چار کی شکل

ہو گئیں چار نگاہیں جو دمِ قتل آتش
آنکھیں جلاد کی ڈھونڈھیں گی گنہگار کی شکل

ردیف میم

آئینہ خانہ کریں گے دلِ ناکام کو ہم
پھیریں گے اپنی طرف رُوئے دلِ آرام کو ہم

شام سے صبح تلک دورِ شراب آخر ہے
روتے ہیں دیکھ کے خنداں دہنِ جام کو ہم

یاد رکھنے کی جگہ ہے یہ طلسمِ حیرت
صبح کو دیکھتے ہی بھول گئے شام کو ہم

آنکھ وہ فتنۂ دوراں کے دکھلاتا ہے
شعبدہ جانتے ہیں گردشِ ایام کو ہم

فتنہ انگیزی بھی چھپتی ہے کہیں پردے میں
سنتے ہیں گبر و مسلماں سے ترے نام کو ہم

خونِ قاصد تو وہ سفاک سمجھتا ہے حلال
کسی غماز سے بھجوائیں گے پیغام کو ہم

پاؤں پکڑے ہیں زمیں نے یہ ترے کوچے کی
رہ صد سالہ سمجھتے ہیں اب اک گام کو ہم

دیدۂ یار کہیں کیا اسے کیفِ مے میں
بھون کر روز گزک کرتے ہیں بادام کو ہم

سبزۂ خط سے ہوئی اس کی کدورت وہ چند
اب صفائی کے لیے ڈھونڈیں گے حجام کو ہم

وہی تحصیل محبت کا ہے عالم تا حال
پختہ کرتے ہیں ہنوز آرزوئے خام کو ہم

لطف حاصل ہو جو زلفوں میں گرفتاری کا
مول لیں دل کی اسیری کے لیے دام کو ہم

کوچۂ یار میں اپنا جو گزر ہوتا ہے — نگراں رہتے ہیں حسرت سے در و بام کو ہم

حسن سے عشق کی خاطر ہے خدا نے بھیجا
کرتے ہیں آتش اُسے آئے ہیں جس کام کو ہم

غیرتِ مہر، رشکِ ماہ ہو تم — خوب صورت ہو، بادشاہ ہو تم
جس نے دیکھا تمھیں، وہ مر ہی گیا — حسن سے تیغ بے پناہ ہو تم
کیونکر آنکھیں نہ ہم کو دکھلاؤ — کیسے خوش چشم، خوش نگاہ ہو تم
حسن میں آپ کے ہے شانِ خدا — عشق بازوں کے سجدہ گاہ ہو تم
ہر لباس آپ کو ہے زیبندہ — جامہ زیبوں کے بادشاہ ہو تم
فوق ہے سارے خوش جمالوں پہ — وہ ستارے جو ہیں تو ماہ ہو تم
ہم سے پردہ وہی حجاب کا ہے — کوچہ گردوں سے رو براہ ہو تم
کیوں محبت بڑھائی تھی تم سے — ہم گنہ گار، بے گناہ ہو تم
جو کہ حقِ وفا بجا لائے — شاہد اللہ ہے، گواہ ہو تم
ہے تمھارا خیال پیشِ نظر — جس طرف جائیں سدِّ راہ ہو تم

دونوں بندے اُسی کے ہیں آتش
خواہ ہم اس میں ہوویں، خواہ ہو تم

وحشی تھے بوئے گل کی طرح سے جہاں میں ہم — نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم
ساکن ہیں جوشِ اشک سے آبِ رواں میں ہم — رہتے ہیں مثلِ مردمِ آبی جہاں میں ہم
شیدائے روئے گل، نہ تو شیدائے قدِ سرو — صیاد کے شکار ہیں اس [illegible]
نکلی لبوں سے آہ کہ گردوں نشانہ تھا — گویا کہ تیر جوڑے ہوئے [illegible]
آلودۂ گناہ ہے اپنا ریاض بھی — شب کاٹتے ہیں جاگ کے [illegible]
ہمت پس از فنا سبب ذکرِ خیر ہے — مردوں کا نام سنتے ہیں [illegible]
ساقی ہے، یار ماہ لقا ہے، شراب ہے — اب بادشاہِ وقت ہیں [illegible]
نیرنگِ روزگار سے ایمن ہیں شکلِ سرو — رکھتے ہیں ایک حال [illegible]
دنیا و آخرت میں طلب گار ہیں ترے — حاصل تجھے سمجھتے ہیں [illegible]
پیدا ہوا ہے اپنے لیے بوریائے فقر — یہ نیستاں ہیں، شیر ہیں [illegible]
خواہاں کوئی نہیں تو کچھ اس کا عجب نہیں — جنسِ گراں بہا ہیں، [illegible]

لکھا ہے کس کے خنجرِ مژگاں کا اس نے وصف
اک زخم دیکھتے ہیں قلم کی زباں میں ہم

کیا حال ہے کسی نے نہ پوچھا، ہزار حیف
نالاں رہے جرس کی طرح کارواں میں ہم

آیا ہے یار فاتحہ پڑھنے کو قبر پر
بیدار بختِ خفتہ ہے، خوابِ گراں میں ہم

شاگرد طرزِ خندہ زنی میں ہے گل ترا
اُستادِ عندلیب ہیں، شور و فغاں میں ہم

باغِ جہاں کو یاد کریں گے عدم میں کیا
کنجِ قفس سے تنگ رہے آشیاں میں ہم

اللہ ری بے قراری دلِ ہجرِ یار میں
گاہے زمیں میں تھے تو کبھی آسماں میں ہم

دروازہ بند رکھتے ہیں مثلِ حبابِ بحر
قفلِ درونِ خانہ ہیں اپنے مکاں میں ہم

آتش سخن کی قدر زمانے سے اُٹھ گئی
مقدور ہو تو قفل لگا دیں دہاں میں ہم

آخرِ کار چلے تیر کی رفتار قدم
غیرِ منزل نہ پڑے راہ میں زنہار قدم

اُٹھ گئے وصل کی شب پیشتر از یار قدم
آگے ہم عمرِ رواں سے بھی چلے چار قدم

کوئے مقصود سے یوں رکھتی ہے غفلت مجھے دور
جیسے سو جانے سے ہو جاتے ہیں بیکار قدم

اہلِ عالم میں ہوں میں زندوں میں مردوں کی طرح
بڑھ چلیں لاکھ مگر ساتھ ہیں دو چار قدم

ایک مدت سے رہِ کعبہ میں آوارہ ہیں
کیا خدا کا مجھے دکھلائیں گے دیدار قدم

جوشِ وحشت میں کبھی میں چڑھ کے نہ اس پر دوڑا
لے گئے حسرتِ خارِ سرِ دیوار قدم

صورتِ برگِ خزاں جھڑتے ہیں ہر گام گناہ
جب اُٹھاتے ہیں تری راہ میں زوّار قدم

اے جنوں! کوہ و بیابان بھی دکھلا مجھ کو
رہیں پستی و بلندی سے خبردار قدم

کوچہ گردی یہ شب و روز کی بے وجہ نہیں
ایڑیاں رگڑیں گے کس کے پسِ دیوار قدم

جادۂ راہِ محبت کو خطِ مسطر جان
سر کے بل مثلِ قلم چل جو ہوں بیکار قدم

خاک بھی ہوں تو ہوں خاکِ درِ اُس کا آتش
جس کے تھے دوشِ پیمبرؐ کے سزاوار قدم

میل کی طرح سے ہلتے نہیں زنہار قدم
بھول جاتے ہیں رہِ عشق میں رفتار قدم

جوشِ وحشت میں جو ہوں مائلِ رفتار قدم
شہرِ ہستی سے ہے صحرائے عدم چار قدم

بختِ خفتہ کو جگا دیں جو یہ پشتِ پا سے
ایسے رکھتے ہیں کہاں طالعِ بیدار قدم

عرصۂ جنگ سے خوں ریز زمیں ہے یاں کی
پیشۂ عشق میں مردوں کی طرح چار قدم

جوشِ وحشت میں نہ زنجیر کو توڑا اک دن
گور میں جائیں گے ان ہاتھوں سے بیزار قدم

چال وہ چل کہ ہو جاں سے دلِ عالم کو عزیز
آنکھوں پر رکھے ترے کافرِ دیں دار قدم

ہاتھ بندھوائیں نہ مجھ سے یہ حضورِ دربان
یار کے گھر میں چلیں پھاند کے دیوار قدم

چاہیے عاشقِ شیدا کو لحاظِ معشوق
شاخِ گل پر نہ رکھے بلبلِ گلزار قدم

کوچۂ زلف کے سودے سے گل آخر پھولا
ہوئے زنجیر کے پھندے میں گرفتار قدم

دوڑتے دوڑتے کس دن نہیں عاشق مرتے
جانتا ہی نہیں اُس ترک کا رہوار قدم

سبقت اُس ابرو کو جنبش میں ہے اُن مژگاں سے
تیر سے چلتی ہے آگے یہ کماں چار قدم

بیڑیاں ان کو جو پہنائیں قصور ان کا کیا
میں گنہ گارِ جنوں ہوں کہ گنہ گار قدم

ثابتِ معرکۂ عشق بتایا ہے مجھے
کوچے کاٹوں جو ہوں لغزش کے سزاوار قدم

حیف ہے راہِ خدا میں نہ ہو ان سے کوشش
دستِ قدرت نے بنائے نہیں بیکار قدم

عاشقوں سے جو مسیحا اسے سن پایا ہے
چومنے آتے ہیں ہر صبح کو بیمار قدم

یہ صدا آتی ہے زنجیر سے مجھ مجنوں کی
آج مجبور ہیں وہ، کل جو تھے مختار قدم

آبِ رحمت کرے گا آن کے آتش چھڑکاؤ
خاک پر رکھیں گے مجھ رند کی ابرار قدم

چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم
نہال کس کو کرے باغباں، نہیں معلوم

مرے صنم کا کسی کو مکاں، نہیں معلوم
خدا کا نام سنا ہے، نشاں، نہیں معلوم

اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے
بہارِ عمر ہوئی کب خزاں، نہیں معلوم

یہ اشتیاقِ شہادت میں محو تھا دمِ قتل
لگے ہیں زخم بدن پر کہاں، نہیں معلوم

سنا جو ذکرِ الٰہی تو اُس صنم نے کہا
عیاں کو جانتے ہیں ہم نہاں، نہیں معلوم

کیا ہے کس نے طریقِ سلوک سے آگاہ
مرید کس کا ہے پیرِ مغاں، نہیں معلوم

مری طرح تو نہیں اُس کو عشق کا آزار
یہ زرد رہتی ہے کیوں زعفراں، نہیں معلوم

جہان و کارِ جہاں سے ہوں بے خبر میں مست
زمیں کدھر ہے، کہاں آسماں، نہیں معلوم

سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق
اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

خموش ایسا ہوا ہوں میں کم دماغی سے
دہن میں ہے کہ نہیں ہے زباں، نہیں معلوم

مری تمھاری محبت ہے شہرۂ آفاق
کسے حقیقتِ ماہ و کتاں، نہیں معلوم

کس آئینے میں نہیں جلوہ گر تری تمثال
تجھے سمجھتے ہیں ہم، این و آں، نہیں معلوم

ملا تھا خضر کو کس طرح چشمۂ حیواں
ہمیں تو یار کا اپنے دہاں، نہیں معلوم

کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں، آشیاں، نہیں معلوم

طریقِ عشق میں دیوانہ وار پھرتا ہوں
خبر گڑھے کی نہیں ہے، کنواں، نہیں معلوم

جو ہو تو شوق ہی ہو کوئے یار کا ہادی
کسی کو ورنہ سبیلِ جناں، نہیں معلوم

دہن میں آپ کے البتہ ہم کو حجت ہے
کمر کا بھید جو پوچھوں میاں، نہیں معلوم

نسیمِ صبح نے کیسا یہ اس کو بھڑکایا
ہنوز آتشِ گل کا دھواں، نہیں معلوم

سنیں گے واقعہ اس کا زبانِ سوسن سے
شہید کس کا ہے یہ ارغواں، نہیں معلوم

کنارِ آب چلے، دورِ جام یا لبِ کشت
شکار ہووے بطِ مے کہاں، نہیں معلوم

سائی جس کی نہیں، اے صنم درِ دل تک
یقیں ہے اُس کو ترا آستاں، نہیں معلوم

عجب نہیں ہے جو اہلِ سخن ہوں گوشہ نشیں
کسی دہن میں زباں کا مکاں، نہیں معلوم

چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش
جنازہ ہو گا کب اپنا رواں، نہیں معلوم

ردیف نون

اس قدر آنکھیں مری محوِ تماشا ہو گئیں
پُتلیاں پتھرا کے آخر سنگِ موسیٰ ہو گئیں

روئے رنگیں سے بھی وہ گیسو وخط ہے دل فریب
بوٹیاں بھی اس گلستاں کی تماشا ہو گئیں

باغ کو سرسبز بارانِ بہاری نے کیا
شاعروں کے واسطے تشبیہیں پیدا ہو گئیں

تشنۂ دیدار ہیں کس آتشیں رخسار کے
آب جوئیں مثلِ آئینہ مصفا ہو گئیں

صورتِ کافور بوندیں اُس کی اب اُڑتی تو ہیں
چشمۂ خورشید تک پہنچیں تو دریا ہو گئیں

جس طرف سودے میں ان زلفوں کے میں وحشی گیا
دو بلائیں، دو طرف سے، میری پیدا ہو گئیں

شب نہ ہونے سے ترے اندھیر تھا اک صبح تک
کیا کہوں کیا حالتیں اے ماہ سیما ہو گئیں

کنجِ عزلت میں قناعت کی جو نانِ خشک پر
نعمتیں دنیا کی جو کچھ تھیں مہیا ہو گئیں

قاف میں بھی سکہ بیٹھا حسنِ عالم گیر کا
آتش اپنے یار کی پریاں بھی شیدا ہو گئیں

پہنچا سزا کو اپنی ہے بیداد گر کہاں
دُزدِ حنا چڑھایا گیا دار پر کہاں

عشقِ کمر کا قصہ ہوا مختصر کہاں
ہستی سے کر چکا ہوں عدم کو سفر کہاں

داغِ جگر مٹا نہ سکی آہِ صبح گاہ
گل کرتی ہے چراغ نسیمِ سحر کہاں

لوں بوسہ کس کا، ہے دہنِ یار ناپدید
کس کے ہوں ہاتھ طوق وہ نازک کمر کہاں

تاحال آنکھوں نے نہیں سیرِ بہشت کی
پیش آیا کوئے یار کا ہم کو سفر کہاں

زاغِ شبِ فراق جو جیتا نہ چھوڑتا
کھاتا ہمارا مغز، خروسِ سحر کہاں

آہن دلوں سے چشمِ کرم، ہے خیالِ خام
کرتا ہے سبز نخل کو آبِ تبر کہاں

حیران کار رہتے ہیں آئینے کی طرح
آنکھوں سے پوچھیے کہ پڑی ہے نظر کہاں؟

دنداں کا اپنے نقشِ لبِ یار پر جو ہے
پیدا کیا عقیق نے ایسا شجر کہاں

آئینہ دیکھنے کا گزرتا نہیں خیال
اپنی خبر نہیں انھیں، میری خبر کہاں

اندھیر آنکھوں میں ہے، اُجالا ہے ناپدید
پردوں میں شب کے چھپ رہی ایسی سحر کہاں

سودا نہیں ہے گیسوؤں کا یار کے کسے
ان دو بلاؤں سے ہے کسی کو مفر کہاں

خرمائے لب کے بوسے کا چکھا نہیں مزہ
توڑا ہے نخلِ حسن کا ہم نے ثمر کہاں

دھوکا نہ دے سکے گا مجھے زلفِ یار کا
سنبل کے پاس طرّہ ہو ہر چند، سر کہاں

دم کیا بھرے گا کوئی محبت کا یار کی
میرا سا دل کہاں ہے، مرا سا جگر کہاں؟

قیدِ خودی سے چھوٹ کے جا کی ہے گور میں
آتش ملا ہے گنبدِ گرداں کا در کہاں

نہانے کو لگا جانے جو وہ محبوب دریا میں
عریضوں کی جگہ بھیجے لگے مکتوب دریا میں

غریق فکر رکھا پہروں ہی مضمونِ دنداں نے
گُہر کے واسطے غوطے لگائے خوب دریا میں

مرے یوسف کو لہر آئی اگر اُس میں نہانے کی
حباب اک ایک ہو گا دیدۂ یعقوبؑ دریا میں

لگا کر غوطہ بوسہ لوں گا اُس طفلِ شناور کا
خدا سے گوہرِ مقصود ہے مطلوب دریا میں

وہ بحرِ حسن جو فرقت کی شب میں یاد آیا ہے
یہی لہر آتی ہے دل کو کہ چل کر ڈوب دریا میں

خدام چاہنے والوں کے ہوں گے غوطے کھا کھا کر
بہت کف لائے گا وہ طفلِ خوش اسلوب دریا میں

غش آیا دیکھ کر حسن و جمالِ یار کا جلوہ
نہایت شاہدِ آبی ہوئے محبوب دریا میں

دیا دھوکا جو آتش مجھ کو اس دستِ نگاریں کا
مروڑا پنجۂ مرجاں کو میں نے خوب دریا میں

خشمگیں آنکھیں تمھاری آفتِ جاں ہو گئیں
برچھیاں عاشق کُشی کرنے کو مژگاں ہو گئیں

تم جو جا نکلے نسیمِ نو بہاری کی طرح
پھول کھل کھل کر گل و لالہ کی کلیاں ہو گئیں

اے صبا! دامن ہے تیرا اور مجھ مجنوں کا ہاتھ
اُس پری رُو کی اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں

سامنے رہنے لگا رخسارۂ زیبائے یار
صورتِ آئینہ آنکھیں اپنی حیراں ہو گئیں

مہندی ہاتھوں میں ملی تو نے جو اے دریائے حسن
انگلیاں رنگِ حنا سے مرجاں ہو گئیں

راستی سے نیزۂ ترکاں بنا بالائے یار
وہ بھویں اپنی کجی سے تیغِ عریاں ہو گئیں

خانۂ دل میں تصور خوش جمالوں کا رہا
گاہ حوریں، گاہ پریاں، اپنی مہماں ہو گئیں

کوچہ گردی میں دکھائی تیغِ قاتل نے بہار
بسملوں سے شہر کی گلیاں گلستاں ہو گئیں

دیدۂ عاشق سے جس نے دیکھا دیوانہ ہوا
حسن سے پریاں بلائے جانِ انساں ہو گئیں

اے مرادِ دل! ترے کوچے میں رکھتے ہی قدم
حسرتیں جو کچھ تھیں گردِ پریشاں ہو گئیں

یہ کھلا آتش عناصر سے دلِ دیوانہ کو
چار دیواریں اکٹھی ہو کے زنداں ہو گئیں

قیدِ ہستی سے ہنوز آزادگی حاصل کہاں
روح سے چھوٹا ہے یہ زندانِ آب و گل کہاں

ہچکیاں لیتے تھے کوچے میں ترے بسمل کہاں
زخم ہنستے تھے کسی کے منہ پہ اے قاتل کہاں

قدرتِ اللہ ہے نیرنگ سازی حسن کی
گورے گورے عارضوں پر کالے کالے تل کہاں

دسترس کس دن ہوا بندِ قبائے یار پر
وا ہوئے ناخن سے اپنی عقدۂ مشکل کہاں؟

طوفِ کوئے یار کی حسرت نہیں نکلی ابھی
طے ہوئی ہے کعبۂ مقصود کی منزل کہاں

صورتِ ریگِ رواں، گرمِ سفر ہوں روز و شب
کچھ نہیں معلوم، جاتا ہوں کدھر، منزل کہاں

جو نہ دے ایذا کوئی، ایذا نہیں دیتا اُسے
سایۂ دیوار کو اندیشۂ عامل کہاں

بھیک کس کے حسن کی مقصودِ مہر و ماہ ہے
در بدر پھرتے ہیں مثلِ کاسۂ سائل کہاں

بحرِ ہستی سا کوئی دریائے بے پایاں نہیں
آسمانِ نیل گوں سا سبزۂ ساحل کہاں

وقتِ بد میں کون ہوتا ہے مصیبت کا شریک
ہجر کی شب کے اندھیرے میں مہِ کامل کہاں

کون سا ایسا کیا ہے مجھ سے یاروں نے سلوک
یاد آتی ہے عدم میں جا کے یہ محفل کہاں

خندہ زن دیکھا نہ اک مردے کو زندہ کی طرح
ہوشیاری کے مزے سے آشنا غافل کہاں

جنبشِ ابروئے قاتل میں نہ ٹھہرے گا رقیب
چہرۂ نامرد زخمِ تیغ کے قابل کہاں

عشق کے صدمے اُٹھانے کو جگر بھی چاہیے
خون ہوا میری طرح آتش کسی کا دل کہاں

فریب کو دلِ اہلِ صفا میں راہ نہیں
وہ دشت ہے یہ جہاں آبِ زیرِ کاہ نہیں

بدن سا شہر نہیں، دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

وہ آب و رنگ کہاں روئے یار کا گل پر
ہزار آنکھ ہو، نرگس کی وہ نگاہ نہیں

صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خواب گاہ نہیں

خیال اس میں ہے لازم سیاہ چشموں کا
لباس کعبۂ دل کا مرے سیاہ نہیں

تمھارے سبزۂ خط کی طرح سے دل لہرائے
چمن میں دہر کے ایسی کوئی گیاہ نہیں

نہ پاک ہو گا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قصہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں

بتوں کے ناز سے، دکھ دکھ کے پک گئے ہیں دل
وہ کون ہے کہ خدا سے جو داد خواہ نہیں

غریب کو نہ کریں قتل، خط وہ پرزے کریں
مرا گناہ ہے، قاصد کا کچھ گناہ نہیں

خراب ظلم سے ہیں حسنِ یار کے عاشق
غضب خدا کا ہے عادل جو بادشاہ نہیں

فرشتے نے نہیں پھونکا ہے کان میں کس کے
وہ سر ہے کون سا جس پر کہ کج کلاہ نہیں؟

چمک چمک کے نکلنے کا حال کھل جاتا
دکھاؤں کس کو وہ رُخ، چشمِ مہر و ماہ نہیں

بھر آئے دیکھ کے منہ میں نہ کس طرح پانی
تمھاری ناف سا چشمہ، ذقن سا چاہ نہیں

کھڑے ہیں کھولے ہوئے اپنے سینوں کو عاشق
تمھاری تیغ کے زخموں کی بند راہ نہیں

نہ ہووے گوش زدِ یار تو تعجب ہے
قدِ بلند سے کوتاہ سدِّ آہ نہیں

غبارِ خط سے وہ انداز و نازِ حسن کہاں
نمود گرد ہے باقی، مگر سپاہ نہیں

عذابِ گور ہے دنیا کے رنج سے بدتر
سوا خدا کے کرم کے کہیں پناہ نہیں

فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتش
طریقِ احمدؐ مرسل سی شاہراہ نہیں

بلبل کو خار خار دبستاں ہے ان دنوں
ہر طفل کی بغل میں گلستاں ہے ان دنوں

زنارِ عشقِ بُت میں رگِ جاں ہے ان دنوں
ناقوسِ برہمن دلِ نالاں ہے ان دنوں

آباد میرا خانۂ ویراں ہے ان دنوں
سیلاب مجھ غریب کا مہماں ہے ان دنوں

دامن ہے اپنے ہاتھ میں اک رشکِ ماہ کا
پیشِ نظر ہلالِ گریباں ہے ان دنوں

باغِ جہاں میں جو ہے گرفتار ہے ترا
آزاد ایک سروِ گلستاں ہے ان دنوں

کہتے ہیں ہم زمین میں مجنوں کی اب غزل
ہر بیت اپنی خانۂ زنداں ہے ان دنوں

کافر ہو اے صنم! جو خریدے نہ تو اسے
مہندی کے مول خونِ مسلماں ہے ان دنوں

ہنگامہ حسن و عشق کا ہے گرم آج کل
دیوانہ پری ہے جو انساں ہے ان دنوں

مستی کا اُن لبوں کے فسانہ کہاں نہیں
مجلس نہیں وہ جو نہیں حیراں ہے ان دنوں

صدقے چکور ہوتے ہیں رخسارِ یار کے
وہ ماہِ چاردہ مہِ تاباں ہے ان دنوں

آتا ہے سیرِ باغ کو وہ گوہرِ مراد
پھیلائے گل کے پاس جو داماں ہے ان دنوں

قد سرو چہرہ گل ہے تو سنبل ہیں موئے یار — گھر خانہ باغ ہے جو وہ مہماں ہے ان دنوں

جوہر شناس جمع ہیں آتش ہے معرکہ
شمشیر ہے وہی کہ جو عریاں ہے ان دنوں

برق کی اس پر عبث گرنے کی ہیں تیاریاں — برگِ گل ہی آشیاں کو اپنے ہے چنگاریاں
عہدِ طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج — بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو میں نے بھاریاں
موت کے آتے ہی ہم کو خود بخود نیند آ گئی — کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں
اے خط اس کے گورے گالوں پر یہ تو نے کیا کیا — چاندنی راتیں یکایک ہو گئیں اندھیاریاں
خندۂ گل سے صدائے نالہ آتی ہے مجھے — خونِ بلبل سے مگر سینچی گئی ہیں کیاریاں
خاک کا پتلا بھی آہن سے ہے سختی میں فزوں — جسم پر انساں کے تلواریں ہوئی ہیں آریاں
خوفِ خالق ہے وگرنہ محتسب کیا مال ہے — خانۂ قاضی میں جا کر کیجیے مے خواریاں
کچھ ہمیں، خالی نہیں کرتے ہیں یہ دیر خراب — پھر گئے ہیں یار یوں ہی اپنی اپنی باریاں

حکم کر آتش کہ بازارِ محبت بند ہو
اب کریں ٹٹ پونجیے گرم اپنی دکاں داریاں

ہوا تھا اس کو ایسا لطف کیا حاصل گلستاں میں — قفس میں عندلیبِ خستہ جاں ہے دل گلستاں میں
ثبات اس کو نہیں یہ عالمِ واشد دو روزہ ہے — ہنسو اتنا بھی اے غنچو نہ تم کھل کھل گلستاں میں
ابھی دارِ غضب پر ناحق ان کو خار کھینچیں گے — نہ ہوں برگِ حنا کے آبلے شامل گلستاں میں
بہاؤں رو کے سودے میں جو شبنم کی طرح دریا — کنارہ ایک صحرا میں ہو اک ساحل گلستاں میں
خزاں میں زرد بھی ہونا چمن کا حسن رکھتا ہے — بہارِ زعفران ہو جاتی ہے داخل گلستاں میں
چمن کی سیر کو تم گاہے گاہے جا نکلتے ہو — شہیدوں کی طرح ہے ارغواں بسمل گلستاں میں
نہ کیونکر قید میں بلبل کو دیکھے سے جگر خوں ہو — قفس مسکن ہے اس کا جس کی تھی منزل گلستاں میں
چمن میں بلبلوں کو ذبح وہ صیاد کرتا ہے — بہا دیتا ہے نہریں خون کی قاتل گلستاں میں
نسیم نو بہاری کی مدد کا وقت ہے، پہنچے — ہوئے ہیں غنچۂ گل وعقدۂ مشکل گلستاں میں
بہارِ رفتہ کے غم نے خزاں میں خون تھکوایا — ہوئی دق ہو کے آخر بلبلوں کو سل گلستاں میں
شرابِ بے خودی ایسی پلا دی ساغرِ گل نے — رہے صیاد سے مرغِ چمن غافل گلستاں میں
سنا ہے عاشق و معشوق جیسے بلبل و گل کو — اسے بسمل سمجھتا ہوں، اسے قاتل گلستاں میں
پھرا جب باغ سے تیرے قدِ بالا کا دیوانہ — بہت رویا گلے سے سرو کے مل مل گلستاں میں

بہار آئی ہے دل بہلایئے پیری میں اے آتشؔ !
جوانانِ چمن کی دیکھیے محفل گلستاں میں

پردے پہ غفلتوں کے اگر دل سے دور ہوں
مائل سوئے سجودِ سرِ پُر غرور ہوں

تمیز کیجیے جو سفید و سیاہ میں
ظلمت جو زلفیں ہوں تو وہ رخسارے نور ہوں

پہلے ہی دے چکا ہوں میں اُن کو جوابِ صاف
سمجھائیں اب جو یار بڑے بے شعور ہوں

آنکھوں میں تنگ چشموں کے پھر بھی ہیں فیل مست
ہر چند ناتوانی سے میں پائے مور ہوں

بعدِ فنا بھی خاکِ رہِ یار ہوں گے ہم
ممکن نہیں رکابِ سعادت سے دور ہوں

کرتا ہے کیا یہ محتسبِ سنگ دل غضب
شیشوں کے ساتھ دل نہ کہیں چور چور ہوں

خلخالِ پائے یار میں آوازِ صور ہے
بیدار بختِ خفتۂ اہلِ قبور ہوں

کشتے جو حسنِ گرم کے نالاں ہوں زیرِ خاک
سنگِ مزار جلنے لگیں، کوہِ طور ہوں

مرتا ہے غیر کس لیے کتنا ہے یار کیوں
حاضر ہیں جان و دل جو کسی کو ضرور ہوں

ساقی! چمن میں آگ لگائی بہار نے
رنگیں شرابِ سرخ سے جامِ بلور ہوں

ثابت جو یار کرتے ہیں مجھ پر خطائے عشق
انصاف ہو تو آپ سراپا قصور ہوں

دل میں ان آئینوں کے سراسر بھرا ہے زنگ
ہر چند پاک صاف یہ تیرے حضور ہوں

رونے کی جا ہے حالتِ دیوانگانِ عشق
ابرِ بہار دیدۂ وحش و طیور ہوں

عزمِ طوافِ کعبہ ہے اب کچھ غرض نہیں
آتشؔ بتانِ ہند، پری ہوں کہ حور ہوں

دو قدم غربت سے گر سوئے وطن جاتا ہوں میں
پاؤں شل ہو جاتے ہیں دیوار بن جاتا ہوں میں

مثلِ گل باغِ جہاں سے خندہ زن جاتا ہوں میں
لالہ رویو! لے کے داغوں کے چمن جاتا ہوں میں

کیسی ہی آزردگی ہو آئینے کی طرح سے
چار آنکھیں ہوتے ہی اُس بت سے مَن جاتا ہوں میں

کوئے قاتل کا جو ہو شوقِ شہادت رہنما!
کس خوشی سے باندھ کر سر پر کفن جاتا ہوں میں

تنگ آیا جو دل سودائے زلفِ یار میں
مشک کی بو سونگھنے چین و ختن جاتا ہوں میں

جان کرتی ہے لبوں کی راہ سے چلنے کا قصد
گور نے کھولا مری خاطر دہن جاتا ہوں میں

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی پانی بے آبی سے ہو
تشنہ لب اے حسرتِ چاہِ ذقن جاتا ہوں میں

طرفہ سودا ہے مرا، اپنا گریباں چھوڑ کر
پھاڑنے اُس گلبدن کا پیرہن جاتا ہوں میں

ساتھ ہوتا ہے کبھی میرے جو وہ بالا بلند
کاٹنے سرو و صنوبر کو چمن جاتا ہوں میں

گور میں خاکی بدن کو چھوڑ کر جاتی ہے رُوح
جھاڑ کر گوشے میں گردِ پیرہن جاتا ہوں میں

خوش سلوکی کی زمین و آسماں نے میرے ساتھ
آیا تھا بے پیرہن، پہنے کفن جاتا ہوں میں

ہستیِ فانی سے قصدِ روح ہے سوئے عدم
دل کو خوش وقتی ہے غربت سے وطن جاتا ہوں میں

تاب داغِ برہمی مانندِ بوئے گُل نہیں
چھوڑ کر آباد آتش انجمن جاتا ہوں میں

پسے دل اُس کی چتوں پر ہزاروں
موئے بے ساختہ پن پر ہزاروں

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

برائے شکرِ قاتل، رونگٹوں بے
زبانیں ہیں مرے تن پر ہزاروں

نہ اٹکھیلی سے چل، ہوتے ہیں صدقے
دلِ شیخ و برہمن پر ہزاروں

ہوا سر خم نہ زیرِ تیغِ جلاد
رہے بوجھ اپنی گردن پر ہزاروں

ترے کشتے ہیں ہم، آنکھیں ملیں گے
ہمارے سنگِ مدفن پر ہزاروں

نہ مل اے لعبتِ چیں عطرِ گلزار
گلا کاٹیں گے گلشن پر ہزاروں

نہیں اک مرد کو دُنیا سے مطلب
مریں نامرد اُس زن پر ہزاروں

عجب کیا ہے اگر پروانے بے شمع
جلیں آتش کے مدفن پر ہزاروں

واشدِ دل کے لیے جاتے ہیں ناداں باغ میں
گُل گریباں چاک ہیں بلبل ہیں نالاں باغ میں

مر گیا جب خوش نوا بلبل غزل خواں باغ میں
اُس کے پھولوں میں پڑھی میں نے گلستاں باغ میں

ابر نے ناحق مجھے گلگشت کی تکلیف دی
تیرِ باراں ہو گیا، بے یار باراں باغ میں

غیر ممکن ہے اسیری میں شگفتہ خاطری
دل نہ قیدی کا لگے ہو گو کہ زنداں باغ میں

شیشے کے منہ کی طرح رکھتا ہے دروازے کو بند
باغباں کیا سیر کو آئی ہیں پریاں باغ میں؟

چشمِ بلبل میں جو پیدا ہو سوادِ اہلِ علم
برگِ گُل ہو جائیں اوراقِ گلستاں باغ میں

یادِ زلفِ یار آئی دل کو سودا سا ہوا
بوئے سنبل نے طبیعت کی پریشاں باغ میں

روئے زیبا تم نے دکھلایا ہے جا کر بے نقاب
آبِ جُو ہے صورتِ آئینہ حیراں باغ میں

شوقِ کوئے یار میں روتا جو ہوں دل کھول کر
اشک شبنم کی طرح جاتے ہیں مہماں باغ میں

قتل کرتا ہے محبت کی نظر سے دیکھنا
سرو قمری کے لیے ہے سیفِ عریاں باغ میں

ٹٹیوں میں مہندی کی تو نے بنائے کیا ہرن
آ گئیں اے باغباں شاخِ غزالاں باغ میں

مہندی مل کر دھوئے ہاتھ اُن میں جو تو اے بحرِ حسن
پھوٹ کر نہروں سے نکلیں نخلِ مرجاں باغ میں

کوچ کرتی ہے بہار، آتا ہے ہنگامِ خزاں
روئے بلبل رکھ کے منہ پر گُل کا داماں باغ میں

سیر کرتا ہوں میں جب تک رہتی ہے حسرت یہی
توڑتا، ہوتا اگر سیب زنخداں باغ میں

چلتی ہے دستِ جنوں کی طرح سے بادِ بہار
چاک تا دامن ہوا گُل کا گریباں باغ میں

بوسے اُس رخسارۂ رنگیں کے میں کیونکر نہ لوں
پھول بے توڑے نہیں رہتا ہے انساں باغ میں

جوش نے مستی کے دکھلائی مجھے سیرِ بہار
نشّے کی دھن لے گئی اُفتاں و خیزاں باغ میں

بے حیائی سے نہ ہووے تو نہ ہووے انفعال
لالہ نافرماں کے روبرو ہے خنداں باغ میں

ہے یہی اللہ سے اپنی مراد آتش رہیں
مست کوئے یار میں طاؤسِ رقصاں باغ میں

آشنا معنی سے، صورت آشنا ہوتا نہیں
آئینۂ دل کی طرح سے حق نما ہوتا نہیں

دردِ مندِ عشق جویائے دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

خارِ خارِ دہر سے دل آشنا ہوتا نہیں
مثلِ آب و رنگ گُل مل کر جدا ہوتا نہیں

کس کو پیوندِ زمیں کرتی نہیں رفتارِ ناز
کونسا سرکش تمہاری خاکِ پا ہوتا نہیں

کھینچ لیتا ہے دلِ عاشق کو خطِ سبزِ یار
کاہ سے ہر چند جذبِ کہربا ہوتا نہیں

جس قدر چاہیں اکڑ لیں باغ میں شمشاد و سرو
خیر ہے جب تک کہ وہ بالا بلا ہوتا نہیں

دیکھیے کب تک نہیں ہوتی قیامت آشکار
تا کجا دیدار کا وعدہ وفا ہوتا نہیں

سنبل و ریحانِ باغِ حسن کا عالم نہ پوچھ
خط سا پیرو، گیسوؤں سا پیشوا ہوتا

اک قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات
چار ابرو کی صفا سے دل صفا

کیا مری آنکھوں کو دھوکا دے گا زلفِ یار کا
موئے زنگی کی طرح سنبل رسا

ہے ہر اک دنداں دہانِ یار میں دُرِ یتیم
اُن لبِ لعلیں سا لعلِ بے بہا

بڑھ نہیں چلتا ہے کوئی حد سے اپنی پیشِ یار
اُس کے پاؤں میں یہ رنگِ حنا

گوہرِ شبنم بہم پہنچائیں گُل ہائے چمن
یار کا سا خندۂ دنداں نما

دلربائی کے طریقے میں نہیں کامل ہنوز
حقِ ناز اے طفل ابھی تجھ سے

اے صنم پارس گے تیرے پاؤں میں ترشے ہوئے
ٹھوکریں کھا کھا کے کب آہن

کون ملتا ہے، نہیں ملتا اگر وہ نازنین
میں بھی اُس نا آشنا کا آ

نشّے کی گرمی سے پھاڑے کھانے لگتا ہے لباس
اپنے جامے میں تو اے گلگوں

کون سی شب کو وہ بُت رہتا نہیں آغوش میں
شاملِ حال اپنے کب فضلِ خدا ہوتا نہیں

استخواں آتش کے ہیں رزقِ سگانِ کوئے یار
اس سعادت کا شرف بہرِ ہُما ہوتا نہیں

غبارِ راہ ہیں گو آج ہم ان نے سواروں میں
سمندِ عمر منزل طے کرے گا دو طراروں میں

گھے بُت خانہ پوجا، کہ کیا طوفِ حرم ہم نے
اُڑائی تیری خاطر خاک کن کن رہ گزاروں میں

ازل ہی سے مری قسمت میں تھی سرگشتگی لکھی
گیا طفلی میں بھی ہر روز میں اک دو کناروں میں

اجل آ ورنہ اب یہ رشک مجھ کو قتل کرتا ہے
عزیزاں پاؤں کو پھیلائے سوتے ہیں مزاروں میں

ہوائے کوئے قاتل کا کبھی عالم نہیں پایا
چمن کو بارہا دیکھا ہے جا جا کر بہاروں میں

نہ دو آنسو گرے یادِ الٰہی میں ان آنکھوں سے
اُڑا کی خاک ہی میرے چمن کے آبشاروں میں

امانت رُوح کی پھنوا کے عزرائیلؑ سے تو نے
ہمارے نام کو لکھوا دیا بے اعتباروں میں

نہایت عید کی نو روز کی اُس گل کو شادی ہے
لڑائے جائیں گے کیا بیضۂ بلبل قطاروں میں

کبھی کچھ کام بھی تو آئے تیری ہمتِ عالی
مگر چہرہ ہی لکھوایا ہے اے آتش سواروں میں

یہ چرچا اپنی رسوائی کا پھیلا ہے دیاروں میں
کہ مردم نام لکھتے ہیں سرے پر اشتہاروں میں

ہوا ہے قحط کیوں عالم میں موسیٰ و تجلّی کا
وہی پتھر نظر آتے ہیں اب تک کوہساروں میں

میں وہ غم دوست ہوں جب کوئی تازہ غم ہوا پیدا
نہ نکلا ایک بھی میرے سوا امیدواروں میں

نہ کر شبدیز و گلگوں پر غرور اتنا بھی اے خسرو
پیادے روندیں گے کل آج ہے تو شہسواروں میں

جو آنا ہے تو آ جیتے جی، ورنہ لطف پھر کیا ہے
جگہ جب منہ دکھانے کی رہی مجھ کو نہ یاروں میں

بہانہ دردِ سر کا آپ کو کیا ہم سے کرنا تھا
تپِ غم نے ہماری جان کھو دی دو حراروں میں

رہا مثلِ خس و شعلہ مجھے ربط اہلِ عالم سے
وہی دشمن ہوا جس کے بنا میں دوست داروں میں

ہراساں ہوتے ہیں کب مردِ یکہ تاز کثرت سے
کوئی دو چار ہی جاں باز ہوتے ہیں ہزاروں میں

سمجھتا اہلِ عالم میں زباں کوئی تو میری بھی
خدایا! کاش میں پیدا ہوا ہوتا گنواروں میں

بدن میں جانِ تازہ آئی ہے سونگھے سے اے آتش
عجب خوشبو ہے اُس گل پیرہن کے باسی ہاروں میں

وہ بزم ہے یہ کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفے میں بازیِ غلام نہیں

حریفِ اپنی تنک مشربوں کا کام نہیں
خمِ فلک سے کم اس مے کدے کا جام نہیں

سیاہ قلب کا کوئے صنم میں کام نہیں
بہشت کافرِ بدکیش کا مقام نہیں

بتوں کے گیسو و مژگاں سے مجھ کو کام نہیں
شکار تیر نہیں میں اسیرِ دام نہیں

چمن سے بلبل و قمری کا عشق، حیرت ہے
ثبات گل کو نہیں، سرو کو قیام نہیں

مطیع عشق نہ جس حسنِ دل فریب کا ہو
وہ خواجہ ہے وہ کہ جس کا کوئی غلام نہیں

وفائے وعدہ کا کس یقین یار سے ہے
کلامِ بُت ہے کچھ اللہ کا کلام نہیں

رفیقِ حال برے وقت میں نہیں کوئی
شریک جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں

دو روزہ حسن نہ کر رائیگاں غرور سے یار
حلال مال ہے، یہ دولتِ حرام نہیں

گدا و شاہ برابر ہے، خاک کے نیچے
لحد میں ساتھ یہ قصرِ بلند بام نہیں

ملایا خاک میں کس کس جوانِ رعنا کو
خدا کا قہر ہے، اے بُت ترا خرام نہیں

جفا و جور سے عالم وہ حسن کا نہ رہا
بنائے زلف کو کج کہتے ہیں، قیام نہیں

نظارۂ کمرِ یار کا نہ ہو مشتاق
طلب محال کی غیرِ خیالِ خام نہیں

بتوں کے قہر و غضب کا کسے ہے اندیشہ
خدا نہیں، یہ پیمبر نہیں، امام نہیں

بلند و پست سبک دوش کو برابر ہے
نسیم بے سروپا کا کہاں مقام نہیں

بلند ہو نہ زمیں سے مرا مزار آتشؔ
نشانِ قبر سے منظور مجھ کو نام نہیں

برگشتہ طالعی کا تماشا دکھاؤں میں؟
گھر کو لگے جو آگ تو پانی بجھاؤں میں

جنسِ گراں بہا کا خریدار کون ہے
بکتا نہیں الٰہی جو چوری ہی جاؤں میں

لالہ رخوں کے حسن کا بھوکا ہوں اس قدر
دل ہو نہ سیر، لاکھ اگر داغ کھاؤں میں

آنکھیں مری کرے جو منور جمالِ یار
گھی کے چراغ طور کے اُوپر جلاؤں میں

مردے کی طرح سوتے ہیں کیسے مرے نصیب
ٹھوکر سے پائے یار کے اُن کو جگاؤں میں

بوسہ ملے کماں کا جو ابروئے یار کی
محراب بیتِ کعبہ میں چلّہ چڑھاؤں میں

جی چاہتا ہے شوقِ شہادت میں قبلِ مرگ
بنوا کے قبر لالہ کو اُس پر لگاؤں میں

گھر میں جو مجھ فقیر کے وہ شاہِ حسن آئے
مژگاں کے بوریے جو کھڑے ہیں بچھاؤں میں

کانٹا سکھا کے ہجر نے ہر چند کر دیا
وہ گل بدن ملے تو نہ پھولا سماؤں میں

تم تو غریب خانے میں آئے نہ ایک روز
فرمائیے تو شب کو کسی وقت آؤں میں

باریک بیں ہوں، شاعرِ نازک خیال ہوں
مضموں جہاں کمر کا ملے باندھ لاؤں میں

آتش غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، چاہیے
فردوس کا کھلا ہوا دروازہ پاؤں میں

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیے ہیں
پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اُٹھا دیے ہیں

اللہ رے فروغ اُس رخسارِ آتشیں کا
شمعوں کے رنگ مثلِ کافور اُڑا دیے ہیں

آتش نفس ہوا ہے گلزار کی ہمارے
بجلی گری ہے غنچے جب مسکرا دیے ہیں

سو بار گل کو اُس نے تلووں تلے ملا ہے
کٹوا کے سرو و شمشاد اکثر جلا دیے ہیں

انسانِ خوب رو سے باقی رہے تفاوت
اس واسطے پری کو دو پر لگا دیے ہیں

ابروئے کج سے خونِ عشاق کیا عجب ہے
تلوار نے نشانِ لشکر مٹا دیے ہیں

کس کس کو خوب کہیے، اللہ نے بتوں کو
کیا گوش وچشم، کیا لب کیا دست وپا دیے ہیں

بے یار بام پر جو وحشت میں چڑھ گیا ہوں
پرنالے روتے روتے میں نے بہا دیے ہیں

وصفِ کمانِ ابرو جو کیجیے سو کم ہے
بے تیر بسملوں کے تودے لگا دیے ہیں

رویا ہوں یاد کر کے میں تیری تندخوئی
صرصر نے جب چراغِ روشن بجھا دیے ہیں

سوزِ دل وجگر کی شدّت پھر آج کل ہے
پھر پہلوؤں کے تکیے مشعل بنا دیے ہیں

شمعوں کو تو نے دل سے، پروانوں کے اُتارا
آنکھوں سے بلبلوں کی گلشن گرا دیے ہیں

وہ بادہ کش ہوں، میری آوازِ پا کو سن کر
شیشوں نے سرِ حضور ساغر جھکا دیے ہیں

اشکوں سے خانۂ تن آتش خراب ہو گا
قصرِ سپہر رفعت باراں نے ڈھا دیے ہیں

خارِ مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں
بجلی گرنے کو جو جی چاہے تو باراں مانگوں

شمع گل ہووے، جو صبحِ شبِ ہجراں مانگوں
اوس پڑنی بھی ہو موقوف جو باراں مانگوں

خاک میں بھی جو ملوں میں تو کسی صحرا میں
تم سے مٹی بھی نہ اے گبر و مسلماں مانگوں

بختِ واژوں نے زباں کو یہ اثر بخشا ہے
تلخیِ مرگ مزا دے جو نمک داں مانگوں

خانۂ دل میں کروں داغِ محبت کو طلب
روشنی کے لیے اس گھر کے جو مہماں مانگوں

پادشاہی سے فقیری کا ہے پایا بالا
بوریا چھوڑ کے کیا تختِ سلیماں مانگوں

رنج سے عشق کے ہے راحتِ دنیا بدتر
زخم خنداں ہوں اگر میں گلِ خنداں مانگوں

دے دیا کیجیے، سودائی تمھارا ہوں میاں!
سونگھنے کو جو کبھی زلفِ پریشاں مانگوں

عاشقِ دستِ نگاریں ہوں، عجب کیا اس کا
بھیک دریا سے اگر پنجۂ مرجاں مانگوں

میوے پر باغِ جہاں میں ہو جو دل کو رغبت
شجرِ حسن سے میں سیبِ زنخداں مانگوں

جامۂ جسم بھی رکھنے کا نہیں دستِ جنوں
پیرہن خاک میں دیوانۂ عریاں مانگوں

یاس و حرماں ہوں جو لوہے کے چنے بھی تو چباؤں
نعمتِ عشق کے قابل لب و دنداں مانگوں

ملتی ہو مانگنے سے باغِ جہاں میں جو مراد
گُل سے بلبل کے کفن کے لیے داماں مانگوں

تو تو کیا ایسی بلا ہے وہ ٹلے ہو جو پہاڑ
وصل کا روز جو میں اے شبِ ہجراں مانگوں

کب سے در پر ترے سائل ہوں میں آتش کی طرح
وہ ملے مجھ کو جو کچھ اے شہِ خوباں مانگوں

جلاد کی نہ پہنچی تلوار تا بہ گردن
آبِ ندامت آیا سو بار، تا بہ گردن

کیا نیلوفر ہوں میں جو، رکھتے ہیں مجھ کو ڈوبا
گرداب میں یہ چشمِ خونبار تا بہ گردن

کھینچ اے ہوائے صحرا ورنہ اُٹھا چکی ہے
لڑکوں کی سنگ ریزی دیوار تا بہ گردن

شمشیر کھینچنی بھی مانی! تجھے پڑے گی
تصویر کر نہ میری تیار تا بہ گردن

تھی گو بلند یا رب! دیوارِ خانۂ یار
روزن ہی کاش ہوتے دو چار تا بہ گردن

تن سے جدا نہ ہو جو تلوار سے تمھاری
وہ سر سمجھتے ہیں ہم بیکار تا بہ گردن

نخچیر بھی ہوا میں، کم بخت لے کے پہنچے
فتراک کی نہ ڈوری زنہار تا بہ گردن

جلتی ہے دیکھ بلبل کیوں میرا جسمِ پُر داغ
پھولوں کا ہے یہ شاید انبار تا بہ گردن

اے محتسب سنبھل کر مے خانے میں قدم رکھ
رستم کی آتی ہے یاں دستار تا بہ گردن

اے کاش دودماں سے میں شمع ہی کے ہوتا
گُلگیر بن کے آتی تلوار تا بہ گردن

پھانسی گلے میں اپنے کیونکر نہ دوں صنم کی
پیدا کرے رسائی زنّار تا بہ گردن

تنہا ہے کیوں تو اتنا مانندِ سروِ باغی
کب پہنچے دستِ آتش اے یار! تا بہ گردن

اُس کی رسوائی بھلا مدِّ نظر کیونکر کریں
میرے ماتم میں عزیزاں چشمِ تر کیونکر کریں

شام سے سویا ہے بالوں سے چھپا کر منہ کو یار
یہ شبِ غم دیکھیے عاشق سحر کیونکر کریں

اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہے یاں کی خاک سے
زندگی میں کوئے قاتل سے سفر کیونکر کریں

حاصلِ اہلِ محبت غیرِ محرومی نہیں
بیدِ مجنوں بو کے اُمیدِ ثمر کیونکر کریں

وہ بھی مانندِ چراغِ صبح دم مہمان ہے
مرگ کی لیلیٰ کے مجنوں کو خبر کیونکر کریں

شاعروں سے سنتے ہیں ہم ہیچ اسے، معدوم اُسے
یار کا پیدا دہن، ثابت کمر کیونکر کریں

آج تک اپنی جگہ دل میں نہیں اپنے ہوئی
یار کے دل میں بھلا پوچھو تو گھر کیونکر کریں

ہر نگہ دارُوئے بے ہوشی کا رکھتی ہے اثر
جام اُن آنکھوں کے دیکھیں بے خبر کیونکر کریں

روئے روشن پر نہ رکھے تو جو اے یوسف نقاب
شعبدہ رخ کا ترے شمس و قمر کیونکر کریں

سنگِ خارا سے نہیں سختی میں کم دل یار کا
سامنا پتھر کا ہے نالے اثر کیونکر کریں

دردِ سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائے گا
ہو سکے آتش نہ جو وہ دردِ سر کیونکر کریں

بلا اپنے لیے دانستہ ناداں مول لیتے ہیں
عبث جی بیچ کر اُلفت کو انساں مول لیتے ہیں

نہ پوچھ احوال بے درد! اپنے بیمارِ محبت کا
زمیں اُس کے لیے اب تو عزیزاں مول لیتے ہیں

میں اُس گلشن کا بلبل ہوں بہار آنے نہیں پاتی
کہ صیاد آن کر میرا گلستاں مول لیتے ہیں

مگر جانا نہیں شاید کہ یاں سے اہلِ عالم کو
یہ دو دن کے لیے کیا قصر و ایواں مول لیتے ہیں

کیا مُو نقش پائے مور ہم کو خاکساری نے
جواب بھی چاہیں تو تختِ سلیماں مول لیتے ہیں

عزیزِ خلق اتنا تو کیا ہے مجھ کو داغوں نے
کہ مردم جان کر سروِ چراغاں مول لیتے ہیں

ہمارا شعر ہر اک عالمِ تصویر رکھتا ہے
مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں

ترے ابرو کے سودائی نہایت تنگ ہیں قاتل
گلے کے کاٹنے کو تیغِ عریاں مول لیتے ہیں

یہ آتش نالۂ عشاق معشوقوں کو بھایا ہے
کہ صیادوں سے مرغانِ خوش الحاں مول لیتے ہیں

چاہتا ہوں جو وفا طینتِ دلبر میں نہیں
ہے وہ مطلوب مجھے جو کہ مقدر میں نہیں

آتش افروزیِ گردوں ہے تماشا مجھ کو
حجرہ جز سایۂ دیوار مرے گھر میں نہیں

گرد پھرتا قدِ موزوں کے ترے اے محبوب!
کیا کرے طاقتِ رفتار صنوبر میں نہیں

بالِ پرواز خطِ شوق ہے اپنا، ورنہ
طاقت اُس بام تک اُڑنے کی کبوتر میں نہیں

لے چلی ہے جو قضا مجھ سے قدح کش کو بہشت
ظرف گنجائشِ مے چشمۂ کوثر میں نہیں

کندہ کرنا یہ مرے سنگ لحد پر پسِ مرگ
رحم اصلا دلِ خوبانِ ستمگر میں نہیں

غیر خواہاں ہو ترے وصل کا اے یار تو کیا
حصۂ خضر جو ہے بختِ سکندر میں نہیں

بارہا اس کو بھی سونگھا ہے، اُسے بھی ہم نے
زلفِ محبوب میں جو بو ہے وہ عنبر میں نہیں

تیرے دانتوں کی چمک یار نہیں ہیرے میں
جو صفا اُن کی سفیدی میں ہے، گوہر میں نہیں

بُت پرستی کو نہ آتش کے سمجھ لا حاصل
شیخ! اللہ بھی تو کعبے کے پتھر میں نہیں

دھیان آیا ہے جو اُس خورشید رو کا خواب میں
تر ہوا ہوں میں پسینے سے شب مہتاب میں

آسماں جو کچھ کہ ایذا دے اُس کم جانیے
کھال کھنچتی ہے ہمیشہ خانۂ قصاب میں

عکس جو اس میں پڑا ہے شستِ زلفِ یار کا
مچھلیاں جوہر بنی ہیں آئینے کا آب میں

تیرہ روزانِ ازل کو نور سے بہرہ نہیں
شور اکثر کرتے ہیں کوئے شب مہتاب میں

یار کے ہمراہ اگر دریا نہانے جاؤں میں
مردمِ آبی جلیں میرے حسد سے آب میں

زندگانی سے دلِ محزوں عبث ہوتا ہے تنگ
دیکھنے کا پھر نہیں عمرِ رواں کو خواب میں

چہرۂ محبوب سے کیونکر اُسے تشبیہ دوں
نقص ظاہر ہے جبیں کے داغ کا مہتاب میں

آج تک حالِ دلِ بے تاب سے واقف نہیں
یار کو جھلواؤں گا اک دن چہِ سیماب میں

طاقِ ابروئے صنم سے ہے اسے تشبیہ تام
برہمن سجدہ کریں گے کعبے کی محراب میں

گردشِ دوراں سے مردانِ خدا بے باک ہیں
نوحؑ کی کشتی کو اندیشہ نہیں گرداب میں

سامنا اپنا کسی جنگل میں ہو گا موت سے
یاں کفن کے چور کا حصہ نہیں اسباب میں

دن کو بیداری میں زندوں سے نہیں پاتا فراغ
رات بھر مردے نظر آتے ہیں مجھ کو خواب میں

آئینے میں عکسِ چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ لے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں

یار قابو پر چڑھا میرے اندھیری رات میں
آبِ حیواں خضر کو ہاتھ آ گیا ظلمات میں

خال کا مجھ کو تصور، زلف کو میرا خیال
دانے کی تدبیر میں مَیں، دام میری گھات میں

اور مجھ عریاں سے کیا ہاتھ آئے گا قزاق کو
جامۂ خاکی کو لے لے آسماں خیرات میں

جوشِ گریہ سے نشانِ سبزۂ مژگاں مٹا
سچ ہے جل جاتی ہیں اکثر بوٹیاں برسات میں

میں سمجھتا ہوں تجھے موجود اے جانِ جہاں
دہریوں کو شبہ ہووے گا خدا کی ذات میں

روئے گل پر دیکھ کر شبنم کو کہتا ہے وہ گل
کیا ہی پھبتی ہے یہ کیڑا لگ گیا بانات میں

کس جگہ سودائی تیری چشمِ فتاں کے نہیں
سرمہ آتا ہے صفاہاں سے تجھے سوغات میں

ہونٹھ چٹواتی ہے اُس شیریں دہن کی گفتگو
سن لیا مصری کی ڈلیوں کا مزہ ہے بات میں

پسینے کو آتش شیدا کے گاتی باندھ کر
دلربائی ختم کی اُس جانِ جاں نے گات میں

مرے دل شوقِ فغاں نہیں مرے لب تک آتی دعا نہیں
وہ دہن ہوں جس میں زباں نہیں وہ جرس ہوں جس میں صدا نہیں

نہ تجھے دماغِ نگاہ ہے نہ کسی کو تابِ جمال ہے
انھیں کس طرح سے دکھاؤں میں وہ جو کہتے ہیں خدا نہیں

کسے نیند آتی ہے اے صنم ترے طاقِ ابرو کی یاد میں
کبھی آشنائے تہِ بغل، سرِ مرغِ قبلہ نما نہیں

عجب اس کا کیا نہ سماؤں میں، جو خیال دشمن و دوست میں
وہ مقام ہوں کہ گزر نہیں وہ مکاں ہوں کہ پتا نہیں

یہ خلاف ہو گیا آسماں، یہ ہوا زمانے کی پھر گئی
کوئی گل کھلے بھی تو بو نہ دے، کہیں حسن ہے تو وفا نہیں

مرضِ جدائی یار نے، یہ بگاڑ دی ہے ہماری خو
کہ موافق اپنے مزاج کے نظر آتی کوئی دوا نہیں

مجھے زعفران سے زرد تر غمِ ہجر یار نے کر دیا
نہیں ایسا کوئی زمانے میں، مرے حال پر جو ہنسا نہیں

مرے آگے اس کو فروغ ہو، یہ مجال کیا ہے رقیب کی
یہ ہجومِ جلوۂ یار ہے کہ چراغ خانہ کو جا نہیں

چلیں گو کہ سیکڑوں آندھیاں، چلیں گرچہ لاکھ گھرائے فلک
بھڑک اُٹھے آتشِ طور پھر، کوئی اس طرح کی دوا نہیں

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
رہی ہے ایک تصویرِ خیالی رو برو برسوں

ہوا مہمان آ کر رات بھر وہ شمع رو برسوں
رہا روشن مرے گھر کا چراغ آرزو برسوں

چمن میں جا کے بھولے سے میں خستہ دل کراہا تھا
کیا کی گل سے بلبل، حیلۂ دردِ گلو برسوں

برابر جان کے رکھا ہے اُس کو مرتے مرتے تک
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

تلاشِ مشک میں چین و ختن کی خاک چھانی ہے
پھرے ہیں زلف کے سودے میں ہم آشفتہ مو برسوں

ملی ہے ہم کو بھی خم خانۂ افلاک میں راحت
سرہانے ہاتھ رکھ کر سوئے ہیں زیرِ سبو برسوں

بطے کا شکار ابر و ہوا میں جا کے کھیلا ہے
کیا ہے غم غلط ہم نے کنارِ آب جو برسوں

شرابِ وصل سے اپنے چھکا اک جلد اے ساقی
پیا ہے جونک بن کر ہجر نے تیرے لہو برسوں

بسر کی مدت العمر اپنی سیرِ باغ و بستاں میں
سنگھائی گل نے اُس گل پیرہن کو ہم کو بو برسوں

دیا ہے حکم تب پیرِ مغاں نے سجدۂ خم کا
کیا ہے جب شرابِ ناب سے ہم نے وضو برسوں

فنا ہو جائے گی جاں اپنی، وہ نازک طبیعت ہوں
دُکھا کر دل مرا پچھتائے گا وہ تند خو برسوں

بہارِ گل گئے پر بھی نہ سودا جائے گا اپنا
ہمارا پیرہن پھٹ پھٹ کے ہووے گا رفو برسوں

نظر آیا نہ اک دن راہ میں وہ نور کا بکا
اُڑائی جس کی خاطر خاک ہم نے کو بہ کو برسوں

ملا ہے باوفا بھی کوئی ان لوگوں سے سچ کہنا
خراب اے دل رہا ہے کشورِ خوباں میں تو برسوں

یہی اب عزم ہے بالجزم دل میں، یار کو ڈھونڈیں
تلاش اس شش جہت میں کر چکے ہم چار سو برسوں

اگر میں خاک بھی ہوں گا تو آتش گرد باد آسا
رکھے گی مجھ کو سرگشتہ کسی کی جستجو برسوں

ند سے منہ کو ترے یاد کیا کرتے ہیں
شبِ مہتاب میں فریاد کیا کرتے ہیں

صورتِ خواب فراموش ہے یاں عشقِ صنم
اپنے اللہ کو ہم یاد کیا کرتے ہیں

شہر مسکن کبھی اپنا، کبھی جنگل ماوا
سیرِ ویرانہ و آباد کیا کرتے ہیں

ایک سا ظاہر و باطن نہیں معشوقوں کا
پردۂ ناز میں بیداد کیا کرتے ہیں

شاعروں نے قدِ موزوں کو ترے دیکھا ہے
مصرعِ سرو پہ ایراد کیا کرتے ہیں

صاحبِ حسن و صانع نے بنایا ہے تجھے
حسرتِ بندگی آزاد کیا کرتے ہیں

حال دیکھا ہے جنھوں نے کہ وہ میرا تجھ سے
حذر اے ظلم کی بنیاد کیا کرتے ہیں

لالہ و گل کا نشاں رکھتی نہیں گل چینی
باغباں باغ کو برباد کیا کرتے ہیں

کیا کہوں یار سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے
حضرتِ دل جو کچھ ارشاد کیا کرتے ہیں

دیکھیے کٹ چکے کب زیست کا اپنے یہ پہاڑ
دردِ سر صورتِ فرہاد کیا کرتے ہیں

بلبلوں کے جو گلے کھولے ہیں لا کر تہِ دام
چھپ کے باغ میں صیاد کیا کرتے ہیں

غمِ شبِ ہجر میں اپنے نہیں درپیش آتا
ذکر سے وصل کے دل شاد کیا کرتے ہیں

ذکرِ عاشق سے نہیں ایک دم اُن کو فرصت
ناز و انداز وہ ایجاد کیا کرتے ہیں

آتشیں نالوں کی اللہ رے گرمی شبِ ہجر
نرم تر موم سے فولاد کیا کرتے ہیں

سنتے ہیں شوقِ شہادت کا جو میرے شہرہ
یاد آتش مجھے جلاد کیا کرتے ہیں

اُلجھا ہے دل بتوں کے گیسوئے پُرشکن میں
اُگتی ہے جائے سبزہ کنگھی مرے چمن میں

لٹکیں گے دلو بن کر دل زلف کی رسن میں
دکھلائے گا پسینا پانی چہِ ذقن میں

شیریں زبان ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں
لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں

عطرِ گلاب مَل کر، حلقے میں یار بیٹھا
بلبل پکڑنے آیا، صیاد انجمن میں

ذکرِ فقیر آگے اُس بُت کے بھولتا ہے
اب کی گرہ میں دوں گا زنار برہمن میں

حاصل کیا ہے تو نے صدقے سے اس قدر زر
سونے کے بت بندھے ہیں بازوئے برہمن میں

آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں، گلوں نے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں

اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے
نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نو رتن میں

دو روز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا
بوئے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں

قاتل کا میرے منکر میداں میں آ کے سن کے
آوازِ الاماں ہے اب تک بلند رن میں

میداں کیا گرا کر اشکوں نے گھر ہمارا
دکھلائی سیرِ غربت سیلاب نے وطن میں

چشمِ سیہ سے تیرے پردے میں تو تنا کے
تعلیم ہونے آیا فتنہ فریب فن میں

ترکِ فلک ہے پنہاں تھا
آنکھ جو ہو تو کر لے تمیز مرد و زن میں

چشم و کمر سے
کیا شاخ ہے ہرن میں

بازار مصر میں چل یوسفؑ کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

بعدِ فنا رہے گا علم اپنا اپنے ہمرہ
مضمونِ مردہ ہم کو ہاتھ آئے گا کفن میں

اُس کو دکھا کے تم نے اُس پر جو تیر جوڑا
پیروں رہی لڑائی شیر اور کرگدن میں

دنیا کی زیب و زینت کفار کو مبارک
ہندو کے مردے لپٹیں کمخواب و گلبدن میں

سنبل سے بال اُس نے جس روز سے منڈائے
کنگھی دوا کی خاطر ملنے لگی چمن میں

آنکھوں کے سامنے سے دل کو مرے چرایا
خالِ سیہ ہے طرۂ اُس سارقی کے فن میں

دل میں خیالِ حسنِ محبوب روز و شب ہے
اُترا ہوا ہے یوسف مہماں سرائے تن میں

معمورۂ حلاوت وادی ہے واصلوں کا
شکر بھرے ہوئے ہیں مور و مگس دہن میں

بوسے میں لب کے مِس کر دنداں دکھائے اُس نے
بجلی گرائی مجھ پر تقدیر نے یمن میں

صحرا کو بھی نہ پایا، بغض و حسد سے خالی
ساکھو جلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں

کوئی نہیں ہے تیرا مقدور ہو تو آتش
دے رکھ اجور دستِ غسّال و گورکن میں

مضمونِ آہ کیا مرے دیواں سے دور ہوں
ممکن نہیں کہ سرو گلستاں سے دور ہوں

قاتل سے اپنے مرتبۂ عشق ہے مجھے
میرے لہو کے داغ نہ داماں سے دور ہوں

صاف اس قدر ہے چہرا ترا، دیکھ کر جسے
رنج و ملال، خاطرِ انساں نے دور ہوں

یا رب! برا ہو اخترِ بختِ سیاہ کا
اس چاندنی میں ہم مہِ تاباں سے دور ہوں

پاتا ہوں اس قدر دلِ عالم سیاہ میں
شمع و چراغ گورِ غریباں سے دور ہوں

اے خضر! ناگوار ہے پانی کا بھی سلوک
ہم تو کھڑے بھی چشمۂ حیواں سے دور ہوں

روباہ بازیوں سے فلک کے قریب ہے
شیروں کے نام دفترِ سلطاں سے دور ہوں

پست و بلند شعر ہزاروں ہے ڈھل گئے
کیونکر یہ آسمان و زمیں یاں سے دور ہوں

آتش غمِ حسینؑ میں رو! ہنس رہا ہے کیا
سطریں کی سطریں نامۂ عصیاں سے دور ہوں

دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں

نزدیک آ چکی ہے سواری بہار کی
برگِ خزاں رسیدہ گلستاں سے دور ہوں

دل اس قدر گداز ہے، برسوں ہی غم رہے
آنسو جو اپنے دیدۂ گریاں سے دور ہوں

مٹتا نہیں نوشتۂ قسمت کسی طرح
جوہر کبھی نہ خنجرِ براں سے دور ہوں

فصلِ بہار آئی ہے کپڑوں کو پھاڑیے
دل کے بخار دست و گریباں سے دور ہوں

چھڑکاؤ کا ارادہ ہے چشمِ پُر آب کا — گرد و غبار کوچۂ جاناں سے دور ہوں
یہ تنگ کر رہا ہے تو الجھا رہے ہیں وہ — دامن کے پاٹ پہلے گریباں سے دور ہوں
وحش و طیور کو مری آہیں کریں ہلاک — آب و گیاہ کوہ و بیاباں سے دور ہوں
ممکن نہیں نجات اسیرانِ عشق کو — یہ قیدی وہ نہیں کہ جو زنداں سے دور ہوں
مدت کے بعد آئے ہیں صحرا میں اے جنوں! — دو آبلے تو خارِ مغیلاں سے دور ہوں

گردش سے چشمِ یار کے آتش عجب نہیں
جو جو عمل کہ گردشِ دوراں سے دور ہوں

تجھ سا کوئی زمانے میں معجز بیاں نہیں — آگے ترے مسیح کے منہ میں زباں نہیں
اُس غیرتِ پری کا فسانہ کہاں نہیں — وہ بزم کون سی ہے کہ یہ داستاں نہیں
پروانوں کو جلائیں گے کھا کر سگ و ہما — شمعیں ہیں سوزِ غم سے مرے استخواں نہیں
عاشق کو دور جان، نہ اے ماہِ پشتِ بام! — موجود ہے کمند اگر نردباں نہیں
کٹ جائے وہ زباں جو کہے شمع یار کو — ہرگز دہانِ یار سے باہر زباں نہیں
نیچی نگاہ اُن کی ہے صیاد کی کمیں — ٹٹی شکار کی ہے، حجابِ بتاں نہیں
دو گوہر اک صدف میں ہزاروں جو ڈھونڈیے — دو دل کا ایک سینے کے اندر مکاں نہیں
معلوم کچھ نہیں کہ چلی جاتی ہے کہاں — ریگِ رواں سے کم مری عمرِ رواں نہیں
بوسہ عزیز ہم سے کرے تو ہزار حیف — کتے سے تیرے ہم کو عزیز استخواں نہیں
طاقِ بلند پر اسے رکھتا ہے آسماں — کلغی تو تاجِ یار کی یہ کہکشاں نہیں
دو چار زخمیوں کا بھی ہونا ضرور ہے — کوچہ ترا چمن ہے، مگر ارغواں نہیں
بعدِ فنا کھلے گی تجھے قدرِ زندگی — کوڑی کے مول بکنے کے یہ استخواں نہیں
زانو وہ آئینے ہیں، نہیں جس میں جائے زنگ — ساقیں تری وہ شمعیں ہیں جن میں دھواں نہیں
بختِ بلند رکھتے ہیں، گردن بلند لوگ — کب پشتِ فیل و اسپ کے اوپر نشاں نہیں
رنگیں رہے گا خونِ شہیداں سے کوئے دوست — فردوس کی بہار کو بیمِ خزاں نہیں
مطلب کی میرے یار نہ سمجھے تو کیا عجب — سب جانتے ہیں تُرک کی ہندی زباں نہیں
نزدیک ناف تو ہے، دشمن ہے اگرچہ دور — گر پڑ گڑھے ہی میں جو میسّر کنواں نہیں
اے دل! نہ بے قرار ہو موقوف وقت ہے — مفلس نہیں میں قیمتِ یوسفؑ گراں نہیں
کس دشت میں کیا ہے قضا نے مرا گزار — گرد و غبار ہے اثرِ کارواں نہیں

ہر مہ جبیں کا عرش کے اوپر دماغ ہے
کس کا بلند بام سے یاں آستاں نہیں

رکھا ہے جب سے ہم نے تری راہ میں قدم
ان لعبتوں کو رتبۂ سنگِ نشاں نہیں

مشقِ خرامِ ناز تو کرتا ہے جس جگہ
ملتا زمیں کے پلّے میں واں آسماں نہیں

آزادہ ہو کے یادِ گرفتاری آئے گی
کنجِ قفس میں خار و خسِ آشیاں نہیں

آتش ہی بہرہ مند نہیں فیض سے ترے
اس خوان پر وہ کون ہے جو میہماں نہیں

خاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ غبارِ دامن
کمرِ یار سے اُٹھتا نہیں بارِ دامن

نہ تو دشمن کوئی میرا، نہ کوئی میرا دوست
بارِ خاطر نہ کسی کا، نہ غبارِ دامن

بسکہ رہتا ہے مرے دیدۂ تر پر شب و روز
ابر دامن ہے، رگِ ابر ہے تارِ دامن

تیرے دیوانے ہیں ہم چاکِ گریباں تب سے
جب کہ رہتا تھا تو اے طفل! سوارِ دامن

خون کے اپنے جو چھینٹے پڑے اُس پر قاتل!
سیرِ گلزار دکھا دے گی بہارِ دامن

چاک ہوگا نہ گریبان سے جب تک وہ چند
موسمِ گل میں نہ نکلے گا بخارِ دامن

فرقتِ یار میں اشکوں کو مرے روک سکے
آستیں کا ہے نہ یہ کام، نہ کارِ دامن

موسمِ گل کی ہوا چلتے ہی پاؤں کو مرے
خار کی طرح کھٹک جاتے ہیں تارِ دامن

وہ قبا پوش چمن میں جو کبھی جاتا ہے
گل گریباں کو کرتے ہیں نثارِ دامن

داغ خون اپنے چھڑانے کا نہیں وہ خوں ریز
بوٹی بن جائے گی قاتل کی کنارِ دامن

رشتۂ دام سے تار اس کا نہیں کم کوئی
خارِ صحرا کو سمجھتا ہوں شکارِ دامن

پائی جاتی ہے محبت مجھے اُن سے آتش
کھینچتے ہیں مرے دامن کو جو خارِ دامن

طفلی سے اور قہر ہوا وہ شباب میں
تابش ہو دوپہر کو فزوں آفتاب میں

گو عاشقوں میں نام سرِ فرد ہے رقم
بھولا ہے مجھ کو صاحبِ دفتر حساب میں

جلوے سے تیرے نور جو بالائے بام ہے
یہ روشنی نہیں فلکِ آفتاب میں

ٹٹی کے اوٹ میں وہ کیا کرتے ہیں شکار
منہ کو چھپائے رکھتے ہیں اپنے نقاب میں

ایسا بھنتا ہے آتشِ فرقت میں دل مرا
سونگھو تو بوئے گوشت نہیں اِس کباب میں

آنکھ اپنی پڑنے کی نہیں اُس رُخ کو دیکھ کر
ذرّے رہیں مشاہدۂ آفتاب میں

ابرو کا تیرے دیدۂ تر میں رہا خیال
دیکھا کیے ہلال کو ہم طشتِ آب میں

جب اشتیاق لکھا ہے خوں خوار یار کو
قاصد کا کشتہ آیا ہے خط کے جواب میں

کس کس کے دل میں نقش ہوا روئے یار کا
کیا کیا نگیں کھدے، شرف آفتاب میں

ہوتے ہیں قتل طالب دیدار بے گناہ
عریانی تیغ کی ہے تمہارے حجاب میں

اُس لالہ رُو کے رُخ کے پسینے کو سونگھیے
ایسی لطیف بُو نہیں آب گلاب میں

خط کے یہ رو نکلتے نہیں رخسار یار پر
بال آ گئے ہیں آئینۂ آفتاب میں

گلگونِ یار چال ہے چلتا بہار کی
گلہائے باغ رہتے ہیں اُس کی رکاب میں

جانِ عزیز کرتے ہیں تم پر نثار ہم
دل کس شمار میں ہے، جگر کس حساب میں

آنکھوں کو گور میں بھی رہے گا خیالِ یار
مشتاق ہوں زیارتِ یوسفؑ کا خواب میں

نافہم شاعروں نے کہا ہے جو پیچ اُسے
زلفوں سے وہ کمر ہے سوا پیچ و تاب میں

بے یار گھر نہیں لحدِ تنگ ہے مجھے
روز و شب فراق سے ہوں کس عذاب میں

مجھ مست کو بہار میں ہے آرزو یہی
دریا دلی سے ساقی کی تیروں شراب میں

دریا سے کیا نہا کے پھرا ہے وہ بحرِ حسن
عالم یہ ہے کہ چشمِ سفید حباب میں

اے شہ سوار! گورِ غریباں میں آ نکل
اپنی بھی مشتِ خاک ہو تیری رکاب میں

دنیا سے رسم و راہ محبت کی اُٹھ گئی
سنتے ہیں اب تو عاشق و معشوق خواب میں

وہ مست ہوں، خمار سے جب دردِ سر ہوا
صندل لگایا میں نے رگڑ کر شراب میں

رخسار سے رہا دہنِ یار ناپدید
مطلب دقیق تھا، نہ سمایا کتاب میں

سرخ و سفید رنگ کیا جسمِ یار کا
میدا خمیر کر کے قضا نے شہاب میں

آ جائے شام سے تو نہ جانے دوں صبح تک
اُس ماہِ چاردہ کو شبِ ماہتاب میں

بینی و چشم لب رخِ رنگینِ یار پر
گلہائے چیدہ ہیں چمنِ انتخاب میں

آتش صنم بھی کرنے لگے بے نیازیاں
ہیں لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں

خدا بخشے صنم یہ کہہ کے مجھ کو یاد کرتے ہیں
دعائے مغفرت میرے لیے

بہارِ رنگِ گلبرگِ خزانی یاد کرتے ہیں
جرس کی طرح سے واماندگاں

نوازش مجرمانِ عشق کی جلاد کرتے ہیں
خدا اجر اُن کو دے اس کا، اسیر

بلائے جاں ہیں پُتلے خاک کے بیداد کرتے ہیں
پری کو بند شیشے میں یہ

خدا محفوظ رکھے دل کو اُن زلفوں کے سودے سے
گرفتارِ بلا یہ سلسلے

قفس میں جسم کے، مرغِ دل اپنا سر پٹکتا ہے
کسی پازیب کے دانے

مکیں ہر معنیِ روشن، مکاں ہر بیتِ موزوں ہے
غزل کہتے نہیں ہم چند گھر آباد کرتے ہیں

قدِ موزوں، رخِ رنگیں دکھا، قمری و بلبل پر
قیامت سرو، گلہائے چمن بیداد کرتے ہیں

کڑتا ہے بجا جو یہ سمجھ کر سرو اکڑتا ہے
جسے بندہ سمجھتے ہیں اُسے آزاد کرتے ہیں

عجب کیا ہے جو بوسے لوں میں پیشانیِ مجنوں کے
توجہ کس قدر شاگرد پر اُستاد کرتے ہیں

خدا جانے یہ آرائش کرے گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینے کو یاد کرتے ہیں

یہ شاعر ہیں الٰہی! یا مصور پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے، نرالی صورتیں ایجاد کرتے ہیں

شرابِ کہنہ سے آلودہ یوں ہوتے ہیں ہم مے کش
عروسِ نو سے قربت جس طرح داماد کرتے ہیں

خیالِ خط وصالِ بوسۂ لب میں نہیں رہتا
عبارت بھول جاتی ہے جو مطلب یاد کرتے ہیں

بُتوں کے عشق نے آخر دکھایا دل کو اُن کے بھی
برہمن پردۂ ناقوس میں فریاد کرتے ہیں

گنہگاروں کو گردن مارتے ہیں حکمِ شارع سے
خیال اپنے گناہوں کا نہیں جلاد کرتے ہیں

نبردِ عشق میں اللہ حامی ہے غریبوں کا
پیادوں کی سوارِ غیب یاں امداد کرتے ہیں

قدم رہتا ہے ثابت جن کا اس سختیِ دوراں میں
بہادر ہیں وہی سر قلعۂ فولاد کرتے ہیں

قدِ موزونِ دلبر کیونکر اُن اندھوں کو دکھلاؤں
ارادہ تاڑ سے بڑھ چلنے کا شمشاد کرتے ہیں

کڑے پن کو ہمارے خاکساری نے کیا زائل
وہ جوہر ہے یہ جس سے کشتۂ فولاد کرتے ہیں

زباں سے اپنی دیوانہ نہ کہہ اے ماہرو مجھ کو
وہی ہوتا ہے جو صاحب کمال ارشاد کرتے ہیں

وہ کافر ہے جو منکر ہے قدِ بالا کے کشتوں کا
یہ کن کی خاک سے نشو و نما شمشاد کرتے ہیں

کوئی ذرّہ تو اس کا تا بہ دامن اُڑ کے پہنچے گا
یہ مشتِ خاک تیری راہ میں برباد کرتے ہیں

عجب نعمت عطا کی ہے خدا نے اہلِ غیرت کو
عجب یہ لوگ ہیں غم کھا کے دل کو شاد کرتے ہیں

کمر باندھی ہے گل چینوں نے غارت پر گلستاں کے
اجارہ بلبلوں کے خون کا صیاد کرتے ہیں

پہنتے ہیں کفن میلا ہوا جاتا ہے اے آتش
سرائے گور ویراں ہے اُسے آباد کرتے ہیں

لالۂ بے داغ تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں
ایک بت اس حسن کا دیرِ برہمن میں نہیں

یاسمیں میں عالم اُس رُخ کی صباحت کا کہاں
جو ملاحت خالِ مشکیں میں ہے، سوسن میں نہیں

باغ ہے بے یار اپنی آنکھ میں ماتم سرا
اشک ہیں شبنم کے قطرے گل کے دامن میں نہیں

فصلِ گل میں سامنا چاکِ گریباں سے نہ ہو
ہے نگہ بدبیں کی رشتۂ چشمِ سوزن میں نہیں

خط کو رکھوا کر۔ نہ کر اندھیر اے خورشید رو
تیرہ شب ہے روشنی جب روزِ روشن میں نہیں

شہر سے جاتا ہوں میں دیوانہ صحرا کی طرف — سنگ ریزے اب کسی لڑکے کے دامن میں نہیں
تیرے دیوانوں کو نفرت ظاہر آرائی سے ہے — پاؤں میں بیڑی نہیں ہے، طوق گردن میں نہیں
ہڈیاں کھدوا کے پھنکوادی ہیں اُس سفاک نے — عاشقوں کے مردے اپنے اپنے مدفن میں نہیں
جلوۂ خورشید کر جاوے گا، اس پر کار برق — قطرۂ شبنم ہیں دانے اپنے خرمن میں نہیں
ٹھگ کی پھانسی سے بلا حلقے ہیں زلفِ یار کے — ابروؤں کی کج ادائی تیغِ رہزن میں نہیں
چشمِ بد بیں کا نہیں اندیشہ حسنِ یار کو — کون سا ہے حرز جو بازو کے جوشن میں نہیں
گھر میں اُس خورشید رُو کے رہتی ہے حاضر صبا — ذرّے کو پروانگی آنے کی روزن میں نہیں
بے چھری کرتے ہیں کافر عاشقوں کو اپنے ذبح — جوہرِ قصاب کس طفلِ برہمن میں نہیں
آب کے بدلے شرابِ سرخ نہروں میں بہا — باغباں جو پھول ہے وہ تیرے گلشن میں نہیں
شکر کے سجدے کا میرے سر کو سودا چاہیے — محو یادِ دوست میں ہوں، فکرِ دشمن میں نہیں
موم کے مانند ہے ہر چند جسم اُن کا گداز — سینے کی سختی جو ڈھونڈھو سنگ و آہن میں نہیں

اشتیاقِ تیغِ قاتل کا نہ آتش حال پوچھ
جان کو دل بھیجتا کس روز گردن میں نہیں

ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں — ہوتا ہے اک بہشت کا دانہ انار میں
بلبل نہ ہاتھ آئے الٰہی! شکار میں — صیاد باغ باغ نہ ہووے بہار میں
اے تُرکِ مست! بہرِ خدا صید گاہ چل — آہو کباب ہوتے ہیں شوقِ شکار میں
افیونی کی نگاہ سے کی ہے کبھی جو سیر — باہر ہوئے ہیں پوست سے ہم لالہ زار میں
خونِ جگر سے اپنے غمِ دل ہوں پالتا — رکھتے ہیں طفلِ اشک کو مژگاں کنار میں
دکھلاتی ہے بہار خزاں میں بھی سیرِ باغ — پاتا ہوں تند خوئی کو اُس گل کے خار میں
سودا نہ سر سے جائے گا گیسوئے یار کا — عاقل کو پھانسی دیتا ہے یہ جن حصار میں
کیا کیا گلوں نے کان ہیں اپنے کھڑے کیے — آمد کو سن کے یار کی فصلِ بہار میں
تشبیہ دوں جو میں اُسے دندانِ یار سے — ہیرے کی ہو چمک گہرِ آب دار میں
اے طفل تب سے شوقِ ہم آغوشی ہے ہمیں — گہوارہ جب کے رکھتا تھا تجھ کو کنار میں
صحرائے تن کی سیر تو مجنوں ذرا کرے — محمل سوار ہے اسی گرد و غبار میں
کہہ دے کوئی یہ میرے تغافل شعار سے — وعدہ خلافی لاتی ہے فرقِ اعتبار میں
سودائے زلف و رُخ میں نہیں ایک جا قرار — گاہے حلب میں ہوتے ہیں ہم، گہ تتار میں

آیا وہ مہروش جو شبِ جمعہ قبر پر — دن کی سی روشنی ہوئی کنجِ مزار میں
جپتے ہیں اُس کے نام کو ہم سے ہزارہا — تسبیح اپنے یار کی ہے کس شمار میں
جامِ شرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر — بلبل چمن میں مست ہے، ہم کوئے یار میں
پھرتا ہوں، پھیرتا ہے وہ پردہ نشیں جدھر — پُتلی کی طرح سے نہیں میں اختیار میں
گیسو و روئے یار ہیں دونوں بلائے جان — ایک ایک سے زیادہ ہے ان گنج و مار میں
اک آفتابِ خانہ زیں کا ہے اشتیاق — مانندِ گردِ راہ ہوں، فکرِ سوار میں

برباد ہو رہے ہو کچھ آتش تمھیں نہیں
مٹی خراب اپنی بھی ہے اس دیار میں

پانی پانی نہ ہو خجلت سے تو انصاف نہیں — صاف ہے آئینہ، اُس رُخ سے مگر صاف نہیں
شبِ یلدا میں ہے مریخ ستارہ نکلا — اے پری سرخ تری چوٹی میں موباف نہیں
جوہری دیکھ کے سینے کو ترے کہتے ہیں — تختی الماس کی اس سے کبھی شفاف نہیں
دل فریبی کا نہیں کون سا انداز آتا — چھوڑتا جان کو عاشق کی وہ حراف نہیں
قامتِ یار کو دیکھے تو زمیں میں گڑ جائے — قد ہوا سرو کے ہو، وہ کمر و ناف نہیں
بند ہے سحر زبانی سے تری نطقِ مسیحؑ — جو کہے تو ہے سزاوار تجھے لاف نہیں
دو نگاہیں نہیں اگلی سی تمھاری ہم سے — حال پر اپنے وہ اشفاق، وہ الطاف نہیں
مصحفِ رو کی ترے کی ہے جو خط نے تفسیر — کس کو دکھلاؤں میں اس عہد میں کشاف نہیں
دولتِ وصل سے ہووے ہی گی اک روز فتوح — کون سی شب کو مرا وردِ چہل کاف نہیں
داغِ سودا کو لیے پھرتا ہوں بازاروں میں — پرکھے اس سکے کو ایسا کوئی صرّاف نہیں

دیکھ کر یار کو کہتا ہے یہ دل اے آتش
جان صدقے نہ ہو ایسے کی تو انصاف نہیں

صدمے پہنچے ہیں ہمارے بازوؤں پر سیکڑوں — گم ہوئے ہیں اپنے یوسفؑ سے برادر سیکڑوں
بے نیازی کے ہیں کشتے ناز پرور سیکڑوں — سوئیں شمشیرِ تغافل سے برابر سیکڑوں
عاشقِ مفلس تونگر حسن کی دولت کرے — سیر ہوں اس خوانِ نعمت سے قلندر سیکڑوں
چشمِ مستانہ کی گردش سے تہ و بالا ہوں دل — عشق بازوں کی صفیں اُلٹیں یہ ساغر سیکڑوں
یہ سعادت لکھی ہے قسمت میں کس کے دیکھیے — خون گرفتہ ایک میں ہوں اور خنجر سیکڑوں
جستجو اُس شوخ کی بدلے گی رنگِ آسماں — صبح سیارے سے پیدا ہوں گے اختر سیکڑوں

کون تجھ سا بادشاہِ وقت ہے آج اے صنم
کس کے کوچے میں فقیروں کے ہیں بستر سیکڑوں

کوئے جاناں کی زمیں ہموار ہو اے آسماں
پا برہنہ پھرتے ہیں یاں خاک برسر سیکڑوں

وہ رگِ سودا ہوں میں فرقت جنوں کے درمیاں
ٹوٹ کر رہ رہ گئے ہیں جس میں نشتر سیکڑوں

عید کی آمد ہے آرائش کی فکر اُس بت کو ہے
ہر طرح کے ہوتے ہیں تیار زیور سیکڑوں

پھر گئے ہیں معرکوں میں مجھ سے تلواروں کے منہ
سخت جانی نے مری توڑے ہیں خنجر سیکڑوں

فقر کے کوچے میں قدرِ دولتِ دنیا نہیں
ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتھر سیکڑوں

روندتا ہوں سبزۂ رہ کی طرح وہ بوٹیاں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں جن کو کیمیاگر سیکڑوں

میں ہی اپنے شوق کا نامہ اُسے لکھتا نہیں
اُڑ کے لے جانے کو حاضر ہیں کبوتر سیکڑوں

عاشقِ بے صبر کے دل کو نہ کیجیے ناپسند
مالِ مفلس مول لیتے ہیں تونگر سیکڑوں

جلوہ گر ہے حسن ہر جا عاشقوں کے واسطے
خوب صورت رکھتے ہیں یہ ہفت کشور سیکڑوں

احمقی ہے نعمتِ دنیا ملے تو شکر کر
مر گئے الجوع کہہ کہہ کر پیمبرؐ سیکڑوں

شعر گوئی عشق میں اک چہرۂ زیبا کے کی
وصفِ خال خط میں لکھے ہم نے دفتر سیکڑوں

صاف آئینہ نہ بن سکتا ترے رخسار سا
اک سکندر کیا، اگر ہوتے سکندر سیکڑوں

اُس نشاں سے قد کے ہوں گے مردِ میداں شیفتہ
جاں نثاری پر کمر باندھیں گے لشکر سیکڑوں

انجمن تک تو بھی آ مکتب سے اے خوش قد پسر
باغ میں پہنچے ذخیرے سے صنوبر سیکڑوں

کھیلنا آساں نہیں ہے کعبتینِ عشق کا
نقش سے اس کے ہیں مثلِ مہرہ ششدر سیکڑوں

نازِ سنجیدہ نے دکھلائے ہیں کیا کیا آب و رنگ
اس ترازو میں تلے ہیں لعل و گوہر سیکڑوں

مرغِ دل حاضر ہے، وہ چشمِ سیہ مائل تو ہو
صدقے اس شاہیں کے اُوپر سے کبوتر سیکڑوں

گل کی خوشبو پر نہ ہو جامے سے باہر عندلیب
سونگھے ہیں ہم نے بھی پیراہن معطر سیکڑوں

بارہا برپا قیامت کی خرامِ یار نے
جاگ اُٹھے فتنۂ خوابیدہ اکثر سیکڑوں

ہجر کی شب سے نہ ڈر، اے طالبِ روزِ وصال
گنتے گنتے صبح کر دینے کو اختر سیکڑوں

چشمِ معنی آشنا میں ہے مقام اُن کا وہی
سہوِ کاتب سے مقدم ہوں موخر سیکڑوں

بحرِ ہستی میں میں وہ کشتی ہوں جس نے بیشتر
شوق میں گرداب کے توڑے ہیں لنگر سیکڑوں

شوق ہو افشاں چھڑکنے کا تمھیں رخسار پر
تیغ میں ابرو کی پیدا ہوویں جوہر سیکڑوں

دل دیا چاہے تو آتش دل زبا موجود ہیں
خوب تر سے خوب تر، بہتر سے بہتر سیکڑوں

تری خوش چشمی کا افسانہ سناتا ہوں میں — خوابِ خرگوش سے آہو کو جگاتا ہوں میں
ہند سے دور جو کعبے کو سنا ہے میں نے — پھیر کھا کھا کے ترے کوچے کو جاتا ہوں میں
سینہ صافی سے ہے آئینے کو رتبہ حاصل — جیسا ہووے کوئی، ویسا نظر آتا ہوں میں
سرخ پوشاک پہنتا ہے تو کہتا ہے وہ تُرک — آنکھ مریخ لڑاوے تو لڑاتا ہوں میں
نعمتِ عشق بھی ممکن نہیں بے فضلِ خدا — شکر کرتا ہوں اگر داغ بھی کھاتا ہوں میں
ساقیا! جام کو اللہ سلامت رکھے — یہ قدح میرا ہے، خیر اس کی مناتا ہوں میں
بے نقاب آتا ہے گلگشت کو وہ رشکِ بہار — بلبلوں کو چمنستاں سے اُڑاتا ہوں میں
ساقیِ مے کدہ نے مجھ کو یہ خدمت دی ہے — نشے میں مست جو گرتا ہے، اُٹھاتا ہوں میں
شمع کی طرح سے جلنے لگے، شعلہ ہو بلند — سوزشِ دل کو زباں پر نہیں لاتا ہوں میں

کوئے مقصود کے سودے میں شب و روز آتش
جادے کی طرح تجھے راہ میں پاتا ہوں میں

دسترس شانے کے مانند جو پا جاتے ہیں — کوچۂ زلف میں جویائے بلا جاتے ہیں
عاشقوں کی ترے کوچے کو نہ کیونکر ہو رجوع — باغِ فردوس میں مردانِ خدا جاتے ہیں
اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی — لیے جاتی ہے جدھر ہم کو قضا، جاتے ہیں
اے صنم اُن کو کمر تک بھی خدا پہنچا دے — دوش تک تو ترے گیسوئے رسا جاتے ہیں
واہ ری بے بصری، واہ ری نابینائی — صورت آباد سے مشتاقِ لقا جاتے ہیں
صبح نزدیک ہے، بیدار ہو، مل لے، غافل — زہرہ و مشتری و ماہ و سہا جاتے ہیں
زہر کھاتے ہیں طلب گار شہادت قاتل! — ہاتھ سے تیرے، ترے بے سرو پا جاتے ہیں
کنجِ زنداں سے ہوئی تنگ، مری وحشت سے — وہ زمیں، ہفت فلک جس میں سما جاتے ہیں

رنج یاں جن کو ہے آتش انھیں واں راحت ہے
اے خوشا حال جو دنیا سے خفا جاتے ہیں

تیرا نیاز مند جو اے نازنیں! نہیں — دونوں جہاں میں اُس کا ٹھکانا کہیں نہیں
ہم بوسہ مانگیں اور کرے تو "نہیں نہیں" — انصاف چاہتا ہے یہ اے نازنین! "نہیں"
تیغ برہنہ کب نہیں قاتل کے ہاتھ میں — کس وقت کہنیوں سے چڑھی آستیں نہیں
فعلوں سے کچھ غرض نہیں، مطلب ہے یار سے — نظارہ بازِ حسن ہوں، میں قبح بیں نہیں
سودا زدوں سے اپنے نہیں بے خبر وہ زلف — کب بندوبستِ سلسلۂ عنبریں نہیں

فرمانِ قدرتی میں ہے طغرائے قدرتی
رخسارِ شاہِ حسن میں چینِ جبیں نہیں

آنکھیں دکھاؤ تم تو شیاطین بھاگ جائیں
تیرِ شہاب ہے نگہِ خشمگیں نہیں

رخسار بادشاہ ہے دل مجھ فقیر کا
اتنا تفاوت اس میں ہے، چینِ جبیں نہیں

عمرِ گزشتہ کا کہیں لگتا نہیں پتا
بالائے آسماں نہیں، زیرِ زمیں نہیں

پہنا کے تجھ کو دیکھتے اے جامہ زیب! حیف
کلیاں قبائے گل میں نہیں، آستیں نہیں

کوئی مرے، کوئی جیے، مطلق نہیں خیال
تم سا بھی بے نیاز کوئی نازنیں نہیں

گل ہوتے ہیں بہارِ چمن سے چراغِ عقل
کام آستیں کا کرتی ہے گو آستیں نہیں

ہم کو سنا کے کہتا ہے دل بھر کے جامِ عشق
جو چاہے پی لے، زہر ہے یہ انگبیں نہیں

اللہ بے خبر نہیں بندوں سے، بے خبر!
عالم سے غافل اپنے جہاں آفریں نہیں

آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹ اے خیالِ یار
تجھ سے کوئی عزیز دمِ واپسیں نہیں

دیتے ہو سیدھی بات کا اُلٹا ہمیں جواب
کیا دل پسند ہو، سخنِ دل نشیں نہیں

دیکھا مساس کرکے صبا کی طرح بہت
نازک ترے بدن سے میاں یاسمیں نہیں

سوزِ فراق سے نہ کچھ آتش کا حال پوچھ
دم اژدہے کا ہے نفسِ آتشیں نہیں

رہتے ہیں ہم روز و شب کوچۂ دلدار میں
عمر بسر ہوتی ہے سایۂ دیوار میں

دل نہ جہاں میں کسی چیز کا خواہاں ہوا
سیر ہی کو ہم مگر آئے تھے بازار میں

قیمتِ مالِ مزید، بیچتے ہیں جنسِ دل
کچھ بھی جو انصاف ہو چشمِ خریدار میں

نور کا بکا نہیں کوئی حسیں یار سا
روشنیٔ مہر ہے، چاند سے رخسار میں

راستی آئی پسند دل کو قدِ یار کی
لطف کجی کا ملا ابروئے خم دار میں

سیرِ ریاضِ جہاں رکھتی ہے دل کو اداس
بوئے محبت نہیں اک گلِ رخسار میں

کبک کی ہے یہ روش اور نہ طاؤس کی
اور ہی انداز ہے یار کی رفتار میں

کشورِ دل میں مرے یار ہے فرماں روا
سکۂ یوسف چلے مصر کے بازار میں

سرو سبک بار میں پیچشِ سنبل کہاں
فرق ہے آزاد میں اور گرفتار میں

عالمِ پیری میں شغل اس کا کرے آدمی
نشہ جوانی کا ہے بادۂ گلنار میں

کافر و دیں دار ہیں فہم سے اپنے خلاف
رشتہ وہی ایک ہے سبحہ و زنار میں

سرو کو لگا نہیں قامتِ دلچسپ سے
گل نہیں رخسار سا یار کے گلزار میں

یار کے اک پیچ کا اس میں تکلف نہیں
طرۂ زریں کہاں لالہ کی دستار میں

ہجر کی طاقت نہیں دل کو مرے بعدِ وصل
زہر ملا لیجیے شربتِ دیدار میں

دیکھیے آتش قدم رکھتے ہیں ان پر وہ کب
آنکھیں بچھائیں تو ہیں ہم نے رہ یار میں

گیسوؤں کا ترے سودا شعرا رکھتے ہیں
یہی باعث ہے جو یہ فکرِ رسا رکھتے ہیں

تابِ دیدار نہیں رکھتے ہیں، یا رکھتے ہیں
چشمِ بینا ترے مشتاقِ لقا رکھتے ہیں

تیرے خونی کفنوں کی یہ ادا رکھتے ہیں
پھول لالے کے لباسِ شہدا رکھتے ہیں

دست و پا میں جو حسیں رنگِ حنا رکھتے ہیں
خون ہفتاد و دو ملت کا روا رکھتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ نہیں دوسرا تجھ سا کوئی
اے صنم جھوٹ نہ بولیں گے، خدا رکھتے ہیں

کون سے پارۂ دل پر نہیں اک عشق کا داغ
نہ نگیں وہ ہیں کہ جو نقشِ وفا رکھتے ہیں

رم کر دیں گے دل سختِ صنم کو دمِ سرد
شرط اُلفت کی بھی اعمالِ جزا رکھتے ہیں

قلزمِ عشق میں تنکے کا سہارا بھی نہ ڈھونڈھ
آسرا وہ نہیں لیتے جو خدا رکھتے ہیں

روئے خورشید پر افشاں کا جو عالم دکھلائیں
یہ شرف ذرہ خاکِ شہدا رکھتے ہیں

پاؤں کو منزلِ مقصود میں مضطر سمجھے
طاقت اُٹھنے کی اگر دستِ دعا رکھتے ہیں

حالِ دل کہتا ہے یوسفؑ نہیں سنتا کوئی
گوشِ کر قافلے والوں کے درا رکھتے ہیں

محتسب عقل جو رکھتا ہے تو خم خانے نہ جا
شیشہ و جام مئے ہوش ربا رکھتے ہیں

مکاں دیر و حرم میں نہیں ہاتھ آنے کا
پاؤں توڑیں وہ جو یہ سر میں ہوا رکھتے ہیں

جامہ زیبوں سے میں تشبیہ گلوں کو کیا دوں
جس میں اک بند نہیں، وہ یہ قبا رکھتے ہیں

تیرے صدقے کا سمجھتے ہیں مگر چوراہا
چار ابرو کو یہ آزاد صفا رکھتے ہیں

بحرِ اُلفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے
ناخدا جو نہیں رکھتے، وہ خدا رکھتے ہیں

رضی حسن دو روزہ ہے یہ منڈ جاویں گے
عمر کو تہ ترے گیسوئے رسا رکھتے ہیں

دہنِ یار کو ہم تو نہ کہیں جوہرِ فرد
منطقی اس میں جو حجت کریں، جا رکھتے ہیں

جسمِ خاکی کے تلے جسمِ مثالی بھی ہے
اک قبا اور بھی ہم زیرِ قبا رکھتے ہیں

خوں جگر ہوتا ہے جو سنتا ہے رو دیتا ہے
درد آمیز فقیر اُس کے صدا رکھتے ہیں

اپنے ہر شعر میں ہے معنیِ تہ دار آتش
وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکا رکھتے ہیں

خانہ خراب نالوں کی بل بے شرارتیں
بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں

سر کون سا ہے جس میں کہ سودا نہیں ترا
ہوتی ہیں تیرے نقشِ قدم کی زیارتیں

خانہ ہے مجھے کا ہر اک قصرِ شہرِ عشق
گھر گھر ہیں بادشاہیاں، گھر گھر وزارتیں

دیدارِ یار برقِ تجلی سے کم نہیں
بند آنکھیں ہوں گی، دیں گی دعائیں بصارتیں

آنکھوں میں اپنے دولتِ بیدار ہیں وہ خواب
ہوتی ہیں تیرے وصل کی جن میں بشارتیں

کہتے ہیں مادر و پدر مہرباں کو بد
کرتے ہیں وہ جو ارض و سما کی حقارتیں

گویا زبان ہو تو کرے شکر آدمی
سمجھے جو تُو تو کرتے ہیں یہ گنگ اشارتیں

زیرِ زمیں بھی یاد ہیں ہفت آسماں کے ظلم
بھولا نہیں میں سنگ دلوں کی شرارتیں

خضرؑ و مسیحؑ کاٹتے ہیں رشک سے گلا
تو بھی تو کر شہیدوں کی زیارتیں

عالم کو لوٹ کھایا ہے اس پیٹ کے لیے
اس غار میں گئی ہیں ہزاروں ہی غارتیں

باقی رہے گا نام ہمارا نشاں کے ساتھ
اپنی بھی چند جیتیں ہیں، اپنی عمارتیں

اہلِ جہاں کا حال ہے کیا، تم سے کیا کہیں
بدگوئیاں ہیں پیچھے، تو منہ پر اشارتیں

نقش و نگارِ حسنِ بتاں کا نہ کھا فریب
مطلب سے خالی جان لے تو یہ عبارتیں

عاشق ہیں ہم کو مدِنظر کوئے یار ہے
کعبے کی حاجیوں کو مبارک زیارتیں

ایسی خلاف ہم سے ہوئی ہے ہوائے دہر
کافور کھائیے تو ہوں پیدا حرارتیں

آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

اس شش جہت میں خوب تری جستجو کریں
کعبے میں چل کے سجدہ تجھے چار سُو کریں

عاشق جو حسنِ پاک میں کچھ گفتگو کریں
دامن کا پیچھے نام لیں، پہلے وضو کریں

شرمندہ ہوں زمیں میں گڑیں، سرخ رُو کریں
اِستادگی جو سرو ترے روبرو کریں

پیدا کریں جو تجھ کو انھی کو ہے دسترس
بامرد ہیں وہی جو تری جستجو کریں

لے جا چکی چمن میں صبا بوئے زلفِ یار
سنبل کے سلسلے کو بھی برہم وہ مُو کریں

افسانہ گوئی اچھی گیسوئے یار میں
خاموش ہوں چراغ جو ہم گفتگو کر

دیوانگی کا سلسلہ جاوے نہ ہاتھ سے
دامن کو پھاڑ لیں جو گریباں رفو کر

اے بادشاہِ حسن! فقیروں کی طرح سے
عاشق دعائے خیر تجھے کو بہ کو کر

دیدارِ عام کیجیے، پردہ اٹھائیے
تا چند بندہ ہائے خدا آرزو کر

مستی میں مجھ سے بے ادبی ہو گی یار سے
مجھ کو گناہ گار نہ جام و سبو کریں

یوانِ حسن میں سے ہوئی ہے یہ انتخاب
عاشق مزاج سیرِ بیاضِ گلو کریں

وردِ زباں ہے روز و شب اُن کی ثنائے حسن
شایاں ہے جس قدر کہ یہ شاعر غلو کریں

لکھ دیتے ہیں حسینوں کو ہم خطِ بندگی
مشقِ ستم کو ترک جو یہ تندخو کریں

حیرانِ کار ہوں ترے رخسارِ صاف کا
سکتہ ہو آئینہ جو ترے روبرو کریں

مرغِ چمن ہوں زمزمہ پیرا بہار آئے
ہنگامہ گرم شیفتۂ رنگ و بو کریں

تاثیر وار لوگ ہیں اللہ کے فقیر
سنگِ صنم ہوں آب جو ہم ذکرِ ہُو کریں

موجود گو کہ تو ہے، مگر چاہتا ہے شوق
آوارہ ہوں، تلاش تری چار سو کریں

آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جس میں ہے قولِ درد
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

عاجز نہ ہو تصورِ حُسن و جمال میں
مہندی بندھی نہیں ترے پائے خیال میں

نسبت نہیں حسینوں کو تجھ سے جمال میں
بُو مشک کی ہے زلف میں، عنبر کی خال میں

آتی ہے کوہِ سوختۂ طور سے صدا
نظارۂ جمال غضب ہے جلال میں

لوثِ گناہ کا جو کبھی آ گیا دھیان
غوطے لگائے ہیں عرقِ انفعال میں

حسرت ہی آنکھ کو رہی اُس سبزہ رنگ کی
ریحاں ہرا ہوا نہ کبھی اس سفال میں

تسبیح تو نے ڈال کے گردن میں اے صنم!
کھینچا ہُما کو مرغِ مصلیٰ کے جال میں

جور و جفائے یار سے ترکِ وفا نہ کر
لطف اس معاملے کا نہیں انفصال میں

اُن ابروؤں سے بڑھ نہ چلیں وہ مسیں کہ ہم
ان چار خلط کا ہے مزا اعتدال میں

دورِ شراب حلقۂ بیرونِ در ہے یاں
اِس بزم میں ہے مست ہر اک اپنے حال میں

پیدا کرے جو تیرے سگِ کو کی منزلت
طوقِ طلائی ہووے گلوئے غزال میں

آتی ہے باغ سے تو صبا سے ہوں پوچھتا
کتنے شگوفے آئے ہیں، کس کس نہال میں؟

دکھلاؤ اپنی آنکھوں کے انداز و ناز بھی
برسوں رہے مشاہدۂ خط و خال میں

زنداں سے چھٹ کے چاہیے ہوتا عزیزِ مصر
تعبیر خواب کی رہے یوسف" خیال میں

پڑتے بہار میں ہو گریباں تو شکر کر
ہوتی ہے خیر جان کی نقصانِ مال میں

نکہتِ صبا اڑا دے اسے اے جمالِ دوست!
تا چند ہم دبے رہیں گردِ ملال میں

پلا کہ بے خبری ہووے ساقیا!
اب تک نہ امتیاز ہے دُرد و زُلال میں

رخسار میں ہے چودھویں کے چاند کی چمک
کافر ہو جس کو شک ہو تمھارے کمال میں

موجود سمجھے صبر کو کیا عشق بد بلا
یہ دیو و جن کو بھی نہیں لاتا خیال میں

پوچھیں جو کچھ کہ پوچھنا ہو منکر و نکیر
عاجز نہیں ہوں میں بھی جواب و سوال میں

بھولیں گے عیش میں بھی نہ آتش غم و الم
یاد آئیں گے فراق کے صدمے وصال میں

گل کو نظر سے اشکِ خونی اُتارتے ہیں
گل چیں ہمارے آگے دامن پسارتے ہیں

شانے سے جب وہ اپنی زلفیں سنوارتے ہیں
سنبل کو اور مشک و عنبر کو وارتے ہیں

یہ کہہ کے کشتِ گل پر اُن کو اُبھارتے ہیں
سیرِ چمن کو چلیے، بلبل پکارتے ہیں

مردے وہ زندہ کرتے، زندوں کو مارتے ہیں
اس کو بگاڑتے ہیں، اُس کو سنوارتے ہیں

ہستی سے تنگ حلقہ اُس ناف کا ہے کرتا
سوئے عدم کمر کے جویا سدھارتے ہیں

مشتاقِ ہم کناری ملتے ہیں ہاتھ کیا کیا
تن تن کے جب وہ اپنا سینہ اُبھارتے ہیں

وہ دل پسند ہے تُو، جب دیکھتے ہیں تجھ کو
کرتے ہیں گنگ اشارے، گویا پکارتے ہیں

بے تاب دل کو تسکیں ہوتی ہے دید خط سے
وہ بوٹی ہے یہ جس سے، پارے کو مارتے ہیں

قائل ہوں میں تو اپنے نالوں کی گرمیوں کا
داغوں کو میرے دل کے کیا کیا اُبھارتے ہیں

دریائے رحمت اُس کا غالب کہ موجزن ہو
تقصیر وار "توبہ توبہ" پکارتے ہیں

دن رات کھیلتے ہیں باہم قمارِ اُلفت
وہ ہم سے جیتتے ہیں، ہم اُن سے ہارتے ہیں

شیریں لبوں کے اُوپر رال اپنی ہے ٹپکتی
بوسے کا نام سن کر ہم منہ پسارتے ہیں

سینے کے اُوپر اپنے گل کھائیں گے تمھارے
چھلّوں سے اُس پری کے یہ قول ہارتے ہیں

اُس گل سے رُخ کے اُوپر کرتے ہیں گل کو صدقے
اُس زلفِ سنبلیں پر سنبل کو وارتے ہیں

رو رو کے دل کو خالی کرتے ہیں جس جگہ ہم
دریا کی طرح چشمے واں موج مارتے ہیں

رہتی ہے اک پریشاں حالی و بد دماغی
سودے میں گیسوؤں کے سر دے دے مارتے ہیں

پوشاک ہر طرح کی حاضر ہے کشتیوں میں
اس کو پہنتے ہیں وہ، اُس کو اُتارتے ہیں

جاتے ہیں عاشق اس کے کوچے کے گرد پھرنے
بہرِ طوافِ کعبہ حاجی سدھارتے ہیں

دم دے انھیں بھی وہ بت اُن کا بھی دل بگاڑ دے
زاہد کمال اپنی شیخی بگھارتے ہیں

مردِ فقیر 'حق حق' کرتے ہیں بوریے پہ
شیر اپنے نیستاں میں آتش ڈکارتے ہیں

خُمِ فلک سے بھروں وہ شراب شیشے میں
یقیں ہو ذرّوں کو ہے آفتاب شیشے میں

ہنوز ہے کئی ساغر شراب شیشے میں
ہنوز باقی ہے اپنا حساب شیشے میں

وہ میرزا منش آ نکلے شاید اے ساقی!
شراب چیدہ رہے انتخاب شیشے میں

ہماری گھر میں ہے شب کو بھی روشنی دن کی
کرم سے ساقی کے ہے آفتاب شیشے میں

خزاں میں مرغِ چمن مے کدے کے ساکن ہوں
بہار رکھتی ہے گلگوں شراب شیشے میں

زلال نوش ہوں میں مست، دَور میں میرے
رہے گی دُرد کی مٹی خراب شیشے میں

وہ پیرہن میں ترے رنگِ سرخ کو دیکھے
بھرا نہ دیکھا ہو جس نے شہاب شیشے میں

کھلی ہے چاندنی مے پیجے تو موقع ہے
طلوعِ ماہ ہے اور آفتاب شیشے میں

ہر ایک مست کی ہُو حق ہے نالۂ بلبل
شراب شیشے میں ہے یا گلاب شیشے میں

بتائے رکھتے ہیں ساقی اگر دیا چاہے
سوال کا ہے ہمارے جواب شیشے میں

سفید مُو ہوئے ترکِ قدح کشی کیجیے
عوض شراب کے رکھیے خضاب شیشے میں

یہ ہم سے نشے میں ہووے گی بے محل حرکت
شراب پی کے بھریں گے کباب شیشے میں

وہ تُرک آئے تو دورے میں اپنے حاضر ہے
کباب سیخ پہ آتشؔ ، شراب شیشے میں

شرف بخشا گہر کو صرف کر کے تو نے زیور میں
نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں

یہ کیفیت اُسے ملتی ہے ہو جس کے مقدر میں
مئے اُلفت نہ خُم میں ہے، نہ شیشے میں نہ ساغر میں

رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر میں
عروسِ فکر ان روزوں لدی رہتی ہے زیور میں

تکلف برطرف اے نازنیں! موقوف آرائش
نزاکت سے دبا جاتا ہے کیوں پھولوں کے زیور میں؟

کریں گے سیر شب کو کیمیا گر تیرے کوچے میں
بھگو دیں گے فتیلے روغنِ گوگردِ احمر میں

قیامت تک یہی گردش رہے گی روز و شب اُن کو
مہ و خورشید حسنِ یار سے آئے ہیں چکر میں

مرے ویرانے کی حد میں کبھی اُڑ کر جو آ نکلے
پلاؤں جغد کو پانی ہما کے کاسۂ سر میں

تفنگِ یار کے چھرّوں کی عالم کو تمنا ہے
یہ لوہے کے چنے ہیں، دیکھیے کس کے مقدر میں

نکل کر کنجِ عزلت سے یہ کر ہنگامہ افروزی
شرر یاقوت کا ہم سنگ ہے جب تک ہے پتھر میں

کرے بُوٹا سا قد ہر چند پیدا اس کی موزونی
ترے کانوں کے پتوں سے کہاں پتی صنوبر میں

شرف اللہ نے بخشا ہے آدمؑ پر محمدؐ کو
فضیلت ہے مقدم سے زیادہ یاں موخر میں

جہاں چاہے بسر اوقات کر لے چار دن بلبل!
چمن میں آشیانہ ہے، قفس صیاد کے گھر میں

خدا چاہے تو نالوں سے مرے پگھلے دل اُس بُت کا
یہ شان اُس کی ہے، نرمی موم کی پیدا ہو پتھر میں

نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی مے نہیں پیتا
نہیں مہمان تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں

الٰہی! بازوئے قاتل میں زورِ دستِ قدرت دے
روانی ہے اسی کے دم سے آبِ خشک خنجر میں

لبِ لعلیں کو تیرے وصل کی شب ہم نے چوسا ہے
نہ ہوں گے تشنگی سے ہونٹھ اپنے خشک محشر میں

دگرگوں عشقِ حسنِ یار سے ہے رنگ عالم کا
کوئی چہرہ بحال اب ہم جو سنتے ہیں تو دفتر میں

کیا شمشیر کی صورت نہ اک عاشق کو دو ٹکڑے
نہ پائے جوہرِ انصاف قاتل تیرے خنجر میں

دہن اے حور! ہے تیرا بعینہ چشمہ جنت کا
تبسم سے ترے لیتی ہیں لہریں موجِ کوثر میں

خیالِ بام سودا ہے ترے دروازے تک پہنچے
پرِ جبریلؑ پیدا ہوں جو بازوئے کبوتر میں

تری تلوار دکھلا دے بہارِ باغ اے قاتل!
لہو سے میرے گل پھولیں چمن بندی کے جوہر میں

رہا منظور خاطر خاتمہ بالخیر عاشق کا
کوئی چیونٹی موئی تو اس کو گاڑا میں نے شکر میں

وہ تُرکِ چشم دیکھیں، ملکِ دل غارت کرے کس کا
رہا کرتی ہے صف بندی بہت مژگاں کے لشکر میں

وہی تاثیر دے گا آتشیں نالوں میں بھی اپنے
لیاقت دی ہے جس نے شیشے کے بننے کی پتھر میں

ڈراتا ہے بہت رندوں کو ذکرِ نارِ دوزخ سے
تماشا ہو، جلے واعظ، لگ اُٹھے آگ منبر میں

یہ راہ و رسمِ خود بینی حسینوں میں ہے مدت سے
کھلے تھے جوہر اس آئینے کے عہدِ سکندر میں

خیال آتا ہے جنت کا تو آنکھوں میں ہیں پھر جاتی
وہ شہد و شیر کی نہریں، زمینِ مشک و عنبر میں

نہ اُٹھنے دینگے جب تک بُت جواہر کا نہ لے لینگے
برہمن کو بٹھایا ہم نے جب قصاب کے گھر میں

مآلِ کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آتی
لگا دیتا تھا اک آئینہ بھی قبرِ سکندر میں

نہایت حرصِ مے ہے زندگی میں مجھ قدح کش کو
یقیں ہے نشہ رہ جائے مرے مٹی کے ساغر میں

ترے دانتوں کا دھوکا دے چکا تھا میری آنکھوں کو
صفا تو تھی چمک ہیرے کی بھی ہوتی جو گوہر میں

قناعت دی ہے مثلِ قبر مجھ کو خاکساری نے
رہوں گا باغ باغ آتش میں اک پھولوں کی چادر میں

عجب چشمِ سیہ کا ہے رُخِ رنگیں جاناں میں
تماشا ہے عوض بلبل کے شاہیں ہے گلستاں میں

وہ چشمِ سرمگیں ہے فتنہ پردازی کے ساماں میں
کھنچی رہتی ہے تیغ ابرو کی صف بندی ہے مژگاں میں

یہ مجھ دیوانے کو راحت ملی ہے سنگِ باراں میں
کہیں ہوں جمع کو ہوں گا میں بازی گاہِ طفلاں میں

پری پیکر نہیں اُس دلربا سا قومِ انساں میں
فلاطوں کو کرے دیوانہ، جا نکلے جو یوناں میں

ہمیشہ تلوے کھجلایا کیے شوقِ بیاباں میں
رہی نالاں ہمارے پاؤں سے زنجیر زنداں میں

جنونِ پردہ در دکھلا رہا ہے داغ سینے کے
تماشائے چمن ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

مجھ دیوانے کی زنجیر سے آواز آتی ہے
وہ کیچڑ میں پھنسا ہے، جو ہے آب و گِل کے زنداں میں

جب آیا سامنے غم نوش بے صرفہ کیا اُس کو
نہ فرق آیا ہماری اشتہائے زیرِ دنداں میں

گرفتاری میں آزادی کی کیفیت رہی حاصل
رہا جامے سے باہر اپنے، مَیں دیوانہ زنداں میں

خدا کے کارخانے میں نہیں مدِ نظر تجھ سا
لگے ہیں پردہ ہائے چشمِ عاشق تیرے ایواں میں

فقیری میں بخارِ دل جو نالوں سے نکالا ہے
بہا ہے موم ہو کر آہنِ زنجیر زنداں میں

جو ہوگا دسترس اپنا کبھی شانے کی صورت سے
ملیں گے عطرِ مجموعے کا اس زلفِ پریشاں میں

شبِ آدینہ چلیے اپنے کشتوں کے مزاروں پر
چراغِ حسن روشن کیجیے گنجِ شہیداں میں

گلوں کا حسن بلبل بے چھری کے ذبح کرتا ہے
ہوا اُس ترک کے کوچے کی چلتی ہے گلستاں میں

ہوئی ہے روح ناطاقت نہایت سونگھ کر دیکھیں
سنی ہے سیب کی بو ہم نے اُس گل کے زنخداں میں

بہارِ گل کی جو دیوانگی یاد آئی آنکھوں کو
بہت رویا میں منہ کو ڈال کر اپنے گریباں میں

دُرِ دنداں و لعلِ لب کے مضموں لکھتے ہیں آتش
جواہر خانہ ہے ہر بیتِ موزوں اپنے دیواں میں

لپٹ کر سوئیے اُس آتشیں رو سے زمستاں میں
نکل کر سنبلہ سے آفتاب آیا ہے میزاں میں

عجب کیا مارِ مہرہ ہو جو گوشِ یار کا موتی
اُلجھ جاتا ہے اکثر حلقۂ گیسوئے پیچاں میں

نقابِ یار سے کہہ دے کوئی اندھیر سے باز آ
چھپائے رکھے گا کب تک چراغِ مہر داماں میں

کرم کا جوش جو آ جاتا ہے ابرِ بہاری کو
ڈبو دیتا ہے طاؤسِ چمن دریائے باراں میں

نہیں مشتاق دل کب اُس عزیزِ جاں کے آنے کا
ہمیشہ سوئے در رہتی ہیں آنکھیں شوقِ مہماں میں

گیا ہوں جوشِ وحشت میں جو اُڑ کر مثلِ پروانہ
دکھائے ہیں چراغِ چشم غولوں نے بیاباں میں

نزاکت برگِ گل کی رکھتے ہیں لبِ لعل کی سُرخی
صفا موتی کی ہیرے کی چمک ہے تیرے دنداں میں

کھنچے کیونکر نہ یار اپنی طرف جذبِ محبت سے
پری کو یہ عمل کر دیتا ہے قابوئے انساں میں

ہمارے اشک کے قطرے ہیں حاضر آب گوہر سے
بھرا چاہے جو پانی وہ صنم چاہِ زنخداں میں

کبھی تو دور ہوگا گھونگھٹ اس رخسارِ رنگیں سے
کہاں تک غنچہ رکھے گا بہارِ گل گریباں میں

ہر اک عضوِ بدن بے مثل ہے اُس حور پیکر کا
جواب اپنا نہیں رکھتا ہے، جو سورہ ہے قرآں میں

صدا یہ سر زمینِ کوچۂ قاتل سے آتی ہے
شگوفہ پھوٹتا ہے، اک نیا روز اس گلستاں میں

تباہی میں ہے لازم، یادِ حق، اہلِ توکل کو
خدا پر چھوڑتا ہے ناخدا کشتی کو طوفاں میں

تماشا ہے جو چشمِ بلبل و پروانہ سے دیکھے
عجب شمعیں ہیں محفل میں، عجائب گل گلستاں میں

گہر سے آبدار آتش ہو منہ سے بات جو نکلے
تکلف شرط ہے آویزۂ گوشِ سخنداں میں

توڑیے توبہ کو، کیجیے بادہ خواری اِن دنوں
موسمِ گل ہے، کہاں پرہیز گاری اِن دنوں

تیغِ ابرو سے ہے شوقِ زخمِ کاری اِن دنوں
نیم بسمل کی طرح ہے بے قراری اِن دنوں

جاں بلب رکھتا ہے اک رشکِ مسیحا کا فراق
دم نکل جاوے، یہ حالت ہے ہماری اِن دنوں

شوقِ آرائش ہے اُس جانِ جہاں کو آج کل
لپٹی ہی رہتی ہے دامن سے کناری اِن دنوں

دوڑتے ہیں ہم جلو میں ایک شاہِ حسن کے
توتیائے چشم ہے گردِ سواری اِن دنوں

لَو لگی ہے تیغِ قاتل سے، شہادت کا ہے شوق
خوں ہے زخموں کی طرح آنکھوں سے جاری اِن دنوں

روز و شب کرتا ہے وہ محبوبِ گل اندام رقص
اُڑتی ہے ٹھوکر سے دامن کی کناری اِن دنوں

کاہشوں سے عشق کے ایسا ہوا ہوں ناتواں
رات سے بیمار کے بھی دن ہے بھاری اِن دنوں

فصلِ گل ہے، یاد آتی ہے مجھے رفتارِ یار
چلتی ہے بن بن کے کیا بادِ بہاری اِن دنوں

سامنا رہتا ہے اشکِ سرخ و رنگِ زرد کا
آشنائی درد سے ہے، غم سے یاری اِن دنوں

دوست دار اُس کا جو مجھ سا اُٹھ گیا دنیا سے ہے
بے کسی پھرتی ہے کیسی ماری ماری اِن دنوں

بسترِ غم پر پڑا رکھتی ہے مردے کی طرح
بے خودی، بے طاقتی، بے اختیاری اِن دنوں

یار آزادہ ہے آتش، آسماں ہے برخلاف
کون سنتا ہے ہماری آہ و زاری اِن دنوں

سالکِ راہِ محبت کو پس و پیش نہیں
مصلحت بیں نہیں میں، عاقبت اندیش نہیں

مصحفِ رو کی تلاوت ہے نہایت مشکل
اس میں اے قاریو! زیر و زبر و پیش نہیں

ناخنِ غم سے ترے ہجر میں اے رشکِ بہار!
دل نہیں وہ جو رخِ گل کی طرح ریش نہیں

خون کو مومن و کافر کے ہے جائز رکھتا
نیک اعمال ترا غمزۂ بد کیش نہیں

شہد کے واسطے زنبور نے کاٹا تو کھلا
نوش چاہے جو زمانے میں تو بے نیش نہیں

شہر میں پھرتے ہیں وہ سیلِ حوادث کی طرح
کون سا گھر ہے، خرابی جسے درپیش نہیں

قید مذہب کی نہیں حسن پرستوں کے لیے
کافرِ عشق ہوں میں، کوئی مرا کیش نہیں

عشق میں سرو سے قد کے ترے اے خسروِ حسن!
ذکرِ قمری سے مرا کوئی درویش نہیں

غیر کے ہاتھ نہ بیچیں گے ہم آئینۂ دل
یار جو چاہے سودے، قید کم و بیش نہیں

نکہتِ گل ہی نہیں جامے سے اپنے باہر　　　دیوانہ وہ تیرا ہے جو بے خویش نہیں
خط نکلنے کی تمنا نہیں آتش کو ترے
رُوئے سادہ کا یہ عاشق ہے، بد اندیش نہیں

رُخِ انور کو دکھا کر خاک کا پیوند کرتے ہیں　　　حسیں ہونے سے طوفاں نوحؑ کے فرزند کرتے ہیں
وہ شاہِ حُسن تُو ہے، گیسوئے عنبر فشاں تیرے　　　ہُما کو اپنے سایے سے سعادت مند کرتے ہیں
ہمیں سے ہے جو ناز حسن کو دیدار کا پردہ　　　نقاب اپنی اُلٹ دیجے، ہم اپنی آنکھیں بند کرتے ہیں
بمنت اُس صنم سے کیوں نہ ہوں میں وصل کا سائل　　　دعا اللہ سے رو رو کے حاجت مند کرتے ہیں
کہوں کیونکر نہ اُن کو نور کے ٹکڑے وہ رخسارے　　　اندھیرے میں اُجالا چاند سے دہ چند کرتے ہیں
ہمیشہ رہتی ہے اصلاح یاں رنگیں خیالوں کی　　　پھٹے کپڑے گل ولالہ کے ہم پیوند کرتے ہیں
ارادہ ہے گریباں پھاڑ کر لوں راہ صحرا کی　　　نصیحت سے مجھے دیوانہ دانش مند کرتے ہیں
کھڑے رہتے ہیں در پر اُن کے مشتاق اُن کی صورت کے　　　توجہ سے دلِ درویش وہ خرسند کرتے ہیں
دلِ بے تاب کو عاشق کے رکھتے ہیں شکنجے میں　　　ستم اے کج کلہ! تیری قبا کے بند کرتے ہیں
تمھارے شربتِ دیدار کی لذت نہیں پاتے　　　ہزار آپس میں آمیزش گلاب وقند کرتے ہیں
کھلا بے یار کے مضمون بستہ باندھ لینے سے　　　پسر کو غیر کے بھی لاولد فرزند کرتے ہیں
زباں سے جو کہ بے تصدیق کی کھائی نہیں جاتی　　　تصورّ اُس قسم کو ہم تری سوگند کرتے ہیں
بھروں گا پچہ مینا کو میں زنداں میں اے ساقی!　　　بہت واعظ مرے گوش آشنائے پند کرتے ہیں
محبت میں کمی آئی نہیں فضلِ الٰہی سے　　　نیاز اپنا وہی ہے، ناز وہ ہر چند کرتے ہیں
نہ کر معرکے میں آتش آبِ تیغِ قاتل سے
خدا چاہے تو پاک اس زندگی کا گند کرتے ہیں

دکھا کر آنکھ بے ہوشوں کو وہ ہشیار کرتے ہیں　　　ترش روئی سے اُن کی نشے مستوں کے اُترتے ہیں
گرفتاروں نے تیرے لطف اسیری میں اُٹھایا ہے　　　چلے منقار قینچی کی طرح تو پر کترتے ہیں
لہو ہے گاہ گاہے اشک اپنے دیدۂ تر میں　　　کبھی پانی، کبھی اس طشت میں ہم رنگ بھرتے ہیں
خیال آیا ہے شانے کا اُنھیں، آئینہ دیکھا ہے　　　بلا نازل ہوئی، بکھرے ہوئے گیسو سنورتے ہیں
حسینوں کا تکلف اُن کی آرائش نہیں رکھتی　　　نظر آتی ہے میلی چاندنی، جب وہ نکھرتے ہیں
تمھارے خطِ نورس کی طرح ہے جب کہ لہراتا　　　عجب رغبت سے آہو سبزۂ صحرا کو چرتے ہیں
لبِ جاں بخش کا بوسہ نہیں دیتے وہ عاشق کو　　　مسیحا ہیں، مگر بیمار سے پرہیز کرتے ہیں

گھبے سو جاتے ہیں، گہ سنسناتے، گاہ تھراتے
ترے کوچے میں پائے رہرواں کیا کیا کرتے پھرتے ہیں

بل اُن کی زلفِ پیچاں کی طرح کیا کھائے گا سنبل
وہ ایسے بد بلا بھتنے کی چوٹی کو کترتے ہیں

حیا و شرم آنکھیں سامنا کرنے نہیں دیتیں
لڑکپن ہے ابھی وہ صورتِ عاشق سے ڈرتے ہیں

خوش آبی ہو زیادہ تیری تیغ تیز میں قاتل
بُرا احباب کیا کہتے ہیں، اس سے بوجھ اُترتے ہیں

ہمیشہ منہ کے اُوپر مُردنی سی چھائی رہتی ہے
نہیں زندوں میں ہم اُس دن سے تم پر جب سے مرتے ہیں

تصور سے ترے موجیں رہا کرتی ہیں لہروں میں
ہوا بھر کر ترے سر میں، حباب، بحر اُبھرتے ہیں

لگا کر عیب دو دن میں اُسے تم پھیر بھیجو گے
جو خط کش لو تو ہم قیمت کا دل کی نام دھرتے ہیں

کہاں تک پردہ اے آتشؔ ! کہو اُس لا ابالی سے
محبت کا تری ہم بھی دم اے محبوب! بھرتے ہیں

ردیف واوٌ

فکر میں مضمونِ عالی کے جو دل آمادہ ہو
دست بستہ بام پر ہر سرو قد استادہ ہو

پھر بھی وقتِ فکر ہم باندھیں حنائے دستِ یار
لاکھ یہ مضمونِ رنگیں پیش پا اُفتادہ ہو

عشق پیدا کر کسی مستانہ آنکھوں کا ولا
خانۂ تاریک میں روشن چراغِ بادہ ہو

آستانِ دیر تک جاوے تو اے کعبہ نشیں!
پردۂ بابِ صنم خانہ ترا سجادہ ہو

عشق ہونے میں نہیں ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز
خوبصورت ہو گدا زادہ ہو یا شہزادہ ہو

آشنا چشمِ سخنداں سے رہے میرا کلام
منزلِ مقصود کی ہر سطر دیوانِ جادہ ہو

سبزہ پیراہن میں رنگِ سُرخ یوں ہے یار کا
جیسے مینائے زمرّد گوں میں گلگوں بادہ ہو

حُسن کے آغاز کا انجام ہو یا رب بخیر
نقشِ حب کا خط تورس سے وہ روئے سادہ ہو

خشت رکھ کر زیرِ سر سونا ہے خاکِ گور پر
صاحبِ مسند ہو تو یا صاحبِ سجادہ ہو

خار پیدا ہوں نہ جس جا، گل شگفتہ ہوں وہیں
آسماں اُس کو بنا دوں، جو زمیں افتادہ ہو

فرشِ سبزہ پر لبِ جو مجھ کو پینی ہے شراب
خیمۂ ابرِ سیہ اے آسماں استادہ ہو

بے ادب وادی میں اپنے پاؤں رکھ سکتے نہیں
خارِ رہ نقشِ قلم ہو مارِ رہزن جادہ ہو

چھین کر شمشیرِ قاتل سے رگڑتا ہوں گلو
جان سے اپنی نہ تنگ اتنا کوئی دلدادہ ہو

روسیہ دشمن عبث کرتا ہے میری پیروی
بندۂ زنگی بناوٹ سے نہ صاحبزادہ ہو

پاؤں رکھتا ہے جو آتشؔ کوچۂ جلاد میں
زندگی سے ہاتھ دھو کر مرگ کا آمادہ ہو

بہ رنگ آئینہ یاں رہ نہیں عشقِ مجازی کو
صفائے قلب نے حاصل کیا ہے پاکبازی کو

ہماری خاک کو اے شہسوارو عرش دکھلایا
خدا ہمت زیادہ دے تمھاری ترک تازی کو

مآلِ کار ہے دعوائے باطل کا پشیمانی
خدا سے اے بتو سیکھو طریقِ کارسازی کو

جلا کرتی ہے گھل گھل کر ہمیشہ شمع کافوری
یہ کس گورے بدن کی اُس نے دیکھا ہے گدازی کو

نہیں غم تیغ ابروئے صنم سے قتل ہونے کا
شہادت بھی بمنزل فتح کے ہے مردِ غازی کو

فزوں کعبہ سے بھی سجدہ طلب محرابِ ابرو ہے
جھکانی پڑتی ہے گردن نمازی بے نمازی کو

بتوں نے کج ادائی کی تو کی شکوہ نہیں اُس کا
خدا بھی کام فرماتا ہے ہم سے بے نیازی کو

خیالِ زلفِ مشکیں روح کو قالب میں آفت ہے
مکانِ تنگ میں کوڑا غضب ہے اسپ تازی کو

دلا دیں یاد خورشیدِ قیامت کو وہ رخسارے
بھلا دے زلفِ شب گوں روزِ محشر کی درازی کو

کفن خلعت ہے میں دولھا جنازہ تختِ دامادی
براتی نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو

زباں کو بند کر آتش بس اب اس یادہ گوئی سے
گوارہ کیجیے تا کے تری بے امتیازی کو

سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو
نیل گوں گنڈا پنھایا مردمِ بیمار کو

حال پر میرے توجہ کیا ہو چشمِ یار کو
جبر تکلیفِ نگہ ہے مردمِ بیمار کو

حسنِ بے پردہ کا عالم جلوہ گر پاتا ہوں میں
دم پھڑک جاتا ہے عریاں دیکھ کر تلوار کو

زلف کو دیکھے اگر دیکھا نہ ہو ابرِ سیہ
برق دیکھی ہو نہ جس نے دیکھے اُس رخسار کو

مطلع ہو کچھ تو حالِ زار سے وہ بیوفا
زعفراں سے لکھ کے خط بھیجا ہے میں نے یار کو

روئے روشن سے مشابہ ہے نہایت آفتاب
دھوپ میں بٹھلائے گا مجھ تشنۂ دیدار کو

میری آہوں کے دھوئیں نے گھر بنایا خانہ باغ
نرگسِ شہلا کیا ہر روزنِ دیوار کو

رات بھر آنکھوں کو اس اُمید پر رکھتا ہوں بند
خواب میں شاید کہ دیکھوں طالعِ بیدار

بھول جاوے عالم اپنی چال کا طاؤسِ مست
نشۂ مے میں اگر دیکھے تری رفتار

غنچۂ گل کو یہ نسبت ہے دہانِ تنگ سے
جس طرح تشبیہ غنچہ کی دہن سے غار

وصف قامت میں ہر اک مصرع ہے دو پہلو کا شرط
سرو بھی کہتے ہیں، بوٹا بھی قدِ دلدار

صبر کو کھو کر نہ ہوگا تو بھی اے دل باغ باغ
پھولتے پھلتے نہ دیکھا ہے غریب آزار

لکھ کے خطِ حسرت میں قاصد کے لہو رویا یہ میں
کر دیا چشمِ کبوتر روزنِ دیوار

بوٹیاں اپنے کفِ پا کی جو صحرا میں اُڑیں
رتبۂ سیخِ کباب آتش ملا ہر خار کو

نالۂ جاں سوز نے پھونکا دلِ بیتاب کو
عشق کی آتش نے کشتہ ہی کیا سیماب کو

ہجر پیغامِ اجل ہے عاشقِ بیتاب کو
زندہ دیکھا ہے نہیں ہے ماہیِ بے آب کو

عالمِ حسنِ جوانی قدرتِ اللہ ہے
چودھویں شب کوئی دیکھے صورتِ مہتاب کو

سبزۂ خط نے کیا پژمردہ دل کو بیقرار
زندہ کرتی ہے یہ بوٹی کشتۂ سیماب کو

نیم جانوں کے تڑپنے نے بڑا دھوکا دیا
کوچۂ قاتل میں سمجھا مسلخِ قصاب کو

جان کھوئی حسرتِ آبِ دمِ شمشیر میں
طے کیا ہمت نے میری منزلِ بے آب کو

ہجر کی شب کی مصیبت کس طرح تحریر ہو
جمع کر سکتا نہیں کوئی پریشاں خواب کو

تشنۂ خونِ دلِ بیتاب ہیں چشمانِ تر
بیشتر مرطوب خلقت کھاتے ہیں سیماب کو

گور پر بھی آسماں اس گل کو لائے گا نہیں
خوں بہا دیتے کبھی دیکھا نہیں قصاب کو

پہن کر پوشاک سُرخ آیا جو تو بالائے بام
راہ رو سمجھے شفق میں مہرِ عالمتاب کو

پست فطرت کو ہمیشہ سربلندوں سے ہے لاگ
زلزلہ ڈھاتا ہے دیوار و در و محراب کو

امن میں رکھتی ہے جورِ چرخ سے وارفتگی
منزلِ رہزن میں اندیشہ نہیں سیلاب کو

کیا نفاق انگیز ہم جنساں ہوائے دہر ہے
نیند اُڑ جاتی ہے سننے سے تعبیرِ خواب کو

روز و شب رویا میں آتش رفتگاں کی یاد میں
عمر بھر آنکھیں نہ بھولیں صورتِ احباب کو

دوست ہی جب دشمنِ جاں ہو تو کیا معلوم ہو
آدمی کو کس طرح اپنی قضا معلوم ہو

پھر گیا ہے اس قدر رنگ زمانہ، چاہیے
آئینے میں بھی نہ صورت آشنا معلوم ہو

آنکھ پاتے ہی خیالِ یار نے کی دل میں راہ
مل ہی رہتا ہے مکاں جس کا پتا معلوم ہو

عاشقوں سے پوچھیے خوبیِ لبِ جاں بخش کی
جوہری کو قدرِ لعلِ بے بہا معلوم ہو

خطِ توأم میں لکھا ہے یار کو مکتوبِ شوق
آرزوئے وصل کا تا مدعا معلوم ہو

کانپتا ہے آہ سے میری رقیب رُو سیاہ
اژدہا فرعون کو موسیٰ کا عصا معلوم ہو

اس لیے مارا اُن آنکھوں نے مجھے، تا خلد میں
چشمِ حورانِ بہشتی سے دغا معلوم ہو

دام میں لایا ہے آتش سبزۂ خطِ بتاں
سچ ہے کیا انساں کو قسمت کا لکھا معلوم ہو

بیدِ مجنوں دُور سے خم ہو گیا تسلیم کو
ہر بگولا سرو قد اُٹھا مری تعظیم کو

کون کہتا ہے الف بُوٹا سے قد کو یار کے
لام کو زلفوں سے کیا نسبت دہن سے میم کو

گورے گالوں پر ترے زیبا ہے خالِ عنبریں
تھا یہی مینا سزاوار ایسے لوحِ سیم کو

شانۂ گیسوئے جاناں میں صفا حاصل ہوئی
آئینہ حاضر ہے ناز و غمزہ کی تعلیم کو

مہرباں ہو دوست کچھ دشمن کا چل سکتا نہیں
آتشِ نمرود ہے گلزار ابراہیم کو

خواب و بیداری یہ مرگ و زیست ہے اے بے خبر!
لوحِ دل پر سے مٹا نقشِ اُمید و بیم کو

ہمتِ مردانہ نے آتش کیا ہے بے نیاز
جانتا ہوں میں گدا سلطانِ ہفت اقلیم کو

شفا مریضِ محبت کو زینہار نہ ہو
برنگِ شمع نہ ہوں ہم اگر بخار نہ ہو

کمال شہرۂ حسنِ حبیب سنتا ہوں
ڈھلا ہوا کوئی مضمونِ آبدار نہ ہو

ہوا تو پھر اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا
غبارِ چشم دلِ یار کا غبار نہ ہو

درِ حرم کو ہے تشبیہ طاقِ ابرو سے
سوادِ کعبۂ مقصود زلفِ یار نہ ہو

فقیر کو نہیں درکار طاقِ کسریٰ کا
بلند نقشِ قدم سے مرا مزار نہ ہو

پیادہ پا ہوں پر اُڑتا ہوں باؤ کے مانند
ہلاک نقشِ قدم پر مرے سوار نہ ہو

صنم پرستی کو زاہد روا رکھے نہ رکھے
گلہ نہیں ہے جو صوفی شراب خوار نہ ہو

کبھی کبھی جو دکھا آئے روئے رنگیں تو
خزاں میں مرغِ چمن کو غمِ بہار نہ ہو

فراقِ یار میں احوال کیا کہوں اپنا
دلِ دو نیم نہ ہو، جانِ بیقرار نہ ہو

کمال موت کا مشتاق ہے دلِ بیمار
خزاں کا باغ میں نرگس کا انتظار نہ ہو

بہت اسے دلِ ہمت بلند کھاتا ہے
غمِ فراق کہیں شیر کا شکار نہ ہو

برنگِ سایہ گزر شاہ راہ ہستی سے
کسی کے دوش کا آتش جنازہ بار نہ ہو

دھیان اُس کاکلِ مشکیں کا جو آیا مجھ کو
خواب میں آ کے سیاہی نے دبایا مجھ کو

نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجھ کو
جو نہ دیکھا تھا اِن آنکھوں نے دکھایا مجھ کو

شکر صد شکر تعلق نہ ہوا دل کو کہیں
یار و اغیار کے جھگڑے سے چھڑایا مجھ کو

واشدِ دل کے لیے باغ میں آ نکلا تھا
یار بن غنچوں نے ہنس ہنس کے رُلایا مجھ کو

طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی
بام پر یار نے دیدار دکھایا مجھ کو

اُس پری رُو کے جو گیسو کا ہوا سودائی
میں نے جانا کہ یہ دل پیچ میں لایا مجھ کو

جان بھی نکلی دمِ نزع تو آسانی سے
کارِ مشکل کوئی درپیش نہ آیا مجھ کو

فکرِ اشعار میں کاٹی شبِ تاریکِ فراق
رات بھر صبح کے مضموں نے جگایا مجھ کو

بعدِ مردن بھی دکھا وے کی شجاعت جوہر
شیر مارے گا جو روباہ نے کھایا مجھ کو

جوشِ وحشت میں جو اُکتا کے کبھی اُٹھ بھاگا
سیکڑوں کوس غزالوں نے نہ پایا مجھ کو

شام سے پہلوئے خالی نے اک آفت ڈھائی
صبح تک طالعِ خفتہ نے جگایا مجھ کو

حشر کے روز میں اتنا کہوں گا آتشؔ
ان پری رُویوں نے دیوانہ بنایا مجھ کو

چاند کہتا ہے غلط یار کے رخساروں کو
نسبتِ ذرّۂ خورشید نہیں تاروں کو

اے صنم! ہووے نہ خورشیدِ قیامت طالع
دھوپ میں تو نہ بٹھا اپنے گنہگاروں کو

حسنِ یوسفؑ کو ترے حسن سے نسبت کیا ہے
پھونک دے گرمیِ بازار خریداروں کو

داغ چیچک کے ترے چاند سے منہ پر دیکھے
پہلوِ ماہ میں دیکھا جو نہ ہو تاروں کو

ہوں وہ مردودِ خلائق کہ یقیں ہے پسِ مرگ
سہو ہو فاتحہ خیر مرے یاروں کو

اے بتو! دل میں تمہارے جو اثر ہو تو نہ ہو
زلزلے آئے ہیں ان نالوں سے کہساروں کو

یار بن مجھ کو چمن ہو گیا آتش خانہ
برگِ گل سے نہ رہا مرتبہ انگاروں کو

عیدِ قرباں ہے، ہزاروں ہی گلے کٹتے ہیں
تو بھی آزاد کر اب اپنے گرفتاروں کو

اے اجل جسم سے چھٹ بھی چکے جانِ شیریں
زندگی تلخ ہوئی ہے مرے غم خواروں کو

اپنی بیماری کی حالت کو وہ صحت سمجھے
دیکھے نرگس جو تری چشم کے بیماروں کو

منہ نہیں پھرنے کا قاتل کی طرف سے میرا
چہرے پر کھاؤں گا میں یار کی تلواروں کو

جان گھبراتی ہے سینے میں تو دل کہتا ہے
توڑیے قلعۂ فولاد کی دیواروں کو

کوئی انسان سے سوا سخت نہ پایا ہم نے
موت آئی نہ شبِ ہجر کے بیداروں کو

اپنے ہاتھوں سے کیا جب مجھے بیدرد نے قتل
غیر تو مر ہی گئے، داغ رہا یاروں کو

جا کے اس باغ سے کیا یاد کریں گے آتشؔ
چشمِ تر ہم کو ملی، خشک زباں خاروں کو

چشمِ بیمار کا یارب کوئی بیمار نہ ہو
زلف کے پھندے میں دشمن بھی گرفتار نہ ہو

حسن تکلیفِ لبِ بام اُسے دیتا ہے
شرم سمجھاتی ہے سایہ پسِ دیوار نہ ہو

برہمن آنکھوں کو ملتا ہے جو پائے بُت پر
رشک آتا ہے مجھے سنگِ درِ یار نہ ہو

ٹھوکریں کھائیں گے دل، جانیں نکل جاویں گی
یار کی چال ہے یہ کبک کی رفتار نہ ہو

غیر سے یار سوا تشنۂ خوں ہے میرا — دشمن و دوست کی آنکھوں میں کوئی خار نہ ہو
متصل نالوں کی آواز چلی آتی ہے — جسمِ خاکی قفسِ مرغِ گرفتار نہ ہو
کر دیا ہے یہ حوادث نے دلِ عالم سرد — آتشِ حسن سے بھی گرمیٔ بازار نہ ہو
نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا — دل دھڑکتا ہے جدائی کی شب تار نہ ہو
گور میں ساتھ لیے جائیں گے اپنے ہم اسے — نہیں ہوتا جو کوئی دل کا خریدار نہ ہو
بے طرح جوش میں سیلابِ سرشک آیا ہے — چار دیوارِ عناصر کہیں مسمار نہ ہو
چمنِ دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں — باغِ جنت کی ہوا سے بھی جو بیدار نہ ہو
باغباں خاطرِ بلبل نہ شکستہ ہووے — دلِ بیمار ہے یہ نرگسِ بیمار نہ ہو

ترکِ الفت کا ارادہ نہ کر آتش زنہار
دل سے بیزار تو ہے جان سے بیزار نہ ہو

سروِ بستاں تجھ سے گو اے بادِ صرصر خشک ہو — غیر ممکن ہے ہمارا مصرعِ تر خشک ہو
خوں ہوا جاتا ہے دل کیا دیدۂ تر خشک ہو — روز ٹانکے ٹوٹتے ہیں، زخم کیونکر خشک ہو
ٹھنڈی سانسوں میں اثر ہے یاں ہوائے برف کا — سرد ہوں آتش کدے، خونِ سمندر خشک ہو
بھیک سے بدتر دعا بھی مانگنا انساں کو ہے — ہاتھ آئے بے طلب نانِ جویں گر خشک ہو
باغِ ویراں میں جو روؤں یادِ قدِ یار میں — سبز ہو جاوے جو برسوں کا صنوبر خشک ہو
اس قدر کاہیدہ ہوں پس جائے زیرِ آبلہ — سوکھ کر کانٹا اگر میرے برابر خشک ہو
تندخو پہنچا سکیں عالی دماغوں کو نہ رنج — ارغواں زارِ شفق صرصر سے کیونکر خشک ہو
داخلِ فردوس ہو آتش نفس بجھ سا اگر — گلشنِ جنت خزاں ہو، حوضِ کوثر خشک ہو
چشمۂ حیواں دہن ہے تو ذقن چاہِ عمیق — کس طرح سے سبزۂ رخسارِ دلبر خشک ہو
کس توقع پر بھلا اس میکدے میں ہم رہیں — لب نہ تر ہوویں اگر سارا سمندر خشک ہو
چار دن میں اُس نے سارا باغ ویراں کر دیا — یا الٰہی! دستِ گلچینِ ستمگر خشک ہو
وہ شجر ہوں میں جو تابستاں میں جلنے سے بچے — موسمِ سرما میں پانی سے مقرر خشک ہو
حسرتِ آبِ بقا کا نقش دل پر سے مٹا — گور میں ایسا نہ ہو حلق اے سکندر خشک ہو
سوزِ غم سے کیا کہوں میں حالِ دل اے ہم نشیں! — آگ لگ جائے جو اک دم دیدۂ تر خشک ہو
میری قسمت سے جو ہو انگور پیدا تاک میں — آب اُس میں اُس کا مثلِ آبِ گوہر خشک ہو

غیرِ خالق کون کرتا ہے کسی کی پرورش
دایہ پیدا ہو جو آتش شیرِ مادر خشک ہو

مجھ سراپا داغ کو کیا گو گلستاں سبز ہو
یہ خیالِ خام ہے سروِ چراغاں سبز ہو

حسرتِ پابوس میں کھوئی ہے میں نے جانِ زار
خاک سے میرے حنا بے ابرِ باراں سبز ہو

وہ جو کامل ہیں فضیلت ہے انھیں ہر حال میں
سرخ ہووے یا یہ یا خطِ قرآں سبز ہو

یاد دلواتی ہے فصلِ گل مئے انگور کو
تاکِ خشک اے پرتوِ خورشید تاباں سبز ہو

حسنِ خاکی سے بہارِ باغ کو نسبت ہے کیا
زرد پھر ہوتا نہیں جب رنگِ انساں سبز ہو

سیرِ گلشن میں اگر توڑے ترا بندِ نقاب
رنگ اُڑے رخسارِ گل سے سروِ بستاں سبز ہو

جام دے ساقی مئے گلگوں سے بھر کر حیف ہے
خشک ہو نخلِ تمنا، کشتِ دہقاں سبز ہو

جوشِ وحشت میں جو روتا ہوں کبھی دل کھول کر
زرد ہو جاتا ہے، کیسا ہی بیاباں سبز ہو

شیر کی آواز پیدا ہووے نے کے نالے میں
میرے مدفن کی جو مٹی سے نیستاں سبز ہو

حسنِ سبزِ یار سے ممکن نہیں آتش فروغ
رنگ پیدا کر کے گو شمعِ شبستاں سبز ہو

ترے سوا کوئی ترکیب دل پسند نہ ہو
جو برقِ طور بھی چمکے تو آنکھ بند نہ ہو

نکلتی ہی نہیں آئینہ خانہ سے باہر
غرورِ حسن سے اتنا بھی خود پسند نہ ہو

گلے میں یار کے پڑنے کا ہاتھ ہے مشتاق
کسی غزال کی گردن کی یہ کمند نہ ہو

غرور کھوتی ہے تعلیم خاکساروں کی
اُگے جو سرو مری خاک سے، بلند نہ ہو

گوارا یاں دلِ دشمن کی بھی شکست نہیں
ہماری کفش سے موذی کو بھی گزند نہ ہو

زیادہ بوسے سے دشنام میں حلاوت ہے
وہ زہر ہے یہ کہ جس سے لذیذ قند نہ ہو

لبوں سے جان نکلنے دے، ٹھہر جا قاتل
ہماری روح سے آگے ترا سمند نہ ہو

جو روئے حال پر اپنے وہ کیا کسی کو ہنسے
وہ دل دکھائے کسی کا جو دردمند نہ ہو

ہزاروں دیدۂ بد بیں تو اک نگاہ ہے پاک
غضب ہی ہو جو تری بزم میں سپند نہ ہو

برابر اُس کے کھڑا ہو کے سرو اکڑتا ہے
الٰہی قد بھی کسی کا بہت بلند نہ ہو

زباں وہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے
وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو

کیجیے ثابت دہانِ روئے رشکِ ماہ کو
کان مدت سے سنا کرتے ہیں اس افواہ کو

کوچۂ محبوب میں آنکھوں نے اپنی بارہا
سرمے کی قیمت لیا ہے مولِ گردِ راہ کو

ہم فقیروں کو تمنا ہے یہی اے شاہِ حسن!
جھاڑیے جاروبِ مژگاں سے تری درگاہ کو

باہر اُس سے ہم نہیں جو کچھ ہماری ہے بساط
جان حاضر ہے جو ہو مطلوب اس دل خواہ کو

اس قدر ہے سر کو سودائے زنخدانِ حبیب
تشنہ لب کی آنکھ سے میں دیکھتا ہوں چاہ کو

برہمن حاصل ہے تجھ کو جس طرح بت کا حضور
اس طرح پاؤں تو پھر چھوڑوں نہ میں اللہ کو

بھاگتا ہے اپنی آنکھوں سے خیالِ رُوئے یار
کس طرح آغوش میں رکھتا ہے ہالہ ماہ کو

روپ دکھلا کوئی تو ہم کو نیا اے آسماں
یاد کیا آنکھیں کریں گی اس تماشا گاہ کو

کوتہی کی، ایک دن پہنچی نہ گوشِ یار تک
دور ہم سمجھے ہوئے تھے نصف شب کی آہ کو

موسمِ گل میں یہی ساقی سے کہتا ہوں میں مست
جام مالا مال دلوا اپنے دولت خواہ کو

دیکھیے دونوں میں کس کا ہو بخیر انجامِ کار
بت کو سجدہ برہمن کرتا ہے، ہم اللہ کو

سبزۂ خط نے کیا ہے جب سے اُس رخ پر اُبھار
کوہ پر بھاری سمجھتا ہوں میں برگِ کاہ کو

زلف حائل ہے نگہ رخسارِ جاناں پر نہ ڈال
ہے شگونِ بد دلا جب سانپ کاٹے راہ کو

پست کر دے سرو کو اے طفل! بڑھ کر قد ترا
طول دے جوشِ جوانی جامۂ کوتاہ کو

مہر کی صورت نہ ذرّے آنکھ اُٹھا کر دیکھتے
دل فریبی یار کے رُخ کی جو ملتی ماہ کو

فکرِ رنگیں نے تمھیں مفلس کیا تو کیا عجب
یہ عروسِ آتش گدا کر دیتی ہے نوشاہ کو

طولِ شبِ فراق کا قصہ بیاں نہ ہو
خط یار کو لکھوں تو سیاہی رواں نہ ہو

مارا ہے ضبط نے مجھے عشقِ حبیب میں
مُردہ مرا جلائیں تو اُس میں دھواں نہ ہو

صورت کوئی صفائی کی اب اے صنم! نہیں
جب تک ہمارے تیرے خدا درمیاں نہ ہو

یار آنکھ بھی چرائے تو ثابت نہ کر سکیں
چوری کا بادشاہ کے اوپر گماں نہ ہو

اے آسماں نمود نہیں ہم کو چاہیے
بعدِ فنا مزار کا اپنے نشاں نہ ہو

بلبل ہزار ذبح ہوں ٹوٹے نہ ایک گل
صیاد ہو چمن میں مگر باغباں نہ ہو

گلزار لطف و خلق شگفتہ رہے مدام
اس باغ کی بہار الٰہی خزاں نہ ہو

عاشق تری گلی میں بہت خاک اُڑاتے ہیں
اس سرزمیں کے گرد کہیں آسماں نہ ہو

دیر و حرم میں شیخ و برہمن رہیں خراب
ملتا ہے وہ کہاں، کہیں جس کا مکاں نہ ہو

سبزے پر اس ذقن کے نگہ جا کے رہ گئی
سچ کہتے ہیں کہ گھاس کے نیچے کنواں نہ ہو

نالوں کی بحث کا کسے آتش دماغ ہے
یا ہم نہ ہوویں یا جرسِ کارواں نہ ہو

حلقۂ دام ہیں وہ نرگسِ فتاں مجھ کو
چار دیوارِ قفس ہیں صفِ مژگاں مجھ کو

دُور کر چہرۂ روشن سے نقاب اے محبوب!
داغ دیتا ہے چراغِ تہِ داماں مجھ کو

شادیٔ وصل میں جامے سے ہوں باہر دونوں
میں برہنہ اسے دیکھوں تو وہ عریاں مجھ کو

دیکھ لوں پھاڑ کے آئینے میں اے دستِ جنوں!
رہنے دو زیب جو دے چاکِ گریباں مجھ کو

خاک میں مل کے بھی لپٹوں گا ترے دامن سے
اپنے کوچے کی سمجھ گردِ پریشاں مجھ کو

یادِ رخسارِ کتابی جو رہا کرتی ہے
دل سمجھتا ہے مرا حافظِ قرآں مجھ کو

پھر نہ نکلوں میں چمن سے جو صبا تیری طرح
غنچۂ گل ہوں کبھی دیکھ کے خنداں مجھ کو

لبِ محبوب کی سرخی ہوں میں اس میں سنتا
لعل کو دیکھنے جانا ہے بدخشاں مجھ کو

فکرِ اشعار کو لازم ہے دماغی قوت
سونگھنا چاہیے وہ سیبِ زنخداں مجھ کو

دل مرا نعرۂ تکبیر ہلا دیتا ہے
جتنے کافر ہیں سمجھتے ہیں مسلماں مجھ کو

موسمِ گل نہیں آتا ہے، اجل آتی ہے
گور سے تنگ ہوا جاتا ہے زنداں مجھ کو

دستِ رنگیں کی تری بیعت اُسے کرواتا
ہاتھ آتا جو کوئی پنجۂ مرجاں مجھ کو

کم ہے جتنا کہ ہوں ممنوں ترا بندہ نواز!
صورتِ انسان کی دی، جوہرِ انساں مجھ کو

ہمہ تن ہو کے جو دل اس میں گروں اے آتشؔ
رکھے یوسفؑ کی طرح چاہِ زنخداں مجھ کو

صاف ہو ہر چند بد باطن، عزیزِ دل نہ ہو
کج نما آئینہ ہرگز دید کے قابل نہ ہو

روئے زیبا کا کسی محبوب کے مائل نہ ہو
دل تو دینا سہل ہے پر جان کی مشکل نہ ہو

یار تو بھولا، کرے غماز ہی اے کاش یاد
دوست تو غافل ہوا، دشمن کہیں غافل نہ ہو

نیم بسمل کی طرح سے زندگانی ہے خراب
اس قدر بھی آدمی کو حسرتِ قاتل نہ ہو

اے صنم! کوئی نہیں محبوب تجھ سا دوسرا
سخت کافر ہے جو وحدت کا تری قائل نہ ہو

عشقِ طفلاں سے زیادہ روز ہوتا ہے سیاہ
نامۂ عصیاں ہمارا کاغذِ باطل نہ ہو

اے بتِ بے رحم عزرائیل عاشق کا نہ بن
سینۂ بیمارِ اُلفت کے لیے تُو سِل نہ ہو

ہے غرورِ حسنِ دو روزہ سے ازخود رفتہ یار
اس قدر بھی نشۂ معجونِ آب و گل نہ ہو

اُٹھ چکا روزِ قیامت روئے قاتل سے نقاب
عرصۂ محشر نگہ کے تیر کی منزل نہ ہو

حرمتِ کعبہ طریقِ صاحبِ اسلام ہے
چاہیے رنجیدہ کافر کا بھی تجھ سے دل نہ ہو

ہے ہر اک مصرع مرا خطِ بتاں کے وصف میں
مدعا بے عشق کو اس سے کبھی حاصل نہ ہو

ڈوب جانا پار اُترنا ہے محیطِ عشق سے
یہ تو ہے بحرِ محبت، گر نہیں ساحل نہ ہو
اپنے اشکوں کی جو غلطانی دکھاؤں میں اُسے
گوہرِ غلطاں کا نسیاں سے صدف سائل نہ ہو
کنجِ تنہائی میں مَیں نے زندگی کی ہے بسر
گور بھی میری کسی کے گور کے شامل نہ ہو
دام میں صیاد نے کھینچا اُنھیں، اچھا کیا
باغ ہے، کچھ بلبل و قمری کی یہ محفل نہ ہو
حشر تک زیرِ زمیں تڑپا کرے گا گور میں
کشتۂ ابرو ہے آتشؔ تیغ کا بسمل نہ ہو

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو!
مشتاق جو ہوتا ہوں کعبے کی زیارت کا
آنکھیں پھری جاتی ہیں طوفِ حرمِ دل کو
توڑے دلِ عاشق کو وہ بت تو عجب کیا ہے
کافر ہے سمجھتا ہے کیا کعبے کی منزل کو
نظارۂ صورت سے معنی کا خیال آیا
لیلیٰ کے ہوئے مجنوں، ہم دیکھ کے محمل کو
آبِ دمِ تیغ آبِ انگور ہے اے قاتل!
مستوں کی طرح پاتا ہوں رقص میں بسمل کو
رُخ سے جو نقاب اپنے وہ آئینہ رو اُلٹے
حیران ہو، بیخود ہو، سکتہ سا ہو، محفل کو
سودائیوں کی تیرے روح آئی ہے قالب میں
اے زلفِ سیہ سُن کر آوازِ سلاسل کو
بے وجہ نہیں اپنے اُڑنے کو یہ بھولا ہے
رُخ کا ترے تل سمجھا کافور نے فلفل کو
کشتہ نہ ہو دل کیونکر، اللہ نے بھیجا ہے
شمشیر سے دو ابرو دے کر مرے قاتل کو
تاخیر نہ کر کوئے محبوب کے چلنے میں
کھوتی نہیں کرتے ہیں فردوس کی منزل کو
بے طرح پھنسا ہے تو اُس زلف کے پھندے میں
اللہ کرے آسان اے دل ترے مشکل کو
جو چاہے سو مانگ آتشؔ درگاہِ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

کھائے گا خنجرِ جلاد کا چرکا پہلو
زخمِ پہلو کو مبارک ہو جگر کا پہلو
ہدفِ تیر نگہ ہیں جگر و دل دونوں
دیکھیے ہووے کب آباد کدھر کا پہلو
شبِ تنہائی جہنم میں مجھے رکھتی ہے
داغ پہلو سے نہ ہو گرمِ بشر کا پہلو
نالۂ صبحِ شبِ وصل دلاتا ہے یاد
خالی ہوتا ہے مگر مرغِ سحر کا پہلو
بڑھ چلا لاکھ قدِ یار کی موزونی سے
مصرعِ سرو میں نکلا نہ کمر کا پہلو
بیقراری مری رکھتی ہے مرے پہلو سرد
نہ تو ڈھلتا ہے ادھر کا، نہ اُدھر کا پہلو
دور سے کوچۂ دلبر کو کھڑا تکتا ہوں
نہ تو دیوار کا تکیہ، نہ تو در کا پہلو

زخمِ کاری ہے مری جان جدائی تیری — دم نکل جائے گا پہلو سے جو سرکا پہلو
یاد آتا ہے تلِ اُس سیبِ زنخداں کا مجھے — نظر آ جاتا ہے داغی جو ثمر کا پہلو
صاف دل خاک ہو اُس کافرِ کینہ جو سے — نکلے جب صلح کی باتوں میں بھی شر کا پہلو
کوئی صورت نہیں کمبخت کی آبادی کی — روز ویرانہ ہے مجھ خاک بسر کا پہلو
شورِ واعظ سے نہیں کام قدح خواروں کو — پھر بگڑ جائے گی پایا جو اُدھر کا پہلو
زخمِ پہلو کا خدا حافظ و ناصر ہووے — چاند سے صاف ہے اُس رشکِ قمر کا پہلو
خللِ انداز کا کیا ڈر، جو موافق ہو مزاج — کہیں ہوتا ہے جدا سکّے سے زر کا پہلو؟

خاکساری نے فضیلت مجھے دی ہے آتش
شملۂ شیخ دیا ہے دُمِ خر کا پہلو

دلایا یاد شب اُس نے جو تیری ساقِ سیمیں — رولایا صبح تک نس نس کے میں نے شمعِ بالیں کو
خزاں نے بیشتر کارِ گل و بلبل کیا آخر — جزائے خیر دے اللہ صیاد اور گل چیں کو
ہزار افسوس ہے اے بے مروت تو نہیں آتا — غش آ جاتا ہے اکثر ترے بیتابوں کی تسکیں کو
تماشا دیکھتا ہوں گھر میں بیٹھے ہفت کشور کا — بنایا ہے مرا دل توڑ کر جامِ جہاں بیں کو
تکلّف سے مبرّا ہے مزاجِ عاشقِ شیدا — نہ دیکھا قمریوں کی گردنوں میں طوقِ زریں کو
نئے ہر سال سرکار جنوں سے داغ ملتے ہیں — بہارِ گل کیا کرتی ہے جاری تازہ آئیں کو
نہ گھبرا اس قدر، شامِ شبِ فرقت سحر ہو گی — دعا تو مانگ غافل مستعد اختر ہے آمیں کو
عدم پہنچائے گا شوق اس کمر کا مجھ کو ہستی سے — سمجھتا ہوں گڑھے میں گور کے گامِ نخستیں کو
سوارِ اسپ اے گلگوں قبا تجھ کو اگر دیکھیں — منجم منزلِ مریخ سمجھیں خانۂ زیں کو
پری سے چہرے پر لہرا کے سو سو بار آتی ہے — ہوا ہے آج کل سودا تمھاری زلفِ مشکیں کو
تمھیں دیکھے تو مجنوں سے سوا لیلیٰ ہو دیوانی — تمھاری دلفریبی چھین لے خسرو سے شیریں کو
سواری میں دکھائی دیں گے میرے خاک کے ذرّے — مُوا ہوں دیکھ کر اک آفتابِ خانۂ زیں کو
حسینوں کو ہے لازم رحم اپنے عشق بازوں پر — رعیت پر رعایت چاہیے کرنی سلاطیں کو
ہماری قبر ہو مشقِ خرامِ ناز کی تختی — قلم کی چال ادا چلوائے اُن پائے نگاریں کو
بشر کو بعد نعمت کے، ہے ہوتی قدر نعمت کی — غنیمت جانتا ہے لنگ اپنے پائے چوبیں کو

ہمارے یار کی رہتی ہے جنگِ زرگری آتش
نہیں کچھ دخل اس قصے میں عقلِ مصلحت بیں کو

لپٹ کر یار سے چوما نہایت روئے رنگیں کو
چمن میں توڑتے دیکھا جو میں نے پھول گل چیں کو

ہمارا کاسۂ سر راہ افتادہ ہے مدت سے
خدا توفیق دے ٹھوکر کی اُن پائے نگاریں کو

تمھاری زلف کے ہر مُو کو ہیں اک اژدہا کہتے
سزا دلوائیے ان شاعرانِ ناتواں بیں کو

گستاخی شب وصل اپنے ہاتھوں سے عجب کیا ہے
کریں طوقِ کمر جو یار کی ساقِ بلوریں کو

خرامِ ناز کی مشق آج کل اُن کو نہایت ہے
رہا کرتا ہے گھڑیوں زلزلہ سا کوہ تمکیں کو

سنی ہیں کافرانِ عشق کے منہ سے جو تعریفیں
مسلماں ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اُس غارت گرِ دیں کو

نظر پڑ جائے جو تیرے صفائے رُخ کا آئینہ
نگہ بد بیں کی پھر کر کور کر دے چشم بد بیں کو

فراقِ یار میں جب سامنے آیا تو آنکھوں نے
نگاہِ زہر آلودہ سے دیکھا خوابِ شیریں کو

کہاں پیچ و خمِ گیسوئے مشکیں زلفِ سنبل میں
تمھاری نازک اندامی سے کیا نسبت ہے نسریں کو

فراقِ یار میں سودائے آسائش نہیں بہتر
نہ آئی نیند تو توڑوں گا سر سے خشتِ بالیں کو

گلِ رخسار اپنا تم نے جس شاعر کو دکھلایا
مُوا وہ ڈھونڈتے ہی ڈھونڈھتے مضمونِ رنگیں کو

خیال آتا ہے دل کو جاں کنی کی جبکہ مشکل کا
زباں سے گوش پڑھوا کر سنا کرتے ہیں یٰسیں کو

رسائی دارِ بستِ تاک تک جن کی نہیں ہوئی
وہ مفلس جانتے ہیں خوشۂ انگور پرویں کو

جمالِ یار سے روشن ہیں آنکھیں، گھر منور ہے
نہیں پھولا سماتا دل خوشی ہے جانِ غمگیں کو

فقیری کا ترے کوچے کی جن کے سر کو سودا ہے
پروں کا تکیہ وہ سمجھے ہوئے ہیں خشتِ بالیں کو

جھکائے رکھے گی کب تک حیائے حسن وہ آنکھیں
کوئی دن چشم پوشی طائرِ دل سے ہے شاہیں کو

بشر کیا کر سکیں گے کام دستِ قدرتِ حق کا
بنایا خوبصورت یار سا اک لعبتِ چیں کو

وہ طفلی کا بھی عالم یاد ہے آج اے شکار افگن
لپٹ جاتا تھا ہم سے، دیکھ کر تو شیرِ قالیں کو

تمنا دولتِ دنیا کی اے آتش نہیں رہتی
قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو

دلِ بیتاب کو فریاد و فغاں کرنے دو
پہلے غماز ہی کو قصہ بیاں کرنے دو

جانبِ دشتِ عدم خیمہ رواں کرنے دو
وحشتِ دل کو علاجِ خفقاں کرنے دو

سوزِ دل میری طرح سے نہ بیاں ہووے گا
شمعِ کافوری کو بھی چرب زباں کرنے دو

کوہِ غم ٹوٹنے پر آہ ہے یہاں کم ظرفی
ٹھیس سے کاسۂ چینی کو فغاں کرنے دو

منہ نے آ ہی گیا لشکرِ اندوہ و ملال
اب تو سیدھے مری آنکھوں کو نشاں کرنے دو

آخرِ کار تہِ خاک ہے مسکن سب کا
اہلِ دولت کو بلند آج مکاں کرنے دو

میں تو شاعر نہیں، عاشق ہوں، مجھے کیا ڈر ہے
کاکلِ یار پہ افعی کا گماں کرنے دو

رنگ اُڑ جائے گا رخسارۂ نافرماں سے
باغ میں تم مری آہوں کو دھواں کرنے دو

اُس کا افسانہ دکھاوے گا مجھے خوابِ عدم
کمرِ یار نزاکت کو نہاں کرنے دو

انتظارِ مَلَک الموت میں بیدار ہوں میں
بختِ خفتہ کو مرے خوابِ گراں کرنے دو

آج تک آہ کے کوڑوں سے بدن نیلا ہے
آسماں کو مجھے رسوائے جہاں کرنے دو

کمرِ یار کا مضمون نہیں بندھ سکنے کا
مُو شگافوں کو رگِ گل کا گماں کرنے دو

اہلِ سلام ہوں، غیبت نہیں شیوا میرا
میرے دشمن کو مرے عیب عیاں کرنے دو

پھوٹ بہنے دو انھیں یار کے آگے آتش
دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیاں کرنے دو

جور و جفائے یار سے رنج و محن نہ ہو
دل پر ہجومِ غم ہو، جبیں پر شکن نہ ہو

شادی نہیں قبول مجھے، غم قبول ہے
میری خوشی ہے تنگ مرا پیرہن نہ ہو

دیکھوں تو تا کجا نہیں ہوتا ہے رام تو
انسان ہے آخر اے بتِ وحشی ہرن نہ ہو

رو اس قدر کہ آبروئے ابرِ تر رہے
اتنا نہ ہنس کہ برق کبھی خندہ زن نہ ہو

پہنچے نہ راستی میں ترے قد کو قدِ سرو
ہم پلۂ نازکی میں گلِ یاسمن نہ ہو

وہ کم نصیب ہوں کہ میسر کبھی جسے
معشوقِ نوجوان و شرابِ کہن نہ ہو

آئینے سے حجاب نہ ٹوٹے حبیب کا
شانے سے صاف زلفِ شکن در شکن نہ ہو

شرمندہ پیشِ یار ہیں گلبرگ و آئینہ
ایسا لطیف و صاف کسی کا بدن نہ ہو

بیمار مدتوں سے ہے میرا دلِ حزیں
اس کا علاج بوسۂ سیبِ ذقن نہ ہو

بوسوں سے عارضوں ہی کے لب لطف اُٹھائیں گے
رخسارِ یار میں جو نہیں ہے دہن نہ ہو

ہستی میں یاد آئے نہ کیونکر عدم مجھے
وہ آدمی نہیں جسے حب الوطن نہ ہو

ہم تشنہ لب موئے تو سزا چاہیے کی تھی
غیرت سے پانی پانی وہ چاہِ ذقن نہ ہو

عاشق ہوں میں معاف ہوں میرے سوا تجھے
عریاں جو چاہے اُس کو میسر کفن نہ ہو

یہ رعبِ حسنِ یار سے محفل ہے دم بخود
ڈھونڈھو تو عرضِ حال کو پیدا دہن نہ ہو

کس گھر میں روشنی نہیں اندھیر ہے دلا
روشن چراغِ عشق سے قصرِ بدن نہ ہو

وہم و خیال کے بھی نہ ہاتھ آئے وہ کمر
حجت کا اُس دہن کی کسی کو دہن نہ ہو

عالم پسند صورتِ زیبائے یار ہے
یہ سکہ وہ نہیں ہے کہ جس کا چلن نہ ہو

کہہ کر ہر ایک عضو سے یہ روح چل بسی — اس طرح بے چراغ کوئی انجمن نہ ہو
سینگوں کو اپنے دیکھے، کھروں پر نظر کرے — ہم چشم یار چشم سیہ سے ہرن نہ ہو
رنگینیٔ سخن رہے گی روز حشر تک — اُڑ جائے چار دن میں یہ رنگِ چمن نہ ہو

آتش جو بوسہ لے لے تو اُس کا بُرا نہ مان
عاشق ہے اے صنم یہ ترا برہمن نہ ہو

سنے آنکھوں کے پہروں ہی بٹھایا یار کو — مال مارا ہم نے، لوٹا دولتِ دیدار کو
غش سے آنکھیں کھول کر دیکھے جو زلفِ یار کو — روزِ صحت کا شبِ تاریک ہو بیمار کو
سماں پر حُسن نے پہنچا دیا دلدار کو — دھوپ سایے کو کیا، سورج کیا رخسار کو
چیر کر پہلو کیا قاتل کے خنجر نے کرم — اپنے گھر میں آیا مہمان توڑ کر دیوار کو
سلسلہ اپنا رخِ محبوب تک پہنچا دیا — زلف نے شیرازۂ مصحف کیا زنار کو
مشہدِ پروانہ میں اکثر جلائی ہم نے شمع — نامِ بلبل پہ لٹایا بارہا گلزار کو
کس کے چار ابرو کے نظارے نے دم پھڑکا دیا — درمیاں پاتا ہوں دل کو چار سو تلوار کو
پر زے اُڑتا ہے دلِ صیاد ہر نالہ کیساتھ — باغباں قینچی سمجھتا ہے مری منقار کو
اٹھا ہے عاشقوں پر آپ کے رغبت کی آنکھ — آنکھ دکھلاؤ تم اپنے روزنِ دیوار کو
دردِ دل نے پردہ اپنی لاغری کا رکھ لیا — تارِ قانون کر دیا نالوں نے جسمِ زار کو
چار ہی دن میں نہ رکھا بلبل و گل کا نشاں — کھا گئی صیاد و گلچیں کی نظر گلزار کو
خواب میں بھی دیکھنے سے یار کے رکھتا ہے باز — فتنہ بیدار کہئے دیدۂ بیدار کو
حلقہ اپنے بزم کا انصاف سے خالی نہیں — شمع روشن کی، تو نہ ٹوٹا مُرغِ آتش خوار کو
دشمنوں کو جان کے، دل کی طرح رکھا عزیز — گرگ کو پالا بغل میں، آستیں میں مار کو

سرکشی نے پائی آتش خاکساری سے شکست
فضل سے اللہ کے توڑا بُتِ پندار کو

دوست رکھتے ہیں جواں مردِ اہلِ جوہر یار کو — تول کر زر سے سپاہی لیتے ہیں تلوار کو
صاف یوں کرتا ہے شانہ موئے جعدِ یار کو — جنتری میں کھینچتے ہیں جس طرح سے تار کو
کر دیا نوعِ دگر سُرمے نے چشمِ یار کو — نرگسِ شہلا بنایا نرگسِ بیمار کو
خوشنویسی میں بھی کی اُس طفل نے مشقِ ستم — خون سے بلبل کے لکھا قطعۂ گلزار کو
ابروؤں سے وہ مسیں کیونکر نہ ہوویں دلپذیر — خوبصورت ہم نے دیکھا راست خمِ تلوار کو

شمع کے شعلے کو جب گلگیر نے منہ میں لیا
پر نچا آنکھوں نے دیکھا مُرغِ آتش خوار کو

سنگ ریزے کیا خدا اس کو نہ دیتا باغ میں
کبک نے رزاق سمجھا ہے مگر کہسار کو

جب سے دیکھا ہے گزرگاہِ نگاہِ یار اُسے
تاڑے ناوک جانتا ہوں روزنِ دیوار کو

پیچھے رکھنا میرے داغوں پر اسے اے دوستو!
آگ پر رکھ دیکھو پہلے مرہمِ زنگار کو

پردۂ دل سے نکلنا نالے کا یاد آ گیا
خوب رویا سُن کے میں آوازِ موسیقار کو

دستِ قدرت نے بنایا حُسن کا مجھ کو گدا
آنکھوں کے کاسے دیے دریوزۂ دیدار کو

سبز خط سے حُسن نے گورے زنخداں میں ترے
چشمۂ کافور کی کائی کیا زنگار کو

یادِ صحرا نے یہ زنداں میں رُلایا مجھ کو خوں
گل سے رنگیں کر دیا زنجیر کے ہر خار کو

خونِ جگر ہوتا ہے یہ گفتار کیسی جانِ جاں
چھیتے ہو دل کو، کیا کہتے ہیں اس رفتار کو

دل کو بہلاتا ہے وہ تُرک آتش اپنی تیغ سے
رقصِ بسمل کا دکھایا کرتی ہے وہ یار کو

کیا ہوا نادم دکھا کر آئینے میں یار کو
تپ چڑھ آئی دیکھ اپنی نرگسِ بیمار کو

سمجھے ہم دیکھا جو قد و ابروئے دلدار کو
راستی ہے تیر کو زیبندہ، خم تلوار کو

چل کے دکھلا دے جو اندازِ خرامِ یار کو
ہنس کی گردن میں ڈالوں موتیوں کے ہار کو

طاقِ ابرو میں یہ چشمِ یار سے ظاہر ہوا
بہرِ صحت لاتے ہیں مسجد میں بھی بیمار کو

شربتِ عُناب، آبِ تیغ زہر آلودہ ہے
سیب انارِ آتشیں ہے عشق کے بیمار کو

وہ تنک مشرب ہیں ہم خم خانۂ افلاک میں
نشۂ زر ہو، پئیں گر شربتِ دینار کو

خاک سے روشن ضمیروں کی بنی ہے یہ مگر
سیرِ بیرون و دروں ہے روزن و دیوار کو

چہرۂ رنگیں کی دکھلائی تصور نے بہار
بند آنکھوں کو کیا، کھولا درِ گلزار کو

جوشِ وحشت میں کیا میں نے گریباں چاک چاک
ہڈیاں زخموں کی پہنائیں گلے کے ہار کو

یار بن سمجھا گلوں کو میں گنہگاروں کی بھیڑ
سرو و سنبل نے دکھایا ریسمان و دار کو

وقتِ آخر عشقِ پنہاں یار پہ ظاہر ہوا
نزع میں عیسیٰ نے پہچانا مرے آزار کو

لب بلب فرہاد کو شیریں سے ہونا ہے محال
لعل قسمت میں نہیں کاٹا کرے کہسار کو

حسن کے جلوے سے روشن ہو گئے آنکھوں کے چراغ
کورِ مادر زاد دیکھیں گے ترے دیدار کو

پھر گیا آنکھوں میں آتش گورِ تیرہ کا گڑھا
خاک اُڑائی میں نے جب سوچا مآلِ کار کو

نعمت عشق کی چاہ ہے تو راحت جانِ ایذا کو ۔۔۔ عصا پیچھے دیا، پہلے جلایا دستِ موسیٰ کو
منصف ہوں اگر میں نے کیا ختمِ کلام اللہ ۔۔۔ ثواب سورۂ یوسف دیا رُوحِ زلیخا کو
خدا جانے کہ ہو گا حال کیا ہم بادہ نوشوں کا ۔۔۔ لڑا کر جام سے توڑا ہے بدمستی میں مینا کو
حنائے بحرِ خوبی تیرے دست و پا میں لازم ہے ۔۔۔ نہیں دیکھا ہے خالی پنجۂ مرجاں سے دریا کو
شب و روز اس کو قفس شادمانے میں مَیں پاتا ہوں ۔۔۔ حصارِ عافیت گرداب نے سمجھا ہے دریا کو
دل پژمردہ ہوتا ہے شگفتہ کوئے جاناں میں ۔۔۔ ہوائے باغِ جنت زندہ کر دیتی ہے مُوتا کو
کیا استاد کو شاگرد اُس طفل پری رُو نے ۔۔۔ پڑھایا روزِ بسم اللہ علمِ عشق مُلّا کو
نہیں جس کا کوئی، اُس کا خدا ہے پوچھنے والا ۔۔۔ اٹھاتے ہیں ملائک آکے بے وارث کے مُوتا ہو
مری میراث ہے خلدِ بریں فرزندِ آدمؑ ہوں ۔۔۔ سرہانے جانتا ہوں اپنے میں زانوئے حورا کو
شب تاریک میں آنکھوں کو وہ دلبر نظر آیا ۔۔۔ سیہ خیمے میں مجھ مجنوں نے دیکھا روئے لیلا کو
تراشا تجھ کو جس بت ساز نے اے بت قیامت کی ۔۔۔ بنایا شیشے سے نازک مزاج سنگ خارا کو
دکھایا کس پری پیکر نے خالِ چہرۂ رنگیں ۔۔۔ غنیمت جانتا ہے لالہ اپنے داغِ سودا کو
چمن میں یارمہ رو بن جو رویا میں تو اشکوں نے ۔۔۔ گلوں کے کان کا جھمکا بنایا ہے ثریا کو
فریبوں سے نہ رکھ امداد کی امید مشکل میں ۔۔۔ نکالا ناخنِ پا نے کہاں خار کفِ پا کو
وہ محبوبِ جہاں ہے تو، ہوا نے تیرے کوچے کی ۔۔۔ چھڑوایا شیخ سے کعبے کو راہب سے کلیسا کو

یدِ بیضا سا روشن یار کا رخسار ہے آتشؔ
لبِ جاں بخش رکھتے ہیں دمِ پاکِ مسیحا کو

یارب آغازِ محبت کا بخیر انجام ہو ۔۔۔ شیشے میں اُترے پری، پختہ جنونِ خام ہو
دل کو عشقِ آتشِ گل سے جلا مثلِ سپند ۔۔۔ نالۂ اول میں اے بلبل تجھے آرام ہو
دفن ہوں دولت سرائے یار کو دہلیز میں ۔۔۔ اُس صنم کا آستانہ میرے گھر کا بام ہو
مرغ دل کو کنجِ لب میں زلفِ پیچاں لے گئی ۔۔۔ اُس طرح سے جس طرح رہبر قفس کا دام ہو
اس قدر شوقِ قبائے تنگ و چست اچھا نہیں ۔۔۔ جامے سے باہر نہ وہ محبوبِ گل اندام ہو
کیسی کیسی راحتیں پائی ہیں کوئے یار میں ۔۔۔ صبحِ جنت سے منور اُس گلی کی شام ہو
مے سے تلوار اپنی بجھوائی ہے اُس سفاک نے ۔۔۔ دیکھیے لبریز کس کس بے گنہ کا جام ہو
دستِ انصاف و ترازوئے خرد موجود ہے ۔۔۔ وہ تلے اُس چشم سے بے مغز جو بادام ہو
دریا بار آ پہنچا قریبِ مے کدہ ۔۔۔ ناخدائے کشتیِ مے ساقیِ گلفام ہو

ہے یہی اپنی دعا زُلفِ سیاہِ یار کو
ہو نہ جس سر کو تیرا سودا، اُسے سرسام ہو

حُسن کا شہرہ ہو ہم کو خاک میں ملوائے عشق
کارِ مردانہ کرے کوئی، کسی کا نام ہو

چال وہ چلتے ہو، دل پستے ہیں جس پر ہر قدم
کام وہ کرتے ہو تم جس میں کسی کا کام ہو

کچھ تکلف چاہیے دولت سرائے یار میں
نقرئی دیوار و در ہوویں، طلائی بام ہو

رازِ ہے، سن لو اسے، تم سے کہے رکھتے ہیں ہم
انجمن میں بات خلوت کی نہ آتش عام ہو

بے یار ساری رات جلایا شراب کو
تا صبح میں نے منہ نہ لگایا کباب کو

کھل جائے پردہ آپ کے حسن و جمال کا
عاشق نگاہِ بد سے جو دیکھیں نقاب کو

اُمیدوار ہیں نگہِ لُطف کے کھڑے
آنکھوں کے سامنے سے ہٹاؤ حجاب کو

ترکِ فراقِ یار ہے. وہ ترکِ بد مذاق
کھا جائے بے نمک کے جو کچے کباب کو

دندانِ یار کھلتے ہیں ہنسنے میں بیشتر
بے آبرو کریں گے یہ دُرِّ خوشاب کو

سنتے ہیں روزِ حشر کو منہ ہو گا اس طرف
ذرّے بھی دیکھ لیں گے رُخِ آفتاب کو

کچھ کچھ اثر تو ہونے لگا جذبِ عشق کا
عشق سُن کے ہم کو یار نے بھیجا گلاب کو

اس کا جواب ہے، نہ تو اُس کا جواب ہے
رُخِ یار کو ملا ہے نہ پشت آفتاب کو

قاصد کے ہاتھ آنے سے رشک آئے گا مجھے
لکھا ہے میں نے خط میں، نہ لکھنا جواب کو

دل کو رہیں گے جوشِ محبت سے ولولے
ہو گا وہ مست جو کہ پیئے گا شراب کو

فرقت میں یار کے ہے بھرا پیس کر نمک
آنکھوں میں اپنی میں نے جو دیکھا ہے خواب کو

پی کر شراب نشے سے اُس نونہال نے
شمشیرِ آبدار کیا ہے شباب کو

بے گنتی بوسے لیں گے رُخِ دل پسند کے
عاشق ترے پڑھے نہیں علمِ حساب کو

رکھتے ہیں اہلِ مدرسہ بھی عشق یار سے
سمجھے ہوئے ہیں روئے کتابی کتاب کو

سودائے زلفِ یار کو سر میں ہوا نہ رکھ
اے دل لگا نہ جان کے پیچھے عذاب کو

اے شہسوار خانۂ زیں کا ہے تو چراغ
یمنِ قدم سے تیرے شرف ہے رکاب کو

اُترے ہو تم جو غسل کو، عالم ہے وجد کا
دریا اُچھالتا ہے کلاہِ حباب کو

نعماتِ بے حساب کو تیرے کمی نہیں
پایا طعام خواں میں، کوزے میں آب کو

آتش جو شوقِ کعبہ ہے دل سے کرو رجوع
دیکھو اُس آستانۂ عالی جناب کو

بیقراری میں مری یار اثر پیدا ہو
سر کو دیوار سے ٹکراؤں تو در پیدا ہو

جوہر پاک سے پاکیزہ گہر پیدا ہو
صُلبِ یعقوبؑ سے یوسفؑ سا پسر پیدا ہو

خوش جمالوں سے زمانہ نہیں رہتا خالی
مہر پنہاں ہو نظر سے تو قمر پیدا ہو

ابرِ نیساں کے کرم سے دُرِ یکتا لاکھوں
گوش تو کوئی سزاوارِ گہر پیدا ہو

شعر گوئی میں مری طبع کو دقت ہے پسند
خشک دو لب ہوں تو اک مصرعِ تر پیدا ہو

بے نمودوں کو بھی ہو شوق نموداری کا
ناف کی طرح وہ معدوم کمر پیدا ہو

مجھ مسافر کی تو صورت نہ کسی نے دیکھی
میں تو پوشیدہ رہا گردِ سفر پیدا ہو

ایک دم میں میں لٹا دوں ابھی نشے میں اُسے
مجھ کو دولت سے اگر نشۂ زر پیدا ہو

باغِ عالم میں ہوا چلتی ہے وہ وحشت خیز
صورتِ بید ہو مجنوں، جو شجر پیدا ہو

عہدِ پیری میں طبیعت کو جوان ہم بھی کریں
خوبصورت جو وفادار بشر پیدا ہو

حلقۂ زلف سے وہ چہرۂ روشن نظر آئے
ظلمتِ شام میں بھی نورِ سحر پیدا ہو

میرے اشعار گل اندام پڑھیں اے آتش
فکرِ رنگیں میں مرے رنگِ اثر پیدا ہو

ٹھوکریں مار کے مردوں کو جلاتے نہ چلو
رشک سے خاک میں زندوں کو ملاتے نہ چلو

اُن کی پازیب کی جھنکار سے آتی ہے صدا
فتنۂ حشر کو بدخواب جگاتے نہ چلو

باغ میں آئے ہو ساتھ اُن کے بھی پھر لو دو گام
کبک و طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو

برقِ شمشیر کی اچھی نہیں چالیں چلنی
راہ کو کاٹتے، جادے کو جلاتے نہ چلو

سائلِ بوسہ کو منہ پھیر کے کہتا ہے وہ شوخ
نیک طینت ہو تو بد ذاتی پر آتے نہ چلو

گرے پڑتے ہیں کنوؤں اور گڑھوں میں رہ گیر
ذقن و ناف کے عالم کو دکھاتے نہ چلو

دو قدم ساتھ جو چلتا ہوں میں گریاں اُن کے
یہی فرماتے ہیں ہنس ہنس کے، ہنساتے نہ چلو

گوشمالی دو نہ گلگشت میں گل کو پیارے
طفلِ غنچہ ہے غریب، اُس کو ڈراتے نہ چلو

پُر مشقت ہے رہِ عشق نہ طے ہو دو گام
کوسوں دریا جو پسینے کے بہاتے نہ چلو

منہ چھپا کر یہ نکلنا ہے تمہارا اندھیر
رہ نشیں عاشقوں کو راہ بتاتے نہ چلو

مشقِ رفتار کرو، گرم روی کی نہ سہی
کون سی چال ہے یہ، آگ لگاتے نہ چلو

بھاگ کر عاشقِ شیدا سے کہاں جاؤ گے
قدم آہستہ رکھو ٹھوکریں کھاتے نہ چلو

اپنے ہاتھوں سے نہ اندھوں کا گلا کٹواؤ
یوں چلو پاؤں کی آواز سناتے نہ چلو

کوئے معشوق میں اے عاشقوں جاتے ہو تو جاؤ
یہ شگون نیک نہیں، خاک اڑاتے نہ چلو

اُن سے کہہ دے کوئی آتے ہیں جو یہ لکّے، ابر
چشم آتش کی طرح آنسو بہاتے نہ چلو

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

بیاں کچھ تو کرے آگے ہمارے حالِ گلشن کو
خدا نے دس زبانیں ایک دہن میں دی ہیں سوسن کو

دلِ بیتاب بسمل کی طرح سے رقص کرتا ہے
چھری سے اک کری ہوگئی ہے لاگ گردن کو

نقاب اُس آفتابِ حُسن کا اندھیر رکھتا ہے
رُخِ روشن چھپا کر شب کیا ہے روزِ روشن کو

اُڑاتے دولتِ دنیا کو ہیں ہم عشق بازی میں
طلائی رنگ پر صدقے کیا کرتے ہیں کندن کو

ملاحت کا تمھاری دور دور افسانہ پہنچا ہے
چمن سے باغباں نے کھود کر پھینکا ہے سوسن کو

یہی سودا رہا شمشیرِ قاتل کی تمنا میں
پیا پانی بجھایا لال کر کے جب کہ آہن کو

قبائے سرخ وہ اندام نازک دوست رکھتا ہے
ملانا خاک میں عاشق کا ہے شغل ان کے دامن کو

تجھے ملوا کے بستی باغ اے محبوب لے چلتے
گھڑی بھر کو جو ملتی چشمِ نرگس روئے سوسن کو

کوئی شمشیرِ چوبیں جو نظر آئی ہے میلے میں
کیا ہے یاد ہم نے اپنے قاتل کے لڑکپن کو

نہایت زخم کے سینے میں کرتی ہے یہ بیدردی
کسی مژگاں سے تو کچھ رشتہ داری ہو نہ سوزن کو

تصوّر لالہ و گل کا رہا کرتا ہے آنکھوں میں
قفس میں بھی سلامِ شوق کر لیتے ہیں گلشن کو

سوار اُس تیغ زن کو دیکھتا ہے جو وہ کہتا ہے
ہمارا خون حاضر ہے، اگر رنگواؤ توسن کو

کمی ہو گی نہ بعدِ مرگ بھی بیتابیٔ دل میں
قیامت تک رہے گا زلزلہ سا میرے مدفن کو

قدم مردانگی کے ساتھ مارا دوست داری میں
کیا ہشیار غافل پا کے اکثر ہم نے دشمن کو

دگرگوں رنگ رہتا ہے مرا شوقِ شہادت میں
گراں ہے دوش کو گردن تو بھاری سر ہے گردن کو

تبسم میں نظر آنا ترے دنداں کا آفت ہے
چمکنے سے لگاتی ہے یہ بجلی آگ خرمن کو

حقیقت ہم سے پوچھے کوئی اس عشقِ مجازی کی
بہت دیکھا ہے تصویرِ گلی کے رنگ و روغن کو

یہ قصرِ یار کو پیغام دینا اے صبا میرا
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں تیری دیواروں کے روزن کو

پڑے ہو غش میں کیا مُردے سے آتش آنکھ کو کھولو
خبر کے واسطے اُس بُت نے بھیجا ہے برہمن کو

حاضر ہیں ہم جو معرکۂ کارزار ہو
مریخ فیلِ مست کے اوپر سوار ہو

رسوا نہ نالے کر کے دلِ بیقرار ہو
بدتر ہے عشق عیب سے جب آشکار ہو

رنگِ حنا سے سرخ کفِ دستِ یار ہو
خونِ شہید مہر و وفا ساز وار ہو

یارب! اسیرِ زلف دلِ داغدار ہو
طاؤس دامِ ابرِ سیہ کا شکار ہو

زاہد فریبِ نرگسِ جادوئے یار ہو
بیمار ہو وہی کہ جو پرہیز گار ہو

کج رکھ کے وہ کلاہ جو چڑھتے ہیں اسپ پر
گردن پر اُن کی خون ہمارا سوار ہو

مستِ شرابِ عشق کب آتے ہیں ہوش میں
یہ نشہ وہ نہیں ہے کہ جس کو خمار ہو

اُلٹی ہوا زمانے میں چلتی ہے، چاہیے
اُس گلبدن کو میری طرح خار خار ہو

پنہاں دہن جو ہے تو رہے، کچھ غرض نہیں
بوسے کے واسطے لبِ یار آشکار ہو

اے آفتابِ حسن! یہ حسرت ہے بعدِ مرگ
ہر ذرہ میری خاک کا تجھ پر نثار ہو

بلبل کو مول لے کے حوالے کروں چمن
کوچے میں یار کے جو مرا اختیار ہو

دستِ جنوں سے زلف کے سودے میں چاہیے
پیراہنِ حیات مرا تار تار ہو

کب سے دل و جگر ہیں نشانہ بنے ہوئے
دیکھوں کدھر سے تیرِ نگہ کا گزار ہو

چنگاریاں جھڑیں عوضِ قطرہ ہائے آب
برسائے آگ ابر جو دل کا بخار ہو

وردِ زباں ہو نام ترا جس کو اے حبیب
حاصل اُسے نگیں سے سوا اعتبار ہو

دھوکا جو تیرے آتشِ رخسار کا نہ کھائے
سیماب آگ میں نہ کبھی بیقرار ہو

اُس رشکِ گل کی چینِ جبیں میں نہ ہو کمی
شبنم کی طرح سے کوئی گریاں ہزار ہو

گلگشت کا خیال جو آ جائے آپ کو
تم آگے، پیچھے پیچھے تمھارے بہار ہو

سُرمہ نہ سمجھے جو کہ تری گردِ راہ کو
آشوب ہو اُس آنکھ کے اندر غبار ہو

بیزار زندگی سے ہوں یہ شوقِ مرگ میں
ڈھونڈھوں چراغ لے کر جو پیدا مزار ہو

لازم نہیں ہے وصل کی شب میں "نہیں نہیں"
ایسا نہ غمزہ کیجیے جو ناگوار ہو

آتش ہو دل دو نیم، سخن چیں اگر سنے
اپنا کلام معجزۂ ذوالفقار ہو

ہوسِ نعمت کی بعدِ مرگ بھی رہتی ہے انساں کو
لحد میں پاس رکھ دیتے ہیں دور افتادہ دنداں کو

جلا دیتی ہے اپنی گرم رفتاری بیاباں کو
کھٹکتے ہیں ہمارے آبلے خارِ مغیلاں کو

بہار آئی ہے دیوانو! چلو سیرِ بیاباں کو
گریباں پھاڑنے پر باندھو اپنے اپنے داماں کو

نہ اُٹھ کر در بدر ہو، کنجِ عزلت میں جو بیٹھا ہے
دہن سے چھوٹ کر بے قدر دیکھا ہم نے دنداں کو

روا ہے عاشقوں کی، اپنے معشوقوں کو دلداری
محبت سے محبت ہوتی ہے انسان سے انساں کو

مٹھائی کھائی تو شکرِ لبِ شیریں کیا پہروں
پیا پانی تو دی ہم نے دعا چاہِ زنخداں کو

فراقِ دوست کا صدمہ نہ ہو دشمن کے دل کو بھی
محبت ہو اُسے بھی جس سے الفت ہووے انساں کو

کبھی جو ہاتھ اُس محبوب کی ٹھُڈی میں ڈالا ہے
کہاں ہے توڑ تو لوگے نہ تم سیبِ زنخداں کو

ترا منہ دیکھ کر پڑھتا ہوں سورہ قل ہو اللہ کا
مسلماں ہوں، بجا لاتا ہوں میں تعظیمِ قرآں کو

ہر اک حلقے میں ہو سو سو دلِ عاشق کی گنجائش
خدا جمعیتِ خاطر دے اُس زلفِ پریشاں کو

نہیں تیرے کرم کو قید کچھ اعلیٰ و ادنیٰ کی
سکندر تشنہ رہ جائے، پیئے خضر آبِ حیواں کو

تری درگاہ کے ذرّوں سے ہے جب سامنا ہوتا
حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مہرِ تاباں کو

دلِ دیوانہ کو میرے پھنسا کر تم نے زلفوں میں
دکھایا خانۂ زنجیر میں مجنوں سے مہماں کو

نگاہوں کا اُن آنکھوں کے ہے ترچھا پن وہی اب تک
وہی کاوش، وہی دل سے خلش رہتا ہے مژگاں کو

فغاں کرتا ہوں جب اندام میں رعشہ سا ہوتا ہے
دلِ دیوانہ کا نالہ ہلا دیتا ہے زنداں کو

فراقِ یار میں گریے کا ضبطِ آتش نہیں بہتر
بخارِ دل نکلنے دو، برس لینے دو باراں کو

کریں گے جمع معنی فہم اجزائے پریشاں کو
شکنجے میں بہت کھینچیں گے صحاف اپنے دیواں کو

فقیری سلطنت ہے خاکسارِ کوئے جاناں کو
مبارک جام ہو جمشید کو، خاتمِ سلیماںؑ کو

مذاق اُس کو ہے جو چوسے لبِ شیرینِ جاناں کو
دماغ اُس کا ہے جو سونگھے کسی سیبِ زنخداں کو

خمِ ابروئے قاتل پھر گیا ہے اپنی آنکھوں میں
لیا ہے بوسہ، دیکھا ہے جو ہم نے تیغِ عریاں کو

تمھارے چہرۂ پُر نور کے بے داغ ہونے نے
نظر سے اپنی آنکھوں کے گرایا ماہِ تاباں کو

ہوا ہے یار جو سیرِ چمن میں ساتھ اپنے
کبھی گل کی طرف دیکھا ہے گاہے روئے خنداں کو

غمِ اُلفت کو کتنا ہی نگلیے، دل نہیں بھرتا
یہ وہ نعمت ہے بھوکا رکھتی ہے جو اپنے مہماں کو

انھی سے جوہری فریاد کرنے اُن کی آتے ہیں
پسے جاتے ہیں ہیرے، پیستے ہیں جب وہ دنداں کو

محبت کی نگہ سے لطف ہر اک رنگ میں پایا
تماشا تھا جو دیکھا چشمِ بلبل سے گلستاں کو

جنوں کے جوش میں کرتا ہوں کار سیل میں مجنوں
نکل جاتا ہوں صحرا، توڑ کر دیوارِ زنداں کو

کیے ہیں کافر و دیندار اُن زلفوں نے سودائی
ہوئے ہیں جان کا جنجال ہندو و مسلماں کو

کبھی دل کھول کر رویا جو ہوں شوقِ شہادت میں
کیا ہے حلقِ بسمل، خونِ دل سے چشمِ گریاں کو

جنوں کے جوش میں ایسا گلے کو اپنے گھونٹا ہے
حکومت ہو تو دلوا دیجیے پھانسی گریباں کو

شبِ وصلت میں بوسے لے کے اس روئے کتابی کے
جبیں سے تا زنخداں ختم کر دیتا ہوں قرآں کو

جدھر جاتے ہو، ہر گھر میں سے یہ آواز آتی ہے — مسیحا ہو، جو بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ
قدم انداز سے باہر ہوتے جاتے ہیں صاحب کے — ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر، دیکھتے جاؤ
ملیں وہ راہ میں اب کی تو کہتا ہوں جو ہو سو ہو — دکھا دو گھر مجھے اپنا، مرا گھر دیکھتے جاؤ
خرامِ ناز میں عاشق سے ہو اس کا اشارہ بھی — کچھ اپنی تیغِ ابرو کے بھی جوہر دیکھتے جاؤ
روشِ مستانہ چلتے ہو، قدم مستانہ پڑتے ہیں — خدا کے واسطے، بہرِ پیمبر دیکھتے جاؤ
کوئی اُن سے کہے منہ پھیر کر جو قتل کرتے ہو — تڑپتا ہے تمھارا کشتہ کیونکر، دیکھتے جاؤ
نگاہِ لطف کا شائق ہے تحت و فوق کا عالم — کبھی نیچی نظر ہو، گاہ اوپر دیکھتے جاؤ
کبھی مل جاتے ہیں ابرو، کبھی جنبش ہے مژگاں کو — دکھاتے ہو ہمیں شمشیر و خنجر، دیکھتے جاؤ
نقاب اک دن اُلٹ کر تم نے یہ منہ سے نہ فرمایا — جمالِ آفتاب ذرہ پرور دیکھتے جاؤ

نہ پھیرو اس سے منہ آتش جو کچھ درپیش آ جائے
دکھاتا ہے جو آنکھوں کو مقدر، دیکھتے جاؤ

ردیف ہائے ہوز

ہے نرالی کششِ عشقِ جفا کار کی راہ — چاہِ کنعاں میں ملی مصر کے بازار کی راہ
رہنما یادِ الٰہی کا ہوا عشقِ صنم — پہنچے ہم کعبۂ مقصود کو کہسار کی راہ
کثرتِ شوق نے ازبسکہ کیا عرصہ تنگ — مردہ نکلا نہ مرا کوچۂ دلدار کی راہ
شہرۂ حُسن نے دیدار کا مشتاق کیا — نکہتِ گل نے بتائی مجھے گلزار کی راہ
پیشتر سب سے کیا طالعِ بد نے بیدار — حشر کے روز بھی دکھلائی مجھے یار کی راہ
تنگ دستی نے زمانے میں یہ پایا ہے رواج — یوسف اس عہد میں تکتا ہے خریدار کی راہ
نہیں مجھ سا کوئی دنیا میں سکندر طالع — آئنہ رو نے مجھے قتل کیا پیار کی راہ
لبِ بام آ کے جو دیدار کرے عام وہ شوخ — ایک ہو جائے ابھی کافر و دیندار کی راہ
پیار سے کہتے ہیں اُن کو جو 'مسیحا' عاشق — ناز سے چلتے نہیں خانۂ بیمار کی راہ
دیکھ کر صورتِ احباب کو پھر جاتا ہے — کج ادائی سے ہے اُلٹی ترے رخسار کی راہ
زلفِ مشکیں کے جو سودے میں ہے دل گھبراتا — پوچھتا پھرتا ہوں ایک ایک سے تاتار کی راہ
حُسن کے عشق نے ہستی میں عدم سے کھینچا — شوقِ یوسفؑ نے دکھائی ہمیں بازار کی راہ
کھینچ لی ہے تو لگانے میں تامل نہ کر — کھوٹی ہوتی ہے میاں آپ کی تلوار کی راہ
عید ہو گی، رمضان جائے گا، اے بادہ کشو! — بند رہنے کی نہیں خانۂ خمار کی راہ

خیال آتا ہے صحرا کا جو شب کو جوشِ وحشت میں
بناتا ہوں فتیلہ پھاڑ کر میں جیب و داماں کو

دو روزہ تو جوانی ہے، دو روزہ تاجداری ہے
مروت حسن کو اللہ دے، انصاف سلطاں کو

منور کر جمال و حسن کے نظارے سے آنکھیں
الٰہی بھیج دے گھر میں مرے یوسفؑ سے مہماں کو

ترا مجروح مثلِ ارغواں ہوتا جو گلشن میں
گلِ خنداں کو شرماتا دکھا کر زخمِ خنداں کو

تمھارا حسن اپنے جوہرِ حکمت کرے ظاہر
شفا بیمار پائیں سونگھ کر سیبِ زنخداں کو

زہے اقبالِ سیم و زر ہے عز و شرف آتشؔ
تمام آرائشوں میں سے چنا اُس رُخ نے افشاں کو

ہنسنا ہی خوش آیا، نہ تو رونا مرے دل کو
میٹھا ہی نے بھایا، نہ سلونا مرے دل کو

اکسیر سے بہتر ہے درِ یار کو مٹی
منظور نہ چاندی ہے، نہ سونا مرے دل کو

تا صبح تجھے یاد کیا، مجھ کو جگا کر
بھولا نہ ترے ساتھ کا سونا مرے دل کو

بے وجہ رُلاتا نہیں دکھلا کے رُخِ یار
آنکھوں کو ہے ساتھ اپنے ڈبونا مرے دل کو

بس ہو تو ابھی چیر کے پہلو کو نکل جائے
رکھتا ہے بہت تنگ یہ کونا مرے دل کو

یوسفؑ سے حسیں ہووے کوئی طفل تو چاہوں
کچھ کھیل نہیں جان کا کھونا مرے دل کو

بازیچۂ ہستی میں وہ مجنونِ پری ہوں
اطفال سمجھتے ہیں کھلونا مرے دل کو

پہلو میں نہیں جب سے کہ وہ غیرتِ لالہ
داغ اوڑھنا ہے، داغ بچھونا مرے دل کو

نالوں سے نہ اظہار ہو بیتابیٔ جاں کو
رسوائی ہے اُس دکھڑے کا رونا مرے دل کو

نظارہ کیا کیں وہ، یہ دیدار کو ترسا
دن رات رہا آنکھوں کا رونا مرے دل کو

کانٹا سا کھٹک جاتا ہے جب یار ہے آتا
بالے میں ترا پھول پرونا، مرے دل کو

خالِ سیہِ یار کا نقش آفتِ جاں ہے
اچھا نہیں اس تخم کا بونا مرے دل کو

انکار ترے قد کی قیامت کا نہ ہو گا
مومن ہوں میں، کافر نہیں ہونا مرے دل کو

تر گریۂ شادی سے رہوں گا میں شبِ وصل
بے فصل کے منہ میں ہے بھگونا مرے دل کو

گل سے جو سحر قطرۂ شبنم ہیں ٹپکتے
یاد آتا ہے منہ کا ترے دھونا مرے دل کو

کچھ خاک اُڑانے سے نہیں ملنے کا آتشؔ
بیکار یہ مٹی کا ہے ڈھونا مرے دل کو

نکلتی کس طرح ہے جانِ مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ

نسیمِ نو بہاری کی طرح آئے ہو گلشن میں
تماشائے گل و سرو و صنوبر دیکھتے جاؤ

غیرِ حق کو میں سمجھتا ہوں خیالِ باطل
آتش اک دل میں نہیں ہوتی ہے دو چار کی راہ

دیکھا ہے سبو کو جو دھرے سر کے تلے ہاتھ
یاد آیا ہے ساقی کا وہ ساغر کے تلے ہاتھ

دامن کا خیال آتا ہے جب جیب دری میں
دیوانوں کے ہو جاتے ہیں اوپر کے تلے ہاتھ

دل دوستیِ بُت کا نہ پابند ہو یا رب!
دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

گرمی نہ تمھاری سی ہوئی آتشِ گل سے
گل چیں کا نہ رکھا کبھی اخگر کے تلے ہاتھ

یاد آتا ہے وہ قدِ کشیدہ جو چمن میں
ملتا ہوں میں جا جا کے صنوبر کے تلے ہاتھ

تبدیل شبِ وصل سے ہو روزِ جدائی
بالش کے عوض ہو سرِ دلبر کے تلے ہاتھ

عاشق سے نگاہوں میں یہ کہتی ہیں وہ آنکھیں
مژگاں جو چھوئیں رکھ دیا خنجر کے تلے ہاتھ

مستی میں طلب گار تُو ساقی سے ہے مے کا
کاٹوں گا میں کانپے گا جو ساغر کے تلے ہاتھ

صحرا کو چلو، چاک گریباں کرو آتش
لنگر میں نہ ہیں پاؤں، نہ پتھر کے تلے ہاتھ

اس قدر دل کو نہ کر اے بُتِ سفاک سیاہ
زیب دیتی نہیں اس کعبے کو پوشاک سیاہ

میلِ تزئیں جو تری نرگسِ فتاں کو ہوا
طور کو واسطے سُرمے کے کیا خاک سیاہ

پانی مانگے نہ کبھی ترچھی نگہ کا مارا
دلِ کافر سے ہے چشمِ بُتِ بیباک سیاہ

یار سے وعدۂ فردا ہے عجب کیا اب کا
روزِ روشن کو کرے گردشِ افلاک سیاہ

کسی حالت میں نہ ظاہر ہو جو ہو اصل نجس
سُرخ ہو یا کہ ہو رنگِ سگِ ناپاک سیاہ

نہ ہوا شانۂ گیسو، نہ تو دستار کا گل
بخت رکھتا ہے ہمارا دلِ صد چاک سیاہ

نظر آیا اِدھر آنکھوں سے، اُدھر غائب تھا
اسپِ مشکیں ہے ترا آہوئے چالاک سیاہ

کون سے باغ میں لاتی ہے مجھے شامت بخت
گل سیہ، بوٹے سیہ، سرو سیہ، تاک سیاہ

نگہِ بد سے تجھے دیکھے تو اے عالمِ نور
کوئلے سے ہو سوا روئے ہوس ناک سیاہ

کون سا صیدِ زبوں صید فگن نے باندھا
خونِ فاسد نے کیا کس کے یہ فتراک سیاہ

جس بیاباں میں لگی نالۂ آتش سے ذوں
کوسوں تک ہو گئے جل کر خس و خاشاک سیاہ

سرخ مہندی سے نہیں اُس بُتِ خونخوار کے ہاتھ
دست آویز مرے خون کی لگی یار کے ہاتھ

بندگی کی یہ تمنا ہے، کوئی لے جو ہمیں
بکتے ہیں کوڑیوں کے مول خریدار کے ہاتھ

نیم جاں دل ہے طلب گارِ سلوکِ شمشیر
آبرو اپنی ہے اب ابروئے خمدار کے ہاتھ

حق خدمت میں نہیں کوئی کمی کی ہم نے — جانفشانی کا اب انصاف ہے سرکار کے ہاتھ
پاؤں کو اُن کے چھوا میں نے تو ہنس کر بولے — کاٹے جاتے ہیں تو ایسے ہی گنہگار کے ہاتھ
نہیں بے وجہ یہ ابرو سے اشارے اُن کے — عشق بازوں کو بتاتے ہیں وہ تلوار کے ہاتھ
زر سا محبوب ستم گار نہیں اُس کے لیے — بیچتے سر کو جواں مرد ہیں سردار کے ہاتھ
روئے زیبا نہ دکھایا کریں ہر ایک کو آپ — قدر اُس شے کی نہیں جو گئی دو چار کے ہاتھ
توڑ لے اے شجرِ حسن لبوں کے عناب — ضعف رکھے جو نہ باندھے ترے بیمار کے ہاتھ
کام جس کا ہے اُسی سے ہے تعلق رکھتا — پاؤں کی طرح سے زیبا نہیں رفتار کے ہاتھ
وعدۂ وصل کی شادی سے فنا دم ہو گا — قتل کر ہاتھ پر اپنے نہ صنم مار کے ہاتھ

نہ جلائے، نہ تو گاڑے کوئی ہم کو آتش
مردہ اپنا نہ پڑے کافر و دیندار کے ہاتھ

پاس دل رکھتا ہے منظورِ نظر ہر آئینہ — نیک و بد سے پیش آتا ہے برابر آئینہ
جب نہ تب چڑھتا ہے اُس قاتل کے منہ پر آئینہ — ٹکڑے ٹکڑے ہوئے گا اک دن مقرر آئینہ
چاند سے مکھڑے کو دکھلا کر چھپانا قہر ہے — اُس خدا نا ترس کو دکھلاؤں کیونکر آئینہ
چاند کے اوپر نہیں پڑتی کسی صورت سے خاک — منہ تو دیکھیں لے کے یوسفؑ کے برادر آئینہ
دیکھ کر حالِ زبوں کو میرے حیراں رہ گیا — یار کے دل سے بھی تھا ہر چند پتھر آئینہ
ہو کے اُس شمشیرِ ابرو کے مقابل بچ چکا — ایسا کیا پہنے ہوئے ہے خود و بکتر آئینہ
آنکھ بھر کر ایک دن دیکھا نہ روئے صاف یار — میں وہ مفلس ہوں، نہیں جس کو میسّر آئینہ
موردِ نفرت کوئی مجھ سا نہیں، حیران ہوں — مجھ سے صورت آشنا ہوتا ہے کیونکر آئینہ
رو بروئے یار ہوتے ہی زباں ہوتی ہے بند — کس طرح طوطی کو کرتا ہے سخنور آئینہ
اب زمیں پر پاؤں بھی رکھ کر نہیں چلتا ہے یار — کر چکا آراستہ اُس کو مقرر آئینہ
یہ نہیں بے وجہ اے قمری اکڑنا سرو کا — آبجو اُس کو دکھاتی ہے مقرر آئینہ

ہرزہ گوئی سے تری حیرت ہوئی آتش خموش
خود پسندی تا کجا، اب طاق پر دھر آئینہ

معشوق نہیں کوئی حسیں تم سے زیادہ — مشتاق ہیں کس ماہ کے انجم سے زیادہ
کیا کہیے ترے عاشق بیتاب ہیں کتنے — ذرّوں سے زیادہ ہیں یہ انجم سے زیادہ
کملی مری پشمینے سے رکھتی ہے مجھے گرم — سنجاب سے افزوں ہے، یہ قاقم سے زیادہ

سیلاب کا کام اشک کریں خانۂ تن میں
ان چشموں میں بھی جوش ہے قلزم سے زیادہ

لنگ ابلقِ ایام نہ ہو مار کے ٹھوکر
ہے سخت مرا کاسۂ سر، سم سے زیادہ

اندھیر ہے، دل پستے ہیں سرمے کی طرح سے
آنکھیں نہ لڑایا کرو مردم سے زیادہ

میخانۂ الفت میں نہیں جائے تنک ظرف
کس جام میں یاں نشہ نہیں خم سے زیادہ

منظورِ نظر ہے دلِ بلبل کا دکھانا
شوق ان دنوں اس گل کو ہے گلدم سے زیادہ

صوفی جو سنے نالۂ موزوں کو ہمارے
حالت ہو مغنی کے ترنم سے زیادہ

ٹھوکر ہے تری صاحبِ اعجاز مسیحا
نالہ تری خلخال کا ہے "قم" سے زیادہ

آئینے میں دیکھا ہے جو منہ چاند سا اپنا
خود گم ہے وہ بت، عاشقِ خود گم سے زیادہ

فائق ہو غضب پر کرم اس بت کا الٰہی
"اجلس" وہ دلارام کہے "قم" سے زیادہ

دشمن ہیں مرے خورد و کلاں عشق میں تیرے
موذی ہوئے ہیں افعی و کژدم سے زیادہ

حسرت کی نگاہوں سے عیاں حال ہے میرا
گویا ہوں خموشی میں تکلم سے زیادہ

بجلی کو جلا دیں گے وہ لب دانت دکھا کر
شغل آج کل ان کو ہے تبسم سے زیادہ

کہتا ہے وہ شوخ آئینے میں عکس سے آتش
تم ہم سے زیادہ ہو تو ہم تم سے زیادہ

مرد آلودہ نہ ہوں دنیائے بازیگر کیساتھ
کب وفاداری زنِ قحبہ نے کی شوہر کیساتھ

منزلِ مقصود کا سودا ہے اپنے سر کے ساتھ
گردِ رہ کی طرح لپٹے جاتے ہیں رہبر کیساتھ

چل سکیں گے کبک کیا اس فتنۂ محشر کے ساتھ
کوہ مثلِ کاہ اڑتے پھرتے ہیں ٹھوکر کیساتھ

حلقۂ دیوانگاں ہے اس پری پیکر کیساتھ
اس طرح اصحاب ہوں جس طرح پیغمبر کیساتھ

یکتا ہوں حسن کے عالم کو میں زیور کیساتھ
مجھ کو بھاتی ہے بنا گوشِ صنم گوہر کیساتھ

میکشِ عاشق مزاج اے ساقیِ مہرو ہوں میں
بوسۂ لب کی گزک بھی دے مجھے ساغر کیساتھ

سبزۂ خط کو دکھا کر تو نے مارا ہے جنھیں
حشر ان لوگوں کا ہو گا خضر پیغمبر کیساتھ

کترتا ہے مرے صیاد تو کاٹ اس طرح
حسرتِ پرواز بھی اڑ جائے بال و پر کیساتھ

جوہر اس کے اک دن اے سفاک اس پر کھول دے
لاگ رکھتی ہے مری گردن ترے خنجر کیساتھ

مومن و کافر کا قاتل ہے ترا حسنِ شباب
آتش افروختہ یکساں ہے خشک و تر کیساتھ

اس قدر شیریں دہن اے دلربا ہوتا نہیں
شیر دایہ نے پلایا ہے مجھے شکر کیساتھ

جس قدر نفرت ہے اس سے مجھ توکل پیشہ کو
اس قدر ہو گی نہ قاروں کو محبت زر کیساتھ

یہ اشارہ جنبشِ مژگاں سے اُس گل رُو کی ہے
دم نکل جاتا ہے سودائی کا اس نشتر کیساتھ

قدر دیوانے کی بے ہنگامۂ طفلاں نہیں
چاہیے سالارِ لشکر کو، رہے لشکر کے ساتھ

صورت آباد جہاں کے حسن کا شیدا نہ ہو
صندل اس بُت خانے میں ملتا ہے دردِ سر کیساتھ

جب رُلاتا ہے تصور تیرے دانتوں کا مجھے
تولتا ہوں اشک کے قطروں کو میں گوہر کیساتھ

ہمرہی کا جو کبھی ہوتا ہے آتش اتفاق
خضرِ صحرا گرد دیتا ہے مرا مر کیساتھ

اونچا ہو لاکھ تاڑ سے بھی سرو چار ہاتھ
رتبہ بلند ہے ترے قد کا ہزار ہاتھ

کھاتے ہیں غوطے رہ گزرِ کوئے یار میں
رہتا ہے میرے اشکوں سے تیراؤ چار ہاتھ

دامن چھڑا کے جب سے گیا ہے وہ بیوفا
دانتوں سے کاٹتا ہوں میں بے اختیار ہاتھ

دو کو کمر میں، دو تری گردن میں ڈالتا
دیتا جو اے صنم! مجھے اللہ چار ہاتھ

دوں گا سزا میں تارِ گریباں سے باندھ کر
رازِ جنوں کریں گے اگر آشکار ہاتھ

دیوانے منتظر ہیں نسیمِ بہار کے
کپڑوں کے پھاڑنے کے ہیں اُمیدوار ہاتھ

رخسارۂ صنم سے اُلٹ کر نقاب کو
دکھلا رہی ہے قدرتِ پروردگار ہاتھ

چپّی شبِ وصال سحر تک کیا کیے
پائے حبیب کے رہے خدمت گزار ہاتھ

صید افگنی کا لطف دکھاتا ہے دامِ فکر
مضمون کو جانتے ہیں ہم آیا شکار ہاتھ

چھلّے جڑاؤ رکھتے ہیں وہ پور پور میں
دکھلا رہے ہیں ہم کو جواہر نگار ہاتھ

کہتا ہوں دستِ قاتلِ بے رحم چوم کر
وقتِ عطائے رحمتِ پروردگار ہاتھ

نعمت وہ تیرے خوانِ کرم کی ہے بے حساب
خالی نہ کر سکیں جسے ہژدہ ہزار ہاتھ

کھجلائی پیٹھ اُس کی تو بولا وہ گلبدن
ہو جائے خشک ہو کے ترا پشت خار ہاتھ

کیفیتِ حیات ہے پیری میں میہماں
لبریز جامِ روح ہے تن، رعشہ دار ہاتھ

زنجیر کو بہار میں توڑا، نہ طوق کو
گردن سے اور پاؤں سے ہیں شرمسار ہاتھ

مہندی لگا کے قتل جو مجھ کو نہیں کیا
غیرت کے مارے ملتا ہے حسرت سے یار ہاتھ

چاہیے جو ہم نشینی کے حق کو ادا کرے
آتش ہو پار توڑ کے گل چیں کا خار ہاتھ

ظاہر کسی کے دل کو ہو کیا خار خار کچھ
سنتا نہیں وہ گل کہے کوئی ہزار کچھ

توفیقِ خیر رکھتی ہے جو تیغِ یار کچھ
زخم اتنے کھاوے نہ رہے شمار کچھ

پوچھی کسی نے محکمۂ حشر میں نہ بات
ٹھہرے نہ ہم حساب میں روزِ شمار کچھ

خوب آگاہ ہے نظارے کے دستور سے آنکھ
یہ شگوفہ ہے لڑاتا شجرِ طور سے آنکھ
نہ دبی یار کی میرے پری و حور سے آنکھ
نہ کبھی نار سے، جھپکی نہ کبھی نور سے آنکھ
کیا کریں سامنے وہ عاشقِ رنجور سے آنکھ
فعل مختار ملاتے نہیں مجبور سے آنکھ
اثرِ عشق ہے پیری میں بھی اتنا باقی
دیکھ لیتی ہے حسینوں کی طرف دور سے آنکھ
لالہ رو عشق میں تیرے ہے یہی اپنی دعا
داغِ دل کی نہ دے مرہمِ کافور سے آنکھ
عشق ہے حسن سے کس پردہ نشیں کے تجھ کو
واقف اب تک نہیں اے دل تیرے منظور سے آنکھ
پھر نہیں سکتی چھری شرم و حیا پر ان سے
لال کرتے نہیں وہ بادۂ انگور سے آنکھ
غم نہ کھا رزق کا، گو کور ہو، گو لنگ ہو تو
پھیرتا خواجہ نہیں بندۂ معذور سے آنکھ
مُردنی چھائی ہے منہ پر، ہے کفن یاد آیا
جب کبھی ہو گئی ہے سامنے کافور سے آنکھ
کیا توقع ہو بھلا ان سے ہم آغوشی کی
پاس کب آئے وہ دکھلاتے ہیں جو دور سے آنکھ
روزِ روشن سے ہے روشن رخِ نورانی یاد
فوقِ ظلمت میں ہے رکھتی شبِ دیجور سے آنکھ
تو توجہ جو نہ فرمائے تو اندھیر ہے پھر
دل ہے روشن ترے دم سے، تو ترے نور سے آنکھ
ڈر یہی ہے مجھے، احول نہ کہیں ہو جاؤ
ٹیڑھی رکھتے ہو بہت عاشقِ رنجور سے آنکھ
چار سُو یار کو ڈھونڈھے گی تری خاطر سے
تجھ سے اے دل نہیں باہر کبھی مقدور سے آنکھ
دار پر بھی مجھے کھینچیں تو اناالحق نہ کہوں
سرخ ہر چند ہو میری مئے منصور سے آنکھ
خون ہو ہو کے شب و روز بہا کرتی ہے
کور ہو جائے گی ہم چشمیِ ناسور سے آنکھ
اس لطافت کی سفیدی و سیاہی ہے عجب
مشک ہی سے نہ بنی تھی، نہ تو کافور سے آنکھ
اپنی پازیب کی جھنکار سناؤ مجھ کو
کھولنے کا میں نہیں غلغلۂ صور سے آنکھ
پردہ ناموسِ محبت کا رہے یا نہ رہے
لڑ گئی اب تو ہے اک شاہدِ مستور سے آنکھ
حشر کے روز وہ دیدارِ خدا دیکھیں گے
نیچی ہوتی نہیں جن کی بُتِ مغرور سے آنکھ

اور کیا یار کی تعریف کروں اے آتش
چہرہ بہتر جو پری سے ہے تو بہتر حور سے آنکھ

کیوں کر آن پر پڑے نہ سب کی آنکھ
قد قیامت کا ہے، غضب کی آنکھ
کیا تلون مزاجِ یار میں ہے
صبح کو پھر نہ تھی وہ شب کی آنکھ
تجھ سے قاتل کی شکل دکھلائی
دشمنِ جان و دل تھی کب کی آنکھ

جوہری ہو گئی ہے ان روزوں — دُرِ دندان و لعل، لب کی آنکھ
بوسۂ لب میں ان سے کیا مانگوں — تاڑ جاتے ہیں وہ طلب کی آنکھ
تیرے نظارے کے لیے ہی ہوئے — ماہ و خورشید، روز و شب کی آنکھ
سامنے کرتی ہے تجلّی کے — بند اگر ہو گئی تو ڈب کی آنکھ
یوں نگہ اُس ذقن کو ڈھونڈتی ہے — چاہ کو جیسے تشنہ لب کی آنکھ
دیکھ سکتا ہے کون انھیں عریاں — پھوٹ جاتی ہے بے ادب کی آنکھ
یاد چشمِ نظر، نظر آیا — کھل گیا پردہ، بند جب کی آنکھ
تم نے بے وجہ ہم سے منہ پھیرا — تم نے کج ہم سے بے سبب کی آنکھ
مرضِ عشق کیا جتاؤں میں — چھپی رہتی کہیں ہے تپ کی آنکھ؟
بُتِ بے دیں پھرے تو کیا غم ہے — نہ پھرے مجھ سے میرے رب کی آنکھ

آنکھ اس تُرک نے نکلوائی
سامنے پھر جو آتش اب کی آنکھ

•

سرمے سے مرے یار کی جادو سے بھری آنکھ — دیوانہ ہوا جس نے کہ دیکھی وہ پری آنکھ
کرتی ہے سرِ معرکہ، بیداد گری آنکھ — فی الواقعی ہے یار تری ترکِ جری آنکھ
نیچی نہ کہیں رہتی ہیں قاتل کی گلی میں — روزن سے ملا سکتے نہیں رہ گزری آنکھ
پیری میں فنا یاد دلاتی ہے دکھا کر — خورشیدِ لبِ بام و چراغِ سحری آنکھ
شغل ہے دن رات جدائی میں کسی کے — خالی میں کیا کرتا ہوں اشکوں سے بھری آنکھ
دیکھے نگہِ بد سے نہ صورت کو کسی کے — اللہ رکھے تجھ کو گناہوں سے بری آنکھ
کس منہ سے زباں اپنی کرے لافِ محبت — لب خشک ہی رہتی ہے نہ رکھتی ہے تری آنکھ
او دشمنِ جاں! تجھ کو خبر ہے کہ نہیں ہے — احباب سے کرتی ہے بہت کج نظری آنکھ
سرمہ جو لگایا ہے تو پھر چل کے چمن میں — دکھلائیے اب نرگسِ شہلا کو ذری آنکھ
الفت کا طریقہ ہے زمانے سے نرالا — یاں آتے ہیں رہزن سے لڑاتے سفری آنکھ
روئی یہ، کہ بُت اشکوں کے ریلے سے بہائے — کیا کام کیا تو نے، خدا سمجھے اری آنکھ
ہوتے ہیں بہت ظلم و ستم کوئی سمجھائے — موقوف کرے شرم و حیا ان کی ذری آنکھ
بندھوائے دمِ قتل نہ جلاد سے پٹی — تلوار سے جھپکی، نہ تو قاتل سے مڑی آنکھ
یوں گور کا رہتا ہے مرے دل میں تصور — منزل کی طرف رکھتے ہیں جیسے سفری آنکھ
رو رو کے نہ رسوا کرے، دل دوست ہے اس کا — دشمن سے بھی رکھتے نہیں یہ پردہ دری آنکھ

روتا ہوں جو یادِ لبِ لعلیں میں لہو میں
خونابۂ دل سے ہے عقیقِ جگری آنکھ

آتش نظر آتا نہیں یہ ناف کا حلقہ
دکھلا رہی ہے یار کی نازک کمری آنکھ

ردیف یائے تحتانی

خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی سے
ملا بامِ حقیقت زینۂ عشقِ مجازی سے

رسائی مصر تک اس کی تو اُس کی عرش تک حد ہے
مہِ کنعاں کو کیا نسبت ہے خورشیدِ حجازی سے

طرحداری کرے گی عاشقوں کو جامے سے باہر
گریباں چاک ہوں گے یار کی دامن درازی سے

برنگِ سبزہ روندا ہوں رہِ محبوب گلرو میں
یہ پامالی ہے بہتر دو جہاں کی سرفرازی سے

صفائے قلب سے زیرِ نگیں ہیں بحر و بر دونوں
ملا رتبہ سکندر کا مجھے آئینہ سازی سے

جبیں ساؤں سے اے بت تیرے کوچے کو بھرا رکھے
نہ دکھلائے خدا اُس کعبے کو خالی نمازی سے

کھلایا اسمِ اعظم کو فسونِ حسنِ لولی نے
فرشتوں کی حقیقت کھل گئی عشقِ مجازی سے

پناہ اے پُر فریبو! قہر سے اللہ کے مانگو
سزا دیتا ہے حاکم آدمی کو قلب سازی سے

ہزاروں کشتیِ تن پار اُتری گھاٹ سے اُس کے
رہے دریائے خوں جاری تری تیغِ جہازی سے

تنِ محرور کا میرے پڑے اُس پر جو پرچھانواں
یقیں ہے موم شرما جائے آہن کی گدازی سے

رہی ہیں بند اک کانِ ملاحت کے تصوّر میں
مزا لوٹا ہے آنکھوں نے مری نظارہ بازی سے

شبِ آدینہ بھی آتا نہیں گورِ غریباں پر
ہنوز آگہ نہیں وہ شمع رو مسکیں نوازی سے

کمیتِ خامہ خوش رفتار ہے کس مرتبہ آتش
قدم میں آگے تُرکی سے رہا، سرپٹ میں تازی سے

گیسوئے مشکیں رُخِ محبوب تک آنے لگے
چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

دور کروایا پسینے نے نقابِ گلعذار
قطرۂ شبنم بھی دیوارِ چمن ڈھانے لگے

چال لیلیٰ کی کنارِ جُو جو وہ خوش قد چلا
بید مجنوں کی طرح سے سرو تھرّانے لگے

لے کے دل کو چار بوسوں پر دیا اک یار نے
ہم نے یہ سمجھا روپے کے ہاتھ چار آنے لگے

رنگ لائی چہرۂ گُل پر نسیمِ نو بہار
اپنی اپنی زمزمہ سنج چمن گانے لگے

ظلم مُردوں پر کیا مشقِ خرامِ یار نے
ہر قدم پر کاسۂ سر ٹھوکریں کھانے لگے

بھی تو اے شعلہ رُو اک شب اُلٹ منہ سے نقاب
گردِ شمعوں کے بہت رہتے ہیں پروانے لگے

کم نہیں کالی گھٹا سے یار کی زلفِ سیاہ
دیکھ لے طاؤس کافر کو تو چلّانے لگے

گاہ مِسّی کی دھڑی ہے، گہ گلکھوٹا پان کا
رنگ عاشق سے تمھارے لعلِ لب لانے لگے

نام جس نے عشق کا روئے کتابی سے لیا
اُس کو زلفوں کے شکنجے میں وہ کھنچوانے لگے

آنکھ پھیری تُو نے جس سے دم فنا اُس کا ہوا
مُردے کے آثار زندے میں نظر آنے لگے

مُشک کی بُو سونگھ کر اک بد دماغی سی ہوئی
یادِ زلفِ یار آئی، سر کو ٹکرانے لگے

دم فنا کرنے لگی تیری کمر کی جستجو
عاشقِ جانباز ہستی سے عدم جانے لگے

مر بھی جاؤں تو نہ آتش گور پر آئے وہ گل
کام تمکیں کو غرورِ حسن فرمانے لگے

صبر ہر چند ہے سینے کے لیے سِل بھاری
نہ سُبک ہو نہ جو سمجھے اُسے غافل بھاری

بوسۂ خال کے سودے میں ہوا ہوں یہ زار
تو لیے مجھ سے، ترازو میں، تو ہو تِل بھاری

بارِ ہستی نہیں اب مجھ سے سنبھالا جاتا
یاالٰہی! مجھے سمجھے کوئی قاتل بھاری

حاملِ جسم ہوئی روح ہی کا حوصلہ تھا
کوہ ناقہ ہو تو اُس پر ہے یہ محمل بھاری

نہ پھرا در بدر اے دیدۂ معشوق طلب
دستِ ہمت کو ہے اب کاسۂ سائل بھاری

صورتیں سدِّ رہِ معنی ہیں باز آ اُن سے
پھیر کھا کھا کے نہ کر پاؤں سے منزل بھاری

بسکہ تھی کوچۂ جلّاد سے اُلفت مجھ کو
ہو گیا کوہِ گراں سے تنِ بسمل بھاری

فوق مجنوں سے رہے عشق و جنوں میں مجھ کو
اُس کی زنجیروں سے ہوں میری سلاسل بھاری

زور کر توڑ کے جاں، دل کو اُٹھا دنیا سے
یہ وہ پتھر ہے، نہیں جس سے کوئی سِل بھاری

نہ اُٹھا بہرِ خدا نازِ حسیناں اے دل!
نہیں اُٹھ سکنے کا، یہ بوجھ ہے غافل بھاری

خاک کے پُتلے نے وہ بوجھ لیا گردن پر
کہ سمجھتے تھے جسے عرش کے حامل بھاری

شمع رُو نے مرے اُلٹا سرِ مجلس جو نقاب
ایک پر ایک ہوا ساکنِ محفل بھاری

ناتوانی سے کہاں ہرزہ دوی کی طاقت
گھر سے دروازے تلک ہے مجھے منزل بھاری

بارِ خاطر ہو نہ عالم کا سُبک باتوں سے
زندگانی میں نہ ہو مُردے سے غافل بھاری

مجھے ہر بات میں قرآن وہ اُٹھواتا ہے
گردنِ یار میں شاید ہے حمائل بھاری

ہمرہِ غیر گیا چاندنی کی سیر کو یار
ہو گیا مجھ کو ہر ستارہ، مہِ کامل بھاری

آتش ان سے نہیں نظارہ کا لپکا چھٹتا
میری آنکھوں کو ہے شاید کہ مرا دل بھاری

واقعہ دل کا جو موزوں ہے تو مضمونِ غم ہے
صفحہ ہر اک مرے دیواں کا صفِ ماتم ہے

خاکساری سے جھکا ہے سرِ شوریدہ مرا
وائے بر حال! ندامت سے جو گردن خم ہے

دل میں آتا ہے کہ اب اپنے گلے کو کاٹوں
نیم جاں چھوڑ کے قاتل کو ندامت کم ہے

دل کہیں، جان کہیں، چشم کہیں، گوش کہیں
اپنے مجموعے کا ہر اک ورق برہم ہے

کس نے دیکھا ہے محبت کی نظر سے اُن کو
صفِ مژگاں ہے تلے زلفِ سیہ برہم ہے

دل کو آنکھوں نے کیا کشتۂ رخسارِ ملیح
نہ سمجھتے تھے ہم اُس کو کہ نمک بھی سم ہے

کیا کہوں میں کمرِ یار ہے کیسی نازک
عالم الغیب سوا کوئی نہیں محرم ہے

زندگانی سے جو تنگ آ کے ہے دل گھبراتا
پوچھنے جاتا ہوں مُردوں سے کہ کیا عالم ہے

کھینچ لاتا ہے جو چل جاتی ہے جذبِ دل کی
منتظرِ یار کا ہوں، آنکھوں میں جب تک دم ہے

زلف و رخ کو ہیں حیا سے وہ چھپائے رکھتے
شانہ و آئینہ ناواقف و نامحرم ہے

بام پر جب سے ہے اک رشکِ پری کو دیکھا
روح دیوانۂ سیرِ فلکِ اعظم ہے

وعدۂ شربتِ دیدار ہے بیماروں سے
دم کو دینے کو مسیحا بھی مرا حاتم ہے

ورد مندانِ محبت کا ہے تُو تسکیں بخش
زخمِ فرقت کے لیے وصل ترا مرہم ہے

دلِ عاشق کو نگینے کے عوض جڑواؤ
دستِ معشوق کو زیبا ہے تو یہ خاتم ہے

کوچۂ یار کی حسرت میں ہوں رویا کرتا
شوقِ گلزار میں آنسو نہیں ہے، شبنم ہے

عاشقوں سے یہ اشارہ ہے تری مژگاں کا
اس صفِ جنگ میں جو کھیت رہا رستم ہے

وصلتِ حور کی حسرت نہ رہے گی آتش
خلد میراث سمجھ اپنی بنی آدم ہے

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ، جسے تازہ رکھے بو تیری

یقیں ہے اٹکے گی جاں اپنی آ کے گردن میں
سُنا ہے، جا ہے قریبِ رگِ گلو تیری

وہ گُل ہوں مَیں، کہ ترا رنگ جس سے ظاہر ہے
وہ غنچہ ہوں کہ بغل میں ہے جس کی بو تیری

پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال
تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سو تیری

شبِ فراق میں اک دم نہیں قرار آیا
خدا گواہ ہے، شاہد ہے آرزو تیری

دماغ اپنا بھی اے گلبدن! معطر ہے
صبا ہی کے نہیں حصے میں آئی بو تیری

پڑھا ہے ہم نے بھی قرآں، قسم ہے قرآں کی!
جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

میری طرف سے صبا کہیو میرے یوسفؑ سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

فرشتے بھی تجھے کہتے ہیں بیشتر شاعر
یقیں ہوا ملک الموت میں ہے خو تیری

یہ گردشِ فلکِ پیر سے ہوا ثابت
قوی، ضعیف کو کرتی ہے جستجو تیری

شراب شرم و حیا و حجاب کھو دے گی
دکھائے گا ہمیں کیفیتیں سبو تیری

رہا نہ شبہ ہمیں اُس کے حلقہ ہونے سے
یہ عقدہ ناف نے کھولا، کمر ہے مو تیری

ہوا جو دست رس اُس کا بھی پائے قاتل تک
حنا بھلائے گا شوخی مرا لہو تیری

شبِ فراق میں اے روزِ وصل، تا دمِ صبح
چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری

جو ابر گریہ کناں ہے، تو برق خنداں زناں
کسی میں خو ہے ہماری، کسی میں خو تیری

یہ چاکِ جیب کے حق میں دعائے مجنوں ہے
نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفو تیری

کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حُسن
فقیر دیکھتے ہیں راہ کو بہ کو تیری

چمن میں صبح کو جا کر نہ منہ دکھاتا تھا
برنگِ آئینہ حیراں ہے آب جُو تیری

زمانے میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سیف زباں
رہے گی معرکے میں آتش آبرو تیری

کوچۂ دلبر میں مَیں، بلبل چمن میں مست ہے
ہر کوئی یاں اپنے اپنے پیرہن میں مست ہے

نشۂ دولت سے منعم پیرہن میں مست ہے
مردِ مفلس حالتِ رنج و محن میں مست ہے

دورِ گردوں ہے خداوندا کہ یہ دورِ شراب
دیکھتا ہوں جس کو مَیں، اس انجمن میں مست ہے

آج تک دیکھا نہیں اُن آنکھوں نے روئے خمار
کون مجھ سا گنبدِ چرخِ کہن میں مست ہے

گردشِ چشمِ غزالاں، گردشِ ساغر ہے یاں
خوش رہیں اہلِ وطن، دیوانہ بن میں مست ہے

ہے جو حیرانِ صفائے رُخ حلب میں آئینہ
بوئے زلفِ یار سے آہو ختن میں مست ہے

غافل و ہشیار ہیں اُس چشمِ میگوں کے خراب
زندہ زیرِ پیرہن، مُردہ کفن میں مست ہے

ایک ساغر دو جہاں کے غم کو کرتا ہے غلط
اے خوشا طالع جو شیخ و برہمن میں مست ہے

وحشتِ مجنوں و آتش میں ہے بس اتنا ہی فرق
کوئی بن میں مست ہے کوئی وطن میں مست ہے

شوقِ وصلت میں ہے شغلِ اشک افشانی مجھے
ہجر میں کرنا پڑا آخر لہو پانی مجھے

یاد میں آئینۂ رُخ کے ہے حیرانی مجھے
زلف کے سودے میں رہتی ہے پریشانی مجھے

فی الحقیقت تُو ہے اے دلبر! سزاوارِ سجود
کوئی دکھلائی نہیں دیتا ترا ثانی مجھے

تنگ کرتا ہے گریباں، کٹنے لگتا ہے گلا
موسمِ گل کی جو یاد آتی ہے عریانی مجھے

ہوں وہ دیوانہ کہ اپنا نام رٹنے کے لیے
اک پری نے دی ہے تسبیحِ سلیمانی مجھے

ایک حرف اُس کی عبارت کا پڑھا جاتا نہیں
لکھ دیا کس خط میں ہے یہ خطِ پیشانی مجھے

چشمۂ ہائے چشم میں گریے سے ہے دریا کا جوش
غوطے کھلواتا ہے سیلِ اشک کا پانی مجھے

خواب سے بیدار وہ خورشید رُو آ کر کرے
ایسی اے آنکھو! دکھاؤ صبحِ نورانی مجھے

ذبح ہے کرتے، گلے لگنے نہ دیتی تھی نہ شرم
عیدِ قرباں تھی، سمجھتے آپ قربانی مجھے

عشق میرا مہرباں ہے، حُسن بندہ یار کا
آئینہ سا رُخ ملا ہے اُن کو، حیرانی مجھے

بوسے لیتا ہوں دہانِ ناپدیدِ یار کے
آشکارا ہو گیا ہے گنجِ پنہانی مجھے

کون سے گلشن میں بلبل چہچہے کرتا نہیں
یار کے کوچے میں زیبا ہے غزل خوانی مجھے

ساقیانِ ماہ پیکر پر کیا کرتا ہوں حکم
میکدے میں عالمِ مستی ہے سلطانی مجھے

خشک رہتا ہے بہت شوقِ شہادت سے گلا
ہو سکے تو ہمدمو! خنجر کا دو پانی مجھے

خاک میں ملوا رہا سودائے زلفِ یار ہے
مثلِ گردِ راہ، رہتی ہے پریشانی مجھے

اے خیالِ یار! کرتا ہوں ریاضت سے صفا
خانۂ دل میں ہے کرنی تیری مہمانی مجھے

حسن کے جلوے سے اُس رخ کا اشارہ ہے یہی
کافری زلفوں کو زیبا ہے مسلمانی مجھے

شہرِ خوباں میں نہیں آتشؔ مروت کا رواج
تشنہ لب مر جاؤں تو ممکن نہ ہو پانی مجھے

عشق اُس کا جان کھوتا ہے برنا و پیر کی
اُس شاہِ حُسن کو یہ دعا ہے فقیر کی

بیہودہ گفتگو نہیں مردِ فقیر کی
سیدھی ہے سمجھے تُو اگر الٹی کبیر کی

صحرا سے لے چلا ہے ہمیں شہر کی طرف
گم ہو گئی ہے عقل جنوں سے مشیر کی

بے مانگے بوسہ عاشقِ مسکیں کو دیجیے
مولے مرے! سوال ہے بصورت فقیر کی

پیدا کرے گا یوسفِ گم گشتہ جذبِ عشق
تاثیر اس میں بھی ہے دعائے اسیر کی

غافل نہ مثلِ برق ہو شادی سے خندہ زن
یارانِ غم سے ہے گِلِ آدم خمیر کی

زنجیر ہو گئیں ہیں بدن کو مری رگیں
کھینچی ہے ناتوانی نے تصویر اسیر کی

دیوانہ کس کریم کے دروازے کا ہے دل
زنجیر میں ہماری صدا ہے فقیر کی

اللہ رے اُس صنم کے بدن کی ملائمت
جامہ ہے جسم کا کہ قبا ہے حریر کی

خاکِ شہیدِ ناز سے بھی ہولی کھیلیے
رنگ اس میں ہے گلال کا، بو ہے عبیر کی

دم بند اُس کا زمزموں نے میرے کر دیا
آواز بیٹھ گئی ہم صفیر کی

وہ لعل لعلِ لب ہے مرے شاہِ حسن کا
سودے میں جس کے بکتی ہے گدڑی فقیر کی

دیکھا مشیرِ کار نہ دیوانے کا کوئی
اُس بادشاہ کو نہیں حاجت وزیر کی

چھیڑا ہے میں نے جا کے برہمن کی دیر میں
لی ہے قسم بتوں سے خدائی کبیر کی

جس تودے میں شریک ہوئی اپنی خاک، اُسے
حسرت ہی رہ گئی لبِ معشوق تیر کی

جیسا کہ شادماں ہوں میں روزِ وصال میں
شیعہ کو یہ خوشی نہ ہو عید غدیر کی

اُس طفلِ شوخ کا جو لیا ہے زباں نے نام
بُو آئی ہے ہمارے دہن میں سے شیر کی

آ نکلے تھے کدھر سے، کہاں یاں سے جائیں گے
اوّل کی نہ کچھ خبر ہے، نہ ہم کو اخیر کی

تیری زیادتی میں نہ ہو گی کبھی کمی
اے عشق! خیر چاہیے حُسنِ شریر کی

اُس ماہِ چار دہ کو ہے حاصل کمالِ حُسن
رُخ میں صفا ہے سینۂ روشن ضمیر کی

تعریف تیرے حسنِ جوانی کی کیا کروں
طفلی میں تجھ پر رال ٹپکتی تھی پیر کی

دیکھے اگر مرا دلِ سودا زدہ وہ زلف
ہر مُو سے ہو بلند صدا دار و گیر کی

اپنی شرارتوں سے نہ باز آئے آسماں
کودک مزاجی مجھ کو خوش آتی ہے پیر کی

سودائے راہِ یار کا اللہ رے اثر
جادہ بنی جو ہم نے زمیں پر لکیر کی

اُس گوش و چشم سا نہ تو دیکھا ہے، نہ سنا
آتش قسم ہے ذاتِ سمیع و بصیر کی!

کب تک وہ زلف دیتی ہے آزار دیکھیے
کٹتی ہے کس طرح سے شبِ تار دیکھیے

بیمارِ عشق مرتے ہیں اس اشتیاق میں
پی جایئے جو شربتِ دیدار دیکھیے

رغبت کی آنکھ ڈالیے ذرّوں کی طرح سے
روشن جو آفتاب سا رخسار دیکھیے

دل کو بغل میں مار کے لے تو چلے ہیں چوک
کہتی ہے کیا نگاہِ خریدار دیکھیے

بے موت روز مرتے ہیں عاشق، خبر نہیں
اے شاہِ حُسن پرچۂ اخبار دیکھیے

جاتے ہیں کوئے یار سے ہم ایسے ہو کے تنگ
کعبہ بھی ہو تو پھر کے نہ زنہار دیکھیے

آہستہ پاؤں رکھیے، قیامت نہ کیجیے
ٹھوکر سے فتنے ہوتے ہیں بیدار دیکھیے

طاؤس و کبک کو ہے نکل چلنے کا خیال
چلتا ہے یار کون سی رفتار دیکھیے

بُلبُل کی طرح عشق جو ہم کو چمن سے ہو
سو جایئے تو خواب میں گلزار دیکھیے

قزاق کی نگہ سے کم اپنی نگہ نہیں
کیا لوٹیے جو دولتِ دیدار دیکھیے

چُن چُن کے قتل کیجیے، انصاف شرط ہے
حاضر ہیں بے گناہ و گنہگار دیکھیے

عاشق مسیح بھی تمھیں کہتے ہیں مہرباں
حال اُس کا پوچھیے جسے بیمار دیکھیے

مشتاق دل ہے جنبشِ ابروئے یار کا
چلتی ہے کس طرح سے یہ تلوار دیکھیے

دروازے میں سے چلیئے سرائے حبیب میں — حسرت سے تاکجا پسِ دیوار دیکھیے
سودے میں ابروؤں کے ہوں وہ ماہ ڈھونڈھتا — جس میں کہ چاند دیکھ کے تلوار دیکھیے

عالم کی سیر کیجیے آتشؔ، ملے گا یار
یوسفؑ جو چاہیں آپ تو بازار دیکھیے

کون سے دل میں محبت نہیں جانی تیری — جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے کہانی تیری
کچھ دہن ہی نہیں وہمِ شعرا کے نزدیک — مُو سے باریک کمر بھی ہے کمانی تیری
جس کے آگے سے گزرتا ہے، وہ کہتا ہے یہی — دیکھی، اے روحِ رواں! ہم نے روانی تیری
شیشۂ مے سے کوئی میری زبانی کہہ دے — خوش نہیں آتی ہے یہ پنبہ دہانی تیری
کیا تری شان ہے، قرباں ہوں اے عفوِ کریم! — آس رکھتا ہے ہر اک فاسق و زانی تیری
اس خرابی میں ترے واسطے پھرتے ہیں خراب — جستجو ہم کو ہے اے گنجِ نہانی! تیری
عین احساں ہے، مرے صفحۂ دل پر، مجھ کو — ایک تصویر اگر کھینچ رہے، مانی تیری!
صبح تک شام سے کرتی ہے زباں ذکرِ جمال — نیند آتی ہے کسے سُن کے کہانی تیری
مثلِ گل ہنس کے کسی روز تو دل کو خوش کر — خون رُلاتی ہے ہمیں غنچہ دہانی تیری
ناز و انداز و ادا میں ہے ترقی وہ چند — فتنہ طفلی تھی، قیامت ہے جوانی تیری
کون سے غلّے کا دانہ ہے تو اے دانۂ خال — ہم نے ارزانی میں بھی پائی گرانی تیری
گرم جوشی سے جلایا کرے کشت و خرمن — برق ہو سکتی نہیں شوخی میں ثانی تیری
جان کی طرح سے رکھتا ہے عزیز اے گلرو! — داغِ دل لالے نے سمجھا ہے نشانی تیری

مصرعِ تیغ ہے ہر مصرعِ موزوں آتشؔ
دیکھ لی یار مرے سیف زبانی تیری

مہندی سے تیرے ہاتھ کی گل ضربِ دست کھائے — چوٹی کے فتح پیچ سے سنبل شکست کھائے
لبریز کر پیالے کو ساقی اس ابر میں — افیوں نہ تنگ ہو کے کوئی مے پرست کھائے
شیر و پلنگ و گرگ سے باہر نہیں ہوں میں — جو چاہے ران کھائے، جو چاہے سودست کھائے
دل کو برشتگی سے ہو حاصل شگفتگی — دھوکا کبابِ مُرغ کا وہ چشمِ مست کھائے
ظالم کو سعی سے نہیں بحرِ جہاں میں نفع — ممکن نہیں کباب جو مچھلی کا شست کھائے
پھر خوشے اُتریں، پھر کھنچے انگور کی شراب — پھر شاخِ تاک پیچ سر دار بست کھائے
طے کر چکوں کہیں میں نشیب و فرازِ دہر — تاچند ٹھوکریں یہ بلند اور پست کھائے

اس بندوبستِ جسم سے جاں کو نجات ہو — چھوٹے پری، طلسم عناصر شکست کھائے
دھوکا نہ دے مجھے تری شوخی کی چال کا — بل تو کمر نہ چیتے کی ہنگام جست کھائے
برخاست ہو ہماری جو چُپ بیٹھے ہیں آپ — غم کون دیکھ کر یہ تمھاری نشست کھائے
جڑ سے اکھیڑ کر میں جلاؤں تمام تاک — میرے چمن میں دھوپ اگر دار بست کھائے
اس لالہ رُو کے حسن کا جیسے ہوا ہے عشق — کھاتا ہوں داغ یوں میں، گزک جیسے مست کھائے

کہنا بکے وہ بھولے نہ اے ساقیِ ازل
لغزش نہ پائے آتشؔ مست الست کھائے

پیمبر میں نہیں، عاشق ہوں جانی — رہے موسےؑ ہی سے یہ "لن ترانی"
سلیمانؑ ہم ہیں اے محبوب جانی! — سمجھتے ہیں تجھے بلقیسِ ثانی
کھلا سودے میں اُن زلفوں کے مرکر — پریشاں خواب تھی یہ زندگانی
یہ کیوں آتا ہے اُن سے قد کشی کو — گڑے جاتی ہے سروِ بوستانی
وہی دے گا کبابِ نرگسی بھی — جو دیتا ہے شرابِ ارغوانی
رنگا ہے عشق نے کس دردِ سر سے — ہمارا جامۂ تن زعفرانی
مسافر کی طرح رہ خانہ بردوش — نہیں جائے اقامت دارِ فانی
ترے کوچے کے مشتاقوں کے آگے — جہنم ہے بہشتِ آسمانی
وہ میکش ہوں دیا ہے قابلہ نے — جسے غسلِ شرابِ ارغوانی
یقیں ہے، دیدۂ باریک بیں کو — کرے عینک طلب یہ ناتوانی
وہ خط ہے یادگارِ حُسنِ رفتہ — وہ سبزہ ہے گلستاں کی نشانی
نکلتی منہ سے قاصد کے نہیں بات — مگر لایا ہے پیغامِ زبانی
یہ مشتِ خاک ہو مقبولِ درگاہ — صبا کی چاہتا ہوں مہربانی
لیے ہیں بوسۂ رُخسارۂ صاف — پیا ہے ہم نے آئینے کا پانی
سفیدی مُو کی ہو کافور ہر چند — کوئی مٹتا ہے یہ داغِ جوانی؟
نہ خوش ہو فربہیِ تن سے غافل — سبک کرتی ہے مُردے کو گرانی
موے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ — کفن سمجھے قبائے زندگانی

جلاتی ہے دل آتشؔ طور کی طرح
کسی پردہ نشیں کی لَن ترانی

وہ افسوں ہے ہماری شعر خوانی — جو سنتا گنگ ہو جاتا فغانی
مبارک ابر کو دریا کا پانی — ہمیں دورِ شرابِ ارغوانی
لہو سے اپنے لکھوں گر خطِ شوق — قلم بھولے سیاہی کی روانی
دلِ عالم ہو عشقِ حسن سے داغ — رہے ہر فرد پر تیری نشانی
فراقِ یار کو دل نوشِ جاں ہو — یہ یوسفؑ گرگ کی ہے میہمانی
وہ خُرک آیا لگا اے آتشِ گل — کبابِ طائرانِ بوستانی
کریں گے یار کو عریاں شبِ وصل — عیاں ہو جائے گا رازِ نہانی
ہوا کوئی نہ حالِ دل سے آگاہ — رہی مشتاقِ گوش اپنی کہانی
بہیں گے مثلِ دریا دیدۂ تر — بچیں گے ابر ان چشموں کا پانی
اُڑا دے گی صبا مثلِ پرِ کاہ — سلامت ہے جو اپنی ناتوانی
ہماری قبر پر وہ شمع رُو نہ آئے — رہے روشن چراغِ مہربانی
رُلاتا ہے وصالِ یار کا شوق — فراق اپنا لہو کرتا ہے پانی
خدا کے حکم سے ہے قوتِ نطق — کلام اپنا ہے ہاتف کی زبانی
کہوں ہرجائی تو بولے وہ کافر — نہیں مومن کو لازم بدگمانی
بڑھی ایڑی سے چوٹی اُس پری کی — زمین پکڑے ہے بلائے آسمانی
نہیں دیتا وہ دلبر بوسۂ خال — مگر کالے تلوں کی ہے گرانی
نہیں واقف ہم اُس بت کی کمر سے — خدا کے واسطے ہے غیب دانی
رُلاتی ہے مثالِ ابر پیری — دکھا کر داغِ طاؤسِ جوانی

مرا دیواں ہے اے آتشؔ خزانہ
ہر اک بیت اس میں ہے گنجِ معانی

صدمہ ہے دوش پر سرِ گردن کے بوجھ سے — ہر ایک بوجھ بھاری ہے سو من کے بوجھ سے
ہوش و خرد ہے باعثِ تکلیف آدمی — دیوانہ آشنا نہیں دامن کے بوجھ سے
راحت طلب کو رنج کشوں کی خبر کہاں — آگاہ کیا سوار ہے توسن کے بوجھ سے
سازِ سفر کبھی نہ ہوا بارِ دوش یاں — سمجھا میں مال و جنس کو رہزن کے بوجھ سے
سختیِ بخت و عشقِ بُتاں دونوں قہر ہیں — کم بوجھ سنگ کا نہیں آہن کے بوجھ سے
رندوں کو قدر سبحۂ و زنار کی نہیں — واقف نہیں میں شیخ و برہمن کے بوجھ سے

غماز اپنا ذکر نہ لاوے حضورِ دوست — گردن جھکے نہ منتِ دشمن کے بوجھ سے
عاشق ملالِ خاطرِ اہلِ جہاں نہ ہوں — خم ہو نہ شاخِ بلبلِ گلشن کے بوجھ سے
آتش یہ سارے رنج ہیں اس زندگی کے ساتھ
مُردے کو کیا خبر گلِ مدفن کے بوجھ سے

رنگ جو جو کچھ کہ چاہیں لائیں بن میں آبلے — پائے بوسی کر ترستے تھے وطن میں آبلے
چشمِ زخمِ خار سے یا رب بچانا تو انہیں — اک رفیقِ حال ہیں رنج و محن میں آبلے
بدگمانی سے عبث پھرتا ہے گل چیں میرے ساتھ — ڈھونڈھتے آئے ہیں کانٹوں کو چمن میں آبلے
کون سرگرداں نہیں ہے جستجوئے یار میں — پڑ گئے ہیں پائے شیخ و برہمن میں آبلے
آدمی کی بے شعوری ہے طلب راحت کی یاں — داغ ہیں یا خانۂ چرخِ کہن میں آبلے
پاؤں کے چھالے تو نذرِ خارِ صحرا کر چکے — پھوڑیے اب چل کے دل کے انجمن میں آبلے
تیغِ شعلہ سے کیا تھا قتل قاتل نے مگر — دیکھتا ہوں اپنے زخموں کے دہن میں آبلے
خار بھی میرے نصیبوں کا بیاباں میں نہیں — کیا شریکِ حال ہوویں گے کفن میں آبلے
اس قدر مجھ سے زمانے کی ہوا ہے برخلاف — کیا عجب بوئے حنا ڈالے بدن میں آبلے
حالتِ بد کا نہیں کوئی زمانے میں شریک — جسم ساں ممکن نہیں، ہیں پیرہن میں آبلے
ایڑیاں رگڑیں نہ آتش چھوڑ کر سر مر گیا
مثلِ مجنوں تھے نہ پائے کوہکن میں آبلے

رہ گیا چاک سے وحشت میں گریباں خالی — لے چلے خار سے ہم گوشۂ داماں خا
ایک بوسہ دہنِ یار سے حاصل نہ ہوا — اپنی تقدیر کا تھا چشمۂ حیواں خا
وقتِ فرصت کو غنیمت سمجھ، آتا ہے تو آ — اے اجل عالمِ تنہائی ہے، میداں خا
کوچۂ یار میں مشتاقِ رُخ و قد آئے — ہو گئے بلبل و قمری سے گلستاں خا
دلِ عاشق سے اشارہ ہے یہ اُن مژگاں کا — قلعہ کر لیتے ہیں یہ دستۂ ترکاں خا
چشمِ پروانہ سے دیکھا تو ہوا یہ روشن — جا تری دل میں ہے اے شمعِ شبستاں خا
مرغِ دل سینے کو کھولے ہیں نشانے کی طرح — ترکِ چشم اُن کے کریں ترکشِ مژگاں خا
باغِ عالم میں نہیں کوئی کسی کی سنتا — نہ دماغ اپنا کر اے مرغِ خوش الحاں خا
قیدِ مذہب کی گرفتاری سے چھٹ جاتا ہے — ہو نہ دیوانہ، تو ہے عقل سے انساں خا
عہدِ پیری میں کہاں اب وہ جوانی کے رفیق — صاف پہلوئے زباں کر گئے دنداں خا
تیری درگہ کے فقیروں کے لیے اے محبوب — تخت پر اپنی جگہ کرتے ہیں سلطاں خا

حالِ مشکیں ہے شکارِ اہلِ قلم کو کیجیے
گل چلے شیر سے کرتے ہیں نیستاں خالی

بت کافر نہیں ہوتے جو ہم آغوش، نہ ہوں
بغلِ گور میں ہے جائے مسلماں خالی

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہگاروں کو
رو دیا دیکھ کے جلاد نے زنداں خالی

دل بے کینہ کدورت نہیں رکھتا آتش
خس و خاشاک سے ہے اپنا بیاباں خالی

بندِ نقابِ عارضِ دلدار توڑیے
باغِ مرادِ عشق کی دیوار توڑیے

وہ دردِ دوست ہیں، جو خدا ہم کو زخم دے
سو بار ٹانکے کھائیے، سو بار توڑیے

دیکھے ترا جو مصحفِ رُو برہمن، کہے
بُت کو سلام کیجیے، زنار توڑیے

بے پَر مجھے فلک نے کیا تو بجا کیا
لازم ہے بالِ مُرغِ گرفتار توڑیے

مرغِ ترانہ سنج ہو اُس بوستاں کا میں
خونِ بہار ٹپکے، اگر خار توڑیے

اپنا کچھ اختیار شفا میں نہیں طبیب!
پرہیز سے نہ خاطرِ بیمار توڑیے

فتراک صیدِ زندہ ہے زلفِ سیاہِ یار
ٹوٹیں ہزار دل، اگر اک تار توڑیے

گردن ہی اپنی دوش پر اپنے وبال ہے
کیا چھین کر حریف کی تلوار توڑیے

عاشق کی بیقراری سے اے بُت! پناہ مانگ
ٹکرائیے جو سر کو تو کہسار توڑیے

بوسے کسی کے چہرۂ رنگیں کے لیجیے
اک دن تو پھول باغ سے دو چار توڑیے

انساں کو پاسِ خاطرِ نازک ضرور ہے
شیشہ شراب کا بھی نہ زنہار توڑیے

یوسفؑ کے دیکھنے کا ہے آنکھوں کو اشتیاق
بندِ نقاب کو سرِ بازار توڑیے

سودائے دل نہ کیجیے گو لاکھ سر کا ہو
جب تک نہ خوب پائے خریدار توڑیے

نامرد آسماں سے گوارا ہے کس کو جنگ
آتش سپر کو چیریے، تلوار توڑیے

حسرتِ جلوۂ دیدار لیے پھرتی ہے
پیشِ روزن پسِ دیوار لیے پھرتی ہے

اس مشقت سے اسے خاک نہ ہوگا حاصل
جاں عبث جسم کی بیکار لیے پھرتی ہے

بیٹھنے دیتی نہیں اُس کو مجھے بیہوشی
ساتھ کیا اپنے یہ دیوار لیے پھرتی ہے

کسی فاسق کے تو منہ کو نہ کرے گی کالا
کیوں سیاہی یہ شبِ تار لیے پھرتی ہے

نکلتا نہیں شمشیر بکف اے قاتل!
موت میرے لیے تلوار لیے پھرتی ہے

مالِ مُفلس مجھے سمجھا ہے جنوں نے شاید
وحشتِ دل سرِ بازار لیے پھرتی ہے

کعبہ و دیر میں وہ خانہ بر انداز کہاں — گردشِ کافر و دیندار لیے پھرتی ہے
رنج لکھا ہے نصیبوں میں مرے راحت سے — خواب میں بھی ہوسِ یار لیے پھرتی ہے
چال میں اس کی سراپا ہے کسی کی تقلید — کبک کو یار کی رفتار لیے پھرتی ہے
درِ یار آئے ٹھکانے لگے مٹی میری — دوش پر اپنے صبا بار لیے پھرتی ہے
ہنستے ہیں دیکھ کے مجنوں کو گلِ صحرائی — پا برہنہ طلبِ خار لیے پھرتی ہے
سایہ ساں حُسن کے ہمراہ ہے عشقِ بیباک — ساتھ یہ جنس خریدار لیے پھرتی ہے

کسی صورت سے نہیں جاں کو قرار اے آتش
طپشِ دل مجھے لاچار لیے پھرتی ہے

رفتگاں کا بھی خیال اے اہلِ عالم کیجیے — عالمِ ارواح سے صحبت کوئی دم کیجیے
حالتِ غم کو نہ بھولا چاہیے شادی میں بھی — خندۂ گل دیکھ کر یاد اشکِ شبنم کیجیے
عیبِ اُلفت روزِ ازل سے مری طینت میں ہے — داغِ لالہ کے لیے کیا فکرِ مرہم کیجیے
اپنی راحت کے لیے کس کو گوارا ہے یہ رنج — گھر بنا کر گردنِ محراب کو خم کیجیے
عشق کہتا ہے مجھے رام اُس بتِ وحشی کو کر — حسن کی غیرت اسے سمجھاتی ہے رم کیجیے
رات صحبت گل سے، دن کو ہم بغل خورشید سے — رشک اگر کیجیے تو رشکِ بختِ شبنم کیجیے
دیدہ و دل کو دکھایا چاہیے دیدارِ یار — حُسن کے عالم سے آئینوں کو محرم کیجیے
شکلِ گل ہنس ہنس کے روزِ وصل کاٹے ہیں بہت — ہجر کی شب صبح رو کر مثلِ شبنم کیجیے
تھی سزا اپنی جو شادی مرگ قسمت نے کیا — ہجر میں کس نے کہا تھا وصل کا غم کیجیے
آپ کی نازک کمر پر بوجھ پڑتا ہے بہت — بڑھ چلے ہیں حد سے گیسو، کچھ انھیں کم کیجیے
اُٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں — روئیے کس کے لیے، کس کس کا ماتم کیجیے
روزِ مردم شب کیے دیتا ہے، سرمہ پونچھیے — خون ہوتے ہیں بہت، شوقِ حنا کم کیجیے

آئینے کو روبرو آنے نہ دیجے یار کے
شانے سے آتش مزاجِ زلف برہم کیجیے

اثر رکھتی ہے گلگلوں کی کیفیت کا ہستی ہے — ابھرنے میں حبابِ بحر کے اک جوشِ مستی ہے
دکھائی دیتے ہیں ہندو ہی ہندو مجھ کو خالوں سے — رُخِ محبوب ہے یا تا مسلمانوں کی بستی ہے
پسندِ طبعِ محبوباں دلِ عاشق نہیں ہوتا — نظر میں کب کسی کے چڑھتی ہے جو چیز سستی ہے
وہ دہقانِ غریبِ سرزمینِ عشق بازی ہوں — عوض باراں کے میری کشت پر آتش برستی ہے

فرو مایہ کی گردن خم فلک سے بھی نہیں ہوتی
بھلا تیغ گلی کو بھی کہیں دیکھا کہ کستی ہے؟

غم و شادی کی حالت دیکھ عالم کے مرقع میں
کوئی تصویر روتی ہے، کوئی تصویر ہنستی ہے

نہیں معلوم لذت کون سی رکھتا ہے زخم ایسی
نہایت روح آبِ تیغ کے خاطر ترستی ہے

غنیمت جان یار آوے لحد پہ جان کھونے سے
مرادِ دل ملے کو نین تک دے کر تو سستی ہے

نہیں رہتا مزاجِ سفلہ ہرگز ایک حالت پر
بلندی کا بگولے کی مآلِ کار پستی ہے

نہیں منظور بعد از مرگ پتھر اس کی چھاتی پہ
برہمن اس لیے مصروفِ کارِ بُت پرستی ہے

ستارہ اپنا گردش میں ہے آتش اس کی گردش سے
فلک کی تنگ چشمی سے ہماری تنگ دستی ہے

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انسان
زہر پی کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے

ہالے میں ماہ کا ہوتا ہے چکوروں کو یقیں
کبھی انگڑائی جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے

وہ زبوں بخت شجر ہوں میں کہ دہقاں میرا
پیچھے بوتا ہے مجھے، پہلے ثمر لیتا ہے

منزلِ فقر و فنا جائے ادب ہے غافل
بادشاہ تخت سے یاں اپنے اُتر لیتا ہے

گنجِ پنہاں ہے تصرف میں بنی آدم کے
کان سے لعل یہ، دریا سے گُہر لیتا ہے

ضبط کرتا ہے جو نالے کا شبِ فرقت میں
زخم پہلو میں نمک چیں کے دھر لیتا ہے

نظر آ جاتا ہے اے گل! جسے رخسار ترا
پھولوں سے دامنِ نظارہ وہ بھر لیتا ہے

رہِ پُرخوفِ محبت میں جو رکھتا ہے قدم
گور میں گامِ نخستیں کو وہ دھر لیتا ہے

پیش کش گل سے طلب کرتے ہیں رنگیں مضموں
سرو سے باج مرا مصرعِ تر لیتا ہے

عقل کر دیتی ہے انساں کی جہالت زائل
موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے

نگہِ لطف کی حسرت ہے ہمیں وائے نصیب
کس طرح سرمہ گھر اُن آنکھوں میں کر لیتا ہے

د رکھتا ہے عدم میں کوئی ساغر کش اسے
ہچکیاں شیشۂ مے، شام و سحر لیتا ہے

روح و قالب کی جدائی ہے، جدائی تیری
دم نکلتا ہے جو تُو نامِ سفر لیتا ہے

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گزر لیتا ہے

عزتِ نالہ و فریاد نہ کھو اے آتش!
آشنا کوئی نہیں، کون خبر لیتا ہے

اللہ ری روشنی مرے سینے کے داغ کی
اندھیاری رات میں نہیں حاجت چراغ کی

ہستی چند روز نے تو تنگ ہی رکھا
خوابِ عدم میں دیکھیں گے صورت فراغ کی

بے اعتبار نقش و نگار زمانہ ہے
اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ کی

بختِ سیہ نے کام کیا بعدِ مرگ بھی
رنگیں مرے لہو سے ہے منقار زاغ کی

ظاہر ہوا مجھے یہ بلندیِ سرو سے
کرتی ہے کام خاک بھی عالی دماغ کی

سو ناز سے بلند کرے باغباں تو کیا
ہمت کے آگے پست ہے دیوار باغ کی

اخگر کی طرح سے جو دہکتے ہیں داغ عشق
سینے میں اپنے رہتی ہے گرمی اُجاغ کی

رُخ کیا ملائے گا رُخِ رنگینِ یار سے
لالے کو کیا خبر نہیں ہے چار داغ کی

ابرِ کرم کے فیض نے ایسا کیا ہے سبز
مہندی کی ٹٹی ہو گئی دیوار باغ کی

شاعر ہوں، بوئے سیبِ زنخداں ہوں سونگھتا
اصلاح رہتی ہے مجھے اپنے دماغ کی

گم ہوں گے ایسے ڈھونڈھے بھی پائے نہ جائیں گے
کھووے گی فکر ہم کو تمھارے سراغ کی

جلتی ہے شوقِ آتشِ رخسارِ یار میں
ہے شمع سوختہ اسی چشم و چراغ کی

پاتے نہیں زمانے میں آتش خوشی کا نام
عنقا ہے اپنے دور میں گردش ایاغ کی

حسنِ امرد کا بہت مائل دلِ بیباک ہے
گردِ راہِ نے سواراں آخر اپنی خاک ہے

خطِ روئے یار حجت بہرِ حسنِ پاک ہے
جانتے ہیں سب کہ کعبہ کی سیہ پوشاک ہے

سرخ شادی سے رُخِ ساغر کشِ بیباک ہے
زرد روئے محتسب ہے، سبز شاخِ تاک ہے

بانس کا رتبہ ہے پیشِ قدِ موزوں سرو کو
گُل کو تیرے روبرو حکمِ خس و خاشاک ہے

خنجرِ قاتل سے کارِ لوح کا طالب ہوں میں
روح مدت سے گرفتارِ طلسمِ خاک ہے

قلبِ ماہیت سے جائے نفرتِ پاکاں نہ ہو
جوش کھا کر مے ہوا انگور جب، ناپاک ہے

مومن و کافر جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں اُسے
طور کا سُرمہ کسی نقشِ قدم کی خاک ہے

جوشِ گریہ سے رواں رہتا ہے دریا گرد و پیش
اب پہنچتا ہے وہ مجھ تک جو کوئی تیراک ہے

بختِ یاور نے دیا انگور سا فرزند اُسے
خانداں کا فخر اپنے سلسلے میں تاک ہے

دستِ وحشت پنجۂ مژگانِ اشک افشاں ہے یاں
آستیں میری گریباں کی طرح سے چاک ہے

کلفتِ ایام سے پردہ نہیں کچھ حسن کو
خوبرویوں کو مُزیب ململجی پوشاک ہے

وہ گریباں گیر ہے تیرا، میں دامن گیرِ یار
عشق یاں گستاخ ہے، واں حسن اگر بیباک ہے

بہرہ ور دیدار سے یہ، وصل کی حسرت اُسے
شاد ہیں آنکھیں ہماری، دل مگر غمناک ہے

دورِ ساغر سے دگرگوں رنگ ہو جاتا ہے یاں | میکدے میں لطف رکھتی گردشِ افلاک ہے
ڈھونڈھ لوں گا چار دن میں قاتل اپنے واسطے | دیکھتا ہوں آسماں کو، کس قدر سفاک ہے
نارسائی طالعِ بد کی بیاں کیا کیجیے | پاؤں شل ہو جائیں قاصد کے اگر چالاک ہے
کون سے صیاد نے صید افگنی کی اختیار | حلقۂ گوشِ غزالاں حلقۂ فتراک ہے

مرد سے بہتر ہے نامرد، سچ ہے یہ مثل
پہلوانی ہے سو ہے رستم کی آتش دھاک ہے

کبھی جو جذبِ محبت سے کام ہوتا ہے | نقاب اٹھتا ہے، دیدارِ عام ہوتا ہے
وہ صبحِ عید جو بالائے بام ہوتا ہے | مہِ صیام میں روزہ حرام ہوتا ہے
بلائے بزمِ جہاں ہے وہ چشم کی گردش | نگاہ پھرتی ہے دورہ تمام ہوتا ہے
اٹھاؤں کس لیے احسانِ یار گردن پر | مرا تو اُس کے تغافل سے کام ہوتا ہے
خدا کی یاد جوانی میں غافلو! کر لو | وگرنہ وقتِ فضیلت تمام ہوتا ہے
الٰہی کیوں نہیں خواہاں کوئی صنم اُس کا | یہ دل تو شرطِ وفا پر غلام ہوتا ہے
کسی کو کیا کوئی گھر اپنے دل میں کرنے دے | نگیں سے دیکھ لے، بر عکس نام ہوتا ہے
فرشتے سنتے ہیں آوازِ دور باش کا شور | کبھی ہمارا جو واں اہتمام ہوتا ہے
زیارت اُن کی جو کرتے ہیں مومنیں آ کے | زبانِ حور میں اُن سے کلام ہوتا ہے
ہزار لال ہوئے انگروں سے داغِ جنوں | ہنوز پختہ ہے سودائے خام ہوتا ہے
کوئی زمانے سے جاتا ہے، کوئی ہے آتا | کسی کا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے
پھنسا جو زلف میں اُس گل کی مرغِ دل، بولا | نہ تھی خبر یہ کہ سنبل بھی دام ہوتا ہے
ہمارے حلقے میں کرتا ہے شیشہ دل خالی | ہمارے دور میں لبریز جام ہوتا ہے
کمندِ شوق ہو درگاہِ عشق کی رہبر | یہ آستانہ بلندی میں بام ہوتا ہے
وہ کون ہے جو نہیں اُن کو دیکھنے آتا | نظارہ بازوں سے ایک اِزدحام ہوتا ہے

ملازموں میں ہیں سلطانِ عشق کے ہم بھی
کبھی ہمارا بھی آتش سلام ہوتا ہے

جمالِ حور و پری پر ہے طعنہ زن مٹی | بلائے جاں ہوئی سرخ و سفید بن مٹی
قدم پڑے جو ترا اُس پر اے گلِ رعنا | زمینِ شور کی ہو قابلِ چمن مٹی
خدا کے واسطے، اے آسماں! حوالے کر | دھرے دھرے نہ کہیں ہو مرا کفن مٹی

یہی جو تیشہ زنی ہے تو ایک دن سُنتا
کرے گا اینٹ کا گھر اپنا کوہکن مٹی

جلا رقیب سیہ رُو حسد سے میں سمجھا
ہوئی ہے گبر کے مُردے کی شعلہ زن مٹی

ہمیشہ جھاڑتے ہیں گردِ پیرہن غافل
نہیں سمجھتے کہ ہے زیرِ پیرہن مٹی

زمانے میں کوئی غربت زدہ نہیں ہم سا
اُڑی نہ اپنی کبھی جانبِ وطن مٹی

قبولِ خاطرِ مردم ہو توتیا کی طرح
عزیز تیری کریں شیخ و برہمن مٹی

ہوائے تند سے رہتا ہے بیمِ بربادی
تپ دروں نے کیا ہے زبس بدن مٹی

نہ ہووے قالبِ خاکی غبارِ خاطرِ روح
قبول سینے کے اوپر ہزار من مٹی

نظارہ باز یہ در پردہ کون ہے اس کا
دکھاتی ہے کسے چشم و لب و دہن مٹی

زمیں سے ہووے گا اک آسمانِ نو پیدا
پس از فنا جو ہوئی اپنی چرخ زن مٹی

کسی کا یار بُرے وقت میں نہیں کوئی
نہ دیکھا روح کو ہوتے شریکِ تن مٹی

گڑے ہیں اس میں صباحت کے سیکڑوں کشتے
عجب نہیں ہے جو دے بوئے یاسمن مٹی

مآلِ کار کا اپنے نہیں خیال آتا
بلایا کرتے ہیں مٹی میں گورکن مٹی

کسی نے اُف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی
نہ ہووے گی مگر آتشؔ انجمن مٹی؟

آبلوں سے خارِ صحرا ہی نہیں سر کھینچیے
بید کے پتے بھی مجنوں پر ہیں خنجر کھینچیے

کیمیا گر روغنِ گوگرد احمر کھینچیے
ہم تری زلفوں کو دھو کر عطرِ عنبر کھینچیے

ناتوانی کا برا ہو، گو اثر ہوتا نہ کچھ
آزمانے کو تو نالے ہم مقرر کھینچیے

ٹھوکریں کھائیں ہیں جو ہم نے بتوں کے عشق میں
آب ہو جاتے، جو یہ آزار پتھر کھینچیے

شاعروں نے تیرے قد سے دی ہے جو تشبیہ یار
قمریوں کو سرو ہیں سولی کے اوپر کھینچیے

دیکھ کر وہ خالِ رخ ملتے ہیں روغن ساز ہاتھ
ان تلوں کا تیل کھینچا تو مقرر کھینچیے

فکرِ معنی خیز صفحے کو بناتی صید گاہ
دام ہو کر مرغِ مضموں تارِ مسطر کھینچیے

رعشۂ پیری ہے جو جوشِ جوانی کا عوض
اپنی بد مستی کا خمیازہ نہ کیونکر کھینچیے

بوالہوس عاشق کے جیتے جی نہیں شایانِ قتل
دوست تھے میرے تو دشمن پر نہ خنجر کھینچیے

جنبشِ مژگاں سے چل جاتے ہیں آرے جان پر
دل شکنجے میں ہیں گیسوئے معنبر کھینچیے

یاد کرتے ہیں تجھے تنہائی میں اے نازنیں!
معتکف رہتے ہیں ہم، چلّے ہیں اکثر کھینچیے

ہجر کی شب میں ہے روزِ وصل کا آنکھوں کو شوق
دسترس ہوتا تو ہم دامانِ محشر کھینچیے

جب سے دیکھا ہے تجھے آنکھوں نے اے بالا بلند!
قد کے سودے میں ہیں تصویرِ صنوبر کھینچتے

زندگی میں سیرِ جنت کا جو ہوتا دل کو شوق
ہم تجھے اپنی طرف اے حور پیکر کھینچتے

میں اڑا دیتا ہوں اُن کو دے کے اک اک خطِ شوق
دام میں صیاد ہیں جو جو کبوتر کھینچتے

ٹیڑھی صورت آئینہ کرتا جو اُس محبوب سے
قبر سے مردہ ترا ہم اے سکندر کھینچتے

روشنی حسن کرتے آتش اپنی گور پر
شمع رُو کو شبِ آدینہ مر کر کھینچتے

بے رُخِ یار مجھے جان سے بیزاری تھی
چاندنی رات نہ تھی، گور کی اندھیاری تھی

کام ہی ہو گیا اُمیدِ شفا میں آخر
دل کی بیماری تھی یا چشم کی بیماری تھی

کیا مزا کالبدِ خاک میں اے روح ملا
یا نکلتی ہی نہیں، یا تو وہ بیزاری تھی

یاں مرے پاؤں میں زنجیر تھی، واں گردن میں
یار سے میں نے بدی شرطِ وفاداری تھی

نہ مُوا میں تو ہے قسمت کا قصور اے قاتل!
ہاتھ کمزور، نہ تلوار تری بھاری تھی

نالہ کرنے سے نہ کم ظرف کہو جلادو!
ضبطِ فریاد بس اب آگے دل آزاری تھی

وائے قسمت کبھی پہنچے بھی جو ہم کم طالع
میلے سے میدنی کے پھرنے کی تیاری تھی

بوسۂ لعلِ لبِ یار کی حسرت ہی رہی
مردِ مفلس کو جواہر کی خریداری تھی

طور جس برقِ تجلی نے کیا خاکِ سیاہ
تیرے آتش کدۂ حُسن کی چنگاری تھی

گاہ روتا، کبھی ہنستا تھا نصیبوں پہ میں
خوابِ بد میرے لیے حالتِ بیداری تھی

چھُوٹ کر عشق کے پھندے سے ہوں تنگ اے آتش
مجھ کو آزادی سے بہتر وہ گرفتاری تھی

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آنی تھی بلا، آج ہی آئی ہوتی

روزِ ہجراں شبِ تاریک جدائی ہوتی
مرضِ عشق و طبیعت سے لڑائی ہوتی

قدِ موزوں رُخِ رنگیں جو دکھاتا تو انھیں
سرو و قمری، گل و بلبل میں جدائی ہوتی

دستِ محبوب کا مرجاں نے دیا تھا دھوکا
پنجہ جیسا تھا جو ویسی ہی کلائی ہوتی

چھین کر دل کو لیا، خوب کیا اے شہِ حُسن
مانگ کر ہم سے جو لیتا تو گدائی ہوتی

دولت اللہ سے کرتے جو طلب دیوانے
نقرئی طوق، تو زنجیر طلائی ہوتی

بزمِ رنگیں میں تری سبز قدم رہنے نہ پائیں
گھاس اُکھڑتی جو چمن سے تو صفائی ہوتی

ذاتِ باری کو کیا ظلمِ بُتاں نے ثابت
عدل کرتے یہ اگر اِن کی خدائی ہوتی

چھُوٹتے بندِ محبت کے گرفتار اگر
طوق سے گردنِ قمری کی رہائی ہوتی

عیش ہوتا کچھ اگر غم کدۂ دنیا میں — روح قالب میں خوشی سے نہ سمائی ہوتی
گھر گرایا جو میرا سیلِ حوادث نے تو کیا — چار دیوار عناصر کی گرائی ہوتی
توڑتے آبلے دیوانۂ دستِ رنگیں — خار پر تہمتِ انگشتِ حنائی ہوتی
غیر گھورے نگہِ بد سے تجھے، حیف ہے یار — آنکھ ہم سے جو لڑاتا تو لڑائی ہوتی

اُن عذاروں کی جو پاتی یہ صباحت آتشؔ
یاسمیں باغ میں پھولے نہ سمائی ہوتی

پیرہن تیرے شہیدوں کے گلستاں ہو گئے — زخمِ خنداں غیرتِ گلہائے خنداں ہو گئے
آرزوئے دل رہی نا آشنائے گوشِ یار — حرفِ مطلب اپنے منہ تک آ کے دنداں ہو گئے
حسن وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر — چشمِ عاشق کی طرح آئینے حیراں ہو گئے
منزلِ دل کی خرابی کا الم کیا کیجیے — کیسے کیسے خانۂ آباد ویراں ہو گئے
سیرِ نیرنگِ جہاں دیکھا کیے رندانِ عشق — شیعہ سُنّی ہو گئے، ہندو مسلماں ہو گئے
عاشقوں سے ٹیڑھے رہنے کی سزا آخر ملی — چشم سے برگشتہ تیرے موئے مژگاں ہو گئے
کیا نفاق انگیز چلتی ہے زمانے میں ہوا — سیکڑوں مجموعۂ صحبت پریشاں ہو گئے
آہ برلب، داغ بر دل، بسکہ عبرت نے کیا — شمع و گل ہم بر سرِ گورِ غریباں ہو گئے
موسمِ گل کر دیا اُن کی قبائے سرخ نے — چاک تا دامن ہزاروں ہی گریباں ہو گئے
زخم کھانے کا مزا دل کو ملے گا وقتِ قتل — ابروئے قاتل بھی جو دو تیغِ عریاں ہو گئے
دل نے جب سمجھا ہمارے یادگارِ رفتگاں — یوسف اپنی آنکھ میں داغِ عزیزاں ہو گئے

جو چلن چاہیں چلیں آتشؔ بُتانِ بے وفا
حسن جب پیدا ہو سب عیب پنہاں ہو گئے

کوئے جاناں چمن سے بہتر ہے — اُس کا کُتّا ہرن سے بہتر ہے
گل قبا پر ہو جائے سے باہر — کب ترے پیرہن سے بہتر ہے
گور میں بھاگ اہلِ دنیا سے — خلوت اِس انجمن سے بہتر ہے
چمنِ دہر کا ہے ہر گل خوب — نسترن، یاسمن سے بہتر ہے
ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر — ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے
ترکِ دنیا سمجھ جواں مردی — نفرت اس پیر زن سے بہتر ہے
بازو اُس کا مکاں شکم اُس کا — دھکدکی نورتن سے بہتر ہے
نہیں کھلتا کسی طرح سے پھر — عیب پوشی کفن سے بہتر ہے

سیب ہے یہ تو پھر بھی ہے وہ
غبغب اے طفل ذقن سے بہتر ہے
مانگیے کیا خدا سے چشمۂ خضر
کیا صنم کے دہن سے بہتر ہے؟
دشمنِ جاں اجل کو جانِ آتش
دوستی گورکن سے بہتر ہے

کون سی شب ہے جو رو رو کے نہیں کٹتی ہے
شام ہوتی ہے اُدھر، چھاتی اِدھر پھٹتی ہے
صورتِ شمع ہوں ہر چند فروغِ محفل
بات کرنے نہیں پاتا کہ زباں کٹتی ہے
دردِ دل سے کبھی نالہ جو کر اُٹھتا ہوں میں
آسماں چرخ میں آتا ہے، زمیں پھٹتی ہے
کس کی دیوار کے سایے کا میں دیوانہ ہوں
میری پرچھائیں سے دیوار پرے ہٹتی ہے
لاش پر لاش نکلتی ہے ترے کوچے میں
کیا تماشا ہے کہ پھر بھیڑ نہیں چھٹتی ہے
جبہِ یار سے دعوئی ہے گلِ زنبق کو
بے حیائی سے مگر ناک نہیں کٹتی ہے
حسن سے اپنے وہ نادان ہوا ہے آگاہ
آرسی سامنے سے اُس کے نہیں ہٹتی ہے
بوسے کا اُس لبِ شیریں کے زباں نام نہ لے
جان جاتی ہے، مٹھائی نہیں کچھ بٹتی ہے
عشقِ محبوب میں غم ہے کسے مر جانے کا
جان جاتی نہیں، عاشق کی بلا کٹتی ہے
طلبِ آرام کی بے جا ہے گرفتاری میں
کب بھلا خانۂ زنجیر میں چھت پٹتی ہے
شبِ ہجراں کی درازی کا گلا کیا کیجیے
خضر کی عمر بھی دو چار گھڑی گھٹتی ہے
گوش وہ ہے جو سُنا کرتا ہے افسانۂ حُسن
وہ زباں ہے جو صنم نام ترا رٹتی ہے
سائلِ دولتِ دنیا ہوں میں اے آتش کیا
گنجِ قاروں سے بھی اوقات نہیں کٹتی ہے

آنکھ پڑتے ہی قرار و صبر و طاقت لے گئے
خالِ مشکیں دلبری میں گوئے سبقت لے گئے
خاک چھانی ہم سبک روحوں نے مثلِ گرد باد
وادیِ پُر خار سے تلوے سلامت لے گئے
زہر کھا کر اک شکر لب پر مُوا ہوں دیکھنا
قبر پر دشمن گھڑے بھر بھر کے شربت لے گئے
عالمِ اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن
چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے
ناتوانی سے فشارِ قبر کی طاقت نہ تھی
گور میں بھی تیرے عاشق کو امانت لے گئے
تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گُل کر دیا
صبح کو کوے اُٹھا کر شمعِ تربت لے گئے
دیدۂ دل نے گھسیٹا کوچۂ محبوب میں
کھینچ کر مجھ کو فرشتے سوئے جنت لے گئے
باغِ عالم میں ہے نافہموں کو بے برگی کا غم
سبز پتے اس چمن سے زرد صورت لے گئے

کوئی مومن ہو نہ گل در گل الٰہی بعدِ مرگ
وائے برحال اُن کے جو دل میں کدورت لے گئے

گردشِ چشمِ غزالاں نے ستایا دشت میں
ساتھ اپنے ہر جگہ ہم اپنی قسمت لے گئے

مصحفِ رخسار کے مضموں سوا مضموں نہیں
سب کے مضموں پر مرے مضموں فضیلت لے گئے

دیکھ سکتے تھے کہاں کافر مسلماں کی نمود
کھود کر بُت ساز آتشؔ سنگِ تربت لے گئے

ہے یہ اُمیدِ قوی زلفِ رسائے یار سے
گنج چھینے، مہرہ اُگلائے دہانِ مار سے

سامنا جب اُس مسیحا کا ہوا بیمار سے
بھر دیے آنکھوں کے کاسے شربتِ دیدار سے

نازک اندامی میں کیا نسبت کسی کو یار سے
بدّھیاں پڑتی ہیں اُس گل کے بدن پر ہار سے

کم ہے ایذا ہو جو کچھ عاشق کو زلفِ یار سے
یہ بلائے بد زیادہ ہے شبِ بیمار سے

چاہیے لے کر جواب نامہ قاصد ہو پھرا
بالِ ہُد ہُد کی ہوا آتی ہے کوئے یار سے

بعدِ مُردن بھی رہے گا دل کو شوقِ قصرِ یار
سایہ بن کر روح لپٹے گی مری دیوار سے

عاشقوں کے دل کو پیسا کرتی ہے مشقِ خرام
رہتی ہے پازیب نالاں یار کی رفتار سے

وجدِ اہلِ حال سے یہ منکشف ہم کو ہوا
پردے کی آواز سُن لیتے ہیں موسیقار سے

بادشاہِ حسن نے خلعت دیا ہے عشق کا
یہ علاقہ ہے ہمارے نام پر سرکار سے

مشتریِ حُسن مجھ سا دوسرا عاشق نہیں
بُوئے یوسف آتی ہے گھر میں مرے بازار سے

کر دیا ہے عشقِ زلفِ یار نے خوش ذائقہ
شہد کا ہم کو مزا ملتا ہے زہرِ مار سے

جان سودے میں تمھارے خالِ رُخ کے جائے گی
رکھتی ہے پرہیز یہ حُبِّ شفا بیمار سے

دامنِ نظارہ لبریزِ جواہر کیجیے
ہنس کے دکھلا دیجیے دنداں دُرِ شہوار سے

شب کی شب میں ہو گئی اس مرتبہ دل بستگی
صبح کو روتی ہوئی شبنم گئی گلزار سے

دم فنا ہوتے ہیں دیکھے سے تمھارا بانکپن
قتل کرتی ہے یہ شملے کی لٹک دستار سے

غیر سے احوال پُرسی یار کرتا ہے مری
گوشِ گل بلبل کی سنتا ہے زبانِ خار سے

دل کو داغِ عشقِ حسن آیا زمانے میں پسند
یہ شگوفہ لے چلے آ کر ہم اِس گلزار سے

بے سبب مشقِ خرامِ ناز صاحب کی نہیں
کبک کو سیدھا کرو گے پائے کج رفتار سے

حسن سے ساقی کے حاصل ہو گی کیفیاتِ عشق
مست ہو کر جائیں گے ہم خانۂ خمار سے

آرزو مند شہادت ہوں، ارادہ ہے یہی
بھیک مانگوں زخم اے قاتل تری تلوار سے

کی نہ جن آنکھوں نے بلبل کی نگہ سے سیرِ باغ
ہم نے یہ جانا کہ نابینا گئیں گلزار سے

لوٹ لینے کا ارادہ مردمِ دیدہ کا ہے
سامنا تو ہو نگہ کا دولتِ دیدار سے

حشر کی گرمی میں تو یاد آئے گا اے قصرِ یار
دھوپ بچ جاتی ہے تیری سایۂ دیوار سے

خار خار دل سے جاتی ہے ہماری جان، یار!
دور کر یہ غنچہ سا گھونگھٹ گلِ رخسار سے

آنکھ رغبت کی اگر میری طرح سے ڈالتا
پھانسی دلواتا برہمن کو وہ بُت زنار سے

نیند آتی ہے کسے آتش فراقِ یار میں
خواب کو نفرت ہے اپنے دیدۂ بیدار سے

کوچۂ یار میں چلیے تو غزل خواں چلیے
بُلبلِ مست کی صورت سے گلستاں چلیے

دن کو ملتا نہیں وہ ماہ، نہیں تو کہتا
رات بھر کے لیے گھر میں مرے مہماں چلیے

پاؤں میں تا رہے رفتار کی طاقت باقی
پیچھے پیچھے ترے اے عمرِ گریزاں چلیے

زلف میں لعلِ لبِ یار کا مشتاق ہے دل
ہند سے کوچ جو کیجے تو بدخشاں چلیے

شوق صحرا کا جو ہوتا ہے تو کہتا ہے جنوں
تیغ کی طرح سے میدان میں عریاں چلیے

دم فنا کیجیے اپنا نفسِ سرد کے ساتھ
ٹھنڈے ٹھنڈے طرف گورِ غریباں چلیے

کافرِ عشق فرشتہ کی نہیں سنتے ہیں
کس سے کہتا ہے وہ غارت گرِ ایماں چلیے

ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر وہ گئے ہیں جب سے
قصد رہتا ہے یہی پاؤں کو یاں، واں چلیے

رہنا جوشِ جنوں سا ہے بہارِ گل میں
طوق و زنجیر پہن لیجیے، زنداں چلیے

زلف کے سودے میں اک عمر بسر کی آتش
بس بہت دیکھ چکے خوابِ پریشاں، چلیے

برنگِ آئینہ انساں کی قسمت ہے اگر سیدھی
موافق ہے زمانہ، دوست دشمن کی نظر سیدھی

زمیں پر پاؤں رکھ کر آسماں پر ناز کرتا ہے
مگر ٹھوکر سے چرخِ پیر کی ہو گی کمر سیدھی

سرِ مغرور کو جمعیتِ دنیا جھکاتی ہے
نہیں دیکھی چمن میں ہم نے شاخِ باردر سیدھی

نہ پستی و بلندی ہے، نہ ایسے پھیر کے رستے
عدم کی راہ سب راہوں سے ہے اے بے خبر سیدھی

نہیں زور آوری میں بازوئے قاتل کی شک ہرگز
کرے گی صاف دو ٹکڑے پڑی تلوار اگر سیدھی

بس از مُردن بھی حسرت باقی رہتی ہے جوانی کی
لحد میں کرتے ہیں پیرانِ خم گشتہ کمر سیدھی

اثر کرتی نہیں تعلیم تیرہ روزگاروں کو
اِدھر ٹیڑھی ہوئی جب شانے نے کی وہ زلف اُدھر سیدھی

کرے گی صاف چیں اُن ابروؤں کی گرمیِ صہبا
کماں رُخ کر گئی جب پھر وہ ہو گی آگ پر سیدھی

محبت ہے ہمیشہ کالموں کو راست بازوں سے
کمر میں رکھتے ہیں تلوار راوت بیشتر سیدھی

غریب آزار کا انجام کار اچھا نہیں ہوتا   بس اب اے آہ چرخِ پیر پر برچھی نہ کر سیدھی

جو منہ میں یار کی آتا ہے بک جاتا ہے اے آتش
نہ اُلٹی ہی سمجھتا ہے نہ وہ نہ رشکِ قمر سیدھی

کوچہ تیرا عیش باغ اے یار! بے تاویل ہے   چشمِ اشک آلودِ عاشق اُس میں موتی جھیل ہے
آفتِ جاں سامنا اُس کا ہے انساں کے لیے   خوبصورت جس کو کہتے ہیں وہ عزرائیل ہے
معنیٔ توریت موسائی سمجھتے ہیں تجھے   واسطے عیسائیوں کے مطلب انجیل ہے
بلبل و قمری ہیں نالاں راہِ کوئے یار میں   گل جو ہے سنگِ فشاں ہے سرو جو ہے میل ہے
گرد رہتے ہیں ستارے رات بھر پروانہ وار   ماہِ تاباں کون سے دروازے کی قندیل ہے
جلوۂ قربانیانِ عشق کس دن واں نہیں   روز اُس یوسفؑ کی کُو میں عیدِ اسمٰعیل ہے
کیا سمجھ کر بلبلوں کو حسن سے اُس کے ہے عشق   چار دن میں رنگِ رُخسارِ چمن تبدیل ہے
عشق بازی میں ہمیں فرہاد و مجنوں سے ہے فوق   لیلیٰ و شیریں سے تم کو حُسن میں تفضیل ہے
بے سروپائی نے پایا ہے یہ عالم میں رواج   پا جو ہے بے کفش ہے، سر ہے سو بے مندیل ہے
بادشاہِ وقت اُس کے شیفتہ ہیں اے صنم   گیسوؤں کا تیرے سودا ہند کی تحصیل ہے
شعر الہامی یہ پہنچاتی ہے وہ لاتا تھا وحی   فکرِ عالی منزلت بھی ہمروِ جبریل ہے
راہ پر لاتے ہیں جب گمرہ ہوا ہے آسماں   بیشتر ہم نے بنایا ہے جو بگڑا نیل ہے
جو کہ دیوانہ ہے حاضر ہووے بازی گاہ میں   لڑکوں کو چھٹی ہے، روز جمعہ ہے، تعطیل ہے
عشق کے غم سے کوئی نعمت نہیں لذت سرشت   نوش کیجیے اس غذا کو جس قدر تحلیل ہے
منتظر ہے چشم روزِ وعدۂ دیدار کی   گوشِ مشتاقِ صدائے صورِ اسرافیل ہے

پیشۂ عشق و جنوں کی سیر کے قابل ہے تو
شیر کے مانند [illegible] ہے

کیفِ مے نے سُرخ وہ رُخ کر دیا [illegible]   [illegible] کی ساتھ بجز کی آب سے
تیرے سودے میں کھلونا بن گیا [illegible]   [illegible] دلِ بیتاب سے
باغِ عالم میں ہو تسکیں [illegible]   [illegible] عتاب سے
سامنا ہوتا ہے بے تیرے جو [illegible]   [illegible] خواب سے
دیکھتے ہیں زور اپنے ہاتھ کا [illegible]   [illegible]
تم اندھیری رات میں اٹھو جو چہرے [illegible]

رعشۂ پیری تھا تن کو گریۂ طفلی سے قہر
زلزلے سے ڈھے گیا بچ کر یہ گھر سیلاب سے

چاہتا ہوں یار کو پیشِ نظر آنکھوں پہر
مانگتا ہوں رات پروانے سے، دن سرخاب سے

کیمیا گر دیکھ کر کہتے ہیں خطِ سبزِ یار
کشتہ اس بُوٹی سے ہوں گے سیکڑوں سیماب سے

حلقے اُن آنکھوں کے ہیں یوں ابروؤں سے خوشنما
خوبصورت جیسے ہو جاتا ہے دَر محراب سے

جسمِ خاکی ہو گیا داخل گڑھے میں گور کے
کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے

حسن اگر جلنے لگے عاشق نوازی کا چلن
کبکِ مردہ کا کفن ہو چادرِ مہتاب سے

جان بچتی عشق بازی میں نظر آتی نہیں
دوستی رکھتا ہے دل اک دشمنِ احباب سے

بوسہ دینے کا نہیں ہرگز زنخداں کا وہ شوخ
تشنہ لب محروم پھرتا ہے چہِ بے آب سے

یار کے رخسارِ روشن پر ہے افشاں کا عجب
کیونکر انجم پیش آئے مہرِ عالم تاب سے

دل نے اے آتش کیا داغِ محبت کو پسند
ساتھ جاوے گی یہ شے اس عالمِ اسباب سے

گل سے افزوں مری آنکھوں میں ہیں دل جُو کانٹے
پھول رکھتے ہیں تری بو، تو تری خو کانٹے

شیفتۂ سبزۂ خط کا نہ ہو اے دل! ہرگز
بے شعور اپنے لیے آپ نہ بو تو کانٹے

ہم نشیں دل نہیں اک آبلہ سا پکتا ہے
جی میں آتا ہے بھروں چیر کے پہلو کانٹے

نہ تو بلبل نظر آتا ہے چمن میں نہ تو گل
اک طرف برگِ خزاں ڈھیر ہیں اک سُو کانٹے

کام اک آبلے کا اُن سے نہیں ہوتا ہے
نہیں معلوم ہیں، کس درد کی دارو کانٹے

بد سرشتوں کو نہ نیکوں کا اثر ہو ہرگز
صحبتِ گل سے نہ ہوویں کبھی خوشبو کانٹے

گرم رفتاری سے ہر آبلہ اک اخگر ہے
پاؤں سے میری تہی کرتے ہیں پہلو کانٹے

زاہدِ خشک کے ایماں کا یقیں ہو کیونکر
نہ مسلماں ہیں ثابت نہ تو ہندو کانٹے

پاخراشی ہے مری کوہ کنی سے افزوں
پہلے پیدا تو کریں قوتِ بازو کانٹے

باغِ عالم میں جو راحت ہے تو پھر رنج بھی ہے
تا کمر گل ہیں تو یاں تا سرِ زانو کانٹے

ایک دن دعوتِ جنازۂ لیلیٰ ہو گی
اس لیے بیچ میں مجنوں ہے یہ ہر سو کانٹے

دیکھتے ہی اُنھیں تلوے مرے کھجلاتے ہیں
اے جنوں! جانتے ہیں کیا کوئی جادو کانٹے؟

خانۂ خارِ غمِ اُلفت کا اثر کیا کہیے
نکلے آخر مرے تن پر عوضِ مُو کانٹے

کیا سمجھ کر انھیں خوش چشموں سے نسبت دیجے
پھول یہ سونگھتے ہیں، کھاتے ہیں آہو کانٹے

جو نہ دے رنج کسی کو اُسے ہوتا نہیں رنج
پاؤں پر میرے نہیں پانے کے قابو کانٹے

یار و اغیار کو روپوشی ہے مجھ سے آتش
گل ہی یاں سامنے آتا ہے، نہ بر رو کانٹے

وہم سا اک اے بتِ مغرور! پیراہن میں ہے
نام کو میرا تنِ رنجور پیراہن میں ہے
شمع ایمن وہ سراپا نور پیراہن میں ہے
داغِ سینہ یاں چراغِ طور پیراہن میں ہے
جسم کے جامے کو بھی دیکھا تو ہے زندانِ تنگ
سخت دیوانہ ہے جو مسرور پیراہن میں ہے
موجِ عنبر ہے کہ سیلی ہے شکم پر یار کے
ناف ہے یا چشمۂ کافور پیراہن میں ہے
نیش سی لگتی ہے ٹھنڈی سانس ہجرِ یار میں
روح قالب میں نہیں، زنبور پیراہن میں ہے
عطر کیا ملتا ہے غافل، آخر کار ایک دن
بوئے آبِ سدرہ و کافور پیراہن میں ہے
یار کی تصویر کھنچواؤں تو کہتا ہے وہ شوخ
قالبِ بے جاں کے منظور پیراہن میں ہے
چار دیوار چمن ہے یاں لباسِ خستہ تن
داغ کا گل زخم کا انگور پیراہن میں ہے
شبہ ہو جاتا ہے مجھ کو شمع کا فانوس میں
نور کا عالم ترا اے حور پیراہن میں ہے
ناتوانی سے ہے یکساں ظاہر و باطن مرا
تار پیراہن، تنِ رنجور پیراہن میں ہے
عالمِ نیرنگ ہے دنیا، طبائع مختلف
تنگ ہے غنچہ تو گل مسرور پیراہن میں ہے
مصرعِ رقت کو پڑھیے، کپڑے آتش پھاڑیے
"ہے قبا میں عقرب اور زنبور پیراہن میں ہے"

پیری میں آئے وہ رُخِ روشن نظر مجھے
دکھلائے آفتاب کی صورت سحر مجھے
خالِ رُخِ صبیح ہے مدِ نظر مجھے
یوسفؑ سے بھی عزیز ہے زنگی پسر مجھے
اے نونہال! تو بھی دکھا چشمِ نرگسی
دکھلا رہے ہیں اپنے شگوفے شجر مجھے
جاتا ہوں اڑ کے شہر سے صحرا بہار میں
جوشِ جنوں پری کے لگاتا ہے پر مجھے
بے قصرِ یار میں گئے آیا نہیں قرار
دیوار پھاندی، بند ملا ہے جو در مجھے
گم ہوں خیال میں دہن ناپدید کے
رکھتی ہے پیچ و تاب میں نازک کمر مجھے
قاصد کی طرح قتل جو کرتے تو عید تھی
ہونا تھا خطِ شوق کا خود نامہ بر مجھے
کانوں نے میرے یار سرے ہوش اُڑا دیے
تیری خبر سنا کے کیا بے خبر مجھے
۱۰۰ چکور سے ہوں سوا اُس کے عشق میں
پہچانتا ہے خوب وہ رشکِ قمر مجھے
لب بند ہو گئے لبِ شیریں کے وصف میں
میرا دہن ہوا گرہِ نیشکر مجھے
کس مست کا خیال ہوں، پیرانِ پارسا
عینک کی طرح رکھتے ہیں پیشِ نظر مجھے

پیری میں چپ لگی جو نہ روئی تو آئی یاد — دانتوں سے کھولنی گرہِ نیشکر مجھے
برسوں سے میں خراب ہوں دل کی تلاش میں — رکھتا ہے شوقِ کعبہ میانِ سفر مجھے
سوئے میں تیغِ ابروئے خم دارِ یار کے — گردن وبال ہو گئی ہے، بوجھ سر مجھے
دونوں جہان کے کام کا رکھا نہ عشق نے — دنیا سے، آخرت سے کیا بے خبر مجھے
واماندگی سے میری نہ نالاں ہوا ے جرس! — منزل میں سب سے دیکھیو تو پیشتر مجھے
معشوق تھے، غرور سزاوار تھا تمھیں — شکوہ نہیں ہے، تم نے نہ پوچھا اگر مجھے
حلقوں سے زلفِ یار کے تھرّا رہا ہوں میں — پھانسی نہ دیں کہیں یہی رہتا ہے ڈر مجھے
ملتا نہیں ہے دل سے بھی میرے مرا مزاج — صحبت کا تیری یار ہوا ہے اثر مجھے
طالب نہیں ہے دولتِ دنیا کا دل مرا — اُس سیم تن کا وصل ہے تحصیلِ زر مجھے
جب دیکھتا ہے یار تو ہے دانت پیستا — ڈوبوں گا میں، ڈبوئے گا آبِ گہر مجھے

شمشیرِ خارجی نہیں ہونے کی کارگر
حُبِّ علی کی کافی ہے آتش سپر مجھے

چمن کا رنگ تجھے بن اپنی آنکھوں میں مبدّل ہے — چراغِ لالہ چشمِ غول ہے، گلزار جنگل ہے
شبِ تاریک مرقد دیکھتے ہی یار کو دیکھے — دمِ آخر ہمارا، عاشقی کا روزِ اوّل ہے
ہزاروں حسرتوں کے روز و شب ہوتی ہیں خوں اس میں — نہیں معلوم دل ہے یا مرے پہلو میں مقتل ہے
بدن سے یار کے نرمی میں کچھ نسبت نہیں اُس کو — جو مخمل وہ شکم تا ناف ہے تو ٹاٹ مخمل ہے
قدم رکھے تو گل در گل رقیبِ رُوسیہ ہووے — گلی میں یار کی ایسی مرے اشکوں سے دلدل ہے
سوا تیرے کسی کا دھیان آتا ہو تو کافر ہوں — دوئی جس دل میں ہے وہ دل نہیں ہے چشمِ احول میں
بنایا ہے اُسے شاید کہ دودھ روغنِ گل سے — ہزاروں گل پھلاتا یار کی آنکھوں کا کاجل ہے
جو عالم حسن رکھتا ہے تو حالت عشق غارت گر — کہیں زلفِ مسلسل ہے، کہیں اشکِ مسلسل ہے
جو روتا ہوں تو دو دو دن مرے آنسو نہیں تھمتے — ہجومِ یاس سے ابرِ مژہ ساون کا بادل ہے
فروغِ ظاہری کرتا ہے کیا، باطن کو روشن کر — طلائی گو کہ ہو، مطلب سے خارج خطِ جدول ہے
پہنچتی ہے مجھے ہر صبح بے کوشش مری روزی — توکل آدمی کے واسطے گویا مؤکل ہے
وہی عالم ہے اب تک خاکسارانِ محبت کا — وہی نقشِ قدم کی خاک پیشانی کا صندل ہے
ہوا ہے آج مجنوں عشق میں لیلیٰ کے دیوانہ — یہ زنجیر اُس کی گردن میں مری طفلی کی ہیکل ہے
اندھیری رات میں دیتی ہے دھوکا روشنی مجھ کو — فروغِ حسن سے کس کا رُخِ پرنور مشعل ہے

بہار آئی ہے ہنگامِ جنوں ہے، کپڑے پھٹتے ہیں
مسلسل پاؤں میں دیوانہ، درِ زنداں مقفل ہے

تفاوت ہے بڑا آئینہ و آئینہ رو میں
یہ صیقل کا نہیں محتاج، وہ محتاجِ صیقل ہے

فقیری جس نے کی گویا کہ اُس نے بادشاہی کی
جسے ظلِ ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمبل ہے

کتابی چہرے پر زلفِ پریشاں ہے وہ مجموعہ
کہ جس کے سامنے اک مختصر نسخہ مطوّل ہے

لب نانِ جوینِ خشک، رکھتا ہے دہن شیریں
قناعت شہد ہے آتش، ہوا و حرص حنظل ہے

ہاتھ مشتاقِ گریباں ہے، جنوں کا جوش ہے
پیرہن تن پر مرے گرمی میں بالا پوش ہے

دور ہوں یکجائی پر بھی صورتِ فانوس و شمع
ہے بغل میں یار، پر خالی مرا آغوش ہے

کشورِ خوباں میں مرگ و زیست دونوں ہیں خراب
بارِ خاطر زندہ ہے، مردہ وبالِ دوش ہے

جان جاتی ہے ولیکن آہ دل کرتا نہیں
ناقۂ لیلیٰ رواں ہے پر جرس خاموش ہے

کوچہ و بازار میں رسوا نہ کر عاشق کو تو
اے صنم! اللہ کو سنتے ہیں پردہ پوش ہے

عاقل اتنے تو بکارِ خویش ہم دیوانے ہیں
موسمِ گل تک گریباں پھاڑنے کا ہوش ہے

حالِ دل سُن کر وہ چپکا ہو رہا، میں خوش ہوا
نیم راضی کا نشاں یعنی، لبِ خاموش ہے

روتے روتے پانی ہو کر بہہ گیا آخر کو میں
قصرِ تن کے ڈھانے کو سیلابِ دل کا جوش ہے

ضعفِ پیری سے نہیں ہوتا ہے قدِ انساں کا خم
توڑتی آخر کمر کو حسرتِ آغوش ہے

دردِ دل کہنے کے خو مجھ کو، نہ سننے کی اُسے
عہد میں میری زباں نایاب و عنقا گوش ہے

ہوں وہ دیوانہ، گرفتاری ہے جس کو زندگی
طوق کا حلقہ پری کا حلقۂ آغوش ہے

موت کا سامان ہے بے یار سامانِ نشاط
لب تو ساغر نوش ہیں پر دل مرا خوں نوش ہے

گور میں کیونکر قوی ہووے نہ اُمیدِ وصال
رات اندھیری ہے، چراغِ خانہ تک خاموش ہے

ناگوار آتش ہے اپنی ہمتِ مردانہ کو
باندھنا مضمونِ غیر اُتری ہوئی پاپوش ہے

فصلِ گل ہے خونِ حیض دخترِ رز کا جوش ہے
گردنِ قاضی میں دستِ رند ساغر نوش ہے

یار سے دست و بغل ہوتا ہے عنقا کا شکار
تنگ اُس گل کی قبا سے بھی مرا آغوش ہے

حالِ دل ہوتے ہیں حسرت کی نگاہوں سے عیاں
میری اُس کی گفتگو میں اب زباں خاموش ہے

پشت بر دیوارِ حیرت ہیں ہزاروں صورتیں
صاحبِ آئینہ خانہ آج تک روپوش ہے

جامۂ ہستی جنوں میں مثلِ گل پُرزے اُڑا
سنگ یاں بہرِ شکستِ شیشۂ، مے کا جوش ہے

موسمِ سرما میں زُلواتا ہے پہلوئے تہی
اب کفِ دریا بدن پر میرے بالا پوش ہے

وصل کی شب کھوئی شادی مرگ ہو کر جانِ زار
تنگ مردے پر ہماری گور کا آغوش ہے

فرطِ الفت کا مآلِ کار ہے عاشق کو موت
جب شرابی کو زیادہ نشہ ہو، بیہوش ہے

مردہ کس بیکس کا دریا میں بہایا جائے گا
جس حبابِ بحر کو دیکھا سراپا دوش ہے

گفتگوئے اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں
خواب میں چلّائے ہر چند آدمی، خاموش ہے

اہلِ دنیا حالِ ہم دیگر سے کیا ہوں مطلع
مجلسِ تصویر میں کس کو کسی کا ہوش ہے

یار سرگرمِ خرامِ ناز، میں محوِ جمال
گوہرِ جانِ گرامی صدقۂ پاپوش ہے

کنجِ تنہائی میں بھی چلّا کے رو سکتا نہیں
لوگ کہتے ہیں در و دیوار کے بھی گوش ہے

گل ہر اک ساغر بکف، بلبل ہر اک نغمہ طراز
سیرِ باغ آتش مجھے ایمائے ناؤ نوش ہے

پاسِ رسوائی سے دل پر مردے کا سا جبر ہے
ضبطِ نالہ ہجر کی شب میں فشارِ قبر ہے

صاف میرے آنسوؤں کا تار ہے اُس کی جھڑی
دیدۂ تر کا کسی عاشق کے رومال ابر ہے

پہلے پروانے سے مغزِ شمع میں لگتی ہے آگ
بے تامل حسن بھی ہے، عشق اگر بے صبر ہے

کوچۂ محبوب میں مَیں، خانۂ کعبہ میں شیخ
بُت کدے میں برہمن، آتش کدے میں گبر ہے

مصحفِ رُخ کی تلاوت میں ہوا ہے دم فنا
نور سے ایمان کے روشن ہماری قبر ہے

کان کھولے رکھتے ہیں، سن رکھا ہے وصلِ یار
اختیار آگے ترا اب ہجر ہم کو جبر ہے

شغلِ مے خواری چمن میں چل کے آتش کیجیے
فرشِ سبزے کا لبِ جُو ہے، ہوا ہے، ابر ہے

خوں تیغ زنوں کے دمِ شمشیر سے ٹپکے
کیا کیا نہ کماں دار، ترے تیر سے ٹپکے

وہ حسن جوانی ہے ترا طفل کے مانند
دیکھے سے جسے رال لبِ پیر سے ٹپکے

دیواں میں ہمارے ہے مرقع کا سا عالم
مضموں ہے زبس چاند سی تصویر سے ٹپکے

شب باش ہوں سایے تلے جس کے میں بلاکش
شبنم سی وہ چھت، شامتِ تقدیر سے ٹپکے

بے رنگی رہی مدِّ نظر گو سحر و شام
رنگِ شفق اس سقف زمیں گیر سے ٹپکے

کنواتی ہے سر شمع جو ثابت قدمی سے
آنسو بھی نہ اندیشۂ گل گیر سے ٹپکے

وصفِ لبِ شیریں وہ کرے اپنی زباں سے
یوں شیرۂ جاں جس کی کہ تقریر سے ٹپکے

آہن کو کیا آب تپِ حارِ جنوں نے
قطرے ہوئے دانے، مری زنجیر سے ٹپکے

غصّے سے بھی کر لیجیے سُرخ آنکھوں کو صاحب
خوں بھی مژۂ عاشقِ دل گیر سے ٹپکے

پونچھے نہ بھووں پر سے جو رومال پسینہ
آب ابروئے خم دار کی شمشیر سے ٹپکے

جس نے کہ لکھا اُس کو نہایت ہی وہ رویا
آنسو مرے حالات کی تحریر سے ٹپکے

کٹوائے جو بشاشی سے سر میری طرح شمع
نادم ہو پسینہ، رُخِ گل گیر سے ٹپکے

دیکھے نگہِ بد سے جو عیسیٰ نفسوں کو
کوڑھی کی طرح شومیِ تقدیر سے ٹپکے

مے ہم سے غریبوں نے نہ پی، سیکڑوں مہوے
اس تابشِ خورشید کی تاثیر سے ٹپکے

اُس مست کے ہو تیرِ نگہ کا جو نشانہ
مے چشمِ کبابِ دلِ نخچیر سے ٹپکے

مثلِ شفقِ چرخ وہ مہر آئے لبِ بام
رنگ اثر اِس نالۂ شب گیر سے ٹپکے

گر ابرِ سیہ جھومتا آتا ہے تو برسے
یہ فیلِ سیہ مستی کی تاثیر سے ٹپکے

بیرنگ زمیں ہو تو اسے کیا کرے شاعر
رنگی ہو تو رنگ ریز کی تدبیر سے ٹپکے

مضموں کہو آتش انھیں یا آم انھیں سمجھو
ہاتھ آئے ہیں دو چار یہ تقدیر سے ٹپکے

تیرۂ و تار جہاں ہو دلِ روشن ٹوٹے
خاطرِ دوست نہ یاں خاطرِ دشمن ٹوٹے

آہ کھینچوں جو پیالے کو کبھی ٹھیس لگے
سر کو پھوڑوں میں صراحی کی جو گردن ٹوٹے

مُصحفِ رُو سے ترے کفر کی بنیاد مٹی
مسجدیں بننے لگیں، دیرِ برہمن ٹوٹے

اثرِ سنگ کیا بادِ خزاں نے پیدا
شیشۂ رنگِ گل و لالہ و سوسن ٹوٹے

فکرِ درماں جو کروں دردِ دگر پیدا ہو
مُنفک خار سے ہو، پاؤں میں سوزن ٹوٹے

ہوں میں وہ کشت بچے برق سے باراں میں اگر
لشکرِ مور بچے غارتِ خرمن ٹوٹے

شاہدِ حُسن کی بیداد گری سے ہے یقیں
پائے بُت کو جو چھوئے دستِ برہمن ٹوٹے

حائلِ منزلِ مقصود سیہ بختی ہے
یا الٰہی! کمرِ افعیِ رہزن ٹوٹے

اُڑ چکے پُرزے جو اُڑنے تھے گریباں نے صبر
بس نہ اب سلسلۂ جنبشِ دامن ٹوٹے

سایہ ساں لگ چلی دیوار سے تیری جو نگاہ
بجلی بن بن کے ہر اک ذرّۂ روزن ٹوٹے

پشت پاسنگ کو لگ جائے تو تھرا جاوے
سر پٹکیے تو درِ قلعۂ آہن ٹوٹے

جلوۂ یار نے داغِ دلِ بیتاب ہوں دور
کشت پر یاس کے برقِ شرر افگن ٹوٹے

کوچۂ یار کی زینت ہے مری چشمِ پُر آب
رونقِ باغ کہاں، جب چہِ گلشن ٹوٹے

اہلِ دنیا کی خرابی ہوئی ظاہر مجھ کو
نظر آئے جو کہیں گنبدِ مدفن ٹوٹے

اُس رو بخت میں لائی ہے پیادہ قسمت   گر سوار آئے یقیں ہے سُم توسن ٹوٹے

آرزو ہے یہی آتش کی خدا سے اے دوست!

تیری پاپوش سے اک دن سرِ دشمن ٹوٹے

چلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا اُلٹی   کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا اُلٹی

بیانِ حالتِ دل پیشِ یار ہو نہ سکا   زباں کبھی نہ دمِ عرضِ مدعا اُلٹی

نہ روزِ ہجر ہی کچھ خوب ہے، نہ شامِ فراق   گلیم بختِ سیہ سیدھی ہووے یا اُلٹی

نگاہِ ناز ہے ترچھی کچھ اُس صنم کی نہیں   خلافِ عشوہ و انداز، ہے ادا اُلٹی

ہمارے خوں سے ہوئے دست و پائے قاتل سُرخ   نصیب اپنے پھرے، قسمتِ حنا اُلٹی

کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسم حسرت و یاس   درِ قبول سے ٹکرا کے سر، دعا اُلٹی

خلافِ وضع ہے انساں کے واسطے معیوب   بدن کی زیب نہ ہووے کبھی قبا اُلٹی

شبِ فراق میں مَیں نے جو منہ لپیٹا ہے   خیالِ وصل میں پہروں نہیں ردا اُلٹی

گلہ ہے حشر کے دن ہم کو بختِ جانی سے   ہزار بار پھری آن کر قضا اُلٹی

نگاہِ یار کی پھرتے ہی ہم سے اے آتش

زمانہ پھر گیا، چلنے لگی ہوا اُلٹی

سر شمع ساں کٹائیے، پر دم نہ ماریے   منزل ہزار سخت ہو، ہمت نہ ہاریے

مقسوم کا جو ہے سو وہ پہنچے گا آپ سے   پھیلائیے نہ ہاتھ، نہ دامن پساریے

طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار   زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیاریے

برہم نہ ہو مزاج کسی وقت آپ کا   ابتر ہوئی ہیں زلفیں نہایت، سنواریے

بے وجہ رنگِ زرد نے دی تہمتِ طلا   اک عمر میری خاک کو چھانیں نیاریے

نرگس کو صدقہ کیجیے بیمار چشم کے   زلفِ سیاہ پر تری، سنبل کو واریے

تنہائی ہے، غریبی ہے، صحرا ہے، خار ہے   کون آشنائے حال ہے، کس کو پکاریے

ایمائے ناز ہے یہی اُس شاہِ حسن کو   چینِ جبیں کو قتلِ جہاں پر اُبھاریے

تبدیل روزِ وصل سے فرقت کی شب ہوئی   آئی ہوئی بلا ٹلی، صدقہ اُتاریے

تم فاتحہ بھی پڑھ چکے، ہم دفن بھی ہوئے   بس خاک میں ملا چکے، چلیے، سدھاریے

دکھلائی دے جو آنکھوں کو یوسف کا کارواں   چلائیے جرس کی طرح سے پکاریے

نازک دلوں کو شرط ہے آتش خیالِ یار

شیشہ خدا جو دے تو پری کو اُتاریے

یار قاتل ہے تو کس کو موت سے پرہیز ہے
سر تصدق ہے، اگر مژگاں کا خنجر تیز ہے

توڑیے زنجیرِ ہستی مثلِ تارِ عنکبوت
آج کل جوشِ جنوں کا اپنے لوہا تیز ہے

طولِ عمرِ خضر دے تم کو خدائے مُغبچو!
چشمۂ حیواں ہمیں پیمانۂ لبریز ہے

روئیے جس جا، یقیں ہے واں سے پیدا ہو چنار
آتشِ پنہاں اس آبِ اشک میں آمیز ہے

زندگی کی کون سی صورت فراقِ یار میں
فتنہ انگیز آہ ہے، نالہ بلا انگیز ہے

سر کو لے کر ہاتھ پر رکھ، کوچۂ قاتل میں پاؤں
آسماں سے بھی سوایاں کی زمیں خوں ریز ہے

افعیِ رہزن ہے سنبل حسن کے گلزار کا
کہنہ گرگ اس بوستاں کا سبزۂ نوخیز ہے

کاتبِ قدرت سے اپنی گفتگو ہے روزِ حشر
خطِ پیشانی ہمارے پاس دست آویز ہے

پُرزے اُڑتے ہیں ہمارے خط کے کوئے یار میں
خونِ قاصد سے در و دیوار رنگ آمیز ہے

یار بن ساقی قیامت ہے مجھے ساغر کشی
قلقلِ مینا نہیں ہے، شورِ رستاخیز ہے

زہر کھانا ہے، نہ پینا اب شرابِ شوق کا
وصل کی شب ہے، پیالہ ہجر کا لبریز ہے

غیرِ رسوائی کبھی ان سے نہ کچھ حاصل ہوا
عشق سے نفرت ہے مجھ کو، حسن سے پرہیز ہے

منزلِ مقصود تک اللہ پہنچائے ہمیں
وقتِ شب ہے، ابر ہے، صحرائے آفت خیز ہے

عشق کی نیرنگ سازی کا بیاں کیا کیجیے
کوہکن اُس پر مرے جو کشتۂ پرویز ہے

ظلم کرتے ہیں بتانِ سنگدل بہرِ نمود
شہرۂ آفاق خونِ خلق سے چنگیز ہے

فکر کی دقت سے یاں طبعِ رواں آگہ نہیں
توسنِ چالاک کو کیا حاجتِ مہمیز ہے

بلبلِ بستاں کے نالے سے یہ آتی ہے صدا
گوشِ گل نا آشنائے حرفِ شوق آمیز ہے

اشک کے شامل ہے خوں ناب دلِ پُرداغ بھی
الحذر اے آستیں، یہ آبِ آتش بیز ہے

تختہ پارے کی طرح ہے حالِ دلِ آتش تباہ
بیقراری لجۂ دریائے طوفاں خیز ہے

کوچۂ یار کے نظارہ میں اغیار اُلجھے
سیرِ گلزار میں دامن سے مرے خار اُلجھے

پائے قاتل پہ الٰہی سرِ مغرور جھکے
رگِ گردن سے مری خنجرِ خونخوار اُلجھے

چیں جبیں پر نہ ہو ہر چند وہ ابرو کج ہوں
بھوں نہ ٹیڑھی ہو، جو زلفِ سیہ یار اُلجھے

فرصتِ وقت ہے تدبیر کے خاطر لازم
پھر سلجھتے نہیں جب آنسوؤں کے تار اُلجھے

باغبانوں سے ترے شیفتۂ زلف اے گل!
سنبل الطیب کے ہو ہو کے خریدار اُلجھے

جوشِ اشکوں کا یہی ہے تو یقیں ہے دل کو
دامنِ سیل سے خارِ سرِ دیوار اُلجھے

توانی نے یہ دم بند کیا تارِ نفس
سینے میں صورتِ موئے سرِ بیمار اُلجھے

کفر و اسلام سے آزاد ہوں، بے قید ہوں میں
مجھ سے کافر ہی نہ جھگڑے، نہ تو دیندار اُلجھے

روئے رنگیں سے ترے باغ میں وا ہو جو نقاب
صحبتِ گل سے دلِ بلبلِ گلزار اُلجھے

کوچۂ یار میں ہنگامہ رہا غیروں سے
دن کو دو چار رکے، رات کو دو چار اُلجھے

حسن کو ایک طرح پر نہیں اک لحظہ قرار
صاف سو بار وہ گیسو ہوئے، سو بار اُلجھے

شیشہ گر کرتے ہیں بند اپنی دکانیں آتشؔ
کس کے دیوانے سے لڑکے سرِ بازار اُلجھے

منزلِ گور اب مجھے اے آسماں! درکار ہے
مردمِ بیمار کو نقلِ مکاں درکار ہے

ہجر کی شب میں کہانی سے کوئی آتی ہے نیند؟
قصہ خواں کے بدلے یاں یاسین خواں درکار ہے

ساحلِ دریائے ہستی ہے کنارہ گور کا
کشتیِ تن کے لیے بھی بادباں درکار ہے

دیکھیے کس کس نظارہ باز کا دل ڈوب جائے
یار کو پیراہنِ آبِ رواں درکار ہے

کچھ علاجِ وحشتِ عاشق نہیں جز خوابِ مرگ
ایسے دیوانے کو زنجیرِ گراں درکار ہے

آدمی کے واسطے کچھ اور ہووے یا نہ ہو
ساقی و مے، سبزہ و آبِ رواں درکار ہے

سیرِ بامِ عرش کی دکھلاتی ہے دل کی تڑپ
صاحبِ تاثیر کو کیا نردباں درکار ہے

قیمتِ دل ان بتوں سے کیا سمجھ کر مانگیے
رہزنوں کو مفت مالِ کارواں درکار ہے

خالی ہاتھ آئے ہیں، خالی ہاتھ عاشق جائیں گے
واں نہ کچھ منظور تھا ہم کو، نہ یاں درکار ہے

ابرو مژگاں معما ہے جو تو سمجھے اسے
ترکِ حسنِ یار کو تیر و کماں درکار ہے

شہر و صحرا میں پھرا کرتا ہوں اس امید پر
وہ جگہ دیکھوں، مری مٹی جہاں درکار ہے

میری پامالی اگر مقصود ہے اے آسماں!
کہہ خدا سے مجھ کو اک سروِ رواں درکار ہے

سبزۂ خط کے تماشے سے مجھے ظاہر ہوا
حسن کو رشکِ بہارِ گل، خزاں درکار ہے

چاہے سگ کو دے اسے، چاہے ہما کو دے اسے
آسماں لے لے جو مشتِ استخواں درکار ہے

بیشتر بندھتے ہیں مضمونِ ہم آغوشیِ یار
بہرِ فکرِ شعر اک تنہا مکاں درکار ہے

طالبِ زلفِ معنبر کو ہے دل سودا زدہ
چغد کو بالِ ہما کا آشیاں درکار ہے

شاعرِ جاں باز ہے آتشؔ خداوندا! اسے
ذوالفقارِ حیدری جائے زباں درکار ہے

نالۂ بلبل کو سن کر اُف نہیں کرتا کبھی
گوشِ گل کے واسطے آتشؔ زباں درکار ہے

شبِ برات جو زلفِ سیاہِ یار ہوئی
جبیں سے ج مہِ عید آشکار ہوئی

یہ سرخ نشے میں چشمِ سیاہِ یار ہوئی
زیادہ تر شفقِ شام سے بہار ہوئی

تپ دروں نے نہ رکھا نشان تک باقی
ہمیں حرارتِ قلب آتشِ چنار ہوئی

گزر ہوا جو کبھی مرقدِ غریباں پہ
گھٹائیں پھوٹ بہیں، برق بے قرار ہوئی

شبِ فراق کی ظلمت جو آئی گور میں یاد
سفیدہ صبح کا تاریکیِ مزار ہوئی

پیادہ پا جو چمن میں بہار کو دیکھا
ہوا کے گھوڑے کے اوپر خزاں سوار ہوئی

بڑی خرابیِ و جاں کاہی سے اسے کاٹا
شبِ فراق مجھے فیل کا شکار ہوئی

زمیں کو زلزلہ آئے گا، چرخ کو چکر
ہماری روح لحد میں جو بے قرار ہوئی

شبِ فراق کے صدموں سے جان بچ جاتی
عنانِ مرگ نہ انساں کے اختیار ہوئی

وہ کوہ ہوں میں، پرِ کاہ ہے گراں جس کو
وہ کاہ ہوں، کہ کوہ پہ جو بار ہوئی

بھری ہے دل میں زبس آرزو شہادت کی
تڑپ گیا مَیں، جو تلوار آب دار ہوئی

یہ کیسا تیشے سے فرہاد نے اسے کاٹا
بلند و پست بہت راہِ کوہسار ہوئی

وفا سرشت ہوں، شیوہ ہے دوستی میرا
نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

سنا ہے قصۂ مجنوں و وامق و فرہاد
کسی کو عاشقی آتش نہ سازوار ہوئی

غم نہیں، کوئے بتاں میں جو نہیں جا خالی
باغِ فردوس میں ہے پہلوِ حورا خالی

اے صنم! مہر و وفا سے نہیں دنیا خالی
کون سا دل ہے، نہیں جس میں تری جا خالی

نیچی نظروں سے ہوا اُس کی زمانہ پامال
آنکھ اُٹھائی تو کیا عالمِ بالا خالی

شبِ تنہائی میں کیا گرم ہو پہلو اس سے
ناز و انداز سے ہے صورتِ زیبا خالی

دیکھ کر جان نکلتے ہوئے بھاگے اغیار
میں نے مر کر بھی کیا یاروں کا پالا خالی

گردشِ چشم کہاں، گردشِ ساغر بھی نہیں
نظر آیا یہ مجھے گنبدِ مینا خالی

نکلے پہلو میں ہر اک نام کے سترّ سترّ
نہ ملی بعدِ فنا گور میں بھی جا خالی

سر بکف کوچۂ جلاد میں حاضر ہوں میں
فتنہ سمجھے نہ مرے عہد میں دنیا خالی

پیاس بجھتی نہیں مستسقیِ اُلفت کی ترے
سوکھ جاتے ہیں کنوئیں، ہوتے ہیں دریا خالی

گردشِ چشم نہیں گردشِ افلاک سے کم
گھر کے گھر کرتی ہے وہ نرگسِ شہلا خالی

شکر کس منہ سے کروں گوشۂ تنہائی کا — مجھ کو دل کھول کے رونے کو ملی جا خالی
خوش کھایا جو مرے خوں نے، نہیں رہنے کی — پائے محبوب میں جائے کفکِ پا خالی
سمجھے آتش نہ کوئی آدم بےجا کی کو حقیر
نہیں اسرار سے یہ خاک کا پتلا خالی

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے — ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے
میری ایذا کے لیے مردے میں جان آتی ہے — کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے
دہنِ گرگ سے جیتا جو بچوں صحرا میں — ذبح کرنے کے لیے مول لے قصاب مجھے
ہوں تصور میں صفائے بدنِ یار کے غرق — حلقۂ ناف ہوا حلقۂ گرداب مجھے
مردمِ دیدۂ قربانی ہوں میں دیوانہ — آئے دروازہ کھلے دن نہ کبھی خواب مجھے
اے فلک رہنے دے عریاں ہی پس از مرگ بھی تو — سونپتا کیا ہے کفن دزد کا اسباب مجھے
نہیں رکھتے ہیں امیری کی ہوس مردِ فقیر — شیر کی کھال ہی ہے قاقم و سنجاب مجھے
جوش سے اشکوں کے پھر جائے گا سر پر پانی — کھینچ لے جائے گا دریا میں یہ سیلاب مجھے
دیر و کعبہ میں اُن آنکھوں سے نہیں حلقۂ در — کوئی ابرو سے دکھاتا نہیں محراب مجھے
فرقتِ یار میں کرتی ہے قیامت برپا — روزِ محشر سے نہیں کم، شبِ مہتاب مجھے
مرضِ عشق سے بچ جاؤں جو تم دلوا دو — صدقہ اپنے لب جاں بخش کا عناب مجھے
چین لینے نہ دیا ... جدائی نے کبھی — کب میں سویا کہ جگایا نہیں بدخواب مجھے
نہیں بھولا ہے جنوں میں وہ حواس اُڑ جانا — یاد ہے برہمیٔ صحبتِ احباب مجھے
نام کو میرے بھی احباب میں اپنے لکھے — ذرہ سمجھے رہے وہ مہر جہاں تاب مجھے
دل غنی چاہیے گو ہوں میں فقیر اے آتش
شیر کی کھال ہی ہے قاقم و سنجاب مجھے

برق بے پردہ اگر چہرۂ نورانی ہے — پردہ پوشی تری تلوار کی عریانی ہے
ایک عالم ہے صنم بس کہ ترا فریادی — عرصۂ حشر جلو خانۂ سلطانی ہے
دل کے خوں ہونے سے اے جان! نہ اتنا گھبرا — ایک دن تو بھی غمِ یار کی مہمانی ہے
یار جلادی میں یکتائے زمانہ ہے اگر — واجب القتل نہیں کوئی مرا ثانی ہے
حال پر اپنے کسی وقت تو کر چشم کو تر — ہے پھر اندھا وہ کنواں جس میں نہیں پانی ہے
صورتِ غنچۂ گل ہے دلِ بستہ میرا — مجھ کو واشد کی طلب فکرِ پریشانی ہے

سرنگوں خاک میں ملوا کے ہوا مجھ کو فلک
کارِ بد کردہ کا انجام پشیمانی ہے

بے تمیزی سے ہے اپنی مجھے اُمیدِ نجات
باعثِ بے گنہی طفل کی نادانی ہے

ہونٹھ چٹواتا ہے تاحال محبت کا مزا
زخمِ دل پر وہی اب تک نمک افشانی ہے

زندگانی میں ہوں مَیں مردہ سے بدتر آتشؔ
نقش تعویذ لحد کا خطِ پیشانی ہے

روئے خورشید سے روشن رُخِ نورانی ہے
صبحِ صادق سے کشادہ تری پیشانی ہے

تابِ نظارہ کہاں اور کہاں دیدۂ شوق
صورتِ یار میں آئینے کو حیرانی ہے

شام ہوتے یہ نہ معلوم ہوئی پھر شبِ وصل
عمرِ کوتہ سے وفا چاہنی نادانی ہے

ٹھوکریں رہ گزرِ یار میں کھاتا ہوں میں
عاشقِ نقشِ کفِ پا مری پیشانی ہے

تادمِ مرگ رہا منتظرِ قاتل میں
شاہدِ حال، مرا دیدۂ قربانی ہے

صورتِ یار میں اٹکے گا دمِ بازپسیں
حالتِ نزع سے مشکل مری آسانی ہے

نیم جاں چھوڑ کے نادم نہ ہوا ہو گا یار
سر جھکا کر جو ہوئی مجھ کو پشیمانی ہے

آئینہ دیکھ ہوا یار غریقِ حیرت
منزلِ خوفِ شناور کو بندھا پانی ہے

دل سا دشمن ہے شب و روز عزیزِ پہلو
اپنے قاتل سے مجھے اُلفتِ روحانی ہے

وعدہ ہوتا نہیں تاچند برابر میرا
اے اجل! دیکھوں تو کب تک یہ نگہبانی ہے

نوجوانی میں غمِ عشق نہ بڑھنا معلوم
شب کوتاہ ہے، افسانہ طولانی ہے

دشمنی ہے عوضِ دوستی یاں اے آتشؔ
دردِ سر ہی سببِ صندلِ پیشانی ہے

کیا کیا نہ رنگ تیرے طلبگار لا چکے
مستوں کو جوش، صوفیوں کو حال آ چکے

ہستی کو مثلِ نقشِ کفِ پا مٹا چکے
عاشق نقابِ شاہدِ مقصود اُٹھا چکے

کعبے سے دَیر، دَیر سے کعبے کو جا چکے
کیا کیا نہ اس دوراہے میں ہم پھیر کھا چکے

گستاخ ہاتھ طوقِ کمرِ یار کے ہوئے
حدِّ ادب سے پاؤں کو آگے بڑھا چکے

کنعاں سے شہرِ مصر میں یوسف کو لے گئے
بازار میں بھی حسن کو آخر دکھا چکے

پہنچے تڑپ تڑپ کے بھی جلاد تک نہ ہم
طاقت سے ہاتھ، پاؤں زیادہ ہلا چکے

ہوتی ہے تن میں روح پیامِ اجل سے شاد
دن وعدۂ وصال کے نزدیک آ چکے

پیمانہ میری عمر کا لبریز ہو کہیں
ساقی مجھے بھی اب تو پیالہ پلا چکے

دیوانہ جانتے ہیں ترا ہوشیار انھیں
جامے کو جسم کے بھی جو پرزے اڑا چکے

بے وجہ ہر دم آئینہ پیشِ نظر نہیں
سمجھے ہم آپ آنکھوں میں اپنی سما چکے

اس دلربا سے وصل ہوا دے کے جان کو
یوسفؑ کو مول لے چکے، قیمت چکا چکے

تھا نقاب چہرۂ زیبائے یار سے
دیوار درمیاں جو تھی، ہم اُس کو ڈھا چکے

زیرِ زمیں بھی تڑپیں گے اے آسمانِ حُسن!
بیتاب تیرے گور میں بھی تاب لا چکے

آرائشِ جمال بلا کا نزول ہے
اندھیر کر دیا جو وہ مِسّی لگا چکے

دو ابرو اور دو لبِ جاں بخش یار کے
زندوں کو قتل کر چکے، مردے جلا چکے

مجبور کر دیا ہے محبت نے یار کی
باہر ہم اختیار سے ہیں اپنے جا چکے

صدموں نے عشق و حسن کے دم کر دیا فنا
آتش سزا گناہِ محبت کی پا چکے

ہولا نہ نگاہ، مجھے چشمۂ خوں جاری ہے
گور پر بھی مرے مُردے کا قدم بھاری ہے

دور اتنا بھی بن اے منزلِ مقصود! نہ کھینچ
تھک گیا لاکھ میں، ہمت تو نہیں ہاری ہے

شاق کیوں کر نہ ہو عاشق کو جدائی تیری
کون ہے وہ کہ جسے جان نہیں پیاری ہے

غمِ کونین فراموش ہوا اُلفت میں
لاکھ آزادی یہ اک دل کی گرفتاری ہے

رات آرام سے کٹتی ہے، نہ دن راحت سے
زندگانی دو روزہ مجھے بیماری ہے

نہ کر اے بادِ بہاری! مجھے تکلیفِ شراب
آگے ہی گٹھری گناہوں کی مرے بھاری ہے

وصل میں ہجر کا دھڑکا ہے بجا عاشق کو
چار دن چاندنی ہے، چار دن اندھیاری ہے

سایۂ دامنِ جلاد میں ٹھنڈا ہو لوں
منزلِ سخت ہے، پشتارہ بہت بھاری ہے

نسبت اے پردہ نشیں تجھ سے نہیں یوسفؑ کو
قدر اُس کی نہیں جو حُسن کہ بازاری ہے

دل کا گاہک وہ ہلاکو ہے، خدا خیر کرے
بد بلا حاکمِ ظالم کی خریداری ہے

نہیں معشوق جو آتش نہیں میرا مطلوب
سکۂ عشق مرے نام پہ اب جاری ہے

دیدۂ مشتاق کو منظور تُو عالم میں ہے
دم ترا بھرتے ہیں دم جب تک کہ اپنے دم میں ہے

خوش قدی کا تجھ سے دعویٰ کر کے اس تقصیر پر
سرو دن بھر دھوپ میں ہے، رات بھر شبنم میں ہے

اک نہ اک دن یار ہوگا مہرباں، کام آئے گا
سو ہنر سے بہتر اک عیبِ محبت ہم میں ہے

خندہ زن دشمن، نہ گریاں دوست میرے حال پر
رتبۂ موتائے بے وارث مجھے عالم میں ہے

اس قدر پیٹے، حنائی ہو گئے یاروں کے ہاتھ
صَرفِ سینہ پنجۂ مرجاں مرے ماتم میں ہے

آئینۂ دل کا ریاضت سے اگر ہو جائے صاف — پھر تماشا ہے وہی ممکن جو جامِ جم میں ہے
آنکھ رغبت کی نہیں بے وجہ ذرّے ڈالتے — روشنی اُس رخ کی کچھ کچھ نیرِ اعظم میں ہے
توڑتا ہے کس طرح دستِ جنوں زنجیر و طوق — دیکھتا ہوں مَیں بھی کتنا زور اُس رستم میں ہے
گرد پھرنا تیرے اے بت عاشقوں کو ہے طواف — عالمِ محرابِ کعبہ ابروؤں کے خم میں ہے
دشمنِ جاں سنتے تھے، مہر و محبت کا مزا — چکھ کے دیکھا تو حلاوت شہد کی اس سم میں ہے
ایک بوسہ بھی غنیمت ہے لبِ جاں بخش کا — وہ کرے تکرار حجت جس کو بیش و کم میں ہے
غیرِ عاشق دیکھ سکتا ہے تجھے کون اے حسیں! — ایسی یارائے نظر کب چشمِ نامحرم میں ہے
قیدِ عفت میں ہے، وہ محبوب عاشق جاں بلب — نزع میں بیمار عیسےٰ دامنِ مریم میں ہے
کھینچ لائے یار کو، بھر دے مرا زخمِ فراق — وہ اثر ہو جذبِ دل میں، جو اثر مرہم میں ہے

قالبِ خاکی کو تو سنتے ہیں آتش زیرِ خاک
کچھ نہیں معلوم ہم کو، روح کس عالم میں ہے

الٰہی افعیِ گیسوئے دلستاں کاٹے — اجل کہیں مرے پاؤں کی بیڑیاں کاٹے
برنگِ غنچۂ پژمردہ دل گرفتہ چلے — شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہم نے یاں کاٹے
لگا لے پہلے ہی تیشے کو اپنے سر پر کاش — بڑا پہاڑ یہ فرہادِ خستہ جاں کاٹے
کہے گا اُس سے پیامِ زبانی کیا قاصد — جو ذکر سے مرے غماز کی زباں کاٹے
منہ آئینے میں جو دیکھے وہ غیرتِ یوسف — اِدھر یہ اور اُدھر عکس اُنگلیاں کاٹے
ہزار بار اگر زندہ ہوں نئے سر سے — تو پھر بھی سر وہ مرا بہرِ امتحاں کاٹے
نکل چلا ہے حسینوں کے قدِ موزوں سے — درختِ سرو کو تھوڑا سا باغباں کاٹے
خدا کے واسطے اک وار اور بھی قاتل — تڑپ تڑپ کے کہاں تک یہ نیم جاں کاٹے
تبر لگا کے گیا تھا وہ تُرک گلشن میں — شہیدِ ناز جو یاد آئے ارغواں کاٹے
قیامت آتی ہے، اس عمرِ چند روزہ کو — زمیں کی طرح غریبی سے آسماں کاٹے
بناتا ہے خطِ گل چہرہ یار یوں حجام — چمن کی گھاس کو جس طرح باغباں کاٹے
زبان چلتی ہے قینچی کی طرح سے ہر بار — یقیں ہے بات کو پیروں کی وہ جواں کاٹے
سزا ضعیف کا ایذا دہندہ پاتا ہے — وہ زرد ہوتا ہے جو کشتِ زعفراں کاٹے
ملاؤں خاک میں اہلِ سخن کے دشمن کو — اُکھیڑوں جڑ سے میں وہ دانت جو زباں کاٹے

کسی کا ہو رہے آتش، کسی کو کر رکھے
دو روزہ زیست کو انساں نہ رائیگاں کاٹے

مردمِ دیدہ رہے سایۂ مژگاں کے تلے
زیست کا لطف ملا خنجرِ بُرّاں کے تلے

عیب لگتا ہے کسے جامۂ عریانی سے
اے جنوں! داغ نہیں اپنے گریباں کے تلے

دستِ یارانِ وطن سے نہیں مٹی درکار
دب مروں گا میں کہیں ریگِ بیاباں کے تلے

شجرِ خشک ہوں، رہتا ہوں گرفتارِ بلا
ارہ کے نیچے سے جاتا ہوں میں سوہاں کے تلے

لے چلے وحشتِ دل اب کی جو صحرا کی طرف
فرش آنکھوں کو کروں پائے غزالاں کے تلے

نیند آتی نہیں اک دم اُسے بے گل تکیے
تکیہ دیکھا تھا مرے یار نے قرآں کے تلے

اس قدر دانت مرے قتل پر اے یار! نہ پیس
سُودہ الماس کا آ جائے گا دنداں کے تلے

آسماں میری طرف سے نہ عداوت رکھے
روند ڈالے قدمِ گبر و مسلماں کے تلے

رنجِ دنیا سے زیادہ ہے عذابِ مرقد
جائے آرام نہیں گنبدِ گرداں کے تلے

حسرتِ بوسہ سے ہونٹوں کو چباتا ہوں مَیں
زہر بنتی ہے مٹھائی مرے دنداں کے تلے

دستخطِ فرد تو قسمت کی ہوئی ہے لیکن
بھولے سے رہ گئی ہے مسندِ سلطاں کے تلے

بوجھ شانے کا نہ اُس پر پڑے اے مشاطہ
کمرِ یار بھی ہے زلفِ پریشاں کے تلے

بد بلا لعلِ لبِ یار کے اوپر مِسّی
سُرمہ آسیبِ پری سایۂ مژگاں کے تلے

لاکھ نعمت کے برابر ہے کلامِ شیریں
ذائقہ بس ہے زباں کا مرے دنداں کے تلے

بختِ بد نے مجھے ہر چند مٹایا آتش
رہ گیا نام مرا گنبدِ گرداں کے تلے

اب کی زندہ ہم اگر یار کے در تک پہنچے
مردہ بھی اُٹھ کے یقیں ہے کہ نہ گھر تک پہنچے

شعلۂ حسن نے کی ہے یہ حرارت پیدا
آگ لگ اُٹھے جو پردہ بھی در تک پہنچے

حسرتِ بوسہ سے پانی مرے منہ میں بھر آئے
دہنِ مور اگر تنگِ شکر تک پہنچے

دمِ آخر ہی وہ کاش آئے، گلہ کچھ نہیں پھر
دوست رخصت کو ہے ہنگامِ سفر تک پہنچے

منتِ سفلہ اُٹھائیں نہ کبھی عالی جاہ
اُڑ کے کافور کہاں داغِ قمر تک پہنچے

گرم جوشی نہ کر اے یار! کسی سے یہ نہ ہو
آگ لگ کر مرے گھر غیر کے گھر تک پہنچے

موت ہی آئے جو آنسو نہیں تھمتے یا رب!
دامنِ خاک ہی اس دیدۂ تر تک پہنچے

صورتِ آئینہ حیرت سے ہوئے ہیں بے خود
سامنے سے ترے پھر کر ہیں جو گھر تک پہنچے

دلِ خونخوار سے ہوتی ہے کدورت کوئی دور
زنگِ شمشیر نہ نکلے جو جگر تک پہنچے

آئینہ آپ نے دیکھا تو توڑیں اُس کو
تم سے منہ پھیر کے ثابت نہ یہ گھر تک پہنچے

جان بچنے کی خوشی لے مٹی ہو نوبت رکھوں
نوبتِ شامِ جدائی جو سحر تک پہنچے

رگِ گل کہتے ہیں شاعر، کبھی تارِ سنبل
دستِ فکر اُن کے نہیں تیری کمر تک پہنچے

خدمتِ یار میں ہو اپنی رسائی یا رب!
مہر تک ذرہ، چکور اُڑ کے قمر تک پہنچے

حسن و خوبی کا ہوا نصف جہاں سودائی
اے پری! بال ترے سر کے کمر تک پہنچے

تیغِ ابرو کی محبت میں گل اُس پر کھائے
پھول بارے مرے سینے کی سپر تک پہنچے

وائے قسمت ہمیں حسرت رہی سرگوشی کی
کان تک یار کے یاقوت و گہر تک پہنچے

جسمِ خاکی کی تمنا ہے یہی بعدِ فنا
مشتِ خاک اپنی تری راہ گزر تک پہنچے

آبِ شمشیر جو یہ تا کمرِ قاتل ہے
جوش میں آ کے الٰہی مرے سر تک پہنچے

مشقِ طفلاں ہے خطِ شوق ہمارا آتشؔ
پڑھ سکے یار نہ ہر چند نظر تک پہنچے

ابلیس حسد سے رہے تدبیر میں میری
تدبیر کو کیا دخل ہے تقدیر میں میری

خالِ رخِ محبوب کے مضمون میں یک محو
نقطے کی جگہ اب نہیں تحریر میں میری

معشوق بھی کوئی نظر آتا ہے تو ٹھنڈا
اوقات بسر ہوتی ہے کشمیر میں میری

دنیا میں محبت کا کہیں نام نہیں ہے
گم عقل ہے ربطِ شکر و شیر میں میری

ہر لحظہ ہے یاں وردِ زباں ذکرِ الٰہی
دم مارنے کی جا نہیں تقریر میں میری

دل کو نہیں اُس گوشۂ ابرو کے سوا چین
آسودگی ہے سایۂ شمشیر میں میری

ہر لحظہ دگرگوں ہے مرا حالِ پریشاں
صورت نہیں ملتی مری تصویر میں میری

اس رعشۂ پیری سے تو موت آنی ہے بہتر
دن رات ہے اک زلزلہ تعمیر میں میری

پھر بھی چلے شمشیر گلے پر کہیں آتشؔ
جلاد کو شک آتا ہے تقصیر میں میری

زاہد فریفتہ ہیں مرے نونہال کے
عاشق بزرگ لوگ ہیں اس خوردسال کے

ہر شب شبِ برات ہے، ہر روز عید ہے
سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے

مضمونِ رفتگاں ہے طبیعت کو اپنی ننگ
گاہک نہ ہوویں ہم کبھی مردے کے مال کے

شان و شکوہ نے ہمیں برباد کر دیا
مثلِ حباب اُڑ گئے خیمہ نکال کے

رنجِ خمار اٹھانے کی طاقت نہیں مجھے
پیتا ہوں میں شراب میں بھی نون ڈال کے

بے عشق لوگ کہتے ہیں ماہِ چہاردہ	سن کر مُعتر ہوئے ہیں تمھارے کمال کے
اُس تُرک کی نگہ جو کرے ناوک افگنی	تودے لگائے خاکِ شہیداں کلال کے
سرمہ نہیں ہوا ہے تجلّی سے طور ہی	ہم بھی ہیں سوختہ تری برقِ جمال کے
شامِ شبِ فراق سے پہلے موئے جو لوگ	آئی ہوئی بلا گئے سر پر سے ٹال کے
اُس شمع رُو کا واہ رے جسمِ گداز و صاف	اللہ نے بنایا ہے سانچے میں ڈھال کے
افعی ہے زلف، خال ہے افعی کی مردمک	عقدے کھلے یہ فکر سے اُس زلف و خال کے
آنکھوں میں اپنی رکھتے ہیں اہلِ نظر انھیں	سرمہ ہوئے ہیں پستے ہوئے تیری چال کے
اخوانِ دہر سے عجب اس کا نہ جانیے	یوسفؑ کی فکر میں جو پھریں گرگ پال کے
معنی کے شوق میں جو ہوا دل کو میلِ فکر	تصویرِ شعر بن گئے پتلے خیال کے
سودائی جان کر تری چشمِ سیاہ کا	ڈھیلے لگاتے ہیں مجھے دیدے غزال کے
شک ہوتا تیرے ہاتھ کا ہوتے جو اے صنم!	پنجے میں آفتاب کے ناخن ہلال کے

آئینے سے کلام کو کیوں کر کیا ہے صاف
حیرانِ کار ہم بھی ہیں آتش کے حال کے

رخصتِ یار کا جس وقت خیال آتا ہے	عمرِ رفتہ کو مجھے یاد دلا جاتا ہے
آتشِ گل نے کیا ہے مری طینت کا خمیر	دامنِ بادِ بہاری مجھے بھڑکاتا ہے
اے ہما! منہ نہ لگانا تو مری ہڈیوں کو	سگِ دیوانہ مجھے کاٹ کے مر جاتا ہے
ذرّے اُس کوچے میں جاسکتے نہیں روزن تک	سایۂ دیوار سے لگ چلنے نہیں پاتا ہے
گوش زدِ یار کے ہوتی نہیں فریاد دلا!	عالمِ خواب میں گویا کہ تو بڑاتا ہے
خار سے خشک ہوں گو ہجر میں اُس گلرو کے	پر وہ کانٹا ہوں جو دامن نہیں الجھاتا ہے
خس و خاشاک کا رتبہ ہے مجھے عالم میں	پہلے پھکتا ہوں مَیں جو آگ کو سلگاتا ہوں
امتحاں عاشقِ صادق کا سزاوار نہیں	زرِ خالص کو بھی اے یار کوئی تاتا ہے؟
مشتِ خاک اپنی ہوں گردوں کے حوالے کرتا	دامنِ گور مرے سامنے پھیلاتا ہے

جان کھوتا ہے عبث عشقِ بُتاں میں آتش
سر کو ناداں کوئی کہسار سے ٹکراتا ہے

میری قسمت میں لکھی موت جو تلوار کی تھی	شیرِ دایہ میں حلاوت نئی ہر دھار کی تھی
آبِ شمشیر دوا عشق کے بیمار کی تھی	چاشنی اس میں مگر شربتِ دیدار کی تھی

جائے ہر موئے تن اے کاش میں گردن رکھتا
آب ابرو کی ہر اک بال میں تلوار کی تھی

آرزو رہ گئی اُس کوچے میں پامالی کی
دھوم ہی دھوم فقط چرخِ جفا کار کی تھی

دلِ دیوانہ زبس عشقِ صنم رکھتا تھا
ہر نفس کاٹنی منزل مجھے کہسار کی تھی

کیا بناتا نہ ہے شکستہ قفسوں کو صیاد
فکر لازم دلِ مرغانِ گرفتار کی تھی

گرم جوشی سے تپ عشق کی کیوں کر بچتا
نبض اول ہی سے دودی ترے بیمار کی تھی

پا بہ گل بے خودیِ شوق سے میں رہتا تھا
کوچۂ یار میں حالت مری دیوار کی تھی

حسنِ یوسفؑ ہے وہی رونقِ بازار اب تک
وہ کثرت ہے جو کثرت کہ خریدار کی تھی

ایڑیاں راہ میں رگڑا کیے ہم واماندے
پہنچے منزل میں وہ طاقت جنھیں رفتار کی تھی

چہچہے کنجِ قفس میں بھی وہی باغ کی ہیں
سرِ بلبل میں ہوا تھی وہ جو گلزار کی تھی

تیغِ ابرو سے مجھے قتل کیا قاتل نے
وہ سزا دی جو محبت کے گنہگار کی تھی

مصلحت تھی وہی جو کچھ کہ کیا جس سے سلوک
دل جو تھا یار کا تھا، جان جو تھی یار کی تھی

راہِ صحرا میں جنوں کیوں نہ رکھے سرگشتہ
جستجو آبلہ پایوں کو ترے خار کی تھی

شب جو تھی پیشِ نظر صورتِ زیبائے حبیب
روشنی گھر میں مرے چاند سے رخسار کی تھی

طرّہ سمجھا کیے مضمون کو اُس کے شاعر
چست اس طرح کی بندش تری دستار کی تھی

جو محبت کی نظر سے تھے خریدار اے یار!
پھونک دیتی انھیں گرمی ترے بازار کی تھی

طور پر کیجیو آتشؔ کو عزیزو! تم دفن
آرزو اُس کو بہت جلوۂ دیدار کی تھی

ہر دم تفِ دروں سے ہم آفت طلب رہے
ہے دشمنِ حیات جگر میں جو تب رہے

جا کی ہے تو نے منزلِ دل میں تو اے صنم!
آنکھوں کا بھی حجاب یہ ہم سے نہ اب رہے

دامانِ دوست کی ہے سکندر کو آرزو
باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے

اللہ رے بے نیازیِ محبوب، آفریں!
دل سے قریب ہو کے کوئی دور جب رہے

معدوم جوشِ گریہ سے کیا ہو بخارِ دل
کچھ گرد تو نہیں جو یہ باراں سے دب رہے

مانع تھا عرضِ حال کا ازبسکہ رعبِ حسن
منہ دیکھتے ہی یار کا محفل میں سب رہے

روپوشیِ حبیب کا کشتہ ہوں، چاہیے
مُردہ بھی بے چراغ مرا شب کی شب رہے

عزلت گزیں کو عیب لگاتی ہے سرکشی
دنداں وہ بدنما ہے، نہ جو زیرِ لب رہے

آتشؔ ظہورِ مہدیِ دیں ہو خدا کرے
تا چند بے چراغ یہ معمورہ اب رہے

عاشقِ روئے کتابی اگر انساں ہووے
اُس سے بہتر ہے جو یہ حافظِ قرآں ہووے

میرے مرنے کی خبر ہو نہ کسی کو معلوم
دوست گریاں، نہ تو دشمن کوئی خنداں ہووے

نفسِ سرد سے یہ روح کو آتی ہے صدا
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ سدھارے کہ جو مہماں ہووے

قدرت اللہ کی اے بُت! ہے ترا حسن و جمال
کافرِ عشق، عجب کیا، جو مسلماں ہووے

کون سا بال ہے اُس زلف کا بکھرا جو نہیں
کوئی مجموعہ نہ اتنا بھی پریشاں ہووے

دور بیں دل ہو صفا سے تو تماشا دکھلائے
آشکارا ہو وہ آنکھوں سے جو پنہاں ہووے

چاندنی چھٹکے اندھیرے میں تم الٹو جو نقاب
حُسن کی جوت سے کارِ مہِ تاباں ہووے

جی میں آتا ہے کہ یاسین سنوں عیسیٰ سے
دلِ بیمار کی مشکل کہیں آساں ہووے

جان بھی جائے تو نکلے نہ زباں سے کبھی آہ
چاہیے سینہ ترا گورِ غریباں ہووے

بے حجابی ہے حیا سے بھی تمھاری قاتل
تشنۂ خوں ہے وہ شمشیر، جو عریاں ہووے

رُخِ رنگیں رہے منظورِ نظر اے آنکھو!
دیکھیے اُس کا تماشا جو گلستاں ہووے

عاشقوں کا تجھے لازم ہے خیال اے شہِ حُسن!
بے خبر ہو نہ رعیت سے جو سلطاں ہووے

موسمِ گل میں اُڑا دے گی ہوا صحرا کی
باغ ہر چند کہ دیوانوں کا زنداں ہووے

حسنِ بے عیب خدا نے وہ دیا ہے تم کو
مدّعی ہو کے جو دیکھے وہ پشیماں ہووے

کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتش
شیخ ہو یا کہ برہمن ہو، پر انساں ہووے

رشکِ پنجۂ مرجاں پنجۂ حنائی ہے
صاف ہیرے کی ترشی یار کی کلائی ہے

کیا چمن شگفتہ ہیں، کیا بہار آئی ہے
کیا دماغِ بلبل میں بوئے گل سمائی ہے

اشتیاقِ وصلت میں جان لب تک آئی ہے
عشق نے ستایا ہے، حسن کی دہائی ہے

دیر سے نہیں واقف، بے خبر ہیں کعبے سے
قصرِ یار کے در پر شوقِ جبہہ سائی ہے

عرش سے بھی عالی بامِ یار کا پایہ
آہ کی کمندوں کو عذرِ نارسائی ہے

مر بھی دیکھیے، شاید گور پر وہ شوخ آوے
یہ بھی آخری اپنی قسمت آزمائی ہے

عشق ہے مرے دل کو حسن کے نظارے کا
آنکھ کے پیالے سے حسرتِ گدائی ہے

پھر رہا ہے آنکھوں میں حسنِ پردہ سوز اُن کا
بے نقاب یوسفؑ سے ہم سے آشنائی ہے

جس قدر بڑھیں اُن کو چند روز بڑھنے دو
دیکھیے تو زلفوں کی کس قدر رسائی ہے

زندگی ہے وابستہ اُس مسیح کے دم سے
مژدۂ فنا ہم کو یار سے جدائی ہے
سامنے سے تیرے ہے رنگِ مدّعی اُڑتا
ماہتاب کے منہ پر چھوٹتی ہوائی ہے
اور کچھ نہیں رکھتے اس پری کے دیوانے
سر برہنگی ہے یاں، یا برہنہ پائی ہے
مرغِ روح قیدی ہے جسم کے تعلق سے
صورتِ قفس چھوڑا جب اسے رہائی ہے
جان زار پاتی ہے لطفِ یار سے تسکیں
دلِ شکستہ عاشق کے حق میں مومیائی ہے
دل فریب عالم ہے حسن اے صنم تیرا
دم تیری محبت کا بھر رہی خدائی ہے
رُو سیاہ زاہد ہے سجدۂ ریائی سے
اس کے ماتھے کا گھٹا داغِ پارسائی ہے

بھاگتے ہیں وہ آتش اُن سے ہم لپٹتے ہیں
واں وہی کدورت ہے، یاں وہی صفائی ہے

دیوانہ اک پری کا ہے رکھتی ہوا مجھے
زنداں سے تنگ تر ہے یہ وحشت سرا مجھے
ہوتا ہے لقمہ میرے دہن کا نصیب غیر
کم بختی نے کیا ہے سفالِ گدا مجھے
ظاہر میں گرچہ کاہ ہوں، باطن میں کوہ ہوں
اپنی طرف نہ کھینچ سکے کہربا مجھے
ہے اتحاد میرا تیرا موج و آب کا
اے بحرِ حسن! اپنا سمجھ آشنا مجھے
نازک حبابِ جُو سے بھی میرا مزاج تھا
راس آئی اس چمن کی نہ آب و ہوا مجھے
کافر سے بھی نہ ہو سکے کرتا جو کچھ کہ فعل
بندہ جو ان بُتوں کا بناتا خدا مجھے
کب سے ہوں اشتیاق میں قاتل کے جاں بلب
یادش بخیر، بھول گئی ہے قضا مجھے
پیتا ہوں میں ہنوز چھپا کر شراب کو
تاحال رند جانتے ہیں پارسا مجھے
ناز و نیاز کی ہے ترقی وہی ہنوز
صد آفریں ہے یار تجھے! مرحبا مجھے!
دل مثلِ غنچہ خوں نہ کیا مجھ برہنہ نے
کیا لطف تھا جو ملتی پھٹی اک قبا مجھے
دانے کی طرح رنج ضعیف وقوی سے ہے
ہے کامِ مور بھی دہنِ آسیا مجھے
افشاں چھڑا کے چہرے سے، تم نے دکھا دیا
ذرّوں کا آفتاب سے ہونا جدا مجھے

صوتِ حزیں نصیب گلوئے بریدہ ہے
آتش حلال کرتی ہے بانگِ درا مجھے

گوشِ گل کو نالۂ مرغِ خوش الحاں چاہیے
ناقہ لیلیٰ کو مجنوں سا حُدی خواں چاہیے
روح کو تن میں خیالِ باغِ رضواں چاہیے
تا قفس میں بند ہے، شوقِ گلستاں چاہیے
چہرۂ محبوب پھیکا ہے جو خال اُس میں نہ ہو
خوانِ نعمت پر مقرر اک نمکداں چاہیے

روزِ محشر تو بھلا سر کو جھکا کر میں چلوں — تیغ قاتل کا مری گردن پر احساں چاہیے
چاہتا ہوں اس پری پیکر سے دست آویزِ وصل — عہد نامے پر مگر مُہرِ سلیماں چاہیے
عشق میں اللہ کے ہوں ہو گیا دیوانہ میں — کعبے کے نقشے کا مجھ مجنوں کا زنداں چاہیے
دشنۂ قصاب سے ہے تیز ہر موئے مژہ — روز مژہ تم کو شغلِ عید قرباں چاہیے
اے جنوں! دیوانۂ دستِ حنائی ہوں، مجھے — پنجۂ مرجاں پئے چاکِ گریباں چاہیے
کچھ سوا اس کے علاجِ وحشتِ عاشق نہیں — موت سی زنجیر یا مرقد سا زنداں چاہیے
گُل چراغ زندگی کرنے کا ہے دل کو خیال — جامہ زیبوں کی قبا سے بادِ داماں چاہیے
بادشاہِ حسن بھی کہتے ہیں عاشق پیار سے — چیں جبیں پر آپ کی مانندِ سلطاں چاہیے
کہتے ہیں بیمارِ حسن اس نونہالِ حسن سے — سونگھ لینے کے لیے سیبِ زنخداں چاہیے
دل کو لازم ہے خیالِ چہرۂ پُرنورِ یار — چودھویں کے چاند سا اس گھر میں مہماں چاہیے
زلف کا اُس غیرتِ لیلیٰ کے سودا ہو جسے — بیدِ مجنوں کی طرح سے مُو پریشاں چاہیے
موسمِ گُل کی ہوا ہے یہ اشارہ کر رہی — ان دنوں جامے سے باہر اپنے انساں چاہیے

اس خرابے کو کیا کرتے ہو تم زیر و زبر
آشکار ہووے آتش گنجِ پنہاں چاہیے

تری ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے — کسی اُستاد شاعر کی یہ بیتِ عاشقانہ ہے
کفن دزدوں میں قبرِ اہلِ دولت کا فسانہ ہے — تمامی کی ہے چادر، بادلے کا شامیانہ ہے
جو دیوانہ ہے صحرا میں وہ بھاگے میرے سایے سے — سوارِ شیر میں مجنوں ہوں، افعی تازیانہ ہے
گریباں پھاڑ کر دیوانے نے زنجیر کیوں پہنی — کرے کیا عقل دخل اس میں، جنوں کا کارخانہ ہے
کبھی کچھ ہے تلوّن سے، کبھی کچھ ہے تلوّن سے — مزاجِ یار بھی نیرنگ سازی میں زمانہ ہے
کہا مجنوں نے دنیا سے گزرنا سن کے لیلیٰ کا — کوئی آگے روانہ ہے، کوئی پیچھے روانہ ہے
نظر آتی نہیں آنکھوں کو باریکی کے باعث سے — کمر سے یار کی ہم کو محبت غائبانہ ہے
صفا کا اُس رُخِ زیبا کی ہے حیران آئینہ — لٹک پر گیسوؤں کی پیستا دانت اپنے شانہ ہے
سمندِ حسن کو وہ ترک اُڑا دے جس قدر چاہے — مژہ مہمیز ہے، گیسوئے مشکیں تازیانہ ہے
پھراتا ہے عبث واعظ سر اپنا بک کے رندوں سے — تکلف برطرف، یاں لااُبالی کارخانہ ہے
سیاہی دور کر دل کی تو پیدا نورِ عرفاں ہو — سر افعی کو کچلا جس نے، مال اس کا خزانہ ہے
بلند اختر، بلند اقبال، قصرِ یار کو کہیے — ہوائے بام رکھتا ہے وہ عالی آستانہ ہے

چمن کی سیر میں لطفِ شکار آنکھوں کو اُٹھے گا
تیرے تیرِ نگہ کا بُلبُل اے گل رُو نشانہ ہے

گلے میں اپنے باہیں ہنستے ہنستے ڈال سکتے ہو
کرم ڈھونڈھے تمھارا تو بہانہ ہی بہانہ ہے

وبالِ جاں ہوا ہے جسمِ خاکی ضعفِ پیری سے
قفس سے تنگ بُلبُل کو خزاں میں آشیانہ ہے

نہیں معلوم اُن آنکھوں نے آنکھوں میں ہے کیا پھونکا
دمِ بیگانگی بھرتا مرے دل سا یگانہ ہے

نہ مطلب کشت سے رکھیے، نہ خرمن سے غرض آتش
سمجھ لے اپنے منہ میں مُور جو قسمت کا دانہ ہے

اے جنوں ہوتے ہیں صحرا پر اُتارے شہر سے
فصلِ گل آئی کہ دیوانے سدھارے شہر سے

خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سن کے حال
کوئی غربت میں جو آ نکلا ہمارے شہر سے

جان دوں گا میں اسیر اے دوستو! چپکے رہو
ذکر کیا اُس کا کہ دیوانہ سدھارے شہر سے

موسمِ گل میں رہا زنداں میں اور آئی نہ موت
سامنے ہوتی نہیں ہے آنکھ سارے شہر سے

جوشِ وحشت میں جو لی زنداں سے میں نے راہِ دشت
کودکاں مجھ کو خدا حافظ پکارے شہر سے

پاؤں میں مجنوں کے تو طاقت نہیں اے کودکو!
موسمِ گل کی ہوا تم کو اُبھارے شہر سے

اک نظر للہ ہم کو صورتِ زیبا دکھاؤ
تشنۂ دیدار جاتے ہیں تمھارے شہر سے

دشت گردی کی نہیں دیوانے کو کچھ احتیاج
جامے سے باہر جو ہے باہر ہے سارے شہر سے

چوٹ سی لگتی ہے، دل جنگل سے ہوتا ہے اُچاٹ
سنگِ طفلاں کرتے ہیں مجھ کو اشارے شہر سے

جوشِ وحشت سے نہیں پہنچا میں صحرا تک ہنوز
جانے والے گور کے پہنچے کنارے شہر سے

موسمِ گل آئے، نیت سیر دیوانوں کی ہو
میوۂ صحرائی پر ہیں منہ پسارے شہر سے

اب تو آزردہ ہے تو لیکن ملے گا ہاتھ پھر
جس گھڑی آتش نکل جاوے گا پیارے شہر سے

دل کو گھر اُس گل کی الفت کا بنایا چاہیے
بُوئے یوسفؑ سے یہ پیراہن بسایا چاہیے

نرگسِ جادو کو اُس گل کی دکھایا چاہیے
سامری کافر کو گوسالہ بنایا چاہیے

روزنِ دیوار چشموں کو بنایا چاہیے
خانگی معشوق سے آنکھیں لڑایا چاہیے

اُس کے کوچے کے تصور میں غش آیا ہے مجھے
آستانِ یار کی مٹی سنگھایا چاہیے

وعدۂ دیدار آتا ہے، اُلٹتا ہے نقاب
ٹکٹکی باندھیں، یہ آنکھیں کو بجھایا چاہیے

کوچۂ گیسو کے سودے میں فنا ہوتی ہے رُوح
خانۂ زنجیر میں اے دل در آیا چاہیے

بھولی ہے بُلبُل خزاں کے جور سے لطفِ بہار
پھر ”گلستاں“ چند روز اُس کو پڑھایا چاہیے

برہمن کہتے ہیں تیرا مصحفِ رُو دیکھ کر
کفر سے باز آئیے، ایمان لایا چاہیے

گفتگو اللہ نے موسیٰؑ سے کی ہے اے صنم
ہم کو بھی آواز پردے سے سنایا چاہیے

ساعدِ زیبا تو ہیں الماس کے ترشے ہوئے
اک نظر ساقِ بلوریں بھی دکھایا چاہیے

دل کڑھاتی ہے نہایت نرگسِ بیمار یار
صدقے کرکے مرغِ روح اُس پر اُڑایا چاہیے

کی راہِ اتحاد، اے دل یہ ہے، جو ہو سکے
یاد میں اُس کی دو عالم بھول جایا چاہیے

عاشقِ بے خود کو بوسہ دیجیے مولا برے
بندۂ مسکیں کے اُوپر رحم کھایا چاہیے

آسماں شمس و قمر پر اپنے نازاں ہے کمال
تاجِ زرّیں کجکلاہوں کے دکھایا چاہیے

سیرِ دریا نشے کے عالم میں دیکھے گا وہ شوخ
کشتیِ مے گھاٹ پر ساقی لگایا چاہیے

سر پھرا میرا نہ میں بیدار ہوں اے نفخِ صور
بے خبر سوتے جو ہوں اُن کو جگایا چاہیے

گیسوئے مشکیں کی دکھلا کر لٹک کہتا ہے دل
آتشؔ اس افعی کے اُوپر زہر کھایا چاہیے

عاشق ہوں میں نفرت ہے مرے رنگ کو رُو سے
پیوند نہیں چاکِ گریباں کو رفو سے

دامن مرے قاتل کا نہ رنگیں ہو لہو سے
ہر چند کہ نزدیک ہو رگ ہائے گلو سے

گلزارِ جہاں پر نہ پڑی آنکھ ہماری
کوتاہ تھی عمر اپنی حبابِ لبِ جو سے

پیشانیِ بُت پر اُسے ملتا ہے برہمن
آتی ہے جو خاک اُڑ کے مری یار کے کُو سے

کرتا ہے وہ سفّاک خطِ شوق کے پُرزے
مہندی ملی جاتی ہے کبوتر کے لہو سے

منہ پھیرتے ہی یار کو صورت بھی گئی بھول
ہم چشمِ وفا رکھتے تھے اُس آئینہ رُو سے

عاشق ہوں مگر کرتے ہیں معشوق خوشامد
نازک ہے طبیعت مری بیمار کی خو سے

زلفوں سے پھنسایا دلِ نالاں کو صنم نے
طوطی کو گرفتار کیا حلقۂ مو سے

دیوانہ شرابی ہوں خراباتِ مغاں میں
ہے سنگ سے اُلفت تو مجھے عشق سبو سے

تھی اُس میں زبس کاکلِ مشکیں کی سیاہی
نیند آ گئی مجھ کو بغلِ گور کی بو سے

آ رہتا ہے خود یار بغل میں مری ہر شب
دربان سے نہ جھگڑا، نہ خلش یاں سگِ کُو سے

کافر کو نہ ہو میل کبھی جانبِ مصحف
زلفِ سیہ یار پھری رہتی ہے رو سے

ہوں نزع کی حالت میں جو مَیں منتظرِ یار
رُک رُک کے مری جان نکلتی ہے گلو سے

عاشق ہوں برابر مجھے اندیشۂ جاں ہے
بل کھاتے ہوئے ناپ سے بکھرے ہوئے مُو سے

زبسکہ سمجھتا ہوں اُسے دشمنِ جاں مَیں
ہوتا ہے مجھے مرتبۂ عشق عدو سے

کشتہ ہوں میں بیزاریِ جلاد کا آتش
تلوار نہیں رنگ پکڑتی ہے لہو سے

یہ وصیت مری ساقی نہ فراموش کرے
کاسۂ سر کو خُمِ بادہ کا سر پوش کرے

کشتۂ عالمِ عریانیٔ خوباں ہوں، فلک
ہے سزاوار جو مجھ کو نہ کفن پوش کرے

گردشِ چشمِ بتاں سے نہ ہو کیونکر دل غش
تھک مسافر کو یقیں ہے یہ کہ بے ہوش کرے

صورتِ قطرۂ شبنم ہوں عزیزِ ہر دل
کھینچے خورشید تو گل مجھ کو دُرِ گوش کرے

عاشقوں سے ہے اشارہ یہی اُن مژگاں کا
نشتروں سے ہیں بھرے تیغ، لہو جوش کرے

ہو کبھی تو سببِ خیر عدو اپنا بھی
نشۂ حُسن، الٰہی! اُسے مدہوش کرے

اُس گزرگاہ میں لازم ہے گُنہ سے پرہیز
راہ رو چاہیے اپنا نہ گراں دوش کرے

داغِ دل ہوویں چراغوں کی طرح سے معدوم
جلوہ فرمائی جو وہ صبحِ بنا گوش کرے

اس تماشے کی ہیں مشتاق ہماری آنکھیں
کبک ٹیڑھا چلے، سیدھا تری پاپوش کرے

دشمنِ جاں بھی تغافل کا نہ ہووے کشتہ
خاطرِ دوست کسی کو نہ فراموش کرے

یاد بھولے سے تو وہ سرو قباپوش کرے
خاطرِ دوست کسی کو نہ فراموش کرے

آرزو ہے جو لحد ہے مری روشن ہو چراغ
کسی محبوب کا دامن اسے خاموش کرے

قتل کرتی ہے عبث مجھ کو حنائے کفِ یار
بے گناہوں کا غضب ہے جو لہو جوش کرے

بارِ خاطر نہ کسی کے ہوں کبھی سوختۂ دل
شمع کشتہ کا جنازہ نہ گراں دوش کرے

یار سے تو نہ بغل گیر کیا گردوں نے
گور ہی سے مجھے جلاد ہم آغوش کرے

آرزو ہے یہی آتش کی خدا سے زاہد
تجھ کو غم نوش کرے، مجھ کو قدح نوش کرے

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

پیام بر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے؟

ہمیشہ رنگِ زمانہ بدلتا رہتا ہے
سفید رنگ ہیں آخر سیاہ مو کرتے

لٹاتے دولتِ دنیا کو مے کدے میں ہم
طلائی ساغرِ مے، نقرئی سبو کرتے

ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک چاک کیا
تمام عمر رفو گر رہے رفو کرتے

جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے

بیاضِ گردنِ جاناں کو صبح کہتے جو ہم ستارۂ سحری تکمۂ گلو کرتے

یہ کعبے سے نہیں بے وجہ نسبتِ رُخِ یار یہ بے سبب نہیں مردے کو قبلہ رُو کرتے

سکھاتے نالۂ شب گیر کو در اندازی غمِ فراق کا اس چرخ کو عدو کرتے

وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش

برستی آگ، جو باراں کی آرزو کرتے

خاک ہونے سے درِ دلدار نے جا دی مجھے ہو گئی اقبال آخر میری بربادی مجھے

ایک دم میں منزلِ ہستی سے جا پہنچا عدم راہ زن سنتا تھا جس کو، ہو گیا ہادی مجھے

کم نصیب ایسا ہوں، گر ہو خری کو اذنِ عام ہو نہ شادی مرگ ہونے کے سوا شادی مجھے

ترک کرنا جامۂ تن کا ہے یاں ترکِ لباس روح کی قالب سے آزادی ہے آزادی مجھے

یاد دلوا کر لڑکپن یار کا بسمل کیا تیغِ چوبیں بھی ہوئی شمشیرِ فولادی مجھے

تلخ کامی شہد ہے سودائے زلفِ یار میں عشقِ افعی نے کیا ہے زہر سے عادی مجھے

پا بہ گِل جب فرقۂ آزاد پایا، مثلِ سرو ہو گئی بدتر گرفتاری سے آزادی مجھے

روز و شب رہتی ہے مرغانِ مضامیں کی تلاش فکر نے کرنا پڑا ہے کارِ صیادی تجھے

کس قدر آدم کو تھی دل بستگی حوا کے ساتھ حُسنِ عالم گیر سے ہے عشقِ بنیادی مجھے

یہ عروسِ فاحشہ آتی نہ دل کو پسند زالِ دنیا کی نہیں منظور دامادی مجھے

اے جُنوں! تیغِ تغافل سے نہ چھوڑو نیم جاں سامنے اللہ کے بھیجو نہ فریادی مجھے

حُسنِ قاتل سے ازل سے دل کو عشقِ پاک ہے خوبصورت کی پسند آتی ہے جلادی مجھے

دل گزر گاہِ حسیناں تھا تصور سے کبھی یاد اُس ویرانے کی آتی ہے آبادی مجھے

میں نے فنِ شعرائے آتش پڑھایا ہے تجھے

تجھ کو شاگردی ہے زیبا اور استادی مجھے

مرغِ دل کو ہدفِ ناوکِ مژگاں کرتے کسی ابرو کی کماں پر اسے قرباں کرتے

دلِ پُرداغ کو مدفونِ بیاباں کرتے کسی ویرانے میں اِس گنج کو پنہاں کرتے

کنجِ تنہائی میں رہتا ہے نہایت دل تنگ چار دیوار گرا کر اسے میداں کرتے

اور کوئی طلب ابنائے زمانہ سے نہیں مجھ پر احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں کرتے

بے وفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں اے بُتو! سجدہ خدا کو نہ مسلماں کرتے

قامتِ یار کا عالم اُسے دکھلاتے ہم — منکرِ روزِ قیامت کو پشیماں کرتے
یار سے وعدۂ فردا ہے، جو ممکن ہوتا — شام سے صبح کا ہم چاک گریباں کرتے
موج زن رہتے جو دریا نہ مرے اشکوں کے — سفرِ آب نہ ہندو نہ مسلماں کرتے
اُس پری رو نے سنی ایک نہ دیوانوں کی — غل رہے خانۂ زنجیر کے مہماں کرتے
دل میں رکھتے ہیں محبت جو تری پوشیدہ — حسنِ یوسفؑ سے ہیں روشن وہی زنداں کرتے
مرغِ دل سیکڑوں ہی لٹکے ہوئے پاتا ہوں میں — پیچشِ دام ہیں وہ گیسوے پیچاں کرتے
شربتِ وصل تو ناممکن و ناپیدا ہے — زہر ملتا تو علاجِ تپِ ہجراں کرتے
دل کو یوسفؑ سے نہ کیوں داغِ محبت ہو عزیز — صاحبِ خانہ ہیں، کیا خاطرِ مہماں کرتے
گیسوؤں کو نہ ہوا سے اُنھیں الجھانا تھا — اپنے سودائیوں کے دل نہ پریشاں کرتے
دم فنا کرتی چمک اپنی دکھا کر آتش — کارِ الماس وہ الماس سے دنداں کرتے

ظاہر ہے یہ اے یار تری کم سخنی سے — لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے
اخواں کی عداوت سے ہوا شہرۂ یوسفؑ — کچھ پیش نہیں جاتی ہے قسمت کے دھنی سے
بوسے سے لبِ یار کے کھوئی ہے تپِ غم — یہ آگ بجھائی ہے عقیقِ یمنی سے
افسانے سے بدتر ہے، جو ہو راز ہویدا — اظہارِ فقیری نہیں بہتر کفنی سے
روتا ہے اِدھر ابر، اُدھر ہنس رہی ہے برق — گریے سے کوئی خوش ہے، کوئی خندہ زنی سے
طفلی میں اشارہ تھا یہ اُس چشمِ سیہ کا — ہم آنکھ لڑا دیں گے غزالِ ختنی سے
وہ صدمے اُٹھائے ہیں تپِ عشق سے میں نے — اندیشہ نہیں نزع کی اعضا شکنی سے
گردوں سے نہ ہو دولتِ دنیا کا طلب گار — کب فیض کو پہنچا ہے کوئی مالِ دنی سے
افسوس کہ فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی — سر پھوڑ کے مر جائیے اس تیشہ زنی سے
اللہ رے مغرور! زمیں پر نہ رکھا پاؤں — پھولے نہ سمائے کبھی گل پیرہنی سے
کیا چیز ہے اے آہ ترے سامنے گردوں — فولادی سپر ٹوٹی ہے برچھی کی انی سے
کرتے ہیں عبث یار ملامت مجھے آتش — مجبور ہے یہ خاک کا پتلا بدنی سے

دمِ شمشیر کی موجِ نفس میں یاں روانی ہے — گلے تک حسرتِ جلاد میں لوہے کا پانی ہے
چمن میں جا کے کن آنکھوں سے دیکھوں داغ لالہ کا — یہ میرا داغِ دل، بے داغِ لالہ کی نشانی ہے
دلِ نازک نہیں تابِ جمالِ یار لائے گا — مجھے پردے میں عزرائیل کو صورت دکھانی ہے

نسیمِ صبح سے مُرجھایا جاتا ہوں، وہ غنچہ ہوں
وہ گُل ہوں مَیں، جسے شبنم بلائے آسمانی ہے

عبث کرتا ہے واعظ میرے آگے ذکر حوروں کا
سُنی میں نے بہت تریا چرتر کی کہانی ہے

خرابی سے ارادہ ہے مکاں تعمیر کرنے کا
گرا کر قصرِ تن کو گور کی منزل اُٹھانی ہے

شبِ فرقت نہیں یہ واسطے شبنم بچانے کے
سیہ بختی نے کملی میرے سر پر لا کے تانی ہے

الٰہی طولِ عمرِ خضر دے بادِ بہاری کو
مزارِ بیکساں پر پھولوں کی چادر چڑھانی ہے

نہیں یہ بے جہت موباف چوٹی میں تمامی کا
تجھے ابرِ سیہ سے اے پری بجلی گرانی ہے

ارادہ عرشِ اعظم کا ہے آہِ صبح گاہی کو
درِ فریاد رس پر چل کے اب دھونی لگانی ہے

کوئی ویرانہ آتش، کوئی آبادی نہیں باقی
تلاشِ گوہرِ مقصود میں کیا خاک چھانی ہے

سینے پر سنگِ ملامت جو گراں جاں روکے
گرزِ رستم کو یقیں ہے کہ وہ انساں روکے

عرصۂ روئے زمیں صحنِ گلستاں روکے
چار دیوارِ چمن سارا یہ میداں روکے

نکہتِ گل ہوں مَیں، کیا مجھ کو گلستاں روکے
بوئے پیراہنِ یوسفؑ کو نہ زنداں روکے

برق رفتار ہوں، منزل ہے مرے زیرِ قدم
ابر گھیرے مجھے، ہر چند کہ باراں روکے

جو خلش آبلوں سے ہوتا ہو، صحرا ہی میں ہو
راستے میں نہ مجھے خارِ مغیلاں روکے

حشر کے روز وہ نامرد ہے گردن زدنی
ڈھال پر تری سروہی کو جو انساں روکے

کوچۂ تنگ میں ملتا ہے تو کہتا ہے وہ شوخ
مرد ہے وہ کہ جو ہم کو سرِ میداں روکے

بُلبلوں کے لیے ہے دامِ رگِ گل کافی
جال پھیلا کے نہ صیّاد گلستاں روکے

لذّتِ زخم سے محروم نہ رکھے قاتل
ہاتھ کو اپنے نہ خیرات سے انساں روکے

انگلیاں پانچوں ترا دستِ نگاریں توڑے
ایک زور اُس کا اگر پنجۂ مرجاں روکے

شوق سے لٹکے کمر پر، ہمیں کچھ کام نہیں
سامنا رُخ کا نہ وہ زلفِ پریشاں روکے

دوڑ جاتا ہوں جلو میں انھیں میں دیوانہ
زعم میں اپنے مجھے لشکرِ طفلاں روکے

غیرتِ عشق عطا شہپرِ توفیق کرے
اے چکور اُڑ کے تو راہِ مہِ تاباں روکے

دھجیاں کرکے رو دامنِ صحرا لوں گا
تنگ مجھ کو نہ کرے، دم نہ گریباں روکے

حافظ اللہ ہے ہم بے سروسامانوں کا
اوس جس کملی سے چھنتی ہے وہ باراں روکے

شوقِ صحرا سے نہیں پاؤں زمیں پر پڑتے
کس کو ٹھہرائے اُلجھ کر، کسے داماں روکے

دل میں اُس بُت کے الٰہی ہو مرا گھر ایسا
بُرطرف اُس کو کرے، مجھ کو جو درباں روکے

چار دن موسمِ گُل میں تو رہوں دشت نورد
راہ کھوٹی نہ کرے، مجھ کو نہ زنداں روکے

ہنستے ہیں گل کی طرح اہلِ جہاں کیا آتش
مثلِ شبنم گئے اس باغ سے مہماں روکے

پوجنا بُت کا نمازِ زلفِ سالوس ہے
نعرۂ اللہ اکبر نعرۂ ناقوس ہے

زلف و رُخ سے تیرے وابستہ جو ہے مایوس ہے
چشمِ حیرت آئینہ، شانہ کفِ افسوس ہے

قدرِ نعمت بعد نعمت کے ہے کرتا آدمی
عہدِ پیری میں جوانی کا مجھے افسوس ہے

زُلف کے سودے کو اپنے سر میں جس نے دی جگہ
یہ سمجھ لے خانۂ زنجیر میں محبوس ہے

یہ صدا دیتی ہے خلخال اُن کی ہنگامِ خرام
خاک میں مل جائے جس کو حسرتِ پابوس ہے

حُسنِ بے پردہ سے کیا کیا نوجواں ہوتے ہیں قتل
شمع بھی شمشیرِ عریاں ہے جو بے فانوس ہے

خوش نما ہے یار کے اندام پر یوں پیرہن
روح کو جب سے مُزیّب جسم کا ملبوس ہے

آہِ سرد و اشکِ گرم و رنگِ زرد و دردِ عشق
دے جو اس معجون کو ترکیب، جالینوس ہے

بخشے جاویں گے گنہگارِ محبت اے صنم!
رحمتِ اللہ سے، کافر ہے جو مایوس ہے

دیکھیے آغازِ اُلفت کا ہو کیا انجامِ کار
بیوفا محبوب سے، خاطر مری مانوس ہے

باغ میں دکھلا رہی ہے اپنی نیرنگی بہار
کثرتِ گُل سے جو بوٹا ہے دُمِ طاؤس ہے

بادشاہِ وقت ہے، لیلیٰ کا دیوانہ نہیں
غلغلۂ زنجیرِ مجنوں کا صدائے کوس ہے

محوِ حیرت کر دیا ہے اُس صنم کے حُسن نے
دل خموشی سے ہمارا بے صدا ناقوس ہے

عاشقِ بے خود کو اندیشہ ملامت کا نہیں
مردِ دیوانہ جو ہے بے ننگ و بے ناموس ہے

ہجر کی شب صبح ہو گی وصل کا دن آئے گا
خوابِ بد بھی نیک ہے، تعبیر اگر معکوس ہے

عاشقوں سے اُس پری رخسار کا یہ ہے کلام
پھاڑ کر کپڑے جو دیوانہ بنے، سالوس ہے

خط نکلنا روئے رنگیں پر ہے پیغامِ خزاں
اس گلستاں پر قدم اس سبزے کا منحوس ہے

سر کو تیرے جب سے ہے سودائے پابوسِ یار
ہاتھ ملتا ہوں میں اے آتش! کمال افسوس ہے

تصویر کھینچی اُس کے رُخِ سُرخ فام کی
اک صفحے میں قلم نے "گلستاں" تمام کی

اللہ رے تکلفِ ساقی بہار میں
مے کی گلابیاں، ہیں مرصع کے کام کی

ناساز ہے یہ انجمنِ دہر کی ہوا
مُطرب نے راہ بھولی ہے اپنے مقام کی

کیا اپنی انجمن میں صبا کو میں راہ دوں
گلیوں میں بوئے خلوتِ خاص اس نے عام کی

خطِ سیہ ہوا رُخِ پُرنور رشکِ باغ
صبحِ بہار سبزۂ نورس نے شام کی

اصلاح لینے آتے ہیں رنگیں خیال لوگ
خدمت ہے اس چمن میں مجھے انتظام کی

اس پر چلیں گے مثلِ قلم پائے خوش خطاں
تُربت ہماری تختی ہے مشقِ خرام کی

سر ٹوٹے محتسب کا جو اس میکدے میں آئے
جام آہنی صراحی ہے سنگِ رخام کی

بُلبُل قفس میں عرش کے اوپر دماغ ہے
حالت وہی ہے نکہتِ گُل سے مشام کی

صورت پذیر ہو حرکت بے خبر کی کیا
پتلا بنا سکے نہ منی احتلام کی

حجت ہے بہرِ مذہبِ عشق ایک ایک داغ
سینہ مرا کتاب ہے علمِ کلام کی

اللہ رے پھڑکنا اسیرانِ تازہ کا
صیاد خیر مانگتا ہے اپنے دام کی

نظارہ کر لے قلزمِ حسن و جمال کا
مثلِ حباب ہے تجھے فرصت قیام کی

اِستادہ دیکھتا ہوں گلستاں میں سرو کو
آزادی پر بھی خُو نہیں بدلی غلام کی

ملتا ہوں متصل کفِ افسوس روز و شب
حسرت ہے میرے ہاتھ کو کس کے سلام کی

مضموں کا چور ہوتا ہے رسوا جہان میں
چکھی خراب کرتی ہے مالِ حرام کی

آتشؔ کمالِ مہدیؑ دیں کا ہے اشتیاق
آنکھوں کو آرزو ہے ظہورِ امام کی

فرقت کی شب میں گرمی ہے روزِ قیام کی
مُردوں کی نیند نالوں نے میرے حرام کی

گزرا مجاز سے تو حقیقت کھلی مجھے
قرآں کا سامنا تھا جو ابجد تمام کی

سُرخیِ پاں ہو لعل بسی زیبِ یار پر
پھولی شفق دیارِ بدخشاں کی شام کی

گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضموں مجھے بلند
فکرِ رسا کمند ہے کعبے کے بام کی

اچھا نہیں ہے صورتِ عاشق سے بھاگنا
صاحب سمجھ لیں یہ حرکت ہے غلام کی

بُلبُل مُوا پھڑک کے تو کیا دے گا خوں بہا
خالی ہر اک گرہ نظر آتی ہے دام کی

پہنچا وہ عرش پر جو درِ دل تلک گیا
رفعت ہے آستانے میں اس گھر کے بام کی

پیش از سوال دوں میں نکیرین کا جواب
ہے التجا زباں سے مجھے اتنے کام کی

باغِ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک
عمرِ دو روزہ ایک قبا میں تمام کی

غلمان و حور ہیں مری خدمت کو خلد میں
پروا نہیں جہاں میں کنیز و غلام کی

پہچانا حق کو چاردہ معصوم کے طفیل
زینے سے رہنمائی ہوئی مجھ کو بام کی

بیمارِ عشق ہوں مجھے عیسیٰ جواب دے
کانوں کو آرزو ہے اجل کے پیام کی

موئے سیاہ ہو گئے دو روز میں سفید — ثابت تھی پختگی ہمیں اس رنگِ خام کی
صرفِ نگیں ہے لعلِ زمرد بھی روز و شب — حسرت نہیں عقیق ہی کو تیرے نام کی
پیدا نہ ہو گا دوسرا مجھ سا شراب خوار — مٹی خراب ہو گی مرے بعد جام کی
بیماریِ فراق سے ہے تلخ ہو گئی — شیرینی آب کی، نمکینی طعام کی
اندیشۂ بہار سے رنگِ خزاں ہے زرد — دہشت لگی ہوئی ہے اسے انتقام کی

آتش خدا کے واسطے موقوف فکرِ شعر
طاقت نہیں دماغ کو نظمِ کلام کی

شبِ فرقت میں یار جانی کی — دردِ پہلو نے مہربانی کی
منہ دکھاؤ بہت رہی تکرار — "ارنی" اور "لن ترانی" کی
جس کو کہتے ہیں چودھویں کا چاند — تیری تصویر ہے جوانی کی
کمرِ یار ہو گئی غائب — سُن کے دھوم اپنی ناتوانی کی
صورتِ حال پر ہمارے مُہر — داغ نے، زخم نے نشانی کی
سیر نعمت سے دو جہاں کی کیا — دے کے شبنم کو بوند پانی کی
ہو گیا عشق حُسن سے ناگاہ — پوچھتے کیا ہو [illegible] کی
دل برشتہ ہوا جو مثلِ کباب — میں نے ترکوں کی [illegible]
لبِ جاں بخش کے قریب وہ خط — شرح ہے متن [illegible]
گوش زد ہوتے ہی ہوئی دشمن — نیند تیری، [illegible]
کھینچئے اس غزال کی صورت — چوکڑی بھولتی [illegible]
مجھ کو بھلا کے یار سوتا ہے — عاشقی کی [illegible]
رہ گیا شوقِ منزلِ مقصود — پائے خفتہ [illegible]
مثلِ شبنم ہوں صاف دل قانع — مجھ کو دریا [illegible]
برق چمکی تو سرفراز کیا — ابر آیا [illegible]

راحتِ مرگ کو نہ پوچھ آتش
نہ رہی قدر زندگانی [illegible]

واقف ہوئی خزاں نہ ہماری بہار سے — بدلا نہ رنگ [illegible]
بعدِ فنا وصال ہوا ہم کو یار سے — توڑا طلسم [illegible]

بے روئے یار گل نظر آتے ہیں خار سے
صورتِ ہزار کم نہیں صوتِ خمار سے

توڑوں وہ گل جو سرخ ہو روئے نگار سے
کانٹوں میں سرو کو جو بڑے قدِ یار سے

سُرمے کا چشمِ یار کی دل کشتہ ہو گیا
مارا پڑا میں زنگی ابلق سوار سے

چاہے وہ جس طرح سے کرے مُرغِ دل اسیر
صیاد مطلعِ کمینِ شکار سے

افسردہ دل وہ ہوں جو مری قبر پر ہو نصب
مانند خشت سنگ تہی ہو شرار سے

اُس بیوفا کے چہرے سے تشبیہ ہی نہیں
بھاگیں گے دُور شمع و گل اپنے مزار سے

جولاں میں ہے سمند یہ کس رشکِ ماہ کا
ہر ذرّہ اک ستارہ ہے گرد و غبار سے

خاموش دیکھتا ہوں گل و سروِ کی بہار
حیرت میں ہوں زمانے کے نقش و نگار سے

عشرت کدہ ہے تیغ سے قاتل کی قتل گاہ
زخموں کی بدھی ملتی ہے پھولوں کے ہار سے

کوچے میں تیرے کشتوں کا رہے ہجوم
خالی یہ صیدگاہ نہ ہووے شکار سے

اوروں سے کیجیے وعدۂ دیدار حشر پر
مرنا نہیں قبول ہمیں انتظار سے

بعدِ فنا قبول نہیں ذکرِ نیک و بد
مٹ جائے پہلے نامِ نشانِ مزار سے

سمجھے تو رنج و راحتِ بلبل ہے مدعا
اس مطلعِ دو لختِ خزان و بہار سے

خط دار عارضوں سے ہوں ناقص پسند خوش
رغبت نہیں مجھے ثمرِ داغ دار سے

بیہودہ خاک اُڑانے سے کیا حاصل اے صبا!
ناوک فگن سوار ہو پیدا غبار سے

ممکن ہوا نہ خونِ شہیداں کو دست رس
نکلا نہ پائے یار حنا کے حصار سے

کشتے ہیں میری اُس کی محبت سے مدعی
دو دم ہوئے جو ایک ہوئے ذوالفقار سے

رکھ دیں برہنہ گور میں اہلِ جہاں مجھے
دس گز کفن قبول نہیں روزگار سے

نیرنگِ روزگار سے آتش عجب نہیں
چھلا اُتارے دزدِ حنا دستِ یار سے

بہار آئی، چھلکا ساقی شرابِ روح پرور سے
خزاں کا غم بھلا دے بادۂ گلگوں کے ساغر سے

صفائے قلب کو حاصل کیا میں نے مقدر سے
یہ آئینہ مرے ہاتھ آ گیا بختِ سکندر سے

نگاہِ ناز کا سائل ہوں خوبانِ ستم گر سے
قضا کے تیر کے مشتاق ہوں تُرکوں کے لشکر سے

جدائی دل کی پیش آئی ہے کس پاکیزہ گوہر سے
قوی ہے رشتۂ باریک اپنے جسمِ لاغر سے

نیا ہے عشق پیدا گردشِ چشمِ فسوں گر سے
یہ کیفیت ہمیں حاصل ہوئی ہے دورِ ساغر سے

نہ خط لے جائے میرا تا کوئی پھر جان کے ڈر سے
جواب نامہ لکھا یار نے خونِ کبوتر سے

لکھے ہیں سیکڑوں یک لخت مضمونِ لبِ شیریں
گلوئے خامہ کو بھر بھر دیا ہے میں نے شکّر سے

کمالِ عشق و حسنِ گل سے بلبل کو ہوا حاصل
صبا دو پھول اڑا لائی تھی اک دن تیرے بستر سے

شگفتہ خاطرِ افسردہ کیے خالوں کے بوسے نے
دلِ بیمار کو صحت ہوئی معجونِ عنبر سے

پھنسایا چاہتا ہے باغباں بلبل کو پھندے میں
کمر بندھوائی ہے صیاد کی پھولوں کی چادر سے

صفِ مژگاں کی جنبش نے غبارِ خط کیا پیدا
نمودِ گرد کی بنیاد ہے تحریکِ لشکر سے

کسی دیوار کے سایے کا عالم یاد آئے گا
قیامت ہو گی ہم پر گرمیِ خورشیدِ محشر سے

خریدار اک نہیں اُس کا، ہزاروں اُس کے گاہک ہیں
دلِ وحشی مرا بے قدر ہے جنگلی کبوتر سے

ملے گا وہ پری رو مجھ کو میں دیوانہ ہوں جس کا
شکر خورے کو رزق اللہ پہنچاتا ہے شکّر سے

جفائے حسن کا جس کو گلہ ہے سخت ناداں ہے
نہیں خالی کوئی شمشیر خونریزی کے جوہر سے

قفس میں بھی بہارِ باغ سے حاصل حضوری ہے
چمن کی سیر کر لیتا ہوں میں دل کے صنوبر سے

خیالِ سینہ کب آتا ہے دل کو کعبۂ رو میں
پھرا ہے کون جا کر آج تک اللہ کے گھر سے

عداوت بے شعوروں کی ضرر پہنچا نہیں سکتی
ہوا کس روز دیوانہ کوئی لڑکوں کے پتھر سے

خدا نے حسن کا رتبہ کیا ہے عشق پر غالب
جو اُس کو باز سے ہے شوق تو مجھ کو کبوتر سے

پری زادوں کے کوچے میں ہوئے ہیں گرد آلودہ
ہمارے پاؤں کو دھوویں گی حوریں آبِ کوثر سے

ہوس بوسے کی خطِ پشتِ لب سے کوئی جاتی ہے
کسی نے شہد کو چھوڑا نہیں زنبور کے ڈر سے

قیامت کی دلِ مشتاق پر سیرِ گلستاں نے
کوئی بوٹا سا قد یاد آ گیا مجھ کو صنوبر سے

وہ ماتم دوست ہوں، رویا کیا ہوں رات بھر آتش
چراغِ گور اگر گل ہو گیا ہے بادِ صرصر سے

وہی چتون کی خونخواری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے
تری آنکھوں کی بیماری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی نشو و نمائے سبزہ ہے گورِ غریباں پر
ہوائے چرخِ زنگاری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے

تعلق ہے وہی تا حال اُن زلفوں کے سودے سے
سلاسل کی گرفتاری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی سر کا پٹکنا ہے، وہی رونا ہے دن بھر کا
وہی راتوں کی بیداری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے

رواجِ عشق کے آئیں وہی ہیں، کشورِ دل میں
رہ و رسمِ وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی جی کا جلانا ہے، پکاتا ہے وہی دل کا
وہ اُس کی گرم بازاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

نیاز خادمانہ ہے وہی فضلِ الٰہی کا
بتوں کی ناز برداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

فراقِ یار میں جس طرح سے مرتا تھا، مرتا ہوں
وہ روح و تن کی بیزاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

ہی سودائے کاکل کا ہے عالم جو کہ سابق تھا
یہ شب بیمار پر بھاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

جنوں کی گرم جوشی ہے وہی دیوانوں سے اپنے
وہی داغوں کی گل کاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی بازار گرمی ہے محبت کی ہنوز آتش
وہ یوسفؑ کی خریداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

عارف ہے وہ جو حسن کا جویا جہاں میں ہے
باہر نہیں ہے یوسفؑ اسی کارواں میں ہے

پیری میں قلقلِ مے ہے جوانانہ روز و شب
بوئے بہار آئی ہماری خزاں میں ہے

ہوتا ہے گل کے سونگھنے سے دُونا گرفتہ دل
مجھ سا بھی بد دماغ کم اس بوستاں میں ہے

پشتِ خمیدہ دیکھ کے ہوتا ہوں نعرہ زن
کرتا ہوں صرف تیر جو زور اُس کماں میں ہے

دکھلا رہی ہے دل کی صفا دو جہاں کی سیر
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے مکاں میں ہے

دیوانہ جو نہ عشق سے ہو، آدمی نہیں
حسنِ پری کا جلوہ طلسمِ جہاں میں ہے

پروانوں کی طرح ہے ہجومِ قدح کشاں
روشن چراغِ بادہ جو مُغ کی دکاں میں ہے

اُس دلربا کے کوچے میں آگے ہوا سے جائے
اتنی تو جان اب بھی تنِ ناتواں میں ہے

دُنیا سے کوچ کرتا ہے اک روز رہروو!
بانگِ جرس سے شور یہی کارواں میں ہے

پڑھ سکتا سرنوشت کا مطلب کوئی نہیں
معلوم کچھ نہیں کہ یہ خط کس زباں میں ہے

آئندہ و روندہ کی چلتی ہیں ٹھوکریں
جادہ جو اپنا تھا اُسی خوابِ گراں میں ہے

کشتے ہیں باغ میں بھی تری تیغِ ناز کے
بوئے شہید لالہ میں اور ارغواں میں ہے

عاشق کے رنگِ زرد کو دیکھو تو ہنس پڑو
تاثیر اس میں ہے وہی جو زعفراں میں ہے

معدوم وہ کمر ہے، نہ موہوم وہ دہن
کہتے ہیں شاعران کے جو کچھ گماں میں ہے

گل ٹوٹتے ہیں، ہوتے ہیں بُلبُل اسیرِ دام
صیاد مستعد مددِ باغباں میں ہے

سرکش کی منزلت ہے سبک پیشِ خاکسار
وہ تمکنت زمیں کی کہاں آسماں میں ہے

سُنبُل سے حالِ گل ہوں میں یہ کہہ کے پوچھتا
کس سلسلے میں تو ہے یہ کس خانداں میں ہے

دل میں خیالِ گیسوئے مشکیں ہے بد بلا
یہ مُرغِ روح کے لیے سانپ آشیاں میں ہے

حکمت سے ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا
نور آنکھ میں ہے اس کے تو مغز استخواں میں ہے

آتش بلند پایہ ہے درگاہِ یار کی
ہفتم فلک کی رفعت اسی آستاں میں ہے

طفلی میں بھی شادی خوش رہی ہم سے
چھٹی نہ ملی جمعے کو بھی ہفتے کے غم سے

ہاتھ آنا تعجب نہیں اُس رشکِ پری کا
چل جائے تو کیا داغِ جنوں کم ہے درم سے

وہ گرمِ روِ بادیۂ عشقِ جنوں ہوں
جلتا ہے چراغ آج مرے نقشِ قدم سے

دکھلاتے نہیں دانت، وہ ہنس کر ہیں دکھاتے
چشمک زنیِ برق غضب ابرِ کرم سے

ہو حسن کا عاشق جو مری طرح برہمن
زنار کو دو تار ملیں زلفِ صنم سے

ہستی میں مری فکرِ رسا باندھ کے اکثر
مضمون کمر یار کے لاتی ہے عدم سے

آنکھوں کو رہے مدِ نظر مشتریِ دل
دلال خریدار لگا لاتے ہیں دم سے

کعبے میں بھی بت خانے کی شکلوں کو نہ بھولا
یاد آ گئی ابرو مجھے محرابِ حرم سے

وہ رشکِ پری ذکر جو کرتا ہے ہمارا
کہتی ہے صبا آ کے سلیماں کی قسم سے

گالی نہیں زیبا لبِ شیریں سے تمھارے
یہ شہد کرو تلخ نہ آمیزشِ سم سے

میراث سمجھتا ہے جو فردوسِ بریں کو
فرزند وہ آدم کا ہے حوا کے شکم سے

اے چرخ نہیں زندے ہی بیداد سے نالاں
فریادی ہیں مردے بھی ترے ظلم و ستم سے

دیوانے کو اطفال نہ گھیرے رہیں کیونکر
خالی کوئی لشکر نہیں دیکھا ہے علم سے

ہوتا ہے خطِ پشتِ لبِ یار سے ظاہر
کاتب کوئی بہتر نہیں یاقوت رقم سے

جاں بخشیِ بلبل ہو بہار آئے خزاں جائے
کانٹا ہوا ہے سوکھ کے گلزار کے غم سے

دیکھا ہے تماشائے جہاں آنکھوں سے برسوں
اٹھی ہے بہت کیفیت اس ساغرِ جم سے

ایسا بھی کوئی دور ہو گردش سے فلک کی
وہ لوگ زیادہ ہوں جو جھک جاتے ہیں کم سے

برچھی سے سوا توڑ ہے اس موئے مژہ میں
ابرو کی کجی تیز ہے تلوار کے خم سے

تا چند کرے گا رقمِ سوزِ دل آتش
رکھ ہاتھ، نکلتا ہے دھواں مغزِ قلم سے

قاتلِ عاشق ہر اک اس ترک کا انداز ہے
تیغ گویائی، خموشی تیرِ بے آواز ہے

گرم جوشیِ محبت کا وہی انداز ہے
داغِ دل سے ربط ہے، سوزِ جگر سے ساز ہے

خانۂ صیاد کی ایسی ہوا ناساز ہے
روحِ بلبل کی قفس سے مائلِ پرواز ہے

مردِ میداں وجد کرتے ہیں جو سنتے ہیں کبھی
نے گلو اپنا ہے، نالہ شیر کی آواز ہے

سونگھنا گیسوئے مشکیں کا کرے گا دم فنا
کون سا سودا نہیں سر کے لیے ناساز ہے

اڑتی پھرتی ہے ہماری خاک ہمراہِ صبا
بے پر و بالی میں بھی اپنی وہی پرواز ہے

بادشاہِ وقت ہے دیوانہ تیرا اے پری!
نالۂ زنجیر نوبت خانے کی آواز ہے

صید گاہِ عشق سے مایوس پھرنے کا نہیں
عاشقِ تیرِ نگہ ہے، مرغِ دل جانباز ہے

صورتِ محبوب کو آنکھوں سے تو دیکھا نہیں — گوش نے البتہ پردے سے سُنی آواز ہے
حُسن نے خطِ غلامی لکھ دیا ہے یار کو — گل سے گالوں پر نہیں یہ سبزے کا آغاز ہے
انگلیاں کانوں میں دیتے ہیں وہ میرے ذکر سے — کاٹتا اپنی زباں کو دانت سے غماز ہے
بے مئے گلرنگ فصلِ گل میں کیفیت نہیں — سن کے پی جاوے جو تو اُس کو تو اے دل راز ہے
لپٹے جاتے ہیں ہم اُن سے، ہم سے ہیں وہ بھاگتے — اس طرف سے ہے نیاز اور اُس طرف سے ناز ہے
روئے روشن کم یدِ بیضائے موسیٰ سے نہیں — سامری وقت وہ چشمِ فسوں پرداز ہے
باندھتے ہیں شعر میں مضمونِ چشم ولب شریک — ایک مصرع ہے فسوں اپنا تو اک اعجاز ہے
مخمور رہتا ہوں میں یادِ حُسنِ عالمگیر میں — ذکرِ سلطاں مجھ فقیرِ مست کا دمساز ہے
دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہہ کر کماں داروں میں ہم — اس نشانے کو اُڑا دے جو وہ تیر انداز ہے
رمز کی تقریر ہم سے پیش جانے کی نہیں — بات اپنی بھی کنایہ ہے جو اے طنّاز ہے
ڈھونڈھتا ہوں اک حسیں قاتل، نظر آتا نہیں — صید گاہِ عشق میں قحطِ شکار انداز ہے
مرغِ دل عاشق کا چشمِ یار سے بچتا نہیں — تیز پر شاہیں سے بھی اُس کی نگہ کا باز ہے۔
فصلِ گل ہے، شیشۂ و پیمانہ کا ہے دور دور — خانقاہیں بند ہیں، میخانے کا در باز ہے

لعل سے لب، دُر سے دنداں کے ہے مضموں باندھتا
مردِ شاعر تُو نہیں آتش مرصع ساز ہے

خرمنِ عمر جلے تیرے لبِ خنداں سے — برق کا کام تبسم نے لیا دنداں سے
زلف سے مُصحف کے تنگ اُلجھی رُخِ جاناں سے — لے گئی کعبے کو قسمت مجھے ہندوستاں سے
الحذر گردشِ چشمِ سیہِ جاناں سے — درہم اک خلق ہے برہم زدنِ مژگاں سے
روزِ مولود سے ہے اصلِ حقیقت کا خیال — بوئے خوں آتی تھی دایہ کی مجھے پستاں سے
مثلِ گل یار کو خنداں نہ کیا گریہ نے — تخمِ اُمید نہ سر سبز ہوا باراں سے
حالتِ شمع حرارت سے بہم پہنچی ہے — سر کٹے پر نہ ہٹے پاؤں مرا میداں سے
نیک طینت کو بدی کا نہیں منظور عوض — انتقام اپنا نہ یوسفؑ نے لیا اِخواں سے
وحشت آبادِ جہاں میں نہ کر آرام طلب — کب مسافر کو ملا چین دو ویراں سے
زمہریر اور جہنم ہے مجھے بے محبوب — استراحت ہے زمستاں سے نہ تابستاں سے
صحبتِ یار و رقیب آنکھوں میں پھر جاتی ہے — داغ ہوتا ہے مجھے لالۂ و نافرماں سے
آخرِ کار جہاں سے ہو اگر آگاہی — صاحبِ خانہ نظر آنے لگے مہماں سے

پست فطرت کو نہ ہو رتبۂ اعلیٰ حاصل
ایک تہ خانے کو دیکھا نہ بلند ایواں سے

امن چاہے تو نہ رکھ عالمِ اسباب سے کچھ
ہاتھ آتا ہے کفن دزد کو کیا عریاں سے

بے خبر کو ہو خبر شوق کی اپنے آتش
یار تک نامہ پہنچ جائے کسی عنواں سے

خام کو شادی ہے، غم پختہ کو ہے احساں سے
کشت کو نفع ہے، خرمن کو ضرر باراں سے

کرمِ حق سے ہوں ایمن ستمِ دوراں سے
پالے کا ڈر نہیں رہتا اثرِ باراں سے

آستیں ہوں وہ کہ مربوط گریباں سے نہیں
وہ گریباں ہوں جسے قرب نہیں داماں سے

تیغِ قاتل سے اُڑا یوں سرِ شوریدہ مرا
جس طرح سے حرکت گوئے کو ہو چوگاں سے

خطِ نورس نے جگہ کی رُخِ رشکِ گل پر
آشنا سبزۂ بیگانہ ہوا بستاں سے

عشق آنکھوں کو ترازو کے بنائے پلّے
حسن انصاف طلب ہوئے اگر میزاں سے

آسماں سے ہے توقع کے سرسبزی کی
ہوں وہ اُفتادہ زمیں جو نہ اُٹھے دہقاں سے

رنج دُنیا میں زیادہ ہے تو راحت کم ہے
وصل کا روز ہے کوتاہ شبِ ہجراں سے

سجدہ آدمؑ کو فرشتوں نے کیا، خوب کیا
قدرت اللہ کی ظاہر ہوئی ہے انساں سے

شمعِ کافوری کی حاجت نہیں کچھ مدفن پر
دل منور ہے اگر روشنیِ ایماں سے

نالہ کش جب سے ترے حسن کو مطلوب ہوئے
عشقِ گل ترک ہوا بُلبُلِ خوش الحاں سے

بختِ خفتہ کو جگا کر اُسے نوکر رکھوں
خواب کا روکنا ممکن ہو اگر درباں سے

کون سا لطف ترے روئے کتابی میں نہیں
رطب و یابس کوئی باہر نہیں ہے قرآں سے

شیر ہم اور نیستاں ہے حصیر اے آتش!
سلسلہ فقر کا اپنے ہے شہِ مرداں سے

کام آخر نہ ہوا اپنا صفِ مژگاں سے
حسرتِ تیر لیے جاتے ہیں ترکستاں سے

وصل کے بعد کھلا ہم کو غمِ ہجراں سے
نہیں ہوتی ہے مکافاتِ عمل انساں سے

حیف ہے خاک کا پتلا نہ کرے یاد اُس کو
اُلفت اللہ کو کس مرتبہ ہے انساں سے

زخمِ خنداں سے تری تیغ کے کچھ فرق نہیں
عشقِ بُلبُل کا سبب ہے یہ گلِ خنداں سے

رگیں زنجیریں ہیں، مَیں روح ہوں، یہ قالب ہے
ملک الموت چھڑا دے گا مجھے زنداں سے

کعبہ و دَیر میں نافہمی سے پھرتا ہے خراب
دور سمجھا ہے جسے، ہے وہ قریب انساں سے

قسمتِ مرغِ گرفتار کی اللہ رے بدی
دام کو دانے کا محتاج کیا دہقاں سے

بسکہ رکھتا ہے اُسے دوش پر اے قاتل تُو
مثلِ گردن ہے تری تیغ خم اس احساں سے

طُرفہ گرمی مرے محبوبِ قباپوش نے کی
شمعِ کشتہ کو فروزندہ کیا داماں سے

سائلِ صبر و سکونت ہوں خدا سے شب و روز
منصبِ فقر ہے مطلوب مجھے سلطاں سے

آتش و دود کا عالم نظر آیا بے یار
خفقاں مجھ کو ہوا لالہ و نافرماں سے

خشمگیں آنکھ دکھائی جسے وہ قتل ہوا
برچھیاں چل گئیں اے تُرک تری مژگاں سے

باغ میں میں زلف و خطِ یار ہے یاد آ جاتا
کبھی سنبل سے اُلجھتا ہوں، کبھی ریحاں سے

گردشِ بخت ہے یا گردشِ پرکار آتش
پاؤں اُٹھتا نہیں اس دائرہ دوراں سے

ساغرِ صافِ مئے حبِ علیؑ مشرب ہے
مردِ مومن ہوں میں اثنا عشری مذہب ہے

حسنِ انساں سے ہر اک شعر میں یاں مطلب ہے
روحِ معنی ہے جو ہے بیت مری قالب ہے

سرو اُولی ہے مری آنکھوں میں، گل انسب ہے
جو کہ ہے خوب ہے، اللہ کا عالم سب ہے

ابلقِ یار کا پھرتا ہے خیال آنکھوں میں
روز نقرہ جو ہمارا ہے، تو مشکی شب ہے

تو امیر اے بتِ سرکش تو یہ عاجز ہے فقیر
حسن جاگیر تری، عشق مرا منصب ہے

مردِ میداں کی حرارت ہے شجاعت کی دلیل
دائمی شیرِ نیستاں کے لیے ایک تب ہے

کُنجِ تنہائی میں آگے خفقاں ہوتا تھا
اپنی پرچھائیں کی صورت سے بھی نفرت اب ہے

وصل کی شب بھی وہ کافر نہیں عریاں ہوتا
مثلِ گل پیرہنِ یار مگر قالب ہے

عشق نے خُسن کا دیوانہ کیا ہے مجھ کو
زلف زنجیر ہے، زنداں مجھے کُنجِ لب ہے

ایک سے ایک کو پاتا ہوں میں یاں بالادست
زیرِ لب ہے جو ذقن، زیرِ ذقن غبغب ہے

حکمتِ خُسن ہویدا ہے رُخِ دلبر سے
چاہِ نخشب ہے ذقن، چہرہ مہِ نخشب ہے

تُرکِ خونخوار ہے یار اور ہے مسکیں شاعر
تیغ مقصود اُسے، جو ہر سے مجھے مطلب ہے

جلوۂ یار سے یاں سینہ ہوا ہے روشن
میں وہ ذرہ ہوں کہ خورشید مرا کوکب ہے

عشقِ کامل ہے سبب حسن سے یک رنگی کا
شمع و پروانہ کا جل جانے میں اک مذہب ہے

موذیوں کا بھی ہے یہ خاک کا پُتلا موذی
زیرِ پاپوش سرِ مار و سرِ عقرب ہے

شہسواروں کو گراتا ہے یہ پشتِ زیں سے
کس قدر ابلقِ ایام بڑا مرکب ہے

حیف ہے سوزشِ دل کا نہ ہوا اشکوں سے علاج
بیشتر ورنہ پسینے سے اُترتی تب ہے

دوست ہو جائے، جو دشمن مرے اشعار سُنے
مُدّعا مہر و محبت سے وفا مطلب ہے

مرضِ عشق سے اک خلقِ خدا ہے رنجور
جلوۂ حسنِ جہاں سوز بھی فصلی تپ ہے

کون سی شے ہے زمانے میں نہیں جو اِس میں
سیر کر دل ہی میں دنیا کا تماشا سب ہے

حشر پہ وعدۂ دیدار نہ کر عاشق سے
کس کو معلوم ہے فردائے قیامت کب ہے

جسم کو جانتے ہیں صنعتِ دستِ قدرت
روح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امرِ رب ہے

رُوئے انور سے مقدّم ہے تری زلفِ سیاہ
عید کے روز سے اوّل رمضاں کی شب ہے

مجھ کو لغزش نہ ہو، ہر چند زمانہ ہل جائے
قطب تارا جسے کہتے ہیں، مرا کوکب ہے

روح کی طرح سے مہمان رہا کرتا ہوں
گھر کو اپنے یہ سمجھتا ہوں مرا قالب ہے

زور و قوت سے ڈراتا ہے یہ کس کو آتشؔ
میں بھی شمشیرِ علی ہوں جو عدو مُرحب ہے

اے صنم! جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے
اُسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے

تیغ بے آب ہے، نے بازوئے قاتل کمزور
کچھ گراں جانی ہے، کچھ موت نے فرصت دی ہے

اس قدر کس لیے یہ جنگ و جدل اے گردوں!
یہ نشاں مجھ کو دیا ہے، نہ تو نوبت دی ہے

سانپ کے کاٹنے کی لہریں ہیں شب و روز آتیں
کاکلِ یار کے سودے نے اذیّت دی ہے

کوئی اکسیر غنی دل نہیں رکھتی ایسا
خاکساری نہیں دی ہے، مجھے دولت دی ہے

آہ کا اپنے فتیلہ نہیں کس رات جلا
عملِ حُب کی بہت ہم نے بھی دعوت دی ہے

جسم کو زیرِ زمیں بھی وہی پہنچاوے گا
رُوح کو جس نے فلک سیر کی طاقت دی ہے

فرقتِ یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں
زندگانی مجھے کیا دی ہے، مصیبت دی ہے

یادِ محبوب فراموش نہ ہووے اے دل!
حُسنِ نیّت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے

گوش پیدا کیے سننے کو ترا ذکرِ جمال
دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے

لطفِ دل بستگیِ عاشقِ شیدا کو نہ پوچھ
دو جہاں سے اس اسیری نے فراغت دی ہے

کمرِ یار کے مضمون کو باندھو آتشؔ
زلفِ خوباں سی رسا تم کو طبیعت دی ہے

نفسِ شقی بھی رُوح کے ہمراہ تن میں ہے
یوسفؑ کے ساتھ گرگ بھی اس پیرہن میں ہے

قیمت جو ایک حور کے شیریں دہن میں ہے
شہدِ بہشت کا مزا اپنے سخن میں ہے

دیوانے تیرے دونوں ہوئے اے بہارِ حُسن!
زندہ نہ پیرہن میں، نہ مردہ کفن میں ہے

عاشق کو زہر دیجیے صاحب! نہ پیس کر
الماس ہے جو دانت تمھارے دہن میں ہے

کیا طفلِ اشک کو مری رسوائی کا ہو پاس
نو واردانِ گنبدِ چرخِ کہن میں ہے

سونگھے سے زلفِ یار کے سودے کا کیا عجب
عنبر میں ہے یہ بو، نہ تو مشکِ ختن میں ہے

سرمہ لگا کے آنکھ وہ دکھلائیں تو کہاں
خوش چشمی کی یہ شاخ لگی جو ہرن میں ہے

خالی زمانے کو نہ سمجھ حسن و عشق سے
پروانہ اور شمع ہنوز انجمن میں ہے

زلفیں ہٹایئے رُخِ روشن سے مہربان!
اختر شناس کہتے ہیں سورج گہن میں ہے

دکھلائے گا بہار کو حسن اپنا باغبان
آئینہ آبِ جُو کا لگایا چمن میں ہے

دھوکا نہ دے سکے گی مجھے رنگِ یار کا
سرخی نہیں سفیدی اگر یاسمن میں ہے

حسن و جمال کا ترے شہرہ ہے دور دور
آبِ حیات حسرتِ چاہِ ذقن میں ہے

ابرو ہر اک صنم کا ہے رشکِ ہلالِ عید
خوش وقتی ہے تو بُت کدۂ برہمن میں ہے

فرقت میں دل جلاتا ہے شوقِ وصالِ یار
اک آگ سی لگی ہوئی آتش بدن میں ہے

تازہ ہو دماغ اپنا، تمنا ہے تو یہ ہے
اُس زلف کی بو سونگھیے، سودا ہے تو یہ ہے

قینچی نہیں چلوائی مرے تاے نے کس پر
پروازِ کبوتر ہو جو عنقا ہے تو یہ ہے

کچھ سرو کا رتبہ ہی نہیں قد سے ترے پست
شمشاد و صنوبر سے بھی بالا ہے تو یہ ہے

ملتا جو نہیں یار تو ہم بھی نہیں ملتے
غیرت کا اب اپنی بھی تقاضا ہے تو یہ ہے

اے نورِ نظر! معجزۂ حُسن سے تیرے
اندھے بھی کہیں گے کہ مسیحا ہے تو یہ ہے

محشر کو بھی دیدار کا پردہ نہ کرے یار
عاشق کو جو اندیشۂ فردا ہے تو یہ ہے

بینا ہوں جو آنکھیں تو رُخِ یار کو دیکھیں
نظارے کے قابل جو تماشا ہے تو یہ ہے

مضموں دہنِ یار کا کیا فکر سے نکلے
لاحل جو معموں میں معما ہے تو یہ ہے

گہ یادِ صنم دل میں ہے، گہ یادِ الٰہی
کعبہ ہے تو یہ ہے جو کلیسا ہے تو یہ ہے

معشوق و مے و خانۂ خالی و شبِ ماہ
عاشق کے لیے حاصلِ دنیا ہے تو یہ ہے

دیوانے نہ کیونکر غل و زنجیر پہنتے
سرکارِ جنوں کا جو سراپا ہے تو یہ ہے

دل کے لیے ہے عشق، تو دل عشق کی خاطر
مے ہے تو یہ ہے اور جو مینا ہے تو یہ ہے

دیوانۂ قد کے کبھی نالوں کو تو سنیے
ہنگامۂ محشر کا سا غوغا ہے تو یہ ہے

ثابت دہنِ یار دلیلوں سے کر آتش
حجت کی جو شاعر کے لیے جا ہے تو یہ ہے

ایذا میں روح ہے تنِ خانہ خراب سے
پائے سمند اُلجھا ہوا ہے رکاب سے

بے خود ہے یار دولتِ حسنِ شباب سے
سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے

افشانِ روئے یار وقوعِ محال ہے
ممکن وصالِ ذرہ نہ تھا آفتاب سے

جاتا ہے جو تو گورِ غریباں کی سیر کو
مردے نجات پاتے ہیں اپنے عذاب سے

مضمونِ لب خیالِ رُخِ یار میں ملا
پیدا کیا ہے ہم نے یہ لعل آفتاب سے

نازک خیال اب بھی ہیں موجود اے فلک!
خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے

کھاتا نہیں ہوں اس کو میں کھاتا ہوں اپنا گوشت
دل ٹوٹتا ہے گریۂ چشمِ کباب سے

برسائیں گی ہماری بھی آنکھیں لہو کا مینہ
بجلی گرایئے نہ نگاہِ عتاب سے

سیرِ دروں سے کنہِ حقیقت کھلی مجھے
باہر نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے

بیدار بخت ایسا میں دیوانہ ہوں، جسے
پریاں اُٹھا کے لے گئیں ہیں فرشِ خواب سے

اُس سے ہرے درخت ہوں، اِس سے شگفتہ گل
رتبے میں اپنی خاک برابر ہے آب سے

قاتل! لہو کو دیکھ کے غش آئے گا تجھے
تلوار کھینچ، منہ کو چھپا لے نقاب سے

کیا سرخ کر دیا مرے قاتل کا پیرہن
کچھ کم نہیں ہے خونِ شہیداں شہاب سے

نیرنگِ حسنِ یار کا دل میں خیال ہے
شیشہ بھرا ہے ہم نے شفق گوں شراب سے

نافہمی اپنی کرتی ہے انساں کو ذلیل
مطعونِ خلق صوفی ہے حالِ خراب سے

آتش وہ گنجِ حسن ملے تجھ کو چاہیے
ظاہر یہ ہوتا ہے ترے حالِ خراب سے

ظاہر ہوا ہمیں یہ تمھارے حجاب سے
یوسفؑ چھپائے رکھتا تھا منہ کو نقاب سے

اپنا دماغ خشک بھی تر ہو شراب سے
طاؤس وجد کرتے ہیں ساقی سحاب سے

یوسفؑ میں اور یار میں اتنا ہی فرق ہے
اُس کو چھپایا، اِس کو نکالا نقاب سے

حیرت کی جا ہے خطِ رخِ آتشینِ یار
نکلا ہے سبزہ بغلِ آفتاب سے

اے شہسوار! پاؤں کا تیرے خیال ہے
آنکھوں نے حلقہ دام لیے ہیں رکاب سے

اُس بحر میں کھلاتی ہے غوطے مجھے قضا
ٹکرا کے پارہ پارہ ہوئی کشتی حباب سے

بے خود ہوئے نہ رند چڑھا کر خُم و سبو
چکر میں چرخ ہے قدحِ آفتاب سے

یاد آ گیا ہے بوسۂ چشمِ سیاہِ یار
وحشت ہوئی ہے مجھ کو ہرن کے کباب سے

گلہائے زخم کے لیے خوشبو ضرور ہے
اے تُرک! اپنی تیغ کو بجھوا گلاب سے

دیوانے روزِ حشر کو پوچھے نہ جائیں گے
خارج ہے سرنوشت ہماری حساب سے

گریے سے اپنے اُس گلِ خنداں کو آیا رحم
تسخیرِ قلب کرتے ہیں ہم نقشِ آب سے

ہووے اگر حقیقتِ آدم سے مطلع
شیطاں ہو منفعل عملِ ناصواب سے

کہتے ہیں ہاتھ دیکھ کے اُس بت کا برہمن
تم عاشقوں کو قتل کرو گے حجاب سے

عمرِ دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر
خالی رہا زمانہ مرا انقلاب سے

باتوں میں بند ہو گیا غمّاز پوچ گو
ٹیڑھے سوال رد ہوئے سیدھے جواب سے

روتا ہے وہ تو ہنستی ہے یہ اُس کے حال پر
نفرت ہے مجھ کو صحبتِ برق و سحاب سے

آتش کو چن کے قتل کیا اُس نے اس لیے
ہوتی ہے قدرِ شعر بلند انتخاب سے

کوئی اچھا نہیں ہوتا ہے بری چالوں سے
لبِ بام آ کے کھڑے ہو نہ کھلے بالوں سے

روز و شب کس لیے رہتا ہوں الٰہی بیتاب
نہ تو گوروں سے محبت، نہ مجھے کالوں سے

جوشِ وحشت میں جو جنگل کی طرف جا نکلا
تپ چڑھی شیرِ نیستاں کو مرے نالوں سے

کوئی کچھ عشق کا کرتا ہے بیاں، کوئی کچھ
تنگ آیا ہوں میں اس قضیے کے دلالوں سے

پیشتر صبحِ شبِ وصل سے ہم گزریں گے
زورِ ادبار چلے گا نہ خوش اقبالوں سے

مست ہاتھی ہے تری چشمِ سیہ مست اے یار!
صفِ مژگاں اُسے گھیرے ہوئے ہے بھالوں سے

روئے خوباں سے ملے گا ہمیں بوسہ کہ نہیں
حال ان شکلوں کا کچھ پوچھیے رمالوں سے

عارضی حسن سے نفرت یہ ہوئی ہے دل کو
رتبہ زلفوں کو نہیں مکڑیوں کے جالوں سے

خطِ شب گوں نے نکل کر عبث اندھیر کیا
کافرستاں تو وہ رُخ آگے ہی تھا خالوں سے

دو جہاں حشر کے دن ہوویں گے باہم موجود
متفق ہوں گے اِدھر والے اُدھر والوں سے

دل حسینوں کے تصور سے بنایا خالی
آئینہ خانوں میں کثرت رہی تمثالوں سے

کچھ تو ہلکا کریں خارِ رہِ صحرائے جنوں
بوجھ لنگر کا ہوئے ہیں کفِ پا چھالوں سے

اُن کے بوسوں کی تمنا ہے لبوں کو آتش
آئینے کسبِ صفا کرتے ہیں جن گالوں سے

اُتار، اُتارنا ساقی جو شیشہ طاق سے ہے
لبوں پر آئی مری جان اشتیاق سے ہے

جواب دوں ترے نالے کا کیا میں اے بلبل!
کراہنا مجھے تکلیف ہائے شاق سے ہے

نہ سوؤ ساتھ مرے رکھ کے درمیاں شمشیر
یہ اتفاق بھی کچھ کم نہیں نفاق سے ہے

مقامِ شکر ہے ایذا جو دردِ عشق سے ہو
غنیمت اُس کو سمجھ حُسنِ اتفاق سے ہے

ہمارے دل کو جلاتا ہے شمع کا جلنا
مشابہت بہت اس کو کسی کی ساق سے ہے

یہ وہ بلا نہیں بے جان کے لیے جو ٹلے
یقین صبح کا کس کو شبِ فراق سے ہے

جمالِ چہرۂ خورشید بھی ہے کیا نعمت
کروروں ذرہ ہوا سیر اک طباق سے ہے

نظارے کے لیے ہے قحطِ حسنِ نو خیزاں
کمال تنگ دل اب اس کہن رواق سے ہے

نہ بیٹھ پھول کے تو شاخِ گل پر اے بُلبل!
خرابی ہی خس و آتش کے اتفاق سے ہے

خدا کے واسطے کشتیِ مے کو لا ساقی!
تباہ حال بہت آتش اشتیاق سے ہے

خواہاں ترے ہر رنگ میں اے یار! ہمیں تھے
یوسفؑ تھا اگر تُو، تو خریدار ہمیں تھے

بیداد کے، محفل میں، سزاوار ہمیں تھے
تقصیر کسی کی ہو، گنہگار ہمیں تھے

وعدہ تھا ہمیں سے لبِ بام آنے کا ہونا
سایے کی طرح سے پسِ دیوار ہمیں تھے

کنگھی تری زلفوں کی ہمیں پر تھی مقرر
آئینہ دکھاتے تجھے ہر بار ہمیں تھے

نعمت تھی ترے حسن کی حصے میں ہمارے
تُو کانِ ملاحت تھا، خریدار ہمیں تھے

سودا زدہ زلفوں کا نہ تھا اپنے سوا ایک
آزاد دو عالم تھا، گرفتار ہمیں تھے

تُو اور ہم اے دوست! تھے یک جان دو قالب
تھا غیر، سوا اپنے جو تھا، یار ہمیں تھے

بیمارِ محبت تھا سوا اپنے نہ کوئی
اک مستحقِ شربتِ دیدار ہمیں تھے

بے اپنے بہلتی تھی طبیعت نہ کسی سے
دل سوز ہمیں تھے ترے، غم خوار ہمیں تھے

اک جنبشِ مژگاں سے غش آتا تھا ہمیں کو
دو نرگسِ بیمار کے بیمار ہمیں تھے

جب چاہتے تھے لیتے تھے آغوش میں تم کو
مجبور سے رہ جاتے تھے، مختار ہمیں تھے

ہم سا نہ کوئی چاہنے والا تھا تمھارا
مرتے تھے ہمیں، جان سے بیزار ہمیں تھے

بدنام محبت نے تری ہم کو کیا تھا
رسوائے سرِ کوچۂ و بازار ہمیں تھے

دل ٹھوکریں کھاتا تھا نہ ہر گام کسی کا
اک خاک میں ملتے دمِ رفتار ہمیں تھے

بھڑکانے سے آتش کو جلانے لگے، یا تو
الطاف و عنایت کے سزاوار ہمیں تھے

گنگ ایمائے لبِ یار سے گویا ہووے
آنکھیں تلووں سے ملے کور تو بینا ہووے

حبذا یار کا در، بابِ سعادت کہیے
زہے دیوار، ہما سایے سے پیدا ہووے

چھپ سکی بادِ سحر سے نہ تری زلف کی بو
مشک کا چور یقیں ہے یہ کہ رسوا ہووے

یار نے پردہ کیا ہم سے، بہت خوب کیا
حسن ہے وہ بھی کوئی جو کہ تماشا ہووے

اُس بیاباں میں پیادہ مجھے لائی ہے قضا
شہسواروں کی جہاں گرد نہ پیدا ہووے

ناف پہ تیری ہو کیونکر نہ نگاہوں کا ہجوم
ہالہ بے ماہ جو ہو جاوے تماشا ہووے

دل نہیں داغ ہے، جس میں نہیں کیفیتِ عشق
جسم بے روح ہے، بے بادہ جو مینا ہووے

آبرو چاہے اگر معرکۂ الفت میں
کود پڑ اس میں، کنواں ہووے کہ دریا ہووے

روز و شب چرخ ہنڈولے کی طرح پھرتا ہے
کس طرح سے نہ زمانہ تہ و بالا ہووے

حشر کا روز گزر جائے، ملے حور و بہشت
وہ بھی دن ہو کہ نہ اندیشۂ فردا ہووے

نفرت آنے میں جو کی تھی، عوض اُس کا یہ سمجھ
روح کو جسم کے چھٹنے میں جو ایذا ہووے

میری تکبیر کی آواز جو راہب سن پائے
دردِ سر نالۂ ناقوسِ کلیسا ہووے

روشنی سے مجھے اس کی یہ یقیں ہوتا ہے
پنج شاخہ ترے در کا یدِ بیضا ہووے

دل کو خوش رکھتی ہے نا بھی کم عمر آتش
کوئی دیوانہ ہو، لڑکوں کو تماشا ہووے

سر کاٹ کے کر دیجیے قاتل کے حوالے
ہمت مری کہتی ہے کہ احسان ٹلا لے

ہر قطرۂ خوں سوزِ دروں سے ہے اک اخگر
جلاد کی تلوار میں پڑ جائیں گے چھالے

یوں دیتے ہیں وہ عاشقِ بے صبر کو بوسہ
جیسے کوئی صدقہ کرے بھوکے کے حوالے

شمشیر پھر اے ترک! نہیں تیغ یہ تیری
سیفی ہے مرے سر کی بلا کو جو یہ ٹالے

ناداں نہ ہو، عقل عطا کی ہے خدا نے
یوسفؑ کی طرح تم کو کوئی بیچ نہ ڈالے

نقاشِ ازل نے تری تصویر میں رکھے
اندازِ رخ و زلف زمانے سے نرالے

ہستی کی اسیری سے، شرر سے ہیں سوا تنگ
چھوٹے تو اِدھر پھر کے نہیں دیکھنے والے

سالک کو یہی جادے سے آواز ہے آتی
پامال جو ہو، راہ وہ منزل کی نکالے

کچھ اور لبِ یار کی تعریف کروں کیا
وہ لعل کہ دیکھے سے پڑیں جان کے لالے

گردِ رخِ زیبا رہیں کیونکر نہ وہ زلفیں
دو سانپ حفاظت کو ہیں اک گنج کے پالے

صیاد چمن ہی میں کرے مرغِ چمن ذبح
لبریز لہو سے بھی درختوں کے ہوں تھالے

پیغامِ اجل ہوتے ہیں اس عشق کے صدمے
پالا نفسِ سرد سے اللہ نہ ڈالے

دشمن سے سمجھتے ہیں ہم اُس دوست کو بدتر
مشتاق کو منہ اپنا دکھا کر جو چھپالے

مضمون ہے تو شمعِ رخِ یار کا آتش
شاعر ہے اسے فکر کے سانچے میں جو ڈھالے

آبلے پاؤں کے کیا تُو نے ہمارے توڑے — خارِ صحرائے جنوں عرش کے تارے توڑے
ذقن و رُخ میں نہ جا بوسوں سے باقی رکھی — ثمر و گل چمنِ حسن کے سارے توڑے
سلسلہ اپنی گرفتاری کا کب قطع ہوا — پہنی پازیب اُنھوں نے جو اُتارے توڑے
مست مجھ سا بھی کوئی نشے کا ہوگا نہ حریص — پی کے مے، جام کے دانتوں سے کنارے توڑے
شربتِ وصل ہے تنقیہ کی خاطر موجود — تپ ہجر آ کے بدن کو نہ ہمارے توڑے
ختم دزدیدہ نگہ پر ہے تری طرّاری — دل نہیں توڑے، احبا کے پٹارے توڑے
آ گیا وہ شجرِ حُسن نظر جب ہم کو — بوسے لے کر لبِ شیریں کے چھوارے توڑے
عشق بے درد سے کرنے کو کہا تھا کس نے — سر کو ٹکرا کے نہ دل درد کے مارے توڑے

کنجِ عزلت میں بٹھایا ہے خدا نے آتشؔ
اب جو تم یاں سے ہلے پاؤں تمھارے توڑے

پاتا ہوں مہر و مہ کو تہی عدل و داد سے — خالی یہ کعبتین ہے نقشِ مراد سے
سودا ہے سر کو زلفِ گرہ گیرِ یار کا — دل بستگی ہے کافرِ خوش اعتقاد سے
زندہ نہ چھوڑے گی نگہِ خشمگینِ یار — نیکی کی چشم داشت نہیں بد نہاد سے
پار اُتریں خاک بحرِ محبت کی کشتیاں — طوفانِ نوح رہتا ہے بادِ مراد سے
شہرہ تمھارے حسن کا پہنچا ہے دور دور — مکتوبِ شوق آتے ہیں کس کس بلاد سے
زور آوری پہ اپنے نہ سرکش کریں غرور — عاجز نہیں خدا کا غضب قومِ عاد سے
مر کر ملائی سرکشیِ نفس خاک میں — کی جان کھو کے ہم نے فراغت جہاد سے
عاشق کے حال سے نہیں معشوق بے خبر — بندے کو بھولتا نہیں اللہ یاد سے
دیوانہ ہو نہ دیکھ کے دل حُسنِ عارضی — اچھا نہیں ہے سابقہ بے اعتماد سے
اللہ سے مرادِ دلی کا ہوں ملتجی — سائل ہوں میں فقیر کریم و جواد سے
جو کچھ کہ ہوں میں خوب اُسے جانتا ہے دوست — دشمن ہزار بد کہے میرے عناد سے
بے درد و درد مند کا احوال کُھل گیا — بیمار تندرست سے، ناشاد شاد سے
ہنگامہ حسن و عشق کا یوں ہی رہے گا گرم — فتنے نہ باز آئیں گے شر و فساد سے
مالوف یار مجھ سے، میں شیدائے یار ہوں — مشتاق ہم دگر ہیں دو دل اتحاد سے
خونِ جگر سے پرورشِ شعر ہم نے کی — فرزند کا سلوک کیا خانہ زاد سے

دشمن جو ہو حسین علیہ السلام کا
آتش نہ کم سمجھ اُسے ابنِ زیاد سے

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
خدا پنہاں ہے، عالم آشکارا
نہاں ہے گنج، ویرانہ عیاں ہے
دلِ روشن ہے روشن گر کی منزل
یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے
تکلف سے بری ہے حُسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بُوٹا کہاں ہے
پسیجے گا کبھی تو دل کسی کا
ہمیشہ اپنی آہوں کا دھواں ہے
برنگِ بُو ہوں گلشن میں مَیں بُلبُل
بغل غنچے کی میرا آشیاں ہے
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے
چمن کی سیر پر ہوتا ہے جھگڑا
کمر میری ہے، دستِ باغباں ہے
بہت آتا ہے یاد اے صبرِ مسکیں
خدا خوش رکھے تجھ کو تُو جہاں ہے
الٰہی! ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بُت ہیں یاں ہندوستاں ہے
یقیں ہوتا ہے خوشبوئی سے اُس کے
کسی گل رُو کا غنچہ عطرداں ہے
وطن میں اپنے اہلِ شوق کی طرح
سفر میں روز و شب ریگِ رواں ہے
سحر ہووے کہیں شبنم کرے کوچ
گل و بُلبُل کے دریا درمیاں ہے
سعادت مند قسمت پر ہیں شاکر
ہُما کو مغزِ بادام استخواں ہے
دلِ بیتاب جو اس میں گرے ہیں
ذقنِ جاناں کا پارے کا کنواں ہے
جرس کا ساتھ دل رہتے ہیں نالاں
مرے یوسفؑ کا عاشق کارواں ہے
نہ کہہ رندوں کو حرفِ سخت واعظ!
درشت اہلِ جہنم کی زباں ہے

قدِ محبوب کو شاعر کہیں سرو
قیامت کا یہ اے آتش! نشاں ہے

آتشِ نالۂ بُلبُل سے دھواں ہوتا ہے
سیرِ گلزار سے مجھ کو خفقاں ہوتا ہے
رُوئے گل کو رُخِ رنگیں سے ترے کیا نسبت
قدِ صنوبر کا یہ بُوٹا سا کہاں ہوتا ہے
ظاہر بازیٔ ایام ہے باطن سے خلاف
دانہ ہوتا ہے عیاں، دام نہاں ہوتا ہے
وعدۂ شب نہ کر اے مہر لقا، جھوٹ نہ بول
جلوہ گر رات کو خورشید کہاں ہوتا ہے
باتیں کرتا ہوں نگاہوں میں پریزادوں سے
دیدۂ شوق سے یاں کارِ زباں ہوتا ہے

ابروئے یار سے قوت ہے مژہ کو ساری — تیر کے واسطے سب زورِ کماں ہوتا ہے
فرشِ گل پر وہ نزاکت سے نہیں سو سکتے — تنِ نازک میں رگِ گل کا نشاں ہوتا ہے
حسن کو داغ لگاوے گی یہ سیرِ گلزار — آپ پر حورِ بہشتی کا گماں ہوتا ہے
صورتِ کعبہ دکھاتے ہیں جو طاقِ ابرو — چاہِ زمزم وہ زنخداں کا کنواں ہوتا ہے
حسرت انجام جہانِ گزراں ہے غافل! — حسن رہتا نہیں گلزار خزاں ہوتا ہے
جذبۂ دل سے الٹتا ہے نقابِ رُخِ یار — پردۂ غیب کا احوال عیاں ہوتا ہے
چشمِ تر عالمِ نیرنگ دکھاتی ہے مجھے — برجِ آبی مرے رہنے کا مکاں ہوتا ہے
زیرِ دیوار جو ٹھہروں تو حسد سے میرے — سایہ سر پر سے دبے پاؤں رواں ہوتا ہے

جائے نامرد نہیں بزم میں اپنے آتش
مصرعِ تیغ کے مطلب کا بیاں ہوتا ہے

خدا محفوظ رکھے دل کو اُس افعی کاکل سے — نہیں ممکن سلامت چھوٹنا موذی کے چنگل سے
شرابِ سرخ کا ساغر چلے ساقی لبِ جُو پر — چمن سرسبز ہے بارانِ رحمت کے تفضّل سے
اگر نام آوری مقصود ہے، نیکوں سے صحبت رکھ — ہوا ہے شہرۂ آفاق لفظِ طیب سنبل سے
پری لائی ہے صندل گھس کے مجھ دیوانے کی خاطر — جو سر میں درد ہوتا ہے کبھی زنجیر کے غل سے
اٹھائی آستیں جو چشمِ دریا بار سے اپنی — بنے گرداب دورِ دامن اشکوں کے تسلسل سے
چمن کی سیر سے نفرت ہمارے دل کو ہوتی ہے — طبیعت کو خفا کرتی ہے صحبت خار کی گل سے
خدا پر رکھ نظر طالب اگر ہے دین و دنیا کا — یقیں ہے دولتِ کونین حاصل ہو توکل سے
ضرر پہنچاتی ہے معشوق کو بیتابیِ عاشق — پھٹے ہیں پردہ ہائے گوشِ گل فریادِ بلبل سے
اثر پیدا کیا گردش نے اس کے دورِ ساغر کا — تری آنکھوں نے کیفیت اٹھائی ساغرِ مُل سے
منغص کی طبیعت یار بن سامانِ عشرت نے — دماغ اپنا پریشاں ہو گیا مینا کی قلقل سے
شبِ مہ میں جو دریا کے کنارے جا کے روتا ہوں — گزر جاتی ہے کشتی مار کر ٹھوکر سرِ پُل سے
قیامت میں بھی کوئی حال کو اُن کے نہ پوچھے گا — کیا ہے کشتہ تو نے جن کو شمشیرِ تغافل سے

نہایت مشتِ خاکِ آتشِ بے کس کو حسرت ہے
کسی دامن تلک پہنچے صبا تیرے توسل سے

بالائے بامِ خانہ وہ عالی جناب ہے — منزل سے اپنی جلوہ نما آفتاب ہے
دیکھے جو بے نقاب تجھے، کس کو تاب ہے — خورشید تیرے آگے گلِ آفتاب ہے

فصلِ بہار آئی ہے، دورِ شراب ہے
قاضی و محتسب کا کلیجہ کباب ہے

زیرِ زمیں بھی چین کی صورت نہیں کوئی
آسودگانِ خاک کی مٹی خراب ہے

بیدار آج ہووے تو فردائے حشر کو
خواب اپنے بخت کا نہیں مُردے کا خواب ہے

فصلِ بہار آ کے خزاں بار ہا ہوئی
انگور میں ہنوز ہمارے شراب ہے

دیوانگانِ عشق گرفتارِ حال ہیں
تُو اے پری! اسیرِ طلسمِ حجاب ہے

تصویرِ یار دیکھی ہے فردائے حشر کو
اتنا تو ہم کہیں گے دہن لاجواب ہے

شاعر پسند حسنِ پُر آشوب ہے ترا
دیوانِ روزگار کا تُو انتخاب ہے

دوزخ بہشت ہو اگر اس کو نہ چھوڑیے
ہر پاٹ اپنے دامنِ تر کا سحاب ہے

بہلایئے شراب سے دل کو کوئی گھڑی
لہرا رہا ہے سبزہ، رواں جوئے آب ہے

دریا میں ایک روز نہانے گیا تھا یار
اُس دن سے اب تک آنکھوں میں جانِ حباب ہے

چندے میں پاک صحبت طاہر سے ہوں نجس
سرکہ نمک سے چار گھڑی میں شراب ہے

بیداری سے زیادہ تڑپتا ہوں خواب میں
آسودگی میں برق کا یاں اضطراب ہے

خاطر نہ اس کی توڑیے جامِ شراب سے
مہمان چند روزہ یہ عہدِ شباب ہے

عاقل پہ آشکار ہو صورت سے حالِ دل
چینِ جبینِ مرد دلیلِ عتاب ہے

ساقی ملے گا باغ میں، دیکھا ہے خواب میں
جنت ہے، دستِ حور میں جامِ شراب ہے

ڈورا کھینچا ہے کون سے قاتل کی تیغ پر
گردن میں کچھ رگوں کو بہت پیچ و تاب ہے

نکلتے نہیں ہیں سامنے سے اشک ایک دم
آتش ہمارا تشنۂ دیدار آب ہے

تنگ دنیا کی خرابی میں ہوں نازک خُو سے
دردِ سر ہونے لگا فاختہ کی کُو کُو سے

ماہِ نو دیکھ کے دیکھا کیے ہم صورتِ یار
ہر مہینے میں ہوا عید کا چاند ابرو سے

سیرِ گلشن میں ہوا یار برابر جو کھڑا
مصرعِ سرو کیا بیت قدِ دل جُو سے

شمع بے دُود ہے یہ، آئینہ بے زنگ ہے وہ
کم نہیں خوبی میں کچھ ساق صنم زانو سے

حسنِ کافر کو کیا ہم نے مطیع الاسلام
بوسۂ خال لیا، جو یہ لیا ہندو سے

غسل کر لے یہیں، دریا میں نہانے کو نہ جا
مچھلیاں لپٹیں گی اے یار! ترے بازو سے

لبِ جاں بخش سے ہے چشمِ فسوں گر کا سوال
زندہ اعجاز سے ہووے جو مرے جادو سے

جس قدر ہووے دراز، اس کو صنم ہونے دے
سنبلِ باغ کو بڑھ چلنے نہ دے گیسو سے

نہیں معلوم اُن آنکھوں کا ارادہ کیا ہے / کچھ اشارے میں تو مژگاں نے کہا ابرو سے
زخمِ خنداں ہے بعینہٖ گلِ خنداں ہر ایک / بوئے خوں آتی ہے اس باغ میں آبِ جو سے
صورتِ جامِ سبو ہجر کی شب گھبرا کر / خُمِ گردوں کو میں توڑوں گا دمِ یاہو سے
سونگھ کر منہ کو ترے سونگھا تو بدتر نکلی / دہنِ غنچہ کی بو گندہ بغل کی بو سے
دیکھ کر چشمِ سیہ کو ترے کہتے ہیں عرب / شترِ مست کو اندیشہ ہے اس آہو سے
حور بن کر مرے پاس آئیو اے عزرائیل! / مرد ہوں عشق میں رکھتا ہوں زنِ خوش رو سے
رحم کر واسطے اللہ کے، خاموش آتش!
پردۂ گوش جلے نالۂ آتش خو سے

شہرۂ آفاق مجھ سا کون سا دیوانہ ہے / ہند میں مَیں ہوں پرستاں میں مرا افسانہ ہے
صید گاہِ مرغِ دل رُخسارۂ جانانہ ہے / دامِ زلفِ عنبریں ہے خالِ مشکیں دانہ ہے
حسن سے رتبہ ہے اپنے عشقِ کامل کا بلند / آستانے پر پری ہے، بام پر دیوانہ ہے
اس میں رہتا ہے صفائے روئے جاناں کا خیال / دل نہیں پہلو میں اپنے آئینے کا خانہ ہے
بیچتا ہوں دل کو، جو محبوب چاہے مول لے / بوسہ قیمت ہے، توجہ کی نظر بیعانہ ہے
پھوٹیں وہ آنکھیں نگاہِ بد سے جو دیکھیں تجھے / آتشیں رخسار مجمر، خال کالا دانہ ہے
روز و شب اُس شمع رو کو بھیجتا ہوں خطِ شوق / نامہ بر دن کو کبوتر، رات کو پروانہ ہے
خارِ خارِ دل غنیمت جانتا ہوں عشق میں / زلفِ دودِ آہ کی آراستگی کا شانہ ہے
شرح لکھا چاہیے اُس کی بیاضِ صبح پر / مطلعِ خورشید بیتِ ابروئے جانانہ ہے
حالتِ آئینہ رکھتا ہے صفا سے دل مرا / آشنا سے آشنا، بیگانے سے بیگانہ ہے
قتل سے مجھ سخت جاں کے منکر اے قاتل! نہ ہو / حجتِ قاطع تری تلوار کا دندانہ ہے
واسطے ہر شے کے دنیا میں مقرر ہے محل / شہر میں جب تک ہے مجنوں گنجِ بے ویرانہ ہے
باغِ عالم میں نہیں اُس شوخ سا کوئی حسیں / گل ہے اپنا یار، یوسفؑ سبزۂ بیگانہ ہے
اب نہیں اے یار، جوبن کو ترے بیمِ زوال / خطِ مشکیں حسن کی جاگیر کا پروانہ ہے
حال ہے جس کا اسی کے واسطے ہے خوشنما / نقص ہے تلوار کا، وصف اژدہ کا دندانہ ہے
یار کھینچے تیغ تیرے قتل کرنے کے لیے
سر جھکا آتش یہ جائے سجدۂ شکرانہ ہے

سائل نجات کا ہوں خدائے کریم سے / رحمت بزرگ تر ہے گناہِ عظیم سے

آئی تھی کس کے سنبلِ عنبر شمیم سے / گلزار ہو رہے ہیں مُعطّر نسیم سے

حاضر ہے مُرغِ دل جو دُرِ گوشِ یار لے / اک مشتِ پر عزیز نہیں اس یتیم سے

تُو شاہِ حسن، حُسن ہے تیرا فقیر یار / خطِ سیہ اشارہ سمجھ لے گلیم سے

دل دادہ جب سے ہوں کہ مری جان آپ کی / آواز آشنا نہ تھی گوشِ کلیم سے

بیدار بخت ہوں مَیں وہ مومن، مرے لیے / آتی ہے حور خواب میں باغِ نعیم سے

یاد آئی بوئے پیرہنِ یار باغ میں / پہروں ہی بد دماغ رہے ہم شمیم سے

اللہ سے بھی اُن کو زیادہ غرور ہے / دو باتیں کیں نہ ایک صنم نے کلیم سے

کشمیر و طوس لے گئے آ کر دو شالہ باف / کچھ پشم جھڑ گئے تھے ہمارے گلیم سے

کھلوایا بیڑا عیسیٰ سے، کھائے جو اُس نے پان / بندھوائی مہندی پاؤں میں دستِ کلیم سے

خوش ہو نہ دیکھ کر قد و زلف و دہانِ یار / حرفِ الم عیاں ہے الف لام میم سے

پھندے میں عشق کے نہیں جن کا کہ دل پھنسا / نکلے گی جان اُن کی عذابِ الیم سے

صیاد نے بہار سے پہلے کیا حلال / شرمندہ بوئے گل کے نہیں ہم نسیم سے

مر جاؤں پر نہ رازِ محبت ہو آشکار / واقف نہ ہو کوئی مرے حالِ سقیم سے

اب کی بہار میں تو مجھے پار اُتار دے / کشتیِ مے دو آبۂ اُمید و بیم سے

سائل ہیں آسماں سے لبِ ناں کے کون لوگ / گل کھانے کو تو آپ ہی نہ لیں ہم لئیم سے

دنیا کو تھوکتے نہیں دیوانگانِ عشق / یاں طوق ہے طلا سے، نہ زنجیر سیم سے

اک مشتِ استخواں پہ نہ اتنا غرور کر / قبریں بھری ہوئی ہیں عظامِ رمیم سے

بے قدر ہے سخن جو سخنداں کوئی نہیں / قدر اِس گہر کی ہوتی ہے گوشِ فہیم سے

اللہ رے ہوائے لبِ بامِ قصرِ یار / اُڑ کر کبوتر آگے گیا ہے نسیم سے

داغِ غمِ فراق کی کرتا ہوں دل میں سیر / آنکھوں کو سینکتا ہوں مَیں نارِ جحیم سے

طفلی سے سامنا غم و اندوہ کا رہا / کیا کیا نہ حادثے ہوئے ہم پر قدیم سے

پھر گل شگفتہ ہوتے ہیں لیتے ہی انتقام / غافل نہیں بہار خزاں سے غنیم سے

شیشہ پری سے جان لے آتش بھرا ہوا
خالی سمجھ نہ خُم کو فلاطوں حکیم سے

آج تک واقف نہیں کوئی ہمارے حال سے
سامنا آئینے کا ہے عالمِ تمثال سے

پھنس کے کاس میں مرغِ جاں چھوٹا رگوں کے جال سے
اپنی دل جمعی ہوئی زلفِ پریشاں حال سے

سامنے سینہ نہ کرائے دل! دہن کے خال سے
رُکتی ہے بندوق کی گولی کہیں بھی ڈھال سے

نشۂ مے کا اثر رکھتا ہے مُطرب کا سماع
کچھ خبر رہتی نہیں صوفی کو اپنے حال سے

مطلب دیدار کے خاطر جو پھنکواؤں اُسے
منہ چھپاویں سعد شکلیں قرعۂ رمال سے

جب چنا ہے روئے نورانی پر افشاں یار نے
لڑ گیا ہے مطلعِ خورشید بیت المال سے

افشرے کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف
قند کی ڈلیاں وہ لب ہیں، خالِ لب میں فالسے

باندھتا ہوں شعر میں مضموں طلائی رنگ کے
مرغِ زریں صید کرتا ہوں میں اپنے جال سے

کارِ اعلیٰ گو کرے ادنیٰ وہی بے قدر ہے
دیکھ لے قیمت میں کم ہوتا ہے کمبل شال سے

ہاتھ مَل کر رہ گیا صیاد، اڑا کر لے گئی
دانۂ قسمت ہوا میرے پروں کی جال سے

ناتواں ہر چند میں مجنوں ہوں، آنے دے بہار
اے جنوں! زنجیر توڑوں کا ترے اقبال سے

کس کو ہے فکرِ کفن پروانہ مردہ ہوں میں
شمع کشتہ ہوں، مجھے کیا کام ہے غسال سے

ماہ رُو کیونکر کہیں تجھ کو نہ ہم صاحب کمال
سینۂ عارف نہ ہوگا صاف تیرے گال سے

دل اُلجھتا ہے نہایت، دیکھیے ہوتا ہے کیا
زلفِ پیچاں کچھ اشارہ کر رہی ہے خال سے

حشر تک ہووے نہ وہ زلفِ سیہ آتش سفید
دوں جسے تشبیہ اپنے نامۂ اعمال سے

خرامِ ناز میں شمشیرِ برّاں کی روانی ہے
تری پاپوش اے تُرکِ ستمگر سیف خانی ہے

ہر ایک شعر اپنا معشوقوں کو پیغامِ زبانی ہے
دلیل اُس پر ہمارے قلم کا کافِ بیانی ہے

وہ ایسا کونسا معشوق ہے جس کو نہیں چاہا
یہ فردیں جتنی ہیں اُن پر ہماری بھی نشانی ہے

ترقی حُسن کی کھنچنے نہیں دیتی شبیہ اُس کی
اِدھر بہزاد عاجز ہے، اُدھر مجبور مانی ہے

خوش الحاں نالہ کش مجھ سا نہ ہوگا باغِ عالم میں
غذا میری دو نانِ گندمِ داؤد خانی ہے

ہوا سے اُڑ کے پہنچا اُس پری پیکر کے کوچے میں
وہ مجنوں ہوں جسے تختِ سلیمانؑ ناتوانی ہے

مٹا لے چار دن مجھ کو گیا جس روز جنت میں
کہاں پیری، وہی میں ہوں، وہی میری جوانی ہے

تری فرقت میں اے یوسفؑ! خلیلِ وقت ہیں عاشق
غم و اندوہ و حرماں کی ہمیشہ میہمانی ہے

خیال آیا ہے ہم کو ان دنوں مضمونِ گیسو کا
زمینِ شعر پر نازل بلائے آسمانی ہے

جسے دیکھا وہ ماہِ چاردہ مطلوب ہے اُس کو
عزیزِ دل نہ ہو کیونکر عجب یوسفؑ جوانی ہے

فقیرِ مست ہوں نعمت مری حاضر ہے جو چاہے
کبابِ نرگسی ہے یا شرابِ ارغوانی ہے

نہیں بننے کا سودا ہم سے اس بازارِ عالم میں
عداوت کی ہے ارزانی، محبت کی گرانی ہے

نگہ پھرتی ہے اُس کی یک بیک دیوانہ ہووے گا
پری سمجھا ہے دل جس کو بلائے ناگہانی ہے

ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے اپنا اے آتش
موافق ہے فلک، اُس ماہ رُو کی مہربانی ہے

بہارِ باغ ایمائے شرابِ ارغوانی ہے
تسلسل خواہ دورِ جام دورِ آسمانی ہے

سخن گوئی کا باعث عشقِ چشمِ یارِ جانی ہے
فسوں پرداز کی دولت سے یہ معجز بیانی ہے

تجھے اے ترک! زیبا دعویٔ صاحب قرانی ہے
مگر خنجر ترا لوحِ طلسمِ زندگانی ہے

کرے ہاتھوں کو کس کا طوق، کس کا بوسے عاشق
دہن وہمی، کمر اُس آفتِ جاں کی گمانی ہے

فراقِ یار میں رو رو کے آنکھوں کو میں کھوؤں گا
میں ہوں یعقوبؑ کا ہم چشم وہ یوسفؑ کا ثانی ہے

حذر کر میرے گریے سے، نہ رلوا آسماں مجھ کو
یہ وہ سیلاب ہے جو خانہ ویرانی کا بانی ہے

نصیحت کرتے کرتے اُس نے دیوانہ کیا مجھ کو
الٰہی پندِ ناصح ہے کہ پریوں کی کہانی ہے

وہ مکھڑا دیکھ کر بھولیں گے اپنی کشت کو دہقاں
خط اُس محبوب کے رخسارِ گندم گوں کا دھانی ہے

نہ آوارہ ہو دل میں ڈھونڈھ اُسے جویا ہے تو جس کا
یہی ویرانہ ہے جس میں کہ وہ گنج نہانی ہے

غنیمت سمجھیں اس وحشی کو کم سن دام میں اپنے
بھڑک کر جب اُڑا عنقا یہ طاؤسِ جوانی ہے

جو روتا ہوں تو کہتا ہے وہ ہنس کر مجھ سے اے آتش!
یہ کیا آزار ہے تجھ کو، نہیں پچتا جو پانی ہے

کہاں تک آنکھوں میں سرخی شراب خواری سے
سفید مُو ہوئے، باز آ سیاہ کاری سے

رہا نہ پیچھے میں گریاں تری سواری سے
بلند گرد نہ ہونے دی اشک باری سے

سبوئے غنچہ ہے معمور و جامِ گل لبریز
ٹپک رہی ہے شراب ابرِ نو بہاری سے

جمال دوست ہوں، یاسیں کے بدلے وقتِ اخیر
سنوں گا سورۂ یوسف زبانِ قاری سے

وصالِ شاہدِ مقصود ہو گا بعدِ فنا
وہ دلربا جو ملے گا تو جاں نثاری سے

مروڑوں کان کو مجنوں کے مثلِ طفلِ شریر
عجب نہیں یہ جنوں کی بزرگواری سے

دکھاؤ ہنس کے صفا اک دن اپنے دنداں کی
گہر ہیں آگ کے مول اپنی آبداری سے

رقیب کو تری تلوار نیم جاں رکھے
جو سرفراز ہو عاشق تو زخمِ کاری سے

ہماری خاک سمجھنا اُسے ہمارے بعد
رہے جو گرد نہ پیچھے تری سواری سے

ترے دہان و کمر کا ہے ذکر وردِ زباں
ہمیشہ بحث ہے فرضی و اعتباری سے

چمک رہی ہے بہت، برق سے ملاؤں گا
ترے دوپٹے کی اُتری ہوئی کناری سے

ثنائے حسن میں اُس کو خدا رواں رکھے
قلم نے پاؤں نکالے ہیں سرگزاری سے

سوالِ بوسہ پہ انکار جبر کرتا ہے
کنارہ کرتے ہو کیا امرِ اختیاری سے

ہرا بھرا رہے اے باغباں ترا گلزار
دماغ تازہ رہیں نکہتِ بہاری سے

اکیلا پا کے نہیں چھوڑنے کا میں تم کو
خیال خام ہے یہ میری پختہ کاری سے

حقیقتِ چمنِ دہر سے جو ہو آگاہ
گلِ مراد چنے تو ہر اک کیاری سے

وصالِ یار نہیں تو وصالِ گور ہی ہو
جو کچھ کہ ہونا ہو آتش ہو آہ و زاری سے

عاشقِ جانباز کی گردن پہ احساں کیجیے
طشت و سر موجود ہے، شمشیر عریاں کیجیے

وصل کی شب عیش و عشرت کا یہ ساماں کیجیے
خود بھی عریاں ہوجیے، اُس کو بھی عریاں کیجیے

اپنی صورت دیکھنے سے ایک دن فرصت نہیں
توڑ کر آئینہ اُس خودبیں کو حیراں کیجیے

کم نہیں خورشید سے داغِ جنوں میں روشنی
صبح ہو جائے جو چاک اپنا گریباں کیجیے

راہ میں اکثر کنواں بنواتے ہیں لوگ، آپ بھی
فی سبیل اللہ یہ چاہِ زنخداں کیجیے

منہ تو دکھلا دے خدا تیرا گلوں سے پیشتر
چاک اے صبحِ بہار! اپنا گریباں کیجیے

یہ سیہ دل صورتِ گیسو نہ ہوگا رُو سفید
خال وہ ہندو نہیں جس کو مسلماں کیجیے

چھپ کے آؤ، آشکارا میرے گھر آئے تو کیا
اجر ہے اس کا بڑا جو خیر پنہاں کیجیے

بلبلِ شیدا کے نالوں سے یہ آتی ہے صدا
فصلِ گل ہے، چار دن سیرِ گلستاں کیجیے

اپنے کہنے سے اک آبِ تلخ تم پیتے نہیں
آگ میں ہم کودتے ہیں، آپ اگر ہاں کیجیے

یہ صدا ہے اُس کے مشتاقوں کے گھر میں سے بلند
دیدۂ و دل فرشِ پا انداز مہماں کیجیے

تم بھی دیوانے ہو آتش سنتے ہیں آئی بہار
بیٹھے کیا کرتے ہو، چاک اُٹھ کر گریباں کیجیے

پیری سے مرا نوعِ دگر حال ہوا ہے
وہ قد جو الف سا تھا سو اب دال ہوا ہے

مقبول مرے قول سے قوال ہوا ہے
صوفی کو غزل سُن کے مری حال ہوا ہے

اُن ہاتھوں کی دولت سے کڑا مال ہوا ہے
اُن پاؤں سے آوازۂ خلخال ہوا ہے

المنۃ للہ بصد منت اُدھر سے
انکار تھا جس شے کا اب اقبال ہوا ہے

جب قتل کیا ہے کسی عاشق کو تو واں سے
جلاد کی تلوار کو رومال ہوا ہے

کس عقدے کو اُس زلف کے کھولا نہیں ہم نے
سلجھایا ہے اُلجھا ہوا جو بال ہوا ہے

کس سر کو نہیں یار کی رفتار کا سودا
معراج وہ سمجھا ہے جو پامال ہوا ہے

بیمار رہا برسوں ہی عیسیٰ نفسوں میں
پوچھا نہ کسی نے کبھی کیا حال ہوا ہے

جاوے جو صبا کوچۂ گیسو میں تو کہنا
سودائیوں کا تیرے برا حال ہوا ہے

بو مشک کی اس میں ہے تو عنبر کی پھر اس میں
کچھ زلف سے بھی طرّہ ترا خال ہوا ہے

لڑواتا ہے آپس میں خریداروں کو تیرے
دلال ترا قضیے کا دلال ہوا ہے

دیدار ہے عام اہلِ نظر سے ہے اگر تو
دولت تیری خاطر سے جو کچھ مال ہوا ہے

اے ابرِ کرم تو ہی سفید اُس کو کرے گا
برسوں میں سیہ نامۂ اعمال ہوا ہے

جو ناز کرے یار، سزاوار ہے آتش
خوش رو و خوش اسلوب و خوش اقبال ہوا ہے

یہ کماں داری ہے دم تک عاشقِ دل گیر کے
اس نشانے کو اُڑا کر پر کٹیں گے تیر کے

وا ہوئے ہرگز نہ وہ عقدے جو تھے تقدیر کے
سعی کرتے کرتے ناخن گھس گئے تدبیر کے

بسکہ قامت سے ہے آثارِ قیامت آشکار
فتنے ہوتے ہیں مرید اُس کافرِ بے پیر کے

آشنا معنی سے بھی ہو جائیں گے صورت پرست
دیکھ لیں گے تجھ کو بھی عاشق تری تصویر کے

ایک میرے قتل سے دو لطف اے قاتل ہوئے
زنگِ دل تیرا مٹا، جوہر کھلے شمشیر کے

کھائے ہیں دو چار گل خوبانِ گل رخسار پر
داغ چند اس عشق میں تھے اپنی بھی تقدیر کے

بوسہ لیتا ہوں تو کہتا ہے طمانچہ مار کر
دیجیے تعزیر اُسے قابل جو ہو تعزیر کے

گفتگو تو نے غرورِ حسن سے اے بت نہ کی
رہ گئے مشتاق گوش اپنے تری تقریر کے

شہرہ ہے گیسوئے پیچاں کا تمھارے ہر طرف
غلغلے ہیں چار سُو اس بے صدا زنجیر کے

جنبشِ مژگاں سے وہ خونخوار کھیلے گا شکار
صید کے تودے لگادیں گے یہ دستے تیر کے

اپنے دیوانوں کو صحرائے عدم پہنچا دیا
چیر ڈالا ارّہ سے مانگ اُس پری نے چیر کے

آج کل سے حسن پر وہ نازنیں نازاں نہیں
عاشقوں پر پیس کر توڑے ہیں دنداں شیر کے

قہقہے کرتے ہیں مثلِ کبک نالوں کے عوض
عاشقِ شیدا تمھاری چاند سی تصویر کے

دولتِ دنیا سے آتش ہم نے جب پھیری نگاہ
جس طرف آنکھ اُٹھ گئی تودے لگے اکسیر کے

تیغِ ابرو نہیں دی جانے کی اے دل! خالی
سہل اس چوٹ کا کھا لینا ہے، مشکل خالی

جو ستم چاہے سو کر یار نہ بد پر ہوں گے
کینے سے رکھتے ہیں سینہ ترے مائل خالی

تیغ خوش آب سے تیری ہے توقع قاتل سر سے پا تک نہ رہے زخم سے بسمل خالی
کیا تپنچے کی طرح ہم سے بھرا پھرتا ہے کھینچ کر تیغ، دل اپنا کرے قاتل خالی
دیتی ہے شانِ کریمی اُسے حسبِ دل خواہ تیری درگاہ سے پھرتا نہیں سائل خالی
قصرِ تن سا بھی نہ دلچسپ کوئی گھر ہو گا روحِ مہماں اُسے کرتی ہے بہ مشکل خالی
دلِ بے درد سے رہتی ہے گراں خاطر روح بوجھ ناقے کو ہے لیلیٰ سے یہ محمل خالی
برق وش یار کی فرقت میں ہوے جب بیتاب ابرِ باراں کی طرح رو کے کیا دل خالی
ہفت اقلیم ترا بھرتی ہے دم اے محبوب! حُسن کے عشق سے کوئی نہیں منزل خالی
فرقتِ یار میں جامے سے ہوں باہر رہتا بے خودی رکھتی ہے مجھ سے مری منزل خالی
تیرے دم سے ہیں بجا میرے حواسِ خمسہ اٹھ گیا تُو تو ہوئی یار یہ محفل خالی
جنگ جُو یار کا اصلاح پر آیا نہ مزاج عقل سے ہوتا ہے فی الواقع جاہل خالی
کعبے میں ہم کو ہے مقصود بہارِ فردوس دل میں جا ہے تری، اے حور شمائل! خالی
دل کے بہلانے کو گلزار میں آ نکلا ہوں سر کو میرے نہ کرے شورِ عنادل خالی
روشنی حسن کی رکھے گی زمانہ روشن شمع رُویوں سے رہے گی نہ یہ محفل خالی
جام میں قطرۂ مے لب نہ مرے چھوڑیں گے مالِ کشتی کو کیا کرتے ہیں ساحل خالی

قیس و فرہاد سے دل دادہ ہزاروں آتش
تیشہ بیکار رہے گا، نہ سلاسل خالی

لے کے تیشہ کھینچنا رنج و محن کیا چاہیے جانِ شیریں کھونے کو اے کوہ کن کیا چاہیے
تیرے کشتوں کو نہیں پروائے رختِ آخرت ہو نہ ممکن تو شہیدوں کو کفن کیا چاہیے
میں گدائے حسن ہوں، صورت ہی میری ہے سوال بہرِ عرضِ مدعا مجھ کو دہن کیا چاہیے
دل جلا لیتا کہیں تیری طرح سے اے چراغ! ہم کو بالینِ مزار و انجمن کیا چاہیے
جامۂ عریانی ہی سے تنگ میں دیوانہ ہوں پھاڑ کھانے کو بدن کے پیرہن کیا چاہیے
تُو تو سودائی نہیں میری طرح سے زلف کی دخل روغن میں تجھے اے یاسمن! کیا چاہیے
جان کھونے کے لیے لازم نہیں ہے عشقِ حسن ڈوب مرنے کے لیے چاہِ ذقن کیا چاہیے
تیوری رہتی ہے چڑھی، کچھ تم کو سودا تو نہیں اس جبیں پر گیسوؤں کی سی شکن کیا چاہیے
یہ اشارہ کرتی ہے غربت میں شمشیرِ قضا کہہ لے کہنا ہو جو کچھ اے بے وطن کیا چاہیے
فکرِ رنگیں ہم کو دکھلاتی ہے گھر بیٹھے بہار مثلِ بلبل نالہ کرنے کو چمن کیا چاہیے

چومتا ہوں پاؤں اے آتش تو کہتا ہے وہ بُت
مردِ مومن کو طریقِ برہمن کیا چاہیے

صورت سے اُس کی بہتر صورت نہیں ہے کوئی
دیدارِ یار سی بھی دولت نہیں ہے کوئی

آنکھوں کو کھول اگر تو دیدار کا ہے بھوکا
چودہ طبق سے باہر نعمت نہیں ہے کوئی

ثابت ترے دہن کو کیا منطقی کریں گے
ایسی دلیل، ایسی حجت نہیں ہے کوئی

یہ کیا سمجھ کے کڑوے ہوتے ہیں آپ ہم سے
پی جائے گا کسی کو شربت نہیں ہے کوئی

مَیں نے کہا ''کبھی تو تشریف لاؤ'' بولے
''معذور رکھیے وقتِ فرصت نہیں ہے کوئی''

ہم کیا کہیں کسی سے کیا ہے طریق اپنا
مذہب نہیں ہے کوئی، ملت نہیں ہے کوئی

دل لے کے جان کے بھی سائل جو ہو تو حاضر
حاضر جو کچھ ہے اُس میں حجت نہیں ہے کوئی

ہم شاعروں کا حلقہ، حلقہ ہے عارفوں کا
نا آشنائے معنی صورت نہیں ہے کوئی

دیوانوں سے ہے اپنے یہ قول اُس پری کا
خاکی و آتشی سے نسبت نہیں ہے کوئی

مُودہ ہزار عالم دم بھر رہا ہے تیرا
تجھ کو نہ چاہے، ایسی خلقت نہیں ہے کوئی

نازاں نہ حسن پر ہو، مہماں ہے چار دن کا
بے اعتبار اس سے دولت نہیں ہے کوئی

جاں سے عزیز دل کو رکھتا ہوں، آدمی ہوں
کیونکر کہوں میں، مجھ کو حسرت نہیں ہے کوئی

یوں بد کہا کرو تم، یوں مال کچھ نہ سمجھو
ہم سا بھی خیر خواہِ دولت نہیں ہے کوئی

میں پانچ وقت سجدہ کرتا ہوں اُس صنم کو
مجھ کو بھی ایسی ویسی خدمت نہیں ہے کوئی

ما و شما، کہ و مہ کرتا ہے ذکر تیرا
اس داستاں سے خالی صحبت نہیں ہے کوئی

شہرِ بتاں ہے آتش اللہ کو کرو یاد
کس کو پکارتے ہو حضرت! نہیں ہے کوئی

بازارِ دہر میں تری منزل کہاں نہ تھی
یوسفؑ نہ جس میں ہو، کوئی ایسی دکاں نہ تھی

زردی نے میرے رنگ کی مجھ کو رُلا دیا
ہنسوائے جو کسی کو یہ وہ زعفراں نہ تھی

ظاہر سے خوب رُویوں کو باطن خلاف تھا
شیریں لبوں کی طرح سے اُن کی زباں نہ تھی

منزل ہی دور ہے جو یہ پہنچے نہیں ہنوز
دم لینے والی راہ میں عمرِ رواں نہ تھی

دکھلائی سیر آنکھوں کو بامِ مراد کی
ایسی کوئی کمند، کوئی نردباں نہ تھی

قوسِ قزح سے ہم نے بھی تشبیہ دی اُسے
چلّہ نہ ہونے سے جو وہ ابرو کماں نہ تھی

آگاہ جذبِ عشقِ زلیخا سے تھا نہ حسن
یوسفؑ کو چاہ میں خبرِ کارواں نہ تھی

یاد آ گئی جو سلکِ گہر تیرے گوش کی
سوہانِ روح تھی مجھے، شب کہکشاں نہ تھی کس

رہ جانا پیچھے جسم کا جاں سے عجب نہیں
کس کارواں کی گرد پسِ کارواں نہ تھی

نافہمی کی دلیل ہے یہ سجدے سے اِبا
ابلیس کو حقیقتِ آدمؑ عیاں نہ تھی

عاشق کے سر کے ساتھ ہے سودائے کوئے یار
مومن نہ تھا وہ جس کو ہوائے جناں نہ تھی

بانگِ جرس سے آگے ہر ایک قدم رہا
گرد اپنے کارواں کی پسِ کارواں نہ تھی

افسوس کیا جوانیِ رفتہ کا کیجیے
وہ کون سی بہار تھی جس کو خزاں نہ تھی

نالوں سے ایک دن نہ کیے گرم گوشِ یار
آتش! مگر تمھارے دہن میں زباں نہ تھی

لختِ جگر کو کیونکر مژگانِ تر سنبھالے
یہ شاخ وہ نہیں جو بارِ ثمر سنبھالے

دیوانہ ہو کے کوئی پھاڑا کرے گریباں
ممکن نہیں کہ دامن وہ بے خبر سنبھالے

تلوار کھینچ کر وہ خونخوار ہے یہ کہتا
منہ پر جو کھاتے ڈرتا ہو وہ سپر سنبھالے

اللہ ناتواں کو دے طاقتِ توانا
ہیکل کا بوجھ اُن کی نازک کمر سنبھالے

تکیے میں آدمی کو لازم کفن ہے رکھنا
بیٹھا رہے مسافر رختِ سفر سنبھالے

اک دم نہ نبھنے دیتی اُن کی تنک مزاجی
رکھتے نہ ہم طبیعت اپنی اگر سنبھالے

وہ نخلِ خشک ہوں میں، اس گلشنِ جہاں میں
پھرتا ہے باغباں بھی مجھ پر تبر سنبھالے

اُڑتے ہیں ہوش تیرے دیکھے سے اے پری رو!
ممکن نہیں حواسِ خمسہ بشر سنبھالے

حرفِ دُرشت سن کر ہیں کان دل دُکھاتے
اپنی زباں ذرا وہ رشکِ قمر سنبھالے

ہر گام پر خوشی سے وارفتگی سی ہو گی
لانا جوابِ خط کو اے نامہ بر! سنبھالے

یا پھر کُتر پر اس کے صیاد یا چھری پھیر
بے بال و پر نے تیرے پھر بال و پر سنبھالے

دردِ فراق آتش تڑپا رہا ہے ہم کو
اک ہاتھ دل سنبھالے ہے اک جگر سنبھالے

وہ کاوشِ خارِ غم کی ہم اے گلبدن! بھولے
تری بشاش صورت دیکھ کر رنج و محن بھولے

جسے دیکھا وہ دیوانہ ہے تیرا باغِ عالم میں
برنگِ بوئے گُل پھرتے ہیں مردم پیرہن بھولے

جو دے تکلیف تیرا مصحفِ رُو اُس کو ایماں کی
کہے اللہ اکبر، بُت پرستی برہمن بھولے

لحد میں جا کے بزمِ دہر پھر ہم کو نہ یاد آئی
مزہ پایا یہ خلوت میں کہ لطفِ انجمن بھولے

فسوں پرداز ہے شیریں زبانی میرے دلبر کی
کلامِ اللہ حافظ سن کے اُس بُت کا سخن بھولے

مزہ رکھتا نہیں ہے ضد بہم کا مجتمع ہونا — الٰہی تلخ گوئی سن کے وہ شیریں دہن بھولے
نہیں اسبابِ دنیا کون سا کشتیِ گردوں میں — وہ اُٹھ کے پہنے خلعت کو جو بیٹھا ہو کفن بھولے
کسی دن تو ہوائے یوسفؑ لقا! تازہ دماغ اپنا — کبھی تو راہ اِدھر بھی تیری بوئے پیرہن بھولے
اُٹھا پردہ دوئی کا شاہدِ توحید کے رخ سے — ہوئے ہم دم بخود ایسے کہ ساری ما و من بھولے
گلِ رخسارۂ صیاد سے جو عشق کامل ہو — قفس میں آشیانے کی ہوا مرغِ چمن بھولے
تماشا گوشہ گیری دشتِ غربت کا دکھاتی ہے — وطن میں ہوں مگر مجھ کو ہیں یارانِ وطن بھولے

یہی اللہ سے آتش دعا ہے، مردِ مومن ہوں
حواسِ خمسہ زائل ہوں جو یادِ پنجتن بھولے

دل لگی اپنی ترے ذکر سے کس رات نہ تھی — صبح تک شام سے یاہُو کے سوا بات نہ تھی
التجا تجھ سے کب اے قبلۂ حاجات نہ تھی — تیری درگاہ میں کس روز مناجات نہ تھی
اب ملاقات ہوئی ہے تو ملاقات رہے — نہ ملاقات تھی جب تک کہ ملاقات نہ تھی
غنچۂ گل کو نہ ہنستا تھا تری صورت سے — چھوٹے سے منہ کی سزاوار بڑی بات نہ تھی
ابتدا سے تجھے موجود سمجھتا تھا میں — میری تیری کبھی پردے کی ملاقات نہ تھی
اے نسیمِ سحری! بہرِ اسیرانِ قفس — تحفہ تر نکہتِ گل سے کوئی سوغات نہ تھی
جن دنوں عشق رُلاتا تھا ہمیں صورتِ ابر — کون سی فصل تھی وہ جس میں کہ برسات نہ تھی
کیا کہوں اُس کے جو مجھ پر کرمِ پنہاں تھے — ظاہری یار سے ہر چند ملاقات نہ تھی
جس نے باندھے ہوئے گاتی تجھے دیکھا، پھڑکا — دلربا شے تھی مری جان تری گات نہ تھی
خاک میں مل گئے اے شاہ سوار! اہلِ نیاز — نازِ معشوق تھا، توسن کی ترے لات نہ تھی
لب کے بوسے کا ہے انکار تعجب اے یار! — پھیرے سائل سے جو منہ کو وہ تری ذات نہ تھی
کمرِ یار تھی ازبسکہ نہایت نازک — سوجھتی بندشِ مضموں کی کوئی گھات نہ تھی
جن دنوں ہوتا تھا تو گھر میں ہمارے شب باش — روزِ روشن سے کم اے مہر لقا! رات نہ تھی

بے شعوروں نے نہ سمجھا تو نہ سمجھا آتش
نکتہ سنجوں کو لطیفہ تھی، تری بات نہ تھی

ناز و ادا ہے تجھ سے دلآرام کے لیے — یہ جامہ قطع ہے ترے اندام کے لیے
وحشت میں کعبے کو جو گیا کوئے یار سے — لتّے جنوں نے جامۂ احرام کے لیے
عاشق ہوں ہر طرح سے گنہگار ہوں ترا — حاجت قصور کی نہیں الزام کے لیے

کیا کیا جچے گی، کیسا رٹے گی زباں اُسے
تسبیح ہم نے لی ہے ترے نام کے لیے

طفلی کے گریے کا یہ کھلا حال وقتِ مرگ
آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لیے

اچھا نہیں مقابلہ اُس چشمِ شوخ سے
اک دن شکستِ فاش ہے بادام کے لیے

وہ نونہال آئے الٰہی! مراد پر
حاصل ہو پختگی ثمرِ خام کے لیے

ہر چند اپنا نامۂ عصیاں سیاہ ہو
ہو گا سفید، صبح ہے ہر شام کے لیے

نامرد اور مرد میں اتنا ہی فرق ہے
وہ نان کے لیے مَرے، یہ نام کے لیے

مثلِ کمند اپنی رسائی ہوئی اگر
اے قصرِ یار! بوسے لبِ بام کے لیے

کیا چشمِ مست یار سے تشبیہ دیجیے
کیفیتِ نگاہ نہیں جام کے لیے

رکھوا کے زلفیں یار نے لاکھوں ہیں مرغِ دل
پیدا کیے ہیں، کشمکشِ دام کے لیے

دل میں سوائے یار جگہ ہو نہ غیر کی
خلوت سرائے خاص نہیں عام کے لیے

جاتا ہے بہرِ غسل جو اے خوش دماغ تو
جلتا ہے عود گرمیِ حمام کے لیے

آتش جو چاہے پائے توکل کی چکھی
جو صبح کو ملے، نہ ہے شام کے لیے

قفلِ درِ قبول نہ کھولے، بعید ہے
انساں کے پاس دستِ دعا کی کلید ہے

دل کو خیالِ یار نہ ہووے، بعید ہے
جوہر ہے آئینے میں تو صورت کی دید ہے

نقصانِ جاں بھی راہِ خدا میں مفید ہے
مارا گیا جہاد میں جو، وہ شہید ہے

انگشتری کا حلقہ ہے وہ نافِ حلقہ دار
خالِ سیاہ اُس میں نگینِ حدید ہے

فقر و فنا کی بو نہیں کس کے دماغ میں
عطار اپنے شہر کا ہر اک فرید ہے

پاسِ ادب سے چلتے ہیں عشاق سر کے بل
کوچے میں اُس کے نقشِ قدم ناپدید ہے

آیا تو ہے وہ شوخ تماشائے باغ کو
مہندی ملے چمن میں تو لالہ شہید ہے

یہ ترک کردہ ہے شہِ مرداں سے پیر کی
دنیا کا خواستگار جو ہے زن مرید ہے

افطاری جامِ مے، سحری ساغرِ شراب
مجھ رند کو شبِ رمضاں روزِ عید ہے

کس کس ستارے نے شبِ ہجراں دکھائی آنکھ
پیرِ فلک کا لاکھوں ہی فتنہ مرید ہے

گل چاک چاک کر رہے ہیں اپنے پیرہن
شاید قبائے یار کی قطع و برید ہے

صانع ہے وہ، یہ صورتیں ہیں اُس کی صنعتیں
اللہ ہے قدیم، یہ عالم جدید ہے

ہم کو بھی قیدِ غم سے چھڑاؤ، گلے لگو
زندانی چھوٹتے ہیں تصدق میں عید ہے

لگ چل نہ گل رخوں سے نسیمِ چمن کی طرح — بوئے حسینؑ ان میں تو خوئے یزید ہے
اے بُت اسیرِ عشق نہ کر زاہدوں کو تو — قیدِ نماز ہی انھیں قیدِ شدید ہے

تحسیں سمجھ اُسے جو یہ نفریں کرے تجھے
انصاف ان قریبوں سے آتشؔ بعید ہے

ہر چشم کو دیدار ترا مدِّنظر ہے — جو گوش ہے مقصود اُسے تیری خبر ہے
اُس خال، اُس ابرو کی، ہمیں خوب خبر ہے — یہ گوئے سعادت ہے، چوگانِ ظفر ہے
مُو ہی رگِ گل ہے کہ وہ باریک کمر ہے — میں ہیچمداں ہوں، مجھے کیا اس کی خبر ہے
بیکار بنائے نہیں آنکھوں کے پیالے — دیدار کا سائل ہو جو یارائے نظر ہے
قالب کی طرح روح دکھائی نہیں دیتی — پنہاں یہ مسافر ہے، عیاں گردِ سفر ہے
گردش ہے اشارے سے ترے ہفت فلک کو — چشمک زنی انجم کی تجھے مدِّنظر ہے
سونگھے جو اُسے سانپ کے سونگھے کا ہو عالم — اُس زلف کی بُو میں سمِ افعی کا اثر ہے
دیدِ کمرِ یار کی مشتاق ہیں آنکھیں — ہستی میں تماشائے عدم مدِّنظر ہے
یہ صدمے اُٹھائے ہیں جدائی میں کسی کی — دو قطرۂ خوں ہیں، نہ تو دل ہے نہ جگر ہے
شبنم کو رُلا کر وہ ہنساتا ہے گلوں کو — خورشید سے بھی گرم مرا رشکِ قمر ہے
آفت ہے کوئی ذکر فقیرانہ ہمارا — اک نعرۂ ہُو میں دو جہاں زیر و زبر ہے
کھول آنکھ کو، اُٹھ خواب سے، بیدار ہو غافل — حاضر لیے آئینۂ خورشید سحر ہے

کس گل کے ہوا خواہوں میں ہے آتشِ مسکیں
کس نور کے تکّے کے لیے خاک بسر ہے

آسماں! مر کے تو، راحت ہو کہیں تھوڑی سی — پاؤں پھیلانے کو ہاتھ آئے زمیں تھوڑی سی
خود بخود کچھ دلِ شیدا کو ہے اندوہ و ملال — کس جبیں کے لیے درکار ہے چیں تھوڑی سی
مجھ کو حیرت ہے حسینوں سے بچی ہے کیونکر — بادشاہوں کے لیے چینِ جبیں تھوڑی سی
نعمتِ فقر ہے موجود، جسے رغبت ہو — آبِ شیریں میں ہے نانِ نمکیں تھوڑی سی
کون سا گل نہیں گلزارِ جہاں میں مغرور — کس کے چہرے میں ہے یاں چینِ جبیں تھوڑی سی
میہمانوں میں ہیں اس خوانِ فلک کے ہم بھی — اپنی قسمت کی بھی ہے نانِ جویں تھوڑی سی
ہرگز اُن دانتوں سے کرتا نہ صفا کا دعویٰ — آبرو تیری ہے اے دُرِّ ثمیں تھوڑی سی
عفو ہو جائیں گے، ہر چند کہ لاکھوں ہوں گناہ — یہ عطا ہے تری رحمت کے قریں تھوڑی سی

چار دن اپنے محبّوں سے محبت کرتے
لذّتِ عشق بھی چکھتے یہ حسیں تھوڑی سی

اے جنوں! تنگ نہ ہو، وسعتِ کونین کو دیکھ
یہیں تھوڑی سی جگہ ہے، نہ وہیں تھوڑی سی

چند پریاں بھی کروں مثلِ سلیماںؑ تسخیر
یہ قلم رو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی

میہماں ہوں میں، جگہ دیں مجھے، تکلیف کریں
اُس کے اصحابِ یسار اور یمیں تھوڑی سی

گوش زد ہو وہ کہ جو وہم و گماں میں بھی نہ ہو
سنیں اپنی بھی جو اربابِ یقیں تھوڑی سی

توبہ کرنی ہے گناہوں سے تو کر لے غافل
ورنہ فرصت ہے دمِ باز پسیں تھوڑی سی

مدّت العمر ہے اک چشم زدن کا وقفہ
کرلیں ہُو حق یہ خرابات نشیں تھوڑی سی

فکرِ رنگیں سے لگا اس میں بھی اِک باغ آتشؔ
رُبعِ مسکوں سے الگ ہے یہ زمیں تھوڑی سی

موت کو سمجھے رہیں گبر و مسلماں آئی
روح قالب میں ہے دو روز کو مہماں آئی

بوئے یوسفؑ سے ہوا تازہ دماغِ یعقوبؑ
للہ الحمد، صبا مصر سے کنعاں آئی

ہم سے دیوانے بھی ہوویں گے پری کے سائل
اِس طرف سے جو سواریِ سلیماں آئی

آئینے نے رُخِ انور پہ اجارا باندھا
شانے کے حصّے میں وہ زلفِ پریشاں آئی

یہ صفا تن میں کہاں، کتمِ عدم سے باہر
جسم کی طرح تری روح ہے عریاں آئی

ڈھونڈیں اپنے لیے معشوق کوئی گرما گرم
فکر پہلو کی کریں، فصلِ زمستاں آئی

گلشنِ دہر بھی ہے کوئی سرائے ماتم
شبنم اِس باغ میں جب آئی تو گریاں آئی

جو گنہ وصل میں سرزد ہوئے تھے، عفو ہوئے
فارغ البال ہوا میں، تپِ ہجراں آئی

خط کا آغاز ہوا اُس رُخِ نورانی پر
چل بسی صبحِ وطن، شامِ غریباں آئی

سرِ شوریدہ کو اُس زلف کا سودا نہیں خوب
اس بلا میں جو پھنسا شامتِ انساں آئی

عشقِ بُلبُل میں اثر ہے تو قفس میں آتشؔ
بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستاں آئی

بادباں کا کام کرتی ہے گھٹا برسات کی
کشتیِ مے سے موافق ہے ہوا برسات کی

جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی
ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی

سبزۂ مینا کا عالم دیدنی ہے آج کل
مے کدے کو دوڑی جاتی ہے گھٹا برسات کی

دیدۂ تر سے ہمارے ہو گیا ہے سامنا
آبرو ہم چشم سے رکھ لے خدا برسات کی

پنجۂ مرجاں بنیں گے تیرے ہاتھ اے بحرِ حسن!
بے کیے شوخی نہیں رہتی حنا برسات کی

روتے روتے عاشقِ شیدا ہزاروں مر گئے
مانگی اُس دہقاں پسر نے جو دعا برسات کی

اُڑ کے ٹپکا دے گی مجھ مخمور کے منہ میں شراب
پَر لگا دے گی بطِ مے کو ہوا برسات کی

غسل کر کے تجھ کو بھی لازم ہے تبدیلِ لباس
چاندنی نکھری ہے خوب اے مہ لقا برسات کی

ابر میں بے نشّے کے اک دم رہا جاتا نہیں
دخترِ رز ہے ہماری آشنا برسات کی

حسرتِ ساقی میں روتا ہوں جو میں دل کھول کر
گرمیوں میں جلنے لگتی ہے ہوا برسات کی

غم بہت کھلوا نہ مجھ گریاں کو تُو اے ہجرِ یار
خوفِ بدہضمی کا رکھتی ہے غذا برسات کی

مے نہ دینا مجھ کو بیدردی ہے اب تو ساقیا!
ابتدا جاڑے کی ہے، اور انتہا برسات کی

ساتھ دے گی کیا مرا رونے میں ساون کی جھڑی
سوزشِ دل سے نہیں گرمی سوا برسات کی

پی کے مے دستار لالہ کی اُچھالا چاہیے
دیکھتا تھا راہ وہ گلگوں قبا برسات کی

کیفِ مے کا ابرِ باراں میں ہوا دل کو جو ذوق
ہم نے بے ساقی کے رو رو کر جدا برسات کی

روتے روتے مر گیا اک برق وش کی یاد میں
قسمتِ آتشؔ میں لکھی تھی قضا برسات کی

غم نہیں ثابت قدم کو، گو جہاں گردش میں ہے
قطب کو جنبش نہیں ہے، آسماں گردش میں ہے

حیف ہے بے نشّہ اس مے خانے میں انساں رہے
روز و شب جامِ مہ و خورشیدیاں گردش میں ہے

تیغِ ابرو جس قدر چاہے برش پیدا کرے
چشمِ فتّاں یار کی مثلِ فساں گردش میں ہے

پار اُترے کیا سلامت بحرِ الفت سے کوئی
سیکڑوں گرداب اس کے درمیاں گردش میں ہے

گرد پھرنے کا ترے سودا ہوا ہے ہم کو یار
ہر گھڑی، ہر وقت، ہر دم، ہر زماں گردش میں ہے

دائرے میں عشق کے جس نے کہ مارا ہے قدم
صفحۂ ہستی میں وہ پرکار ساں گردش میں ہے

خال و چشمِ یار کی تعریف ہو سکتی نہیں
تمکنت میں یہ زمیں وہ آسماں گردش میں ہے

جستجو میں تیری انجم کی طرح اے ماہِ حُسن
ذرہ ذرہ ہو کے خاکِ عاشقاں گردش میں ہے

گنبدِ گردوں سے نکلو جس طرح سے ہو سکے
ڈر ہے گر پڑنے کا آتشؔ یہ مکاں گردش میں ہے

ماسوا تیرے نہیں رہنے کا کچھ "یا باقی"
جو ہے فانی ہے، تری ذات ہے اِلا باقی

نوجوانی کی ہے پیری میں تمنا باقی
موسمِ گل کے گئے پر بھی ہے سودا باقی

دل کو اک سرو سے قد کی ہے تمنا باقی
روح کو ہے ہوسِ عالمِ بالا باقی

دیکھ لیں ہے جو قیامت کا تماشا باقی
ہو چکے وہ بھی جو ہے صحبتِ فردا باقی

تنگ غنچے سے دہن گو کہ ہے اُس گُل رُو کا
پھر بھی ہے بوسۂ عاشق کے لیے جا باقی

رقص کرتے ہیں جو بسمل تو یہ کہتا ہے وہ تُرک
مجلس آخر ہوئی، لیکن ہے تماشا باقی

جان پر بن گئی دم گننے لگا میں شبِ ہجر
گنتے گنتے نہ رہا جب کوئی تارا باقی

ساقیا! گردشِ ساغر میں تامّل کیا ہے
خُم و خُم خانہ ہے باقی، مے و مینا باقی

میری تعظیم نے مجلس سے نکال مجھ کو
اُٹھتے اُٹھتے نہ رہی بیٹھنے کی جا باقی

عشق کی شرط ادا کرتے ہیں انشاء اللہ
کوئی دن ہے یہ محبت کا تقاضا باقی

آخرِ کار ہے میلے سے جہاں کے چلنا
سیر کرتا نہ رہے کوئی تماشا باقی

کون وارفتہ ترے گیسوئے پیچاں کا نہیں
کس کو سودا نہیں، یہ سلسلہ ہے تا باقی

فرقتِ یار میں مردہ سا پڑا رہتا ہوں
رُوح قالب میں نہیں، جسم ہے تنہا باقی

ٹھوکریں مار کے مُردوں کو ہے زندہ کرتا
میرے یوسفؑ سے ہے اعجازِ مسیحا باقی

یار سے کہیو یہ پیغام زبانی قاصد!
کچھ نہیں یاد، تری یاد ہے اِلّا باقی

دہنِ یار کا مضموں بھی کوئی باندھوں میں
مردِ شاعر ہوں نہ رہ جائے معمّا باقی

گرمیاں ہیں جو یہی آہِ شرر افشاں کی
نہیں رہنے کا مرے یار کا پردا باقی

فرقتِ یار مُبدّل نہیں وصلت سے ہوئی
تیرتا ہے درِ مقصود کا دریا باقی

قامتِ یار سے کس دن ہو قیامت دیکھیں
آج تک تو ہے وہی وعدۂ فردا باقی

صبح تک وصل کی شب شام سے عریاں رکھا
نہ رہا پیرہنِ یار کا پردا باقی

مشکلِ نزع بھی آسان ہوئی جاتی ہے
نفسِ چند کی ہے روح کو ایذا باقی

اس قدر سینہ غمِ عشق سے معمور ہوا
نہ رہی دل میں مرے حسرتِ دنیا باقی

دہنِ یار کی شہرت سے دہن ثابت ہے
نام باقی نہیں گویا کہ ہے عنقا باقی

ٹکڑے ایسا مجھے قاتل نے کیا ہے کہ نہیں
گور میں جا کے جدا ہونے کو اعضا باقی

دل میں لالہ ہی کے داغ رُخِ بے داغ نہیں
سرِ سنبل میں بھی ہے زلف کا سودا باقی

محفل آباد ہے، منہ پر سے نقاب اُلٹو تو
دیکھ لے گا کوئی ہووے گا جو بینا باقی

چھیڑ بیٹھے جو ہم افسانۂ گیسوئے دراز
صبح ہو گی، نہ رہے گی شبِ یلدا باقی

یہی آتش کی دعا ہے یہی آتش کی دعا
مغفرت ہووے مری بعدِ فنا "یا باقی"

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تُو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقامِ ہُو نظر آیا مجھے

حسن سے قدرت خدا کی رو نظر آیا مجھے
ریشِ پیغمبرؐ ترا گیسو نظر آیا مجھے

روئے گل بے چشم و بے ابرو نظر آیا مجھے
سرو باغی قد بے بازو نظر آیا مجھے

رازِ دل افشا نہ ہووے دل کیے رکھتا ہوں میں
پھوڑ ڈالی آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے

تیری تلوار اُس کو سمجھا میں اُسے مشتاقِ زخم
جب کوئی تشنہ کنارِ جُو نظر آیا مجھے

دیدۂ یعقوبؑ سے دیکھا جو عالم کی طرف
یوسفؑ اُس بازار میں ہر سُو نظر آیا مجھے

دل شبِ فرقت رہا سینے میں مردے کی طرح
گور کا پہلو مرا پہلو نظر آیا مجھے

کہکشاں نے ساقِ پائے یار کا دھوکا دیا
ماہِ تاباں کاسۂ زانو نظر آیا مجھے

سامنا رُخ کا ترے گل نے کیا تھا ایک روز
رنگ اُڑا ایسا گلِ شبّو نظر آیا مجھے

خالِ مشکیں کا ترے جس رات افسانہ سنا
سو گیا تو خواب میں ہندو نظر آیا مجھے

اے فراق اب عہدِ وصلِ دائمی ہے یار سے
بے طرح سمجھا اگر پھر تو نظر آیا مجھے

جب ترے روئے عتاب آلودہ سے تشبیہ دی
لالہ آتش رنگ و آتش خو نظر آیا مجھے

تو وہ گل ہے باغِ عالم میں کہ جس کے واسطے
گل بھی آوارہ بہ رنگِ بو نظر آیا مجھے

حاجیوں کی طرح سے میں نے کیا اُس کا طواف
کعبہ سنتا تھا جسے وہ کُو نظر آیا مجھے

تو نے دکھلائی صنم برقع کی جالی سے جو آنکھ
دام میں صیّاد کے آہو نظر آیا مجھے

وصل کی شب کر دیا بیکار رعبِ حسن نے
دست و پا ہر ایک بے قابو نظر آیا مجھے

مہرہ کی وصلی سے تھا وہ صفحۂ رُو بسکہ صاف
قطعۂ اُستاد چار ابرو نظر آیا مجھے

چشمِ بے سرمہ جو دکھلائی کسی محبوب نے
سامری ناواقفِ جادو نظر آیا مجھے

تو نے زلفوں کو اُلجھ پڑنے سے منڈوایا جو یار
شاہ بازِ حسن بے بازو نظر آیا مجھے

تیرے دنداں میں دکھائی دی جو مِسّی کی لکیر
اے پری دُرِّ نجف میں مُو نظر آیا مجھے

مشک و عنبر کی بھی بُو چین و شکن کے ساتھ ہے
طرّہ سنبل پہ بھی وہ گیسو نظر آیا مجھے

بے تصنّع اُس کو سمجھا میں نے تیغِ بے نیام
جب ترا بے آستیں بازو نظر آیا مجھے

یاد کر اُس گل کو آتشؔ! مثلِ شبنم رو دیا
پیرہن کوئی اگر خوش بُو نظر آیا مجھے

کیا کہیے کہ ہے سوزشِ داغِ جگر ایسی
سنتا نہیں وہ غیرتِ شمس و قمر ایسی

کوشش کا ارادہ ہے رہِ مہر و وفا میں
پھر کھل نہ سکے باندھیے کس کر کمر ایسی

پیری میں جلاتا ہے جو دل داغِ جوانی
پنبہ سے بھی گرمی نہیں کرتا شرر ایسی

نازک ہے رگِ گل سے، فزوں بال سے باریک ۔۔۔ دیکھی نہیں، البتہ سنی ہے کمر ایسی
مشکل ہوئی ہے روح کو قالب سے جدائی ۔۔۔ چھٹتی ہی نہیں لپٹی ہے گردِ سفر ایسی
کیونکر نہ مرا شعر ہو عالم کے زباں زد ۔۔۔ مشہور بہت ہوتی ہے جھوٹی خبر ایسی
بیدار ہوں منہ دیکھ کے اُس مہر لقا کا ۔۔۔ وہ شام کہاں ہے، جو دکھائے سحر ایسی
ہووے نہ صفا میں ترے دانتوں کے مقابل ۔۔۔ پیدا تو کرے قدر و شرافت گُہر ایسی
کیا سینہ اُس ابرو سے بچا سکتا ہے دل کو ۔۔۔ شمشیرِ قضا روکے نہیں ہے سپر ایسی
زلفوں کی طرح تا کمرِ یار پہنچتی ۔۔۔ اے کاش رسا ہوتی یہ عقلِ بشر ایسی
محبوب نہیں باغِ جہاں میں کوئی تجھ سا ۔۔۔ بو رکھتا ہے گل ایسی، نہ لذّت ثمر ایسی
تیرے لب لعلیں کا نہیں سہل پرکھنا ۔۔۔ وہ جوہری ہے جس کو خدا دے نظر ایسی

دنیا کی نہ ہے فکر، نہ عقبیٰ کا تردد
آتش کہو آئی ہے طبیعت کدھر ایسی

جاں بخش لب کا یار کے رتبہ بلند ہے ۔۔۔ فی الواقعی مقامِ مسیحا بلند ہے
مدہوش کیفِ مے سے وہ بالا بلند ہے ۔۔۔ اقبال ساغر و خُم و مینا بلند ہے
بالائے بامِ خانہ وہ بالا بلند ہے ۔۔۔ گردن وہ ہے جو بہرِ تماشا بلند ہے
پروانے جلتے ہیں تری برقِ جمال سے ۔۔۔ شمعوں کے سر سے آتشِ سودا بلند
بے داغ ہونے سے رُخِ رنگینِ یار کے ۔۔۔ داغِ جگر سے لالہ کے شعلہ بلند
دو ساغرِ شراب ہیں دو چشمِ مستِ یار ۔۔۔ گردن مثالِ گردنِ مینا بلند
خالِ سیہ بناتا ہے رخسار پہ وہ ماہ ۔۔۔ کیا ان دنوں زُحل کا ستارا
طوفانِ نوحؑ ہے مرے اشکوں کے جوش سے ۔۔۔ مرغِ ہوا سے ماہیِ در
افضل نہ ہوگا بڑھ کے ترے قد سے سروِ باغ ۔۔۔ کعبے سے کیا شرف جو
باغِ جہاں میں فتنۂ محشر سے کم نہیں ۔۔۔ بالشت بھر زمیں سے جو
دل کا مرے بخار نکالا ہے آہ نے ۔۔۔ شعلہ ثریٰ سے تا
سبزے سے روئے یار کے ہے ابروؤں کو فوق ۔۔۔ فرماں کے خط سے منزل
بحرِ جہاں میں حالتِ مجنوں بنائیے ۔۔۔ ہر ایک حبابِ محمل
پوشاک ۔ خ پہنے ہیں وہ بام پہ کھڑے ۔۔۔ اپنی نظر میں طور سے

آتش یہ جان لے جو سرِ مُو سفید ہو
شب ہے اخیر، صبح کا تارا بلند ہے

مجھ سے مستی میں جو ہوں شیشہ و ساغر ٹکڑے
ساقیا! کیجیو میرے بھی برابر ٹکڑے

موسمِ گل ہے، جنوں خیز بہارِ گل ہے
اُڑتے پھرتے ہیں گریباں کے ہوا پر ٹکڑے

مستحق اِس کا ہُما بھی ہے، سگِ یار بھی ہے
استخوانوں کے مرے دو ہوں برابر ٹکڑے

مجھ گدا کو جو ہے گدڑی میں تکلف منظور
ہوتے ہیں اطلس و کمخواب و مشجر ٹکڑے

دلِ صد پارہ کو ڈھونڈھا ہے جو اُس کوچے میں
ہاتھ آئے ہیں مجھے شیشے کے اکثر ٹکڑے

نعمتِ فقر سے محظوظ ہوا ہوں ایسا
خشک کر کے انھیں کھاؤں جو ملیں تر ٹکڑے

تری تلوار کی بُرِش کا ہے شُہرہ قاتل
ہم بھی دیکھیں تو ہمیں کرتے ہو کیونکر ٹکڑے

آشنا صورتِ ہفتاد و دو ملت سے ہوں میں
آئینہ دل کا ہے پہلو میں بہتّر ٹکڑے

سنگِ در پر کسی محبوب کے دے پٹکوں گا
بد دماغی جو یہی ہے تو ہوا سر ٹکڑے

نعمتِ فقر میں بھی خو نہیں تنہا خوری
بانٹ کھاتا ہوں جو ہوتے ہیں میسّر ٹکڑے

نامۂ شوق کا عاشق کے ہے واں سے یہ جواب
پرزے خط ہوتا ہے، بازوئے کبوتر ٹکڑے

سرِ فرہاد کے تیشے سے یہ آتی ہے صدا
کھائے یہ چوٹ جو پتھر تو ہو پتھر ٹکڑے

جڑ دیے ہیں دہنِ یار میں دانتوں کی جگہ
دستِ قدرت نے یہ الماس کے کیونکر ٹکڑے

زخمِ کاری کا جو سائل ہوں کسی تُرک سے میں
یہ گدائی کا اثر ہو کہ ہو خنجر ٹکڑے

ستم و قہر و غضب ہے روشِ مستانہ
شیشۂ دل کو کرے گی تری ٹھوکر ٹکڑے

چند بوسوں سے بسر ہوتی ہے مجھ سائل کی
درگہِ حسن سے ہیں میرے مقرر ٹکڑے

نظر آئی مرے بدخو کو جو صورت ٹیڑھی
ساتھ آئینے کے ہووے گا سکندر ٹکڑے

اس کی چال جو گلشن میں چلا وہ خوش قد
دلِ عاشق کی طرح ہوں گے صنوبر ٹکڑے

در سلطاں کا گدا ہوں میں گدا اے آتش
نانِ نعمت کے کھلاتا ہے مقدر ٹکڑے

خوش خطوں پر جو طبیعت مری آئی ہوتی
مجھ سے وصلی کی طرح پھر نہ جدائی ہوتی

آنکھ آئینے سے تم نے جو لڑائی ہوتی
رات بھر میری طرح نیند نہ آئی ہوتی

تارِ سنبل کوئی کہتا ہے، رگِ گل کوئی
کمرِ یار جو ہوتی تو دکھائی ہوتی

عہد کرتے تو تری طرح نہ پھرتے اے یار!
اپنے دل سے نہ نکلتی جو سمائی ہوتی

خواب میں وہ قدِ دل کش جو نظر آ جاتا
جاگتا پھر نہ، قیامت بھی جو آئی ہوتی

کمرِ یار بھی آنکھوں کو دکھائی دے گی
ناف تک تو ہے نگاہوں کی رسائی ہوتی

صاحبِ ظرف جو ہوتا نہ ہمارے دل سا
دو جہاں میں نہ محبت کی سمائی ہوتی

چشمِ بلبل سے جو احباب نظارہ کرتے
بوئے گل پیرہنِ یار سے آئی ہوتی

میرے گریے کا فسانہ وہ پری رُو سنتا
گوشِ گل تک دُرِ شبنم کی رسائی ہوتی

ہم نے چوما دہنِ یار کو گستاخی سے
مانگتا بوسہ وہ جس سے کہ گدائی ہوتی

کلیاں آبِ گہر کی بھی جو خوش رو کرتے
تیرے دانتوں کی نہ دانتوں میں صفائی ہوتی

سہل چھٹنا نہیں اُس راحتِ جاں کا آتش
رُوح و قالب میں ہے مشکل سے جدائی ہوتی

تیغ میں جوہر کہاں وہ ابروئے خم دار کے
زخم دکھلائی نہیں دیتے ہیں اس تلوار کے

ڈال دیتا ہوں جو میں اُس کو گلے میں یار کے
بوئے یوسفؑ آنے لگتی ہے گلوں سے ہار کے

رہ گئے مشتاق طالب جلوۂ دیدار کے
مار ڈالا اُس پری پیکر نے جھرمٹ مار کے

حلقۂ چشمِ پری روزن ہیں قصرِ یار کے
جن چڑھے اُس پر جو ٹھہرے سایے میں دیوار کے

گوش افسانے سنے تو تجھ سے خوش رو یار کے
آنکھ دے اللہ تو قابل ترے دیدار کے

دن بسر ہوتا ہے یوں سودے میں کوئے یار کے
دھوپ سے اُٹھے تو بیٹھے سایے میں دیوار کے

فرشِ گل کو بھی قدم سے کیجیے اپنے سرفراز
گل بھی سبزے کی طرح پامال ہوں رفتار کے

لالہ ہی داغی غلام اُس گل سے چہرے کا نہیں
سرو بھی ہیں بندۂ آزاد قدِ یار کے

چھوڑ کر ہم نے امیری، کی فقیری اختیار
بوریے پر بیٹھے ہیں قالیں کو ٹھوکر مار کے

چشمِ وحدت بیں سے لازم ہے تماشائے چمن
خار و گل دونوں بغل پروردہ ہیں گلزار کے

کس طرف بھجوائے ہم کو دیکھیے سلطانِ عشق
کوہ و صحرا دو علاقے ہیں یہ اس سرکار کے

مرہمِ زنگار ہے زخمی کو خطِ سبزِ یار
خالِ لب حبِّ شفا ہے واسطے بیمار کے

دیکھ کر آئینہ کہتا ہے وہ آرائش پسند
طرّے کے قابل ہے سر، گردن ہے لائق ہار کے

بلبلوں کا نکہتِ گل سے معطر ہے دماغ
غنچے کیا چٹکے ہیں، شیشے ٹوٹے ہیں عطار کے

ہم کو در پردہ محبت، غائبانہ عشق ہے
لن ترانی اُن سے ہو، سائل جو ہوں دیدار کے

خواہ مروارید و گل کے، خواہ سیم و زر کے ہوں
طرّے جتنے ہیں وہ جویا ہیں تری دستار کے

کام ہے اللہ سے، عالم سے کچھ مطلب نہیں
مشتری یوسفؑ کے ہیں، خواہاں نہیں بازار کے

حسن کا نظارہ وہ نعمت نہیں جو دل بھرے
سیر ہونے کے نہیں بھوکے ترے دیدار کے

روئے رنگیں کا ترے سودا ہوا ہے باغ کو
لالہ و گل کی رگیں ہیں اور نشتر خار کے

واقعہ منصور کا سن کر کھلا ہم کو یہ راز / حق کہے سے آدمی ہوتا ہے قابل دار کے

کچھ جو غیرت ہے تو اے سفاک اک وار اور بھی / زخم او چھے ہنستے ہیں منہ پر تری تلوار کے

جو کوئی بیٹھا نہ اٹھا پھر وہ پشتے کی طرح / ڈھیر ہو کر رہ گیا نیچے تری دیوار کے

باغ میں پی ہے شراب اُس کج کلہ نے بارہا / چھیچھڑے اکثر کیے ہیں لالہ کی دستار کے

کعبۂ مقصود کا کس دن نہیں کرتا طواف

گرد پھرتا ہوں میں آتشؔ روز کوئے یار کے

نافہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لیے / ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لیے

نورِ تجلّی ہے ترے رخسار کے لیے / آنکھیں مری کلیم ہیں دیدار کے لیے

فدیے بہت اُس ابروئے خم دار کے لیے / چورنگ کی کمی نہیں تلوار کے لیے

قول اپنا ہے یہ سبحہ و زنار کے لیے / وہ پھندے ہیں یہ کافر و دیندار کے لیے

لطفِ چمن ہے بُلبُلِ گلزار کے لیے / کیفیتِ شراب ہے مے خوار کے لیے

سیری نہ ہو گی تشنۂ دیدار کے لیے / پانی نہیں چہ ذقنِ یار کے لیے

اُتنی ہی ہے نمود میرے یار کے لیے / شہرہ ہے جس قدر مرے اشعار کے لیے

دشتِ عدم سے آتے ہیں باغِ جہاں میں ہم / بے داغ لالہ و گل بے خار کے لیے

شمشاد اپنے طرّے کو بیچے تو لیجیے / اُس لالہ رو کی لٹپٹی دستار کے لیے

دو آنکھیں چہرے پر نہیں تیرے فقیر کے / دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لیے

سرمہ لگایا کیجیے آنکھوں میں مہرباں / اکسیر یہ سفوف ہے بیمار کے لیے

حلقے میں زلفِ یار کے موتی پروئیے / دنداں ضرور ہیں دہنِ مار کے لیے

گفت و شنید میں ہوں بسر دن بہار کے / گل کے لیے ہے گوش، زباں خار کے لیے

بے یار سر پٹکنے سے ہلتا ہے گھر مرا / رہتا ہے زلزلہ در و دیوار کے لیے

بیٹھا جو اُس کے سایے میں، دیوانہ ہو گیا / سایہ پری کا ہے تری دیوار کے لیے

بُلبُل ہی کو بہار کے جانے کا غم نہیں / ہر برگ ہاتھ ملتا ہے گلزار کے لیے

اے شاہِ حُسن زلف و رُخ و گوش چشم و لب / کیا کیا علاقے ہیں تری سرکار کے لیے

چال ابر کی چلا جو گلستاں میں جھوم کر / طاؤس نے قدم ترے رہوار کے لیے

آیا جو دیکھنے ترے حسن و جمال کو / پکڑا گیا وہ عشق کی بیگار کے لیے

حاجت نہیں بناؤ کی اے نازنیں! تجھے / زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے

بیمار تندرست ہو، دیکھے جو روئے یار
کیا چاشنی ہے شربتِ دیدار کے لیے

اُس بادشاہِ حسن کی منزل میں چاہیے
بالِ ہما کی پرچھتی دیوار کے لیے

سودائے زلفِ یار میں کافر ہوا ہوں میں
سنبل کے تار چاہییں زنّار کے لیے

زنجیر و طوق جو کہ ہے بازارِ دہر میں
سودا ہے اُس پری کے خریدار کے لیے

چونا بنیں گے بعدِ فنا اپنے استخواں
دولت سرائے یار کی دیوار کے لیے

معشوق کی زباں سے ہے دشنام دل پذیر
شیرینی زہر ہے تری گفتار کے لیے

جان سے عزیز تر ہے مرے دل کو داغِ عشق
مہتاب ہے لحد کی شبِ تار کے لیے

وہ مستِ خواب چشم ہے کوئی بلائے بد
کیا مرتبہ ہے فتنۂ بیدار کے لیے

خلوت سے انجمن کا کہاں یار کو دماغ
وہ جنسِ بے بہا نہیں بازار کے لیے

پہنا ہے جب سے تو نے شبِ ماہ میں اُسے
کیا کیا شگوفے پھولتے ہیں ہار کے لیے

چکرا ہوئے ہیں سوچ کے راہِ وفا میں پاؤں
پہیے لگایئے انھیں رفتار کے لیے

جو مشتری ہے بندہ ہے اُس خوش جمال کا
یوسفؑ بنے غلام خریدار کے لیے

سونے کے پتے ہوویں ہر اک گل کے کان میں
مقدور ہو جو بلبلِ گلزار کے لیے

گلہائے زخم سے ہوں شہادت طلب نہال
توفیقِ خیر ہو تری تلوار کے لیے

اندھیر ہے جو دم کی نہ اُس کے ہو روشنی
یوسفؑ مرا چراغ ہے بازار کے لیے

احساں جو ابتدا سے ہے آتش وہی ہے آج
کچھ انتہا نہیں کرمِ یار کے لیے

ٹھہرے نہ پھر، جو راہ میں تیرے نکل چلے
شل ہو گئے جو پاؤں تو ہم سر کے بل چلے

جوبن سے اپنے زیب دہ باغ ڈھل چلے
رنگ ان گلوں کے چار ہی دن میں بدل چلے

لے جائیں گے بہار کے خطِ شوق یار تک
قاصد سے کم نہیں ہیں جو آنسو نکل چلے

خط یادگار چھوڑ چلے گیسوانِ یار
یہ سانپ چلتے چلتے بلا زہر اُگل چلے

اژہ بنی پھبتی کہ کے انھیں کالیے ذرا
شمشاد سروِ قد سے تمھارے نکل چلے

ساقی معاف رکھ مجھے ساغر کشی سے تو
ہے کیا پیے وہ، دودھ جو پی کر اُگل چلے

درگاہِ یار سے یہ کرامت نہیں بعید
کھل جائیں پاؤں راہ میں اُس کے جو شل چلے

سر ہاتھ پر لیے ہیں گشتنی کھڑے
وہ تیغِ ناز آج چلے، خواہ کل چلے

جو کچھ عذاب زیرِ زمیں ہو عجب نہیں
ساتھ اپنے گور میں بھی ہمارے عمل چلے

کی ولولوں نے شوق کی تکلیفِ کوئے یار
لے کر مجھے بہشت میں حُسنِ عمل چلے

اتنی شکار گاہِ جہاں میں ہے آرزو
ہم سامنے ہوں اور تمھاری رَفَل چلے

اٹھتے ہی تیرے ہونے لگے منتشر حواس
دو کوہ تھے جو صبر و تحمل وہ ٹل چلے

ثابت ہوا جو کشتۂ دندانِ یار میں
ہنس آ کے قبر پر مری موتی اُگل چلے

بانکی ادا سے قتل اُنھوں نے کیا ہمیں
مہندی لگا کے پاؤں میں پنجوں کے بل چلے

دل بھر کے سیر کی نہ خراباتِ دہر کی
سیلاب کی طرح سے ہم آج آئے کل چلے

بے دام و دانہ چاہیے بُلبُل اسیر ہو
عطرِ گلاب باغ میں صیاد مل چلے

طُرفہ پری ہے کوئی نسیمِ بہار بھی
دیوانے اپنے جامے سے باہر نکل چلے

آنکھیں تمھاری پھر گئیں آئینہ دیکھ کر
آخر غرورِ حسن سے تیور بدل چلے

آسودہ سیر ہو کے ہوئے اپنی جان سے
خوانِ فلک سے ہم غم و غصہ نگل چلے

یاد آ گئے چمن میں وہ مہندی لگائے پاؤں
مہندی کے پیڑ دیکھ کے ہم ہاتھ مل چلے

آئے جو کیفِ مے میں وہ گلگشتِ باغ کو
غنچے سے ٹوپی لالے سے پگڑی بدل چلے

تڑپا جو میں فشارِ لحد کے عذاب سے
تھرّائی گور، قبر کے تختے نکل چلے

لِلّٰہ چلیے سایۂ دیوارِ یار میں
گرمی سے آفتاب کے آتش پگھل چلے

چہکارتے ہیں مرغ خوش الحاں نئے نئے
دکھلا رہا ہے رنگ گلستاں نئے نئے

کرتا ہے ناز وہ شہِ خوباں نئے نئے
آئین تازہ تازہ ہیں، فرماں نئے نئے

سودائے زلفِ یار میں یہ چاہتا ہے شوق
آنکھیں ہوں، اور خواب پریشاں نئے نئے

کیونکر چبا چبا کے نہ باتیں کرے وہ شوخ
نکلے ہیں منہ میں یار کے دنداں نئے نئے

پروانوں کے شریک ہوں چلتے ہیں قمریاں
روشن ہوئے ہیں سروِ چراغاں نئے نئے

بدتر ہے حال اُس چہِ غبغب کے شوق میں
دیتا ہے داغ سیبِ زنخداں نئے نئے

دریائے قہرِ یار جو آ جائے جوش میں
پیدا ہوں ہر تنور سے طوفاں نئے نئے

ویرانے شہر ہوں تری شمشیرِ ناز سے
آباد ہوویں گنجِ شہیداں نئے نئے

وہ زخمِ تیغِ عشق ہوں میں روزگار میں
منہ سے لگے ہیں جس کے نمکداں نئے نئے

اے تُرک جب سے منزلِ سودا ہے سر مرا
گیسو ترے ہوئے تھے پریشاں نئے نئے

گہ تیر بنتی ہے، کبھی خنجر، کبھی سناں
لاتی ہے سانگ یار کی مژگاں نئے نئے

ہوں کہنہ عاشقِ رخِ محبوب، آئیں گے
سوئم میں میرے حافظِ قرآں نئے نئے

رہتی ہے فکر تازہ مضامیں کی منتظر
اس گھر میں آنکلتے ہیں مہماں نئے نئے

رخسار خط نکالے گا اُس شاہِ حسن کا
پیدا کرے گا مور سلیماںؑ نئے نئے

قیدِ نقاب و قیدِ حیا و حجاب و شرم
یوسفؑ ہمارا رکھتا ہے زنداں نئے نئے

کیا باغِ کوئے یار ہے، سیر اس کی کیجیے
آتشؔ شگوفے پھولتے ہیں یاں نئے نئے

جوہر نہیں ہمارے ہیں صیاد پر کھلے
لے کر قفس کو اُڑ گئے، رکھا جو پر کھلے

شیشے شراب کے رہیں آٹھوں پہر کھلے
ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی ابرِ تر کھلے

کچھ تو ہمیں حقیقتِ شمس و قمر کھلے
کس کج کلہ کے عشق میں پھرتے ہیں سر کھلے

انصاف کو ہیں دیدۂ اہلِ نظر کھلے
پردہ اُٹھا کہ پردۂ شمس و قمر کھلے

رنگریز کی دکاں میں بھرے ہوں ہزار رنگ
طرّہ وہ ہے جو یار کی دستار پر کھلے

کیا چیز ہے عبارتِ رنگیں میں شرحِ شوق
خط کی طرح طبیعتِ بستہ اگر کھلے

جو چاہیں یار سے کہیں اغیار، غم نہیں
خواجہ کو ہیں غلام کے عیب و ہنر کھلے

حیواں پہ آدمی کو شرفِ نطق سے ہوا
شکرِ خدا کرے جو زبانِ بشر کھلے

یوسفؑ کی اک دُکاں میں نہ تو نے تلاش کی
بازار کون کون سے اے بے خبر کھلے

شیریں دہن سے تیرے تعجب ہے گفتگو
اعجاز ہے اگر گرہِ نیشکر کھلے

کٹ جائے وہ زباں نہ ہو جس سے دعائے خیر
پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقتِ سحر کھلے

کوتہ ہے اِس قدر مرے قد پر ردائے عیش
ڈھانکوں جو پاؤں کو تو یقیں ہے کہ سر کھلے

قاتل جزائے خیر ملے تیری تیغ کو
زخموں کے منہ کھلے نہیں، جنت کے در کھلے

فصلِ بہار آئی ہے، چلتا ہے دورِ جام
مُغ کی دکان، شام کھلے یا سحر کھلے

پاپوش ہم نے ماری ہے دستار و تاج پر
سودائے زلفِ یار میں رہتے ہیں سر کھلے

کیفِ شرابِ ناب کا انجام ہو بخیر
شلوار بندِ ساقیِ رشکِ قمر کھلے

ناخواندہ شرحِ شوق جلائے گئے خطوط
باندھے گئے وہ جو کہ مرے نامہ بر کھلے

چاہے صفا تو ساتھ طہارت کے ذکر کر
پرہیز کر تو تجھ کو دوا کا اثر کھلے

ہنس کر دکھائے دانت جو ہم کو تو کیا ہوا
لے لیجیے جو قیمتِ سلکِ گہر کھلے

کہتا ہوں رازِ عشق، مگر ساتھ شرط کے
کانوں ہی تک رہے، نہ زباں کو خبر کھلے

مشتاق بندشوں کے ہیں، خوبوں کو چاہیے
بندھوائیں شاعروں سے جو اُن کی لٹ کھلے

رکتی نہ اُس سے چوٹ، نہ چلتی یہ قاتلا
ہاتھوں سے تیرے جوہرِ تیغ و سپر کھلے

مطلب نہ سر نوشت کا سمجھا تو شکر کر
دیوانہ ہو جو حالِ قضا و قدر کھلے

چلنا پڑے گا یار کی خدمت میں سر کے بل
سمجھے ہو کیا جو بیٹھے ہو آتش کمر کھلے

نکہتِ گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے
خار سے یاد اُلجھ پڑنے کی خو آتی ہے

شرم تجھ کو بہت اے آئینہ رو! آتی ہے
میری صورت سے مگر عشق کی بو آتی ہے

صبح تک دیدۂ تر سے نہیں آنسو تھمتے
پانی کرنے کو شبِ ہجر لہو آتی ہے

موسمِ گل کی ہوا نے کیے ساقی بے کار
بط سے اُڑ کے لبِ مست کو چھو آتی ہے

فصلِ گل باقی ہے کرلوں گا گریباں پھر چاک
آنے دو سوزن اگر بہرِ رفو آتی ہے

پاک دامانیِ معشوق کا سودا ہے جنھیں
نیند اُن کو نہیں بے قیدِ وضو آتی ہے

کون سا نقشِ قدم چاند سی تصویر نہیں
اُس صنم کو روشِ خامۂ مو آتی ہے

ساز کی طرح رہا کرتے ہیں عاشق نالاں
چھیڑ طرفہ تجھے اے عربدہ جو آتی ہے

خونِ دل آنکھوں میں اس طرح سے بھر جاتا ہے
جام میں جیسے کہ صہبائے سبو آتی ہے

قد میں اُس حور کے طوبیٰ کا ہے سارا انداز
زلف سے سنبلِ فردوس کی بو آتی ہے

کمرِ یار کی قمری ہے مگر دیوانی
غیب سے پہنے ہوئے طوقِ گلو آتی ہے

دور پہنچا ہے کمال اُس کی صفا کا شہرہ
دیکھنے حور وہ آئینہ رو آتی ہے

کرمِ حق سے ہے گلزار تو کل سر سبز
کٹ کے دریا سے مرے باغ میں جو آتی ہے

خوش قماشی وہ نہیں جامۂ عریانی کی
اس میں کب نوبتِ پیوند و رفو آتی ہے

ہرجائی کا ذرا بھیس بدل لے اے موت!
قبض کرنے کو مری روح جو تو آتی ہے

مے سے کرتا نہیں لبریز اسے تو ساقی
قالب جام میں یہ روحِ سبو آتی ہے

سرو قد کا ترے سودا جو سنا ہے قمری
میرے سر مارنے کو طوقِ گلو آتی ہے

حلقۂ ناف سے یہ عقیدہ کھلا اے آتش
کمرِ یار کو بھی پیچشِ مو آتی ہے

تمام ہوا دیوان اوّل

خواجہ حیدر علی مخلص بہ آتش

دیوان دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاشقِ شیدا علی مرتضیٰؑ کا ہو گیا — دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا
قربِ حق حاصل ہے اُس کو، مردِ عارف ہے وہی — یا علیؑ پیرو جو تجھ سے پیشوا کا ہو گیا
ساختہ پرداختہ تیری ہے ساری کائنات — حکمِ حضرت سے وجود ارض و سما کا ہو گیا
وقتِ مشکل میں کہا جس وقت، یا مشکل کشا! — سہل چھٹکارا گرفتارِ بلا کا ہو گیا

کون تجھ سا ہے ولی اللہ اے مولا مرے
کعبہ پیدائش سے تیری گھر خدا کا ہو گیا

وہ رنگ سرخ ہے کیفِ شراب سے ہوتا — ظہور لعل کا ہے آفتاب سے ہوتا؟
غرورِ حسن نے نازاں کیا انھیں ورنہ — نیاز نامہ مشرف جواب سے ہوتا؟
نزاکتِ بدنِ نازنینِ یار نہ پوچھ — کمر میں درد رہا پیچ و تاب سے ہوتا
شراب تھوڑی سی پینا مناسب آپ کو ہے — ستم بہت ہے تمھارے حجاب سے ہوتا
ترے پسینے کا دھوکا ہی دے دیا کرتے — عرق عرق ہوں میں بوئے گلاب سے ہوتا
یہ کیسے نالے ہیں سودائے چشم میں اپنے — کوئی جو فتنہ ہو بیدار خواب سے ہوتا
نظارہ بازیٔ بحرِ جہاں ہے شغل اپنا — وہ ہم بھی کرتے ہیں جو ہے حباب سے ہوتا
تمھارے کشتۂ رخسار کی جو خاک اُڑتی — ہر ایک ذرہ بلند آفتاب سے ہوتا
دلِ برشتہ کو وہ تُرک یاد آتا ہے — جگر کباب ہے بوئے کباب سے ہوتا
چکور ہوتے ہیں رخسارِ یار کے صدقے — کمالِ ماہ ہے حسنِ شباب سے ہوتا
کھلا یہ روئے مخطط سے یار کے ہم کو — یہ مدعا نہیں حاصل کتاب سے ہوتا

قریب ہے کہ کرے آفتابِ حشر طلوع / کمال تنگ ہے یوسفؑ نقاب سے ہوتا
وہ گل عذار منڈاتا ہے خطِ نورس کو / چمن کا سبزہ ہے خارج حساب سے ہوتا
کمی محال ہے تیرے کرم میں اے محبوب! / کنارہ کش نہیں دریا حباب سے ہوتا
چھپاؤں پھاہے سے میں خاک داغِ سودا کو / درشت رُو نہیں یوسفؑ نقاب سے ہوتا
غبار بن کے لپٹتا میں دامنِ زیں سے / جدا جو ہاتھ تمھاری رکاب سے ہوتا
پھندایا یار کے گھر میں تو کیا کیا کم تھا / جو کچھ کہ ہمتِ عالی جناب سے ہوتا

شراب خواریِ رنداں سمجھ نہ سہل آتشؔ
شناوروں کا گزارا ہے آب سے ہوتا

ہزار طرح سے ثابت ہے وہ دہاں ہوتا / کلام کرتے ہم اُس سے جو رمز داں ہوتا
بتوں کے حسن سے ہے نورِ حق عیاں ہوتا / مجاز پر بھی حقیقت کا ہے گماں ہوتا
فغان و آہ سے ہے سوزِ دل عیاں ہوتا / دلیل آگ کے ہونے کی ہے دھواں ہوتا
بنے ہوئے ہیں یہ محبوب چار عنصر سے / حکیم تھا وہ جو ان کا مزاج داں ہوتا
یہی رہا ذقنِ یار دیکھ کر افسوس / اُچک کے گرتے ہم اُس میں اگر کنواں ہوتا
جواب رکھتا نہ گیسوئے یار کشتی میں / بلا کے پیچ یہ کرتا جو پہلواں ہوتا
یقیں ہے مردِ مسلماں بھی سجدہ کرتے اُسے / تراش کے بُت جو ترا سنگِ آستاں ہوتا
مہِ صیام میں نعمت جو کچھ ملے کم ہے / خدا کا بندۂ مومن ہے میہماں ہوتا
نہ پوچھ علمِ محبت سے کیا کھلا تجھ کو / یقیں ہوا وہ کہ جس کا نہ تھا گماں ہوتا
وہی ہے صدر نشیں بزمِ خاکساراں میں / صفِ نعال میں جس کا کہ ہے مکاں ہوتا
اُداس قالبِ خاکی میں روح رہتی ہے / مکاں سے تنگ ہے مشتاق لامکاں ہوتا
فراغ حال ہے دشوار خوش نواؤں کو / قفس سے تنگ ہے بُلبُل کا آشیاں ہوتا
ترے شہید کا دھوکا تھا دے چکا اے تُرک! / جو کربلائے معلیٰ میں اغواں ہوتا
ہنساتے یار کو ہم حالِ زار دکھلا کر / یہ رنگِ زرد تماشائے زعفراں ہوتا
زیادہ چشم سے لازم ہے روشنی دل میں / خیالِ یار ہے اس گھر میں میہماں ہوتا
گلوں سے نالۂ بُلبُل کی وجہ کیا پوچھوں / زباں کا درد نہیں گوش سے بیاں ہوتا
جو کرتی آتشِ سودائے زلفِ یار اُسے زرد / یقیں ہے مشکِ سیہ فام زعفراں ہوتا
یہ جوئے آب بھی نیرنگ اپنا دکھلاتی / محیطِ خوں تری شمشیر سے رواں ہوتا

لباسِ سرخ سے کرتا ہے یار خوں ریزی — حسینوں میں بھی ہے مریخ سا جواں ہوتا
کرایہ رہنے کو سودائے زلف میں لیتے — کوئی جو خانۂ زنجیر سا مکاں ہوتا،
خدا کے خوانِ کرم سے ہو سیر جو چاہے — نہ مُہر ہوتی ہے اُس پر، نہ ہے نشاں ہوتا
جو لکھتے ہم خمِ ابروئے یار کی توصیف — قلم جو تیر بھی ہوتا تو پھر کماں ہوتا؟
نیاز مند نہ ہوتا تو پوچھتا ہوں میں — یہ ناز آپ جو کرتے ہیں پھر کہاں ہوتا؟
دکھاتے ہیں رقمِ خال و مد ابرو کو — سرِ حساب ہے اُن سے سیاق داں ہوتا
گلوری پان کی کھا کر جو آپ ہنس پڑتے — شگفتہ گل کی طرح غنچۂ دہاں ہوتا
نگاہِ ناز تمھاری ہی رُخ جدھر کرتی — نشستِ تیر کے قابل ہے وہ مکاں ہوتا
صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھلنے سے آتی — روانہ نکہتِ گل کا ہے کارواں ہوتا
خوشا نصیب ہو افراط سے یہ جس دل میں — کمالِ ذوق سے ہے وصلِ جاوداں ہوتا
بلند پایہ کرے گی وہ زلف شانے کو — کمند سے بھی تو ہے کار نردباں ہوتا
تم اپنے چاند سے منہ کو نہ پھیرتے پیارے! — خلاف ہم سے جو ہوتا تو آسماں ہوتا
حقیقتِ دہنِ یار عقل سے یہ کھلی — اسی محل میں خموشی کا ہے مکاں ہوتا
بقدر حوصلہ جو چاہے لے داغِ جنوں — بہارِ گل میں یہ سودا نہیں گراں ہوتا
کہیں جگہ ترے مردود کو نہیں رہتی — ہر اک طرف سے ہے اُس پر کہاں کہاں ہوتا
نقاب اُلٹ کے وہ دیدارِ عام کرتے ہیں — قیامت آئی، اکٹھا ہے دو جہاں ہوتا
کوئی ہزار کہے کب کسی کی سنتا ہے — بہارِ گل میں ہے دیوانہ باغباں ہوتا
یہ ناگوارِ طبیعت ہے نعمتِ دنیا — نوالہ حلق میں اپنے ہے استخواں ہوتا

یقیں ہے آبلے پڑ پڑ کے پھوٹ بہتے تو
بیانِ حال جو آتش کا اے زباں ہوتا

کام رہنے کا نہیں بند اپنا — بندہ پرور ہے خداوند اپنا
اپنی قسمت کا ہو وہ بوسۂ لب — ہم کو چکھوائے مزہ قند اپنا
دیکھیے کرتے ہیں کب تک وہ ہمیں — امتحاں ہوتا ہے تا چند اپنا
اے پری رُو ہوں ترے دیوانے — دیکھیں سودا جو خردمند اپنا
کیا ملائے گا ذقن سے تیرے — زرد رُو سیب سمرقند اپنا
کیوں نہ یعقوبؑ کو یوسفؑ ہو عزیز — کس کو پیارا نہیں فرزند اپنا

سیر رکھتا ہے وہ گل ہنس ہنس کر
رزق ہے شہد، شکر خند اپنا

سر کو سودا ہے کسی کاکل کا
دل ہے زنجیر کا پابند اپنا

شجرِ قدس ہیں ہم عالم میں
اس چمن میں نہیں پیوند اپنا

تیغِ قاتل سے اُڑیں گے ٹکڑے
بند سے ہو گا جدا بند اپنا

ناصحا چپ، نہ بس اب بک بک کر
سر پھراتی ہے تری پند اپنا

دور بھاگیں گے نہ ہم آپ کی طرح
پاس تم کو نہ ہو ہر چند اپنا

سر ترا ہم کو ہے مصحف کی جگہ
ہے یہ ایماں، تری سوگند اپنا

دولتِ فقر سے رکھتا ہے غنی
ہم کو آتش دلِ خرسند اپنا

پامال کیجیے انھیں رفتارِ ناز کا
طاؤس و کبک رکھتے ہیں دعویٰ نیاز کا

لکھتا ہوں وصف اُن مژہائے دراز کا
لیتا قلم سے کام ہوں میں نیزہ باز کا

ساقی سمائے اُس میں ہزاروں خُمِ شراب
کشتی ہے کو ظرف خدا دے جہاز کا

اللہ رے صفائے بیانِ حدیثِ دوست
دم بند ہے فصاحتِ اہلِ حجاز کا

ہوتا ہے شعبدوں سے ترے آسماں سفید
اُڑتا ہے رنگ چہرۂ نیرنگ ساز کا

کیوں کر وہ نازنیں نہ کرے بے نیازیاں
اندازے سے بھی حوصلہ عالی ہے ناز کا

ظاہر ہے گرم جوشیِ پروانے کا اثر
روشن ہے حال شمع کے سوز و گداز کا

ساقی زلال و دُرد جو توفیق ہو سو دے
مستوں کو تیرے ہوش کہاں امتیاز کا

ہو جائے حسنِ معنیِ بے صورت آشکار
روئے حقیقت اُلٹے جو پردہ مجاز کا

آنکھیں ہیں ہجرِ یار میں لبریزِ اشکِ سرخ
سوزِ جگر کو شغل ہے دل کے گداز کا

ہر جمعے کو ظہور کا رہتا ہوں منتظر
مشتاق ہوں امام کے پیچھے نماز کا

ہجرانِ یار میں تنِ خاکی سے تنگ ہوں
ایذائے مرغ روح کو چنگل ہے باز کا

سودائے عشق میں نہ رہی شانِ خواجگی
محمود بندہ ہو گیا حسنِ ایاز کا

پتلوں سے خاک کے یہ گڑھے بھر چکیں کہیں
دھبا مٹے زمیں کے نشیب و فراز کا

ساحل سمجھتے ہیں تہِ دریائے عشق کو
طوفان ناخدا ہے ہمارے جہاز کا

حسن و جمالِ نور جو اسلام کا دکھائے
دیوانہ پری ہو مقید نماز کا

عمرِ خضر سے اُس کو زیادہ ہو زندگی
دھوون پیے جو یار کی زلفِ دراز کا

اللہ کے فقیر کا دل کیوں نہ ہو غنی
تکیہ ہے کیسے خسروِ مسکیں نواز کا

نیرنگِ حسن و عشق کی اللہ رے بہار
بے کار کوئی فعل نہیں کار ساز کا

عشقِ نہفتہ ہووے گا اشکوں سے آشکار
یہ طفل کھیل کھیلیں گے افشائے راز کا

بیمارِ عشق کے لیے ممکن نہیں شفا
پرہیز سے مقام ہے یہ احتراز کا

چپ کر کیا ہے قتل مجھے تیغِ یار نے
کشتہ ہے دل مرا شرفِ امتیاز کا

مجھ رند کو حلال ہے، گو مے حرام ہو
پیرِ مغاں کا حکم ہے اس میں جواز کا

آتش جگہ نہ دل میں ہوا و ہوس کو ہو
کم زہر سے اثر نہیں اس شہدِ آز کا

حسن سے دنیا میں دل کو عشق پیدا ہو گیا
آ کے اس بازار میں یوسف کا سودا ہو گیا

بوسہ لینے نے کیا ثابت دہانِ یار کو
جس کو نا پیدا سمجھتے تھے، وہ پیدا ہو گیا

موسمِ گل کی ہوا کرنے لگی نازِ پری
سکۂ بازارِ مجنوں کا داغِ سودا ہو گیا

ہوش اُڑائے صورتِ آبادِ جہاں کی دید نے
پتلیوں کو دیکھ کر محوِ تماشا ہو گیا

دل تصور کا ترے مسکن ہوا اے بحرِ حسن!
بند جذبِ عشق سے کوزے میں دریا ہو گیا

جلوہ فرمائی نئی صورت سے کی ہر رنگ میں
تُو نے جس جامے کو پہنا، تجھ کو زیبا ہو گیا

سچ ہے جو جیسا کرے، ویسا ہی آ جاتا ہے پیش
عشق کو بدنام کر کے حسن رسوا ہو گیا

اشک افشانی سے مجھ مجنوں کے ہیں اطفال محو
کھیلنا لڑکوں کا، لڑکوں کو تماشا ہو گیا

فی الحقیقت روشن آئینے کو کرتا ہے غبار
خاکساری سے ہمارا دل مصفا ہو گیا

تو جو آنکلا چمن کی سیر کو اے رشکِ حور!
گل ہوئے گلہائے جنت، سرو طوبیٰ ہو گیا

آنکھیں دکھلانے غزال آئے جو مجنوں کو ترے
ایک تختہ نرگسِ شہلا کا صحرا ہو گیا

آگ پر رکھوا کے جلواتا نہ تھا فرعون کو
پنج شاخے سے بھی روشن دستِ موسیٰ ہو گیا

خم کدے میں عالمِ طفلی کی کیفیت ملی
شیرِ دایہ مے کشوں کو خونِ مینا ہو گیا

تیغ سے وہ ابروئے خم دار ہے خوں ریز تر
جوہرِ ادراک سے حل یہ معما ہو گیا

گوش زد کی اُس صنم کے داستانِ شرحِ شوق
دل مرا نالوں سے ناقوسِ کلیسا ہو گیا

کورِ مادر زاد بینا اپنے جلوے سے کیے
حسن روئے یار یوسف سے مسیحا ہو گیا

عشق کرتے ہی ہوئے خواہانِ جاں سوز و گداز
قرض خواہانِ محبت کا تقاضا ہو گیا

مر چکے تھے یاس کے مارے ترے مشتاق یار!
زندگانی وعدۂ دیدارِ فردا ہو گیا

تو نے لٹکایا جو گچھا موتیوں کا کان میں
آسمانِ حسن پہ طالع ثریا ہو گیا

ہو سکا ممکن نہ دامِ فکر آتش سے شکار
مرغِ مضمونِ دہانِ یار عنقا ہو گیا

لباسِ یار کو میں پارہ پارہ کیا کرتا
قبائے گل سے اُسے استعارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں ہیں دریا کے جوش کی لہریں
بھلا میں کشتیِ مے سے کنارہ کیا کرتا

نقاب اُلٹ کے جو منہ عاشقوں کو دکھلاتے
تمھیں کہو کہ تمھارا نظارہ کیا کرتا

سنا جو حالِ دلِ زار یار نے تو کہا
طبیب مرتے ہوئے کا ہے چارہ کیا کرتا

ہلالِ عید کا ہر چند ہو جہاں مشتاق
تمھاری ابروؤں کا سا اشارہ کیا کرتا

حقیقتِ دہنِ یار کھولتا کیوں کر
نہفتہ راز کو میں آشکارہ کیا کرتا

قدم کو پیچھے رہِ خوفناک عشق میں رکھ
یہ پہلے دیکھ لے دل ہے اشارہ کیا کرتا

خمِ شراب سے مجھ مست نے نہ منہ پھیرا
کنارِ آب سے پیاسا کنارہ کیا کرتا

بہار تھی جو وہ گل چہرہ یار بھی ہوتا
اکیلے جا کے چمن کا نظارہ کیا کرتا

پڑی ہے خالِ رُخِ یار پہ نظر دیکھیں
اثر ہے اپنا یہ مشکیں ستارہ کیا کرتا

گداز موم سے ہر استخواں کو پاتا ہوں
پھر اور سوزشِ دل کا حرارہ کیا کرتا

بڑا ہی خوار علاقہ ہے گلشنِ اُلفت
مری طرح کوئی اس میں اجارہ کیا کرتا

شرابِ خلد کی خاطر دہن ہے رکھتا صاف
وضو میں ورنہ یہ زاہد غرارہ کیا کرتا

شکستہ دل نہ ہوا اُس بُت کے ناز سے کیوں کر
سلوک شیشے سے ہے سنگ خارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں پیالہ لگا لیا منہ سے
شراب پینے کو میں استخارہ کیا کرتا

فقیر کو نہیں درکار شان امیروں کی
سرِ برہنہ پہ گوشوارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں تھا جامے سے باہر اے آتش
نہ کرتا میں جو گریباں کو پارہ کیا کرتا

ساقی ہوں تمھیں روز سے مشتاق دید کا
دکھلا دے جامِ مے میں مجھے چاند عید کا

موقع ہوا نہ اُس رُخِ روشن کی دید کا
افسانہ ہی سنا کیے ہم صبحِ عید کا

افسانہ سنیے یار کا، ذکر اُس کا کیجیے
مقصود ہے یہی مری گفت و شنید کا

شیدائے حسنِ یار کس اقلیم میں نہیں
محبوب ہے وہ ماہِ قریب و بعید کا

حاضر ہے چاہے جو کوئی نعمت فقیر کی
شیریں کلام اپنا ہے، توشہ فرید کا

مریخ کا ہے ظلم و ستم کس شمار میں
پیرِ فلک کو رتبہ ہے تیرے مرید کا

حجت دہانِ یار میں کیوں کر نہ کیجیے
منظور ہے ثبوت ہمیں ناپدید کا

لیتا ہے بوسہ دے کے وہ سیمیں عذار دل
یہ حال عاشقوں کا ہے جو زر خرید کا

آرائش اُن کی قتل کرے ہم کو بے گناہ
درکار مہندی گندھنے کو ہو خوں شہید کا

بندِ قبائے یار کے عقدے ہوں لاکھ قفل
گستاخ ہاتھ کام کریں گے کلید کا

دل بیچتے ہیں عاشقِ بیتاب لیجیے
قیمت وہ ہے جو مول ہو مالِ مزید کا

اپنی طرف اُن ابروؤں کے رُخ کو پھیرے
اللہ زور دے جو کماں کی کشید کا

سودائیوں کو حاکمِ ظالم سے ڈر نہیں
داغِ جنوں ہر ایک نگیں ہے حدید کا

اُس رُخ پہ ابروؤں سے مسوں کو سمجھ نہ کم
ہر آیہ ہے فصیح کلامِ مجید کا

کنجِ قفس میں پہنچی صبا لے کے بوئے گل
خط آگیا بہارِ چمن کی رسید کا

شادیِ بے محل سے بھی ہوتا ہے دل کو غم
اندوہ طفل جمعہ کو ہوتا ہے عید کا

قائل رہا کرے گی شبِ جمعہ روشنی
کوچے میں تیرے ڈھیر ہو تیرے شہید کا

موسیٰؑ کی طرح ہم کو بھی دیدار کا ہے شوق
آنکھوں کو حوصلہ ہے تجلی کی دید کا

صورت کو تیری دیکھنے آتے ہیں قرعہ بیں
رُخ پر یقین ہے اُنھیں شکلِ سعید کا

چسپاں بدن سے یار کو ہو کر قبائے ناز
حیرانِ کار رکھتی ہے قطع و برید کا

بے جرم تیغِ عشق سے دل ہو گیا ہے قتل
سینہ مرا مقام ہے مردِ شہید کا

دیوانہ زلفِ یار کی زنجیر کا ہے دل
رہتا ہے صدمہ روح کو قیدِ شدید کا

خوں ریز جس قدر کہ ہو اُس سے عجب نہیں
آتشؔ فراقِ یار پدر ہے یزید کا

عشقِ مژگاں کا مزہ بھی کوئی دم بھر ملتا
کاٹتے اپنے گلے، ہم کو جو خنجر ملتا

عشق کا آئینۂ دل کو ہے جوہر ملتا
تن کو سودے کے لیے یار کے ہے سر ملتا

تیرے مستانوں کو جنت میں کہیں گھر ملتا
ہاتھ سے حور کے جامِ مئے کوثر ملتا

دہنِ یار نہ آنکھوں کو دکھائی دے گا
زندگی میں ہے کسے چشمۂ کوثر ملتا

ہاتھ پر بیٹھ کے اُس تُرک کو دیتا خطِ شوق
کوئی ایسا نہیں شاہین کبوتر ملتا

وحشتِ دل کبھی صحرا کو جو لے جاتی ہے
ہر بگولا ہے گلے سے مرے اُٹھ کر ملتا

فی الحقیقت تری زلفوں کی جو ہوتی خوشبو
مشک ملتا نہ کسی کو، نہ تو عنبر ملتا

واہ ری پست و بلندیِ رہِ اُلفت اُس میں / کوئی تختہ جو زمیں کا ہو برابر ملتا
خلعتِ بالِ ہُما دے کے روانہ کرتے / نامۂ شوق کا حامل جو کبوتر ملتا
نقش بد نقشِ محبت سا نہ ہو گا کوئی / سیکڑوں مہرۂ گل ہے مجھے ششدر ملتا
سامنا آنکھ اُٹھا کر نہیں نرگس کرتی / جھک کے اُس سروِ رواں سے ہے صنوبر ملتا
دل بہت سینے میں بیتاب ہے اُس پر رکھتے / صبر سے بھی کوئی بھاری سا جو پتھر ملتا
عید کا روز ہے، مسکین ہیں فطرہ لیتے / خیر خم ہم کو بھی ساقی کوئی ساغر ملتا
لبِ شیریں سے وہ دشنام دیا کرتے ہیں / زہر ہو کر ہے مجھے قندِ مکرّر ملتا
بادشہ حسن نے اے یار! بنایا ہے تجھے / خطبہ پڑھتا ہوں ترا میں جو ہے منبر ملتا
ہم بھی اللہ سے دولت کی تمنا کرتے / سیم بر یار جو کوئی عوضِ زر ملتا
نہ کیا تُو نے تعیّن ہی مکاں کا ورنہ / دلِ مومن میں سمجھتا جو ترا گھر ملتا
ابرِ نیساں کا کرم رہتا ہے ہر سال اس پہ / تیرے دنداں سا صدف کو نہیں گوہر ملتا
کیا سمجھ کر اُسے اخواں نے کنوئیں میں پھینکا / خوبصورت نہیں یوسف سا برادر ملتا
نالۂ بُلبل کا نہ سنتا، یہ غرور آجاتا / گوشِ گل کو جو ترے کان کا زیور ملتا
وحشتِ دل کا تقاضا ہے نکل چلنے کا / تنگ ہوں، گنبدِ گردوں کا نہیں در ملتا
اے پری! شیفتہ ہوتے ترے جن و انساں / عشق بازوں سے سلیمانؑ کا لشکر ملتا
تیری تمثال سے روشن یہ ہوا آتشِ حسن / آئینے کو بھی ہے اقبالِ سکندر ملتا
بیٹھ جاتا، نہ کھڑے رہنے کی طاقت رہتی / چرخ کو میری طرح سے کبھی چکّر ملتا
کیا عجب عاشقِ بے صبر کو بوسہ جو وہ دیں / یہ تواضع بھی ہے مفلس سے تونگر ملتا

دھجیاں خوب ہی لیتا میں بہارِ گل میں
مجھ کو آتش جو گریبانِ رفوگر ملتا

دل کو فزوں چمن کی مٹی سے سرد پایا / گیندے سے میں نے اپنے چہرے کو زرد پایا
حسن و جمال پر ہے زیبا غرور تجھ کو / بے مثل، بے نظیر و یکتا و فرد پایا
پارس کا کام سنگِ در سے عجب نہیں ہے / اکسیر کو تمہارے کوچے کی گرد پایا
ہر چند حالتِ دل ناگفتنی تھی لیکن / رو کر کہا کچھ اُس سے جو اہلِ درد پایا
اندھیر ہے جو تیری چشمِ سیہ سے کم ہے / گردش کا اُس کے سُرمہ دُنبالہ گرد پایا
باغِ جہاں میں حق انصاف سے نہ گزرے / شربت بنایا بہرِ بُلبل جو درد پایا

سودے میں گیسوؤں کی زنجیر کے جنوں نے
مجنوں سے مجھ کو طرّہ صحرا نورد پایا

خالِ رُخِ صنم نے گولی کی کی نہ گرمی
کافور کی طرح سے یہ مشک سرد پایا

ہونے لگی ہویدا نیرنگ سازیِ عشق
گاہے سفید، گاہے رنگ اپنا زرد پایا

کس کس ستارے سے شب اے مہ لقا! لڑی ہیں
آنکھوں کو تیری ہم نے مرد نبرد پایا

کرتے مصوّر اُس کو تصویرِ خضر میں صرف
ہوتا جو تیرے خط سا کچھ لاجورد پایا

میں بھاگتا ہوں، دنیا آ آ کے ہے لپٹتی
آتش مجھی کو اُس نے شاید کہ مرد پایا

خدا نے برقِ تجلّی تجھے جمال دیا
ہماری آنکھوں کو دیدار کا خیال دیا

کسی کو ملک دیا ہے، کسی کو مال دیا
فقیر ہوں، مجھے اللہ نے بے حال دیا

فریب حسن نے، سکھلائی اُن کو صیادی
شکار کھیلنے کو گیسوؤں کا جال دیا

چلا تو بُت کدے کی سیر کو مؤذن ہے
ہلا دیا جو بتوں کو پہاڑ

یقیں ہے صورتِ عاشق سے اُن کو وحشت ہو
فسونِ سرمہ نے ہے

لبوں تک آئی ہوئی بات پی گئے سَو بار
زباں کو دل نے نہ اذن

دکھا کے حسنِ زنخدانِ یار کا عالم
ہماری آنکھوں نے دل کو

شراب ابر میں کیوں کر پییں نہ اے ساقی!
ترے کرم سا ہے ہم

گلے میں ڈالتے ہی پوست کی طرح لپٹی
قبا نے سانچے میں

بنایا جب ترے پُتلے کو دستِ قدرت نے
ہر ایک عضوِ بدن

مرید کر کے مجھے پیرِ عشق نے اپنا
مشاہدے کو اک

ہوا ہوں اہلِ دول [illegible] بائے داغ سے میں
جنوں نے صدقہ

چلیں گے باغ، اگر ہم تو بھی مقدر نے
رفیقِ سیرِ چمن

چکھا کے خوان کا اپنے نمک توکّل نے
زبان کو مزہ

نظر پڑا کئی دن سے نہیں وہ ابرو کج
چھپا ہے جب

ہوا ہے سامنے جب تیرے روئے رنگیں کے
صبا نے گل کو

جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے چودھویں کا چاند
شبابِ حسن نے

بہت مرے دلِ صد چاک سے اُلجھتی تھی
تمہاری زلف کا

تپ فراق سے جاں اپنی جا چکی ہوتی
صنم نے راہِ خدا

صفا میں تیرے سے چمکے ہوئے نہ پائے دانت
لبوں کو رنگ ترے لعل سے بھی لال دیا

ہوئی ہے خالِ رُخِ یار پر ملاحت ختم
نمک یہ حسن نے زنگی کو خال خال دیا

جلائے آئینۂ رُخ سے نشہء مے نے
جمالِ یار کو ہے خلعتِ جلال دیا

غرورِ حسن سے بے جا جو ناز کرنے لگے
بتوں کو کعبے سے اللہ نے نکال دیا

ادا ہو شکر ترے فیضِ عام کا کس سے
ہر ایک ذرے کو خورشیدِ لازوال دیا

صفائے رُخ کا ملا لطف، خط کے بوسے سے
قضا نے دُرد میں ہے نشہء زلال دیا

شرف سے دستخطِ یار کے پھرا محروم
جواب صاف ملا، لکھ کے جب سوال دیا

سرورِ یار سے حاصل ہوا سرور تجھے
ملالِ دوست نے دل کو مرے ملال دیا

شب وصال میں اُس چہرۂ منور سے
ہٹا کے زلف کو آتش بلا کو ٹال دیا

غزل جو ہم سے وہ محبوب نکتہ داں سنتا
زمینِ شعر کا افسانہ آسماں سنتا

فراقِ رنج سے ہے بعدِ مرگ بھی دشوار
زمیں کے نیچے بھی ہوں میں تو آسماں سنتا

کھلے نہ حالتِ دل کو زبان کا احوال؟
سنا کرے ہے اگر گوش بے زباں سنتا

خوشی سے جامے میں پھولا نہیں سماتا ہے
بہارِ گل کی جو آمد ہے باغباں سنتا

زبان کون سی مشغولِ ذکرِ خیر نہیں
کہاں کہاں نہیں میں تیری داستاں سنتا

قریب ہے یہ کہ حاصل کروں حضور رہی
پتا لگایا ہے، دل ہوں ترا مکاں سنتا

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں پڑتے
جرس سے مژدۂ منزل ہے کارواں سنتا

نہ پوچھ، کان میں کیا کیا کہا ہے، کس کس نے
پھرا ہوں تیری خبر، میں کہاں کہاں سنتا

فسانہ رُخِ رنگینِ یار کیا کہتے
چمن کو آگ لگاتا جو باغباں سنتا

زبان سے مری یوسف نہیں کہا جاتا
تمھارے حسن کے سودے کو ہوں گراں سنتا

نکلتا ہے جو وہ خونخوار اونچی بن کر
ہر اک طرف سے ہوں آوازِ الاماں سنتا

کچھ احتیاج نہیں مجھ کو حرزِ بازو کی
اجل کو اپنی ہوں اپنا نگاہباں سنتا

مری فغاں سے ہے گیسوئے یار بل کھاتا
ملال ہوتا ہے، کافر ہے جب اذاں سنتا

بہارِ آئینہ دکھلا رہی ہے، حیراں ہے
ہزار کہیے، نہیں ایک باغباں سنتا

کیا ہے زرد یہ سودائے خالِ مشکیں نے
وہ رنگ ہے کہ جو تھا رنگِ زعفراں سنتا

چمن کو کوچۂ قاتل مگر ہے سمجھا تو
شہید تجھ کو ہوں اے نخلِ ارغواں سنتا

یہ شوقِ بوسہ ہے منہ اُس کا چوم لیتا ہوں
زباں سے جس کی ترے رُخ میں ہوں دہاں سنتا

مجھے وہ روشنیِ خانہ یاد آتا ہے
کسی کے گھر میں جو ہوں دوست میہماں سنتا

جواب اُلٹ کے نہ کیونکر میں اس کے بدلے دوں
کڑی مرے لیے ہے گوش بے زباں سنتا

رسائی دیر میں ہوتی جو برہمن کی طرح
بتوں کو چھیڑ کے دو چار گالیاں سنتا

اُن ابروؤں کو ہیں شاعر بھی کہہ رہے کچھ کچھ
کسی سے تیغ، کسی سے ہوں میں کماں سنتا

کہوں میں بال جو اُس کو تو بال شیشے کا
کمر کو ہوں تنِ نازک کے درمیاں سنتا

فراقِ یار کو اے صبر زور تو نہ جتا
پچھاڑتا ہے یہ، جس کو ہے پہلواں سنتا

قضا کے تیر کو دے کر نشانہ بنتا ہے
کوئی جو ابروئے خم دار سی کماں سنتا

قصور مجھ سے ہوا ہو جو کچھ معاف کرو
خفا مزاج تمھارا ہوں مہرباں سنتا

جفا و جور و ستم میں مقابلہ کرتا
وہ تُرک اگر فلکِ پیر کو جواں سنتا

یہ چل رہی ہے ہوا باغِ دہر میں کیسی
نہ گُل سا رُخ، نہ تو غنچے سا ہوں دہاں سنتا

نہالِ قد کے ہو سودے میں جب سے زرد آتش
تمھارا نام ہوں میں شاخِ زعفراں سنتا

لباسِ سرخ پہن کر جو وہ جواں نکلا
پناہ مانگتا مریخ آسماں نکلا

خراب پھرتے تھے عالم میں دل کو بھولے ہوئے
مکانِ یار کا دیوار درمیاں نکلا

وہ زلف ہو گئی زنجیر اپنے سودے کو
کہاں نے جا کے ہے یہ سلسلہ کہاں نکلا

ملاحتِ ذقنِ یار کا ہے ہر سُو شور
عجیب لطف کا کھاری ہے یہ کنواں نکلا

بندھے دہان و کمر کے ہزارہا مضمون
زمینِ شعر سے گنجینۂ نہاں نکلا

کھلا نہ آتشِ سودائے عشق کا پردہ
وہ مُو ہوا جو مرے مغز سے دھواں نکلا

تلاش ہم نے ہزاروں ہی لشکروں میں کی
قدِ بلند سا تیرے نہ اک نشاں نکلا

سنیں گے قصۂ یوسف زبان سے اُس کی
کوئی ہماری طرف سے جو کارواں نکلا

شباب کھو کے، گئی جان رنجِ پیری سے
بہار لوٹ کے گلشن سے باغباں نکلا

کہا جو شاعروں نے اُس کو چشمۂ شیریں
کھلا ہمیں کہ اب اُن سے ترا دہاں نکلا

دیا نہ تم نے کبھی بوسۂ لبِ شیریں
مزہ نہ مہر و محبت کا مہرباں نکلا

سنا ہے شور سگِ کوئے یار جب ہم نے
خوشی سے پوست کے باہر ہے استخواں نکلا

جنونِ عشق میں کوچۂ بتاں کو جو سیر
بلند کعبے سے ہر گھر کا آستاں نکلا

دکھائی دیتی ہیں آنکھوں کو صورتیں ہر سُو
یہ گنبدِ فلک آئینے کا مکاں نکلا

مقامِ شکر ہے دے آسمان جو خرقۂ فقر
کفن پہن کے ہے اس گھر سے میہماں نکلا

شبِ فراق میں ہے چہرۂ منورِ یار
ہوا ہے داغ مجھے، چاند ہے جہاں نکلا

کرے گا کیا کوئی دنیا میں سرکشی آتش
یہ وہ مقام ہے جھک کر ہے آسماں نکلا

جا کر قفس میں عاشقِ صیاد ہو گیا
بُلبُل کا حال قابلِ فریاد ہو گیا

تو روشنیِ عالمِ ایجاد ہو گیا
ویرانہ تیرے جلوے سے آباد ہو گیا

سختیِ ہجرِ یار سے دل میں ہوا جو درد
موم ہماری آہ سے فولاد ہو گیا

حافظ رخِ کتابیِ محبوب کے ہیں ہم
یہ ''احسن القصص'' ہے ہمیں یاد ہو گیا

اللہ کے سوا نہ کسی نے کبھی سنا
نالہ مرا غریب کی فریاد ہو گیا

پھر آئے رنگِ رفتہ جو رُخ پر عجب نہیں
اکثر ہے چہرۂ نظری صاد ہو گیا

وہ شب ہے کون سی کہ نہیں لطفِ نوشہی
فکرِ سخن عروس میں داماد ہو گیا

زلفوں کو رکھ کے مایۂ سودا ہوا وہ رُخ
دو پر لگا کے یار پری زاد ہو گیا

ساقیِ ماہ رُو نے پلائی شرابِ عشق
تفریح روح کو ہوئی، دل شاد ہو گیا

دکھلایا آبِ جُو نے چمن میں جو آئینہ
گلچینِ باغِ حسن وہ صیاد ہو گیا

سایے کی طرح سے مرے پھرتا ہے ساتھ ساتھ
عشق اُس پری جمال کا ہمزاد ہو گیا

کم حکمِ شرع سے نہیں ایمائے حسن بھی
بے جرم بے قصور وہ جلاد ہو گیا

کپڑے رنگے جو خونِ احبا سے یار نے
مریخ چرخ کشتۂ بیداد ہو گیا

سرمے سے چشمِ یار بنی مفسدوں کی جڑ
لب رنگِ پاں سے ظلم کی بنیاد ہو گیا

رنگوایا بُلبُلوں کے جو خوں سے بہار میں
گلزار رشکِ خانۂ صیاد ہو گیا

خورشید سے زیادہ ہوئی اس میں روشنی
جو ذرہ تیری راہ میں برباد ہو گیا

اے سوزِ عشق! نرم دلِ سخت یار کر
اکسیر ہے جو کشتہ یہ فولاد ہو گیا

ہجرِ صنم میں پھوڑ کے سر، دل نے جان دی
فارغ پہاڑ کاٹ کے فرہاد ہو گیا

نقش اُس الف سے قد کا کیا جبکہ عشق نے
دل صاف ہو کے چہرۂ آزاد ہو گیا

قدِ بلندِ یار کو شمشاد جو کہا
گیسو لٹکے کے طرۂ شمشاد ہو گیا

غیرت کے مارے یار ہوا غیر سے خلاف
یہ اتفاق بھی ہے خداداد ہو گیا

موقوف سخت روئی ہوئی خط سے یار کے — بوٹی سے کشتۂ بیضۂ فولاد ہو گیا
پھرتے ہیں ڈھونڈتے، نظر آتا نہیں کہیں — کوئے بتاں بھی گلشنِ شدّاد ہو گیا
زنجیر اس بہار میں ہلکی اگر گڑھی — ہاتھ اپنا طوقِ گردنِ حدّاد ہو گیا
مژگاں کی طرح گردشِ چشمانِ یار سے — زیر و زبر ہی عالمِ ایجاد ہو گیا
تحصیلِ علمِ روح کی شائق ہوئی جو روح — شاگرد کر کے مجھ کو دل اُستاد ہو گیا
بُلبُل کے نالے لے اُڑے فصلِ بہار میں — دیوانہ کپڑے پھاڑ کے صیّاد ہو گیا
دیوانگی نے دامِ خرد سے نجات دی — عشقِ پری کے صدقے سے آزاد ہو گیا
کرتا ہے یار دستِ حنائی سے قتلِ عام — مہندی کا خون کر کے ہے جلّاد ہو گیا
ساقی! حدیث اُس کو سمجھتے ہیں تیرے مست — پیرِ مغاں کے منہ سے جو ارشاد ہو گیا
رسوا ہوا میں، پردہ کھلا تیرے عشق کا — اشکوں سے رنجِ ناخلف اولاد ہو گیا
بوسوں کے بدلے ملتی ہیں آتش کو گالیاں
شایانِ لطف موردِ بیداد ہو گیا

سامنے جو پڑ گیا، دیوانہ بیباک تھا — پھاڑ کر آنکھیں جسے دیکھا، گریباں چاک تھا
عالمِ ایجاد بھی طُرفہ طلسمِ خاک تھا — کاسہ گر مٹی تھا، مٹی کاسہ، مٹی چاک تھا
یوں تو تیرے تیر کے نخچیر تھے سب خوش نصیب — وہ بلند اقبال تھا جو بستۂ فتراک تھا
بے ترے شب کو چھری چلتی تھی اے خورشیدِ حسن — جو ستارہ تھا، سو مریخ سے سفّاک تھا
لعلِ لب کے جس سے مضموں ڈھل گئے فکر اس کی ہے — ان نگینوں کو تراشا جس نے، وہ حکّاک تھا
جامہ زیبی میں نہ دی تشبیہ میں نے یار سے — وہ خوش اندامی نہ تھی، گُل لاکھ خوش پوشاک تھا
اینڈتا تھا تیرے مستوں کی طرح سے باغ میں — صاحبِ کیفیت اپنے سلسلے میں تاک تھا
بوئے گل کی طرح گردِ راہ دکھلائی نہ دی — یار کا گلگوں، نسیمِ صبح سے چالاک تھا
مردمِ دیدہ ترا رو رو کے جب کرتے تھے ذکر — اشک جو تھا، دانۂ تسبیحِ خاکِ پاک تھا
پار اُترا صاف بحرِ بے کنارِ عشق سے — روتے روتے مر گیا جو ہجر میں تیرا تھا
دیدۂ عارف سے جب دیکھا تو یہ روشن ہوا — مظہرِ نورِ الٰہی حسن مشتِ خاک تھا
چشمِ نامحرم کو برقِ حسن کر دیتی تھی بند — دامنِ عصمت ترا آلودگی سے پاک تھا
ساتھ دے سکتے نہ تھے صحرا نوردی میں مرا — جوشِ وحشت میں غزالوں سے بھی میں چالاک تھا
تیرے کوچے کا چمن پر دل کو آجاتا تھا شک — سنبل و گل اپنی آنکھوں میں خس و خاشاک تھا

صید بندی کا تجھے جب شوق تھا اے شہسوار!
حلقۂ دامِ محبت رشتۂ فتراک تھا

جسمِ گل کھائے ہوئے ساعد ترے چھلّوں کے تھے
غیرتِ صبحِ بہار اُس آستیں کا چاک تھا

جائے آب اُس مست کو ملتی ہے انگوری شراب
اعتقادِ پاک سے جو خوشہ چینِ تاک تھا

جب رلاتا تھا تصور لالہ رُویوں کا ہمیں
طفلِ اشک ایک ایک مستِ نشۂ تریاک تھا

عالمِ تشبیہ میں کہتا صنوبر کس کو میں
یار کا بُوٹا سا قد موزوں تھا، وہ کاواک تھا

رات بھر تھا چشمِ غول آنکھوں میں اپنے ہر چراغ
شہر بھی بے یار اک صحرائے وحشت ناک تھا

کر گئی جب روح مرجع کی طرح اپنے رجوع
خاک میں وہ مل گیا جو جسمِ آتش خاک تھا

ساقی! شراب بے رہے قصرِ فلک بھرا
شیشے کی طرح مے سے شکم حلق تک بھرا

صحبت برار ہونے کی صورت نہیں کوئی
میں بدگماں ہوں اور مرا یار شک بھرا

حسنِ ملیح پر نہ کرو اس قدر گھمنڈ
کانِ نمک میں لاکھوں ہی من ہے نمک بھرا

رو رو کے میں نے دل نہیں خالی کیا ہنوز
پانی ابھی سما سے کہاں تا سمک بھرا

صحرا میں جا کے لائے حرارت جو آبلے
پاؤں نے اُن میں پیس کے خارِ خسک بھرا

آئی بہار، رکھ دے مرے آگے ساقیا!
لبریز بادہ جام، پیالہ گزک بھرا

رات انتظارِ یار میں جھپکیں جو نیند سے
آنکھوں کو اپنی چیر کے میں نے نمک بھرا

قل ہو فراقِ یار میں کس کس کا دیکھیے
تاروں کے نُقل سے ہے یہ خوانِ فلک بھرا

آتش ہمیشہ سیر ہوا خوانِ حسن سے
نیت کو رکھے بوسۂ لب کی چٹک بھرا

عشق کے سودے سے پہلے دردِ سر کوئی نہ تھا
داغِ دل خندہ زن زخمِ جگر کوئی نہ تھا

غیرِ یار آنکھوں میں اپنی جلوہ گر کوئی نہ تھا
مردمانِ چشم سا اہلِ نظر کوئی نہ تھا

روئے رنگیں سا ہو گل جس میں شجر کوئی نہ تھا
باغ میں سیبِ زنخداں سا ثمر، کوئی نہ تھا

جوہری کی آنکھ سے دیکھے جواہر بیش تر
لعلِ لب سا لعل، دنداں سا گہر، کوئی نہ تھا

خوبصورت یوں تو بہتیرے تھے لیکن یار سا
نازنیں، نازک بدن، نازک کمر کوئی نہ تھا

رہ گئی دل ہی میں اپنے حسرتِ اظہارِ شوق
لکھ کے خط جب ہم نے ڈھونڈھا نامہ بر، کوئی نہ تھا

میرے نالوں نے جو شب کی تھی قیامت آشکار
جاگتا تھا فتنہ جو تھا، بے خبر کوئی نہ تھا

دوستِ دشمن یار رکھتا خاطر اپنی کیا عزیز
عیبِ اُلفت کے سوا ہم میں ہنر، کوئی نہ تھا

کھینچ لاتا تھا ہمارا جذبۂ دل یار کو
نالہ و افغاں سے جو تھا بے اثر کوئی نہ تھا

کون ہے حلقے میں اُن زلفوں کے تھا اک دونہ دل — خانۂ زنجیر سا آباد گھر کوئی نہ تھا
تیغ کے جوہر دکھاتی تھی وہ ابرو جن دنوں — آشنا گردن سے اپنی اپنی سر کوئی نہ تھا
دیدہ و دل تھے منور، تیرے نورِ حسن سے — جلوہ فرما ہو نہ تُو جس میں، وہ گھر کوئی نہ تھا
رکھتی تھی زلفِ رسائے یار ہر اک مُو دراز — کون سے قصے کو کہتا مختصر کوئی نہ تھا
عہدِ پیری میں جوانی تھی، نہ اُس کے ولولے — محفلِ شب میں ہے ہنگامِ سحر کوئی نہ تھا
بلبلِ تصویر تھا باغِ جہاں میں تیری طرح — باوجودِ بال و پر، بے بال و پر کوئی نہ تھا
معرکے میں عشق کے سر ہاتھ پر رکھے ہوئے — واپسیں دم تک تو مجھ سے پیشتر کوئی نہ تھا
یار آنکلا تو تھا صورت دکھاتا۔ میں کے — جھٹ پٹے کا وقت تھا، شمس و قمر کوئی نہ تھا
عشق کس کو حسنِ دل کش سے نہ تھا اے جانِ جاں — فکر سے غافل تری، جن و بشر کوئی نہ تھا
چاشنی دونوں کی چکھی ہے جو حق پوچھیے — اُن لبِ شیریں سے شیریں نیشکر کوئی نہ تھا

لے چلے ہستی سے داغ، عشق آتش شکر ہے
منزلِ ملکِ عدم کا ہم سفر کوئی نہ تھا

دیوانہ ہے دلِ یار! جلوہ گری کا — مشتاق نہایت ہی یہ شیشہ ہے پری کا
انداز رکہاں۔ یہ روشِ حور و پری کا — دم بند ہے ٹھوکر سے تری کبکِ دری کا
ہنگامہ گل و لالہ کی ہے جیب دری کا — دیوانہ ہوا چاہیے شیشے کی پری کا
ساقی کی نگاہوں نے مرے ہوش اُڑائے — آنکھوں سے دیا جام مئے بے خبری کا
ایک بُوٹے سے قد کا ہے زبس نقش جو بیٹھا — دل رنگ دکھاتا ہے عقیقِ شجری کا
پیری میں رُخ اُن ابروؤں کا اپنی طرف چاہ — سیفی کا سا ہے حال دعائے سحری کا
تلوار کے مقتولوں میں محسوب ہے وہ بھی — کشتہ ہے جو اے تُرک! تری کج نظری کا
آئینہ نہیں دیکھتے، زلفیں نہیں بنتیں — کم سن ہیں وہ، عالم ہے ابھی بے خبری کا
سبزہ مری تربت کا ہرا خوب ہوا ہے — ایسے میں ہرن آئیں تو موقع ہے چری کا
کیا جائے ادب ہے، ترے کوچے کی زمیں پر — پایا نہ کہیں نقشِ قدم، رہ گزری کا
اک گل کی جدائی ہے شب و روز رلاتی — مژگاں نہیں، گرد آنکھوں کے، سبزہ ہے پری کا
لکھتا ہوں جو میں شرح تری خوش روشی کی — بنتا ہے سرِ خامہ قدم کبکِ دری کا
کرتا ہوں جو میں حسرتِ پرواز میں نالے — صیاد کو غم ہے مری بے بالی و پری کا
بے وجہ لباس اپنا نہیں سرخ یہ رکھتا — مرّیخ ہے بیرو تری بیداد گری کا

کس مار سیہ میں نہیں اُس زلف کی لہریں
کس مور کو دعویٰ نہیں نازک کمری کا

گل پھولے سماتے نہیں ہیں جامے میں اپنے
ادنیٰ یہ شگوفہ ہے نسیم سحری کا

اک کانِ ملاحت کے ہیں پامالوں میں ہم بھی
چکھا ہے مزا ہم نے بھی شوریدہ سری کا

دم لاکھ محبت کا تری غیر بھریں یار!
باور نہ کیا چاہیے کھوٹوں کی کھری کا

اورنگ نشیں ملکِ جنوں میں نہ ہو کیونکر
افسر سرِ دیوانہ کو سایہ ہے پری کا

طے مرحلہء عشق خدا چاہے تو ہووے
اس راہ میں توشہ ہے توکل، سفری کا

پیری میں رہا روشنیِ فکر سے عالم
خورشیدِ لبِ بام، چراغ سحری کا

دیوانہ ہے کس چاند سے رخسار کا آتش
زنجیر کا غل قہقہہ ہے کبکِ دری کا

اک سال میں دس دن بھی جسے غم نہیں ہوتا
وہ شہر ہے جس میں کہ محرم نہیں ہوتا

سنبل میں تری زلف کا عالم نہیں ہوتا
یہ پیچ نہیں ہوتے ہیں یہ خم نہیں ہوتا

کعبے میں رُخِ یار کا عالم نہیں ہوتا
محراب میں اُن ابروؤں کا خم نہیں ہوتا

اک جام میں کھلتا ہے طلسمات جہاں کا
مستی میں کے مرتبہء جم نہیں ہوتا

نشتر کی طرح چھیڑتی رہتی ہیں وہ مژگاں
کس چاہنے والے کا لہو کم نہیں ہوتا

تلوار کی موت اُس کے نصیبوں میں نہیں ہے
ابرو کے اشارے سے جو بے دم نہیں ہوتا

بے عشق سے زنہار نہ کر تذکرۂ حسن
کہتے نہیں راز اُس سے جو محرم نہیں ہوتا

اک رشکِ مسیحا کے تصور میں ہے یہ حال
آنکھوں میں ہے جاں اور فنا دم نہیں ہوتا

فرقت میں تری کون سی شب کو نہیں روتا
کب سینہ زنی سے مری ماتم نہیں ہوتا

پیدا کرے گو موم کی وہ جسم گدازی
زخمِ دلِ احباب کا مرہم نہیں ہوتا

آتی ہے یہی معرکہء عشق سے آواز
یاں کشتہ نہ ہو جو وہ مسلّم نہیں ہوتا

کم موت کے آنے سے نہیں یار کا جانا
قالب میں جو ڈھونڈھو تو کہیں دم نہیں ہوتا

اُس زلف کی بُو سونگھی ہو جس نے وہی جانے
افعی سیہ رنگ میں یہ سم نہیں ہوتا

مقبول ہے جو ذرہ کہ درگاہ کو تیری
وہ ملتفتِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا

شیشے میں جو ہے روشنیِ بادۂ گلگوں
فانوس میں یہ شمع کا عالم نہیں ہوتا

بے صرفہ لٹے دولتِ دیدار شب و روز
معشوقوں میں ایسا کوئی عالم نہیں ہوتا

زنجیر کا اُس زلف کے سودا نہ ہو کیونکر
یہ سلسلہء درہم و برہم نہیں ہوتا

افسوس ہے، انسان نہ ہو علم کا جویا — وہ مال ہے یہ صرف سے جو کم نہیں ہوتا
اولاد سے اب تک ہے خصومت وہی باقی — ابلیس سا بھی دشمنِ آدم نہیں ہوتا
اُس باغ کے ناظر نگہِ پاک سے ہیں ہم — گل جس میں کہ آلودۂ شبنم نہیں ہوتا
ثابت قدمِ فقر کو ہے نفس کشی شرط — بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا
یہ نکتہ ہمارا ہے سخن چیں کو نصیحت — الزام جو دیتا نہیں، ملزم نہیں ہوتا

تاچند بہار آتی نہیں دیکھیے آتشؔ
کب تک شرف نیّرِ اعظم نہیں ہوتا

وصف کیجیے جو تیری قامت کا — کہیے اُس کو الف قیامت کا
نیم جاں چھوڑنا نہ اے قاتل! — فعل ہے یہ بڑی ندامت کا
نعمتِ عشق بختی ہے، لے لے — مستحق ہو جو اس کرامت کا
پیروی پیشوا کی لازم ہے — رُو سیہ منکرِ امامت کا
مردِ میداں کا حال کیا جانے — راہ رو کوچۂ سلامت کا
حسن سے عشق ہے ہمیں ازلی — ہم بھی دم بھرتے ہیں قدامت کا
واہ ری عاشقوں کی دل جوئی — کس سے وعدہ نہیں قیامت کا
وصل میں ہجر کی خبر تھی کسے — تھا نہ معلوم روز شامت کا
گھر بناتے اگر یقیں ہوتا — اس خرابے میں استقامت کا

حسبِ دل خواہ دے تجھے آتشؔ
وہ جو ہے خاتمہ امامت کا

تیری جو یاد اے دل خواہ بھولا — باللہ بھولا، واللہ بھولا
فرقت کی شب میں جاں سوز دل نے — اُف اُف کیا جو آہ آہ بھولا
کج رکھ نہ پا کو جادے سے غافل — پھیر اُس نے کھایا جو راہ بھولا
زنّار ڈالا، تسبیح پھینکی — عشقِ صنم میں اللہ بھولا
خور نے گرایا اُس کو نظر سے — جو ذرّہ تیری درگاہ بھولا
زلفِ رسا کو سمجھا جو افعی — چوکا وہ، قصہ کوتاہ بھولا
دیکھے سے تیرا روئے منوّر — ہم مہر بھولا، ہم ماہ بھولا
محروم رکھا ساقی نے ہم کو — اپنے گدا کو جم جاہ بھولا

بُت خانہ چھوڑا، باز آئے بُت سے
وہ شہر بھولا، وہ شاہ بھولا

شرطِ وفا کی، کس بے وفا سے
آتش سا عارف آگاہ بھولا؟

مشتاق اس قدر ہوں خدا کے حضور کا
سجدہ کروں جو بُت بھی ملے سنگِ طور کا

دکھلا کے جلوہ آنکھوں نے اک شمع نور کا
گُل کر دیا چراغ ہمارے شعور کا

موسم ہوا بہار، چمن سے سرور کا
آیا زمانہ داغِ جنوں کے ظہور کا

سب کو خیال رہتا ہے اک رشکِ طور کا
ظلمت میں دل مرا متلاشی ہے نور کا

منہ کو چھپایئے نہ مرے قتل کے لیے
شمشیرِ بے نیام ہے پردہ حضور کا

کرتا ہے نغمہ صورتِ داؤد عندلیب
عالم ہوا ہے دخترِ گُل پہ زبور کا

گردن ہی اپنی پھانسی کے قابل نہیں ہنوز
کیا شکوہ اُن کی زلفِ رسا کے قصور کا

کس کس کو خاک میں نہیں ملوایا آپ نے
کشتہ ہے کون کون تمہارے غرور کا

دکھلا کے ساقِ پا جسے مارا ہے یار نے
گنبد بنا ہے قبر پہ اُس کے بلور کا

کس تُرک کی کلاہ کو زینت ہوئی پسند
کھینچا گیا ہے پوست ہزاروں سمور کا

لپٹا میں دوڑ کر جو پری رُو نظر پڑا
دیوانہ بن کے کام کیا ذی شعور کا

قبروں کو عاشقوں کی نہ کھدوا، ستم نہ کر
بے درد! یوں عمل نہیں کشفِ قبور کا

یمنِ قدم سے یار کے فردوس باغ ہوا
نرگس کے پھول کام کریں چشمِ حور کا

اس ہمائے حسن کا عنقا مقابل ہو گیا
حق جو کچھ تھا حق، جو باطل تھا سو باطل ہو گیا

عاشقوں کو رتبہ پروانوں کا حاصل ہو گیا
تو فروغِ حسن سے جو شمعِ محفل ہو گیا

دلبروں کی انجمن میں حال بسمل ہو گیا
تیغ سی ابرو کو دیکھا جس کی، قاتل ہو گیا

ہوش اُڑے ایسے، بہارِ رنگِ گُل کو دیکھ کر
بُلبلوں کی فکر سے صیاد غافل ہو گیا

عہدِ طفلی سے جوانی میں ہوا وہ چند حسن
جب وہ خوش رو تھا ہلال، اب ماہِ کامل ہو گیا

گرمیاں تیری طرح سے آتشِ گُل نے جو کیں
پاؤں رکھنا باغ میں بُلبُل کو مشکل ہو گیا

گرد دیوانے کے رہنے سے ہوا یہ آشکار
چشمِ طفلاں میں کھلونا مہرۂ گِل ہو گیا

کون سا کونہ نہ جھانکا، کی نہ کس گھر میں تلاش
جستجو میں تیری ششدر مہرۂ گِل ہو گیا

چار عنصر چار رہ ہیں، منتشر ہوش و حواس
اُٹھ گئے تم کیا، دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا

صورتِ پروانہ مجنوں نے کبھی ڈالی جو آنکھ — شمع لیلیٰ ہو گئی، فانوس محمل ہو گیا
حسنِ معنی نے کیا صورت سے آدم کی ظہور — سجدہ گاہِ قدسیاں یہ کعبہ و گِل ہو گیا
نقشِ صورت کو مٹا کر آشنا معنی کا ہو — قطرہ بھی دریا ہے جو دریا سے واصل ہو گیا
قطع ہو جاوے گی گام چند میں سختی راہ — خضر ہے، جب آگے آگے شوقِ منزل ہو گیا
نکہتِ زلف اُس پری کی جو کبھی لائی صبا — حاصلِ تاتار دیوانوں کو حاصل ہو گیا
کر دیا تیری توجہ کے کرم نے بے نیاز — دولتِ حاتم سے مالا مال سائل ہو گیا
شب کو دم دے دے لیے جاتا ہے کوئے یار میں — میں تو تھا ہی، مجھ سے بھی مرشد مرا دل ہو گیا
جنبشِ ابرو نے رکھ لی آبروئے تیغ یار — نیم لبمل رہ گیا تھا جو وہ لبمل ہو گیا

شاعروں میں کوئی آتشؔ سا نہ ہو گا حسن دوست
خوبصورت پر پڑی جب آنکھ مائل ہو گیا

قوی دماغ رہے بلبلِ خوش الحاں کا — قفس میں بھی ہے وہی چہچہا گلستاں کا
پھرا ہے ہم سے رخ اس بادشاہِ خوباں کا — کچھ اعتماد نہیں ہے مزاجِ سلطاں کا
اُن ابروؤں سے اشارہ یہی ہے مژگاں کا — کماں ہو تو کرے قصد تیر باراں کا
ہنسا وہ گل تو یقین ہے چمک گئی بجلی — لبوں کے کھلتے ہی پردہ کھلے گا دنداں کا
دکھائیے گا اگر چہرۂ کتابی آپ — ثواب بخشیے گا ہم کو ختمِ قرآں کا
جگہ ہے دل میں ترے داغِ عشق کی خالی — جو سرفراز کرے تو یہ گھر ہے مہماں کا
قفس میں نالۂ بلبل سے یہ صدا ہے بلند — بہشت ہے جو تصور رہے گلستاں کا
دکھائی دے مرے یوسف کی شکل آنکھوں کو — حجاب ٹوٹے تو دروازہ ٹوٹے زنداں کا
نقاب اُلٹ کے دکھا یار! چہرۂ رنگیں — کبھی تو کھول دے دروازہ اس گلستاں کا
وہ اپنی زلفوں میں گھڑیوں ہی کرتے ہیں کنگھی — خیال جو کبھی آتا ہے مجھ پریشاں کا
لباس ہی نہیں اُس گل کا قتل کرتا ہے — برہنگی میں بھی عالم ہے تیغ عریاں کا
جنوں کے جوش میں روتا جو ہوں میں دیوانہ — ارادہ کرتا ہے ہر طفلِ اشک طوفاں کا
سنا ہے اپنا جو دیوانہ اس صنم نے مجھے — اشارہ رہتا ہے لڑکوں کو سنگ باراں کا

چھڑکنے سے رخِ پُر نور پر ترے اے ماہ!
ستارہ بن گیا ہر ایک ذرّہ افشاں کا

کعبہ و دیر میں ہے کس کے لیے دل جاتا — یار ملتا ہے تو پہلو ہی میں ہے مل جاتا

خدمتِ یار میں میں جبکہ ہوں سائل جاتا
کچھ نہ کچھ بوسہ و دشنام سے ہے مل جاتا

ترے دانتوں سے جو ہونے کو مقابل جاتا
صورتِ اشکِ گہر خاک میں مل جاتا

پھل ملا ہے یہ تری تیغ سے ہم کو اے ترک!
پھوٹ کی طرح ہر ایک زخم ہے کھل کھل جاتا

رخ کے ہوتے ہوئے ڈھونڈھا نہ دہن کا مضموں
سہل کو چھوڑ کے کیوں جانبِ مشکل جاتا

پر تو کترے ہیں، یقیں ہے کہ چھری بھی پھیرے
زمزموں سے، مرے صیاد ہے ہل ہل جاتا

زخمِ کاری کی تری تیغ سے اللہ رے خوشی
رقص کرتا ہوا دنیا سے ہے بسمل جاتا

راہ بھولے ہوئے حاجی ہے بھٹکتا ناحق
کعبۂ اللہ جو جاتا تو سوئے دل جاتا

طرفہ رکھتی ہے خراباتِ مغاں کیفیت
ہوشیار آکے ہے اس بزم میں، غافل جاتا

راہ میں شانِ کریمی ہے تری بھی' دیتی
پھر کے خالی کسی در سے جو ہے سائل جاتا

اے صبا! تو ہی اُڑا کر رخِ لیلیٰ دکھلا
دستِ مجنوں نہیں تا پردۂ محمل جاتا

کون سی راحتِ جاں کی ہیں یہ آنکھیں مشتاق
کر کے اندھیر ہے وہ رونقِ محفل جاتا

آمدِ یار کی کانوں سے سنی ہے جو خبر
چھپ کے پہلو سے ہے آنکھوں کی طرف دل جاتا

باراں کی طرح لطف و کرم عام کیے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کیے جا

غمزے نئے اے سروِ گل اندام کیے جا
جو کام ہے معشوق کا وہ کام کیے جا

اے نرگسِ خود کام ملے خاک میں کوئی
تو پیرویِ گردشِ ایام کیے جا

کاکل کا اشارہ یہی اُس رخ سے ہے رہتا
مشتاق سے اپنے سحر و شام کیے جا

مرغِ دلِ احباب خود اُڑ اُڑ کے پھنسے ہیں
اے زلف یہ! کشمکشِ دام کیے جا

مژگاں یہی اُس چشمِ سیہ کو ہیں سجھاتیں
چشمک طرفِ نرگس و بادام کیے جا

رکھتا ہے اثر شوق کا اظہار بھی غافل
یار آئے ہی گا، نامہ و پیغام کیے جا

عاشق کا جنازہ ہے ملا راہ میں پیارے
تو بھی تو مشیت کوئی دو گام کیے جا

شفتالوئے لب کو کبھی تاکا تو وہ بولے
ملنے کا نہیں کچھ طمعِ خام کیے جا

اُلٹی ہے مت اُن کی تجھے بوسہ ہی ملے گا
آتش حرکت قابلِ دشنام کیے جا

صحرائے مغیلاں کا مگر مرحلہ آیا
پھوٹی ہوئی قسمت کو لیے آبلہ آیا

استادہ کمر باندھے ہوئے راہ میں ہیں ہم
لُوٹا اُسے یوسف کا اگر قافلہ آیا

سودا ہی رہا گیسوئے پیچاں کا تمھارے — شانے کی طرح ہاتھ نہ یہ سلسلہ آیا
یاقوتِ لب کی تری اللہ رے تفریح — پیری میں جوانی کا مجھے ولولہ آیا
ہر چند کرے ظلم و ستم جور و جفا یار — دانتوں سے ہی کاٹا جو زباں پر گلہ آیا
اک دم نہ جدا ہوتے تھے یا پہروں ہو غائب — کیا اس کا سبب ہے کہ جو یہ فاصلہ آیا
فریاد کو میری نہ سمجھ بے اثر اے بُت! — کہسار کو ان نالوں سے ہے زلزلہ آیا
بے آہ کیے جان نہیں بچتی اب اے دل! — بیتابی سے ہے تنگ مرا حوصلہ آیا

تھا شوق زبس منزلِ مقصود کا آتش
طے اُس کو کیا سامنے جو مرحلہ آیا

طریقِ عشق میں مارا پڑا جو دل بھٹکا — یہی وہ راہ ہے جس میں ہے جان کا کھٹکا
سزا ہے اپنی جو دے یار ہجر کا جھٹکا — شبِ وصال کی گستاخیوں کا ہے کھٹکا
علاج ہی نہیں کچھ تیرے نام کی رٹ کا — چھڑائے سے نہیں چھٹتا زبان کا چسکا
کسی کے سر میں ہوا درد منہ مرا چھٹکا — کسی کے پاؤں میں موچ آئی میں نے سر پٹکا
کیا ہے بادِ بہاری نے بلبلوں کو مست — ہوا ہے پھول کے ہر گل شراب کا مٹکا
نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو — ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے چھپر کھٹ کا
شبِ فراق میں اُس غیرتِ مسیح بغیر — اُٹھا اُٹھا کے مجھے دردِ دل نے دے پٹکا
کہوں جو عرشِ بریں بھی تو کہہ نہیں سکتا — بہت بلند ہے پایہ ترے چھپر کھٹ کا
خدا نے دی ہے تجھے اے صنم فضیلتِ حسن — زیادہ طرۂ گیسو سے شملے کو لٹکا
شبِ وصال میں کھولے قبائے یار کے بند — کمر سے کھینچ کے پٹکے کو ہم نے دے پٹکا
پری سے چہرے کو اپنے وہ نازنیں دکھلائے — حجاب دور ہو، ٹوٹے طلسم گھونگھٹ کا
مطیعِ نفس نہ اللہ نے کیا مجھ کو — نہ میں نے پیرویِ غول کی، نہ میں بھٹکا
شراب پینے کا کیا ذکر یار! بے تیرے — پیا جو پانی بھی ہم نے تو حلق میں اٹکا
چمن کی سیر میں سنبل سے پہلوانی کی — چڑھا کے پیچ پر اُن گیسوؤں نے دے پٹکا
شراب صاف نہ باقی رہی تو اے ساقی! — لنڈائے گا مجھے کیچڑ میں نشہ تلچھٹ کا
کبھی تو ہو گا ہمارے بھی یار پہلو میں — کبھی تو قصد کرے گا زمانہ کروٹ کا
بس اپنی مستی کو گردش ہے چشمِ ساقی کی — ہمارا پیٹ نہیں ہے شراب کا مٹکا
خدا کو حشر کے دن منہ دکھائے گا تو کیا — یہی جو شرم پر اے بُت ہے طرہ گھونگھٹ کا

سرائے یار میں پہنچیں گے ہم لگا کے کمند — بلند بام سے رتبہ ہے اُس کی چوکھٹ کا

کلاہِ کج کا ہے طرّۂ قبائے چسپاں پہ — جوان آج نہیں ہے تری سجاوٹ کا

نہ تیغ عشق کے منہ چڑھ دلا! خدا سے ڈر — اُسی گڑھے میں تو جی چھوٹتا ہے جیوٹ کا

ڑائی ہے تری رنگیں اداؤں نے نیند — عسس کے دل کو ہے مہندی کے چور کا کھٹکا

نہ پھول بیٹھ کے بالائے سرو اے قمری! — چڑھے جو بانس کے اوپر یہ کام ہے نٹ کا

پری سے چہرے کے اوپر نہیں ہیں لہراتے یہ — منہ چڑھاتے ہیں گیسوئے یار گھونگھٹ کا

جانتے تو تمھیں ہم نہ باندھنے دیتے — کمر کے ساتھ لپٹے گا ناف کا پٹکا

عجیب بھول بھلیاں ہے غفلتِ ہستی — جسے کہ راہ ہوئی اُس سے خوب ہی بھٹکا

عجب نہیں ہے جو سودا ہو شعر گوئی سے
خراب کرتا ہے آتشؔ زبان کا چٹکا

عزیز روح کے دم تک ہے کالبد، گُل کا — خراب حال ہے بے مغز جب ہوا چھلکا

لہو سے سرخ رہے رنگ تیغِ قاتل کا — وہ تحرک اور تماشا ہو رقصِ بسمل کا

بہار آئی ہے، دیوانے وجد کرتے ہیں — سرود کی ہے صدا، غلغلہ سلاسل کا

رخِ ملیح کے خالوں سے یہ ہوا ظاہر — نمک کے ساتھ مزا ہے سیاہ فلفل کا

عجب نہیں شرفِ خواجگی مری خاطر — ذلیل بندہ ہوں کیسے عزیز ہر دل کا

کہا جو میں نے مجھے ذبح کیجیے تو کہا — "یہ کام ہے ملک الموت نام قاتل کا"

فراقِ یار میں ممکن نہیں تحمل و صبر — نہ ہو سکے گا یہ ہم سے، ہے کام مشکل کا

ہمیشہ یار رہے پیشِ چشمِ عالم میں — نہ منہ دکھائے خدا بے چراغ محفل کا

پھرا ہوں گرد میں سودائے خال میں گھڑیوں — نظر پڑا ہے کہیں پیڑ جو کوئی تل کا

کہے جو یوسف انھیں کوئی تو یہ کہتے ہیں — "ہمیں بھی سمجھے ہو تم بیچنے کے قابل کا"

خیالِ زلف ہے اُس رخ کے شوق میں آتا — دکھائی دینے لگا ہے سودا منزل کا

گئی ہے روح بدن میں سے وجد کرتی ہوئی — عجیب حال ہوا ہے تمھارے بسمل کا

نظارۂ رخِ لیلیٰ کرو میاں مجنوں! — بٹھا کے ناقے کو پردہ اُٹھاؤ محمل کا

کھلا یہ ہم کو دمِ نزع کے تنفس سے — کشاں کشاں لیے جاتا ہے شوق منزل کا

خدا سے مانگ جو کچھ مانگتا ہے اے آتشؔ!
کریم رد نہیں کرتا سوال سائل کا

رعد کا شور ہو موروں کی صدا سے پیدا
جھومتا ابر بہاری ہو ہوا سے پیدا

اے جنوں خار ہوں صحرا کی ہوا سے پیدا
آبلے ہوتے ہیں اپنے کفِ پا سے پیدا

نہ تو بھوکے ہوئے تھے ہم نہ تو پیاسے پیدا
ہو گئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا

چاہیے اشک بھی ہوں نالے کے پیچھے پیچھے
آمدِ قافلہ ہے بانگِ درا سے پیدا

لالہ و گل ہیں زمیں پر تو فلک پر ہے شفق
رنگ کیا کیا ہوئے خونِ شہدا سے پیدا

قد کشی آج وہ سروں سے ہیں کرتے جاتے
کل کی ہے بات ہوئے تھے جو ذرا سے پیدا

تخت پریوں کے اُڑا لائے جو دیوانوں تک
یا رب! ایسی کوئی آندھی ہو ہوا سے پیدا

دھوپ میں تو جو نکلتا ہے کبھی اے شہِ حسن
سایہ ہوتا ہے پر و بالِ ہما سے پیدا

مشک بو زلف کا ہے لطف رخِ رنگیں پر
سنبل الطیب چمن میں ہو بلا سے پیدا

شاہدِ گل کو ہے مقصود شکارِ بلبل
مُنیاں باغ میں ہوتی ہیں، حنا سے پیدا

پا برہنہ، سرِ عریان و تنِ گرد آلود
ہے کراماتِ گدا، حالِ گدا سے پیدا

حسنِ بُت سے جو بنی جان پہ اپنی تو کھلا
حال ہوتا ہے یہی عشقِ خدا سے پیدا

فی الحقیقت ہے اگر چشمۂ حیواں وہ دہن
سیکڑوں خضر سے ہو جائیں گے پیاسے پیدا

بوسہ بازی سے مری ہوتی ہے ایذا ان کو
منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں حیا سے پیدا

عہدِ پیری میں جوانی ہے بہت یاد آتی
کیجیے زورِ کماں پشتِ دوتا سے پیدا

اب نقاب اُلٹے ہوا بھی تو نہیں کچھ ہوتا
تم نے کر لی ہے بڑی آڑ صبا سے پیدا

مجھ کو ڈر ہے کہیں طوقِ کمرِ یار نہ ہوں
حلقے ہوتے ہیں بہت زلفِ رسا سے پیدا

بند کر دے گی تری برقِ جمال آنکھوں کو
ہونے دے شربتِ دیدار کے پیاسے پیدا

دیکھ کر آئینہ بیزار نہ ہو صورت سے
ہوتے ہیں جوشِ جوانی میں مُہاسے پیدا

بندۂ عالم نہیں ہو سکنے کا بے دل جوئی
بُت گمراہ کریں راہ خدا سے پیدا

لبِ شیریں کی ترے چاشنی ممکن نہ ہوئی
رس سے شکر ہوئی، شکر سے بتاسے پیدا

اے شہِ حسن! ترے عشق میں مرنے کے لیے
لڑکے ہوتے ہیں فقیروں کی دعا سے پیدا

غور ہو، موسمِ سرما ہے قریب اے آتش
کیجیے ربط کسی لقا سے پیدا

نالہ ہر روز نہیں ہو سکتا
دردِ سر روز نہیں ہو سکتا

سامنے اپنے وہ شبِ ہجراں
جلوہ گر روز نہیں ہو سکتا

گاہ گاہ ہے تو سہی اے آہو! جو اثر روز نہیں ہو سکتا
پوچھ لینا خبر عاشق کا بے خبر روز نہیں ہو سکتا
راہبر شرط ہے رہرو کے لیے بے سحر روز نہیں ہو سکتا
ماتم دل میں کہاں تک رووٴں خوں جگر روز نہیں ہو سکتا
اے شب وصل! برابر تیرے مختصر روز نہیں ہو سکتا
تیرے فاقے ہوں، اٹھا میں گدا در بدر روز نہیں ہو سکتا
پاؤں ٹوٹیں ترے اے عمرِ رواں اب سفر روز نہیں ہو سکتا
یار سے ہم کو شکایت بھی نہیں شکر اگر روز نہیں ہو سکتا
.... چپ رہے کب تک آتش
.... روز نہیں ہو سکتا

دشمنِ جانِ جہاں وہ تُرکِ بدخو ہو گیا بادشاہِ حسن کہنے سے ہلاکو ہو گیا
مارِ گیسو سے سوا قاتل وہ ابرو ہو گیا میری ایذا کو سراپا ڈنک بچھو ہو گیا
باغ میں چل کر شرابِ سرخ اے ساقی! پئیں فصلِ گل ہے فرشِ سبزے کا لبِ جو ہو گیا
لالہ رو اُٹھتے ہی پہلو سے ترے میں کیا کروں جاں وبالِ دل ہوئی، دل داغ پہلو ہو گیا
حق ہے کافر کے لیے دنیا ہے گلزارِ بہشت وہ رخِ رنگیں مقامِ خالِ ہندو ہو گیا
زار ہوں ایسا، کسی کو میں نظر آتا نہیں عشق میں گھل کر کمر کا یار کی مُو ہو گیا
مدت سودائے گیسو کا بیاں کیا کیجیے طوقِ گردن گھستے گھستے حلقۂ مُو ہو گیا
یادِ صحرا میں جو مجھ مجنوں کو آیا کوئے یار پھاڑ کھانے کو سگِ دیوانہ آہو ہو گیا
دیکھتا ہے جب کوئی ہنستا ہے تیری چال پر
زرد ہوتے ہوتے آتش زعفراں تو ہو گیا

مے نوش بھر رہے ہیں دم ابرِ بہار کا تشریف لائے تو کرم ابرِ بہار کا
پرچم کا جلوہ برق کی دکھلاتا ہے چمک افراختہ علم ہوا ابرِ بہار کا
چھڑکاؤ مے کدے میں کرے مشک کی طرح پانی سے ہے بھرا شکم ابرِ بہار کا
طاؤس کی طرح سے جو ہوتے فریفتہ منہ چوم لیتے اُڑ کے ہم ابرِ بہار کا
دو دیدۂ پُر آب ہیں یاں بھی عطائے عشق روتے ہیں ساتھ دے کے ہم ابرِ بہار کا
پیماں شکن ہوا لیے آتی ہے دوش پر بھاری ہے توبہ پر قدم ابرِ بہار کا

بے بادہ سرخ ہو کہ سفید و سیاہ ہو ‏ ہر ایک رنگ ہے ستم ابرِ بہار کا
کیوں کر کہیں بساطِ سلیماں ترے گدا ‏ ساقی! یہ مرتبہ ہے کم ابرِ بہار کا
بے خوار انتظار میں دیوانے ہو گئے ‏ غمزہ نہیں پری یہ کم ابرِ بہار کا
ساقی! پلا کے مے مجھے دل شاد بھی تو کر ‏ کھاتا ہوں سال بھر سے غم ابرِ بہار کا
آئے تواب کی آنکھوں سے اپنی لگاؤں میں ‏ دھو کر شراب سے قدم ابرِ بہار کا
اے محتسب نہ مے کدے کا قصد کیجیو ‏ بجلی گراتا ہے ستم ابرِ بہار کا

آتا ہے جھومتا ہوا، ساماں رہے درست
اے ساقیانِ بزمِ جم ابرِ بہار کا

اڑ جائے گا زخمِ دلِ بے تاب کا پھاہا ‏ پیدا کرے گا حوصلہ سیماب کا پھاہا
بلبل کے کلیجے میں جو یہ گھاؤ ہے، اس پر ‏ رکھ دے کوئی برگِ گلِ شاداب کا پھاہا
وہ دوستی پیشہ ہوں، لہو روئی ہیں آنکھیں ‏ چھوٹا ہے جو زخمِ دلِ احباب کا پھاہا
جراح مرے داغِ جنوں پر اسے رکھ دے ‏ موبافِ پری سے جو ہو تیزاب کا پھاہا
اندیشہ نہیں زخم کے بھی چور کا ہم کو ‏ زربفت کا پھاہا ہے، یہ کم خواب کا پھاہا
باقی رہے گا پھر بھی نشاں زخم کا اپنے ‏ ہر چند مٹایا کرے تیزاب کا پھاہا
اے داغِ جدائی ترے اوپر اسے رکھ دوں ‏ ممکن ہو اگر چادرِ مہتاب کا پھاہا
کیا کاٹے گا پھوڑا ہے مرے دل کا بہت سخت ‏ زائیدہ روئی کا ہے یہ تیزاب کا پھاہا
جب خون مرے سینے کے زخموں نے دیا ہے ‏ ہم رنگ ہوا ہے کفِ قصاب کا پھاہا
مجروح تری تیغ کے ہیں پشم سمجھتے ‏ کس گنتی میں ہے قاقم و سنجاب کا پھاہا
کیا جائے گی سوزش مرے ناسورِ جگر کا ‏ موجوں کی نہ بتی ہے، نہ گرداب کا پھاہا
اچھا نہیں اس نقشِ محبت کا مٹانا ‏ دشمن نہ ہوا داغِ دلِ احباب کا پھاہا

کس ترک کی تلوار کا تو زخمی ہے آتش
لایا سپرِ بافتہ تیزاب کا پھاہا

آشیانہ، نہ قفس اور نہ چمن یاد آیا ‏ آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ صیاد آیا
تیغ کھینچے ہوئے ترکِ ستم ایجاد آیا ‏ بعد مدت ملکِ الموت کو میں یاد آیا
دام میں کھینچنے بلبل نہیں، صیاد آیا ‏ یہ چمن میں کوئی گلچیں کا بھی استاد آیا
ذبح کرنے لیے خنجر نہیں جلاد آیا ‏ جوہر اپنے مجھے دکھلانے ہے فولاد آیا
تو بھی اے سروِ رواں زلف کو لہرا جا کر ‏ طرہ لٹکائے گلستاں میں ہے شمشاد آیا

رو دیا ابرِ بہاری کو جو ہنستے دیکھا
کرمِ پیرِ خرابات مجھے یاد آیا

نہ کہو فصلِ بہار آئی ہے، بُلبُل نہ سنے
چپ رہو، چپ رہو، ہنگامۂ فریاد آیا

عشق کے معرکے میں کون سی جھیلی نہ کڑی
سر کیا سامنے جو قلعۂ فولاد آیا

قطع امید ہوئی رحم بھی آ جانے کی
ذبح کرنے مجھے منہ پھیر کے جلّاد آیا

ایک دن ہچکی بھی آئی نہ مجھے غربت میں
میں کبھی تم کو نہ اے اہلِ وطن یاد آیا

واجب القتل ہوں، مہمانِ دمِ چند ہوں میں
تیرا حکم کبھی لے کر نہیں جلّاد آیا

ذبح مجھ سوختہ جاں کو نہیں کر سکنے کا
آبرو کھونے کو ہے خنجرِ فولاد آیا

نہ ڈرو حشر کے دن، منہ نہ چھپاؤ مجھ سے
داد خواہی کو نہیں کشتۂ بیداد آیا

چاہیے حلق میں باقی نہ رہے قطرۂ خوں
تیرے فاقے سے ہے خنجرِ جلّاد آیا

سوزشِ دل مری کیا بن کے قلم لکھنے کا
موم ہو ہو کے ہے بہ جانے کو فولاد آیا

عزم بالجزم ہے مجھ رند کو میخانے کا
دخترِ رز سے یہ کہہ دیجیو داماد آیا

سجدۂ شکر زمیں پر نہ کروں میں کیوں کر
آسماں سے ہے مرا رزقِ خداداد آیا

کاکلِ یار نے زنجیر کی صورت پکڑی
قید ہونے کے لیے سیکڑوں آزاد آیا

تیرے دیوانے کے مردے کو لیے کاندھے پر
گور تک مجمعِ طفلانِ پری زاد آیا

ہوں وہ دیوانہ بے خود خبر اصلا نہ ہوئی
طوق و زنجیر پنھانے کے حدّاد آیا

ملک الموت کو اللہ نے بھیجا مجھ تک
حکمِ سلطاں سے مرے قتل کو جلّاد آیا

وصف لعلِ لب و زنجیرِ دو گیسو لکھتے
خطِ یاقوت، نہ ہم کو خطِ حداد آیا

عوضِ فاتحۂ خیر پڑھے گا سیفی
قبر پر میری شب جمعہ جو جلّاد آیا

دیکھ لے، پھر یہ تماشا نظر آنے کا نہیں
سامنے آنکھوں کے ہے عالمِ ایجاد آیا

سخت جانی نے مری جب سے کیا ہے آری
منہ دکھانے نہیں پھر خنجرِ فولاد آیا

کہہ دو اندھوں سے کوئی اپنی تم آنکھیں کھولو
روشنی بخشِ عالمِ ایجاد آیا

فرقتِ یار میں بے تابیِ دل کیا کہیے
کب کلیجا نہیں منہ کو دمِ فریاد آیا

ہاتھ آیا کبھی بُلبُل ہے تو اس گل پر سے
صدقے کر کے ہے اُڑا دینے کو صیّاد آیا

یارا غمزے نئے، انداز نئے، ناز نئے
تم کو اس عالمِ ایجاد میں ایجاد آیا

دامن اپنا نہیں پہنچا ہے یہ چشمِ تر تک
ادب آموزیِ اطفال کا استاد آیا

درگہِ یار مرادوں کی محل ہے آتش
شاد یاں سے ہے گیا جب کوئی ناشاد آیا

ردیف بائے تازی

ہر حال میں ہے اپنے مرا یار دلفریب
گفتار دلفریب ہے، رفتار دلفریب

مژگاں کی طرح گرد ہوں دیکھیں اگر طبیب
آئی تو ہے وہ نرگسِ بیمار دلفریب

مژگانِ چشمِ یار کی تعریف کیا کروں
جاں کاہ، جاں خراش، دل آزار و دلفریب

انداز حسنِ یار ہیں اک اک سے خوشنما
رکھتا ہے ہر شگوفہ یہ گلزار دلفریب

مشتاق زخم کے رہیں اے تُرک! کشتنی
ابرو سے تیرے ہو تری تلوار دلفریب

دیوانے گرد رہتے ہیں گھر میں ہیں یار کے
چشمِ پری ہے روزنِ دیوار دلفریب

دنیا میں آ کے جی نہیں جانے کو چاہتا
دلکش ہر ایک دکان ہے، بازار دلفریب

سودائے عشق کے لیے ہے خوش جمال شرط
یہ جنس چاہتی ہے خریدار دلفریب

عالم میں مجھ کو قاتلِ خوش رو کی ہے تلاش
جلّاد ڈھونڈھتا ہے گنہگار دلفریب

دیوانِ حسن میں سے ہے اک بیت انتخاب
کیونکر نہ ہو وہ ابروئے خم دار دلفریب

اُس گل نے گوشِ دل سے سنا ایک دن نہ حیف
آتشؔ! یہ کیسے ہیں ترے اشعار دلفریب

چلتے ہیں ناز سے جو وہ رفتار آفتاب
پاؤں کو پوجتے ہیں پرستارِ آفتاب

منہ پر نقاب ڈالا ہے جب سے کہ یار نے
آنکھوں میں اپنے بند ہے بازار آفتاب

پی کر شراب مست جو رہتے ہیں نشے سے
وہ لوٹتے ہیں دولتِ سرکارِ آفتاب

حسن و جمال یار کا اللہ رے فروغ
آتے ہیں سجدہ کرنے پرستار آفتاب

اس طفلِ مہ جبیں نے رکھی کلاہ کج
پیرِ فلک نے پھینک دی دستار آفتاب

زیرِ زمیں ہے گاہ، گہے آسمان پر
عقلِ حکیم ہے، نہیں رفتار آفتاب

البتہ روئے یار کا ہم کو ہو اشتباہ
لب لعل سے دکھائے جو رخسار آفتاب

بھلائیے نہ دھوپ میں ہو کر خفا مجھے
مجرم ہوں آپ کا، نہ گنہگار آفتاب

اللہ نے دیا ہے رُخِ آتشیں تمھیں
وہ گرمیاں ہوں، ہوں جو سزاوار آفتاب

چل کر چمن میں پختہ کرو میوہ ہائے خام
ظاہر ہیں رُخ سے آپ کے آثار آفتاب

پیدا ہوا ہوں عشقِ رُخِ یار کے لیے
دیکھا ہے آنکھ کھول کے دیدار آفتاب

کھلتا ہے حالِ رخ لبِ جاں بخشِ یار سے
سن لیتے ہیں مسیح سے اخبار آفتاب

سیرِ جہاں کیا کرے دن کو غرض نہیں
شب کو ہمارے گھر میں ہوا اقرار آفتاب

گرمیِ حسن کا ہے اشارہ یہی ہمیں / وہ کام کیجیے کا جو ہو کارِ آفتاب
بندھتی ہیں یار ٹکٹکیاں اب تری طرف / آتے ہیں دیکھنے تجھے نظّارِ آفتاب
چوتھے فلک سے کم نہیں مستوں کو میکدہ / ہے آفتاب ساغرِ سرشار آفتاب
ایسا کھرا ہے سکّہ ترے داغِ عشق کا / کھوٹا ہے جس کے سامنے دینارِ آفتاب
ہنگامِ صبح تم بھی جو بالائے بام ہو / آنکھوں میں رہ روؤں ہو تکرارِ آفتاب
رخسارِ دلفریب ہو نظّارے کے لیے / خواہانِ ماہ ہوں، نہ طلب گارِ آفتاب

اندھیر اپنی آنکھوں میں آتش ہے روشنی
بے روئے یار داغ ہے رخسارِ آفتاب

روشنی اُس رخ کی کر جاتی ہے کارِ آفتاب / حسن سے پیدا کیا ہے اقتدارِ آفتاب
سامنا اُس آتشیں رخسار کا اندھیر ہے / ہم کبے رکھتے ہیں، آگے اختیارِ آفتاب
ہجر کی شب میں زبس ہے اشتیاقِ روزِ وصل / رات بھر رہتی ہیں آنکھیں انتظارِ آفتاب
نقش کس دل میں نہیں رخسارِ روشن کا ترے / کون سا گھر ہے نہیں جس میں گزارِ آفتاب
منہ ملاتا ہے تمھارے چہرۂ پُر نور سے / کیجیے اپنی کفِ پا کو دوچارِ آفتاب
حسنِ مخلوقات سے اشرف جمالِ یار ہے / بے حساب اُن عارضوں میں ہے شمارِ آفتاب
یہ دعا کرتے ہیں اُس رُخ کو ترقی خواہِ حسن / روشنیِ ظہور دے پروردگارِ آفتاب
کیفِ مے سے سرخ جو وہ چہرۂ روشن ہوا / ہم بہارِ باغ لوٹی، ہم بہارِ آفتاب
خانۂ دل میں جگہ دیجیے خیالِ یار کو / دیکھیے برجِ شرف میں اقتدارِ آفتاب
دم فنا اُس روئے روشن کے نظّارے نے کیا / طائرِ جاں ہو گیا اپنا شکارِ آفتاب
روتے روتے پہلوئے گل میں گزر جاتی ہے رات / یاد آتا ہے جو شبنم کو کنارِ آفتاب
صبحِ محشر کا ہے آنکھوں کو اُنھوں کے اشتیاق / ہجر کی شب میں ہیں جو اُمیدوارِ آفتاب
عور رہتے ہیں تصور سے شبِ سرما میں گرم / روئے روشن یار کا ہے یادگارِ آفتاب
مر گئے پر بھی نہ بھولے گا رُخِ زیبائے یار / ذرّے اپنی خاک کے ہوں گے نثارِ آفتاب
دُں تیرے اُس میں اے محبوب دھویا کیجیے / ہاتھ آ جائے جو طشتِ زر نگارِ آفتاب
ل جلا ہے گرمیوں سے اُس کی بے یار اس قدر / بھاگ جاؤں واں نہ جس جا ہو گزارِ آفتاب

روئے یار اپنی طرف سے پھرنے اے آتش نہ دیں
ہو جو ہاتھ اپنے عنانِ اختیارِ آفتاب

غریب آزار کا انجامِ کار اچھا نہیں ہوتا — بس اب اے آہ چرخِ پیر پر برچھی نہ کر سیدھی

جو منہ میں یار کی آتا ہے بک جاتا ہے اے آتش

نہ اُلٹی ہی سمجھتا ہے نہ وہ نہ رشکِ قمر سیدھی

کوچہ تیرا عیش باغ اے یار! بے تاویل ہے — چشمِ اشک آلودِ عاشق اُس میں موتی جھیل ہے

آفتِ جاں سامنا اُس کا ہے انساں کے لیے — خوبصورت جس کو کہتے ہیں وہ عزرائیل ہے

معنیِ توریت موسائی سمجھتے ہیں تجھے — واسطے عیسائیوں کے مطلب انجیل ہے

بلبل و قمری ہیں نالاں راہِ کوئے یار میں — گل جو ہے سنگِ فشاں ہے سرو جو ہے میل ہے

گرد رہتے ہیں ستارے رات بھر پروانہ وار — ماہِ تاباں کون سے دروازے کی قندیل ہے

جلوۂ قربانیانِ عشق کس دن واں نہیں — روز اُس یوسفؑ کی کُو میں عیدِ اسمعیل ہے

کیا سمجھ کر بلبلوں کو حسن سے اُس کے ہے عشق — چار دن میں رنگِ رُخسارِ چمن تبدیل ہے

عشق بازی میں ہمیں فرہاد و مجنوں سے ہے فوق — لیلیٰ و شریں سے تم کو حُسن میں تفضیل ہے

بے سروپائی نے پایا ہے یہ عالم میں رواج — پا جو ہے بے کفش ہے، سر ہے سو بے مندیل ہے

بادشاہِ وقت اُس کے شیفتہ ہیں اے صنم — گیسوؤں کا تیرے سودا ہند کی تحصیل ہے

شعرِ الہامی یہ پہنچاتی ہے وہ لاتا تھا وحی — فکرِ عالی منزلت بھی ہمرہِ جبریل ہے

راہ پر لاتے ہیں جب گمرہ ہوا ہے آسماں — بیشتر ہم نے بنایا ہے جو بگڑا نیل ہے

جو کہ دیوانہ ہے حاضر ہووے بازی گاہ میں — لڑکوں کو چھٹی ہے، روز جمعہ ہے، تعطیل ہے

عشق کے غم سے کوئی نعمت نہیں لذت سرشت — نوش کیجیے اس غذا کو جس قدر تحلیل ہے

منتظر ہے چشم روزِ وعدۂ دیدار کی — گوش مشتاقِ صدائے صورِ اسرافیل ہے

پیشۂ عشق و جنوں کی سیر کے قابل ہے تو

شیر کے مانند آتش تجھ میں زورِ فیل ہے

کیفِ مے نے سُرخ وہ رُخ کر دیا عتاب سے — آتشِ گل کس مزے کی ساتھ بھڑکی آب سے

تیرے سودے میں کھلونا بن گیا ہے اے پری! — کھیلنے آتے ہیں طفل اپنے دلِ بیتاب سے

باغِ عالم میں ہو تسکیں خاک مجھ بیمار کو — اک زنخداں سیب سا، دو لب نہیں عناب سے

سامنا ہوتا ہے بے تیرے جو اے آرامِ جاں! — مردمِ دیدہ چُرا لیتے ہیں آنکھیں خواب سے

دیکھتے ہیں زور اپنے ہاتھ کا وہ آج کل — خونِ عاشق مَل کے پنجہ کرتے ہیں قصاب سے

تم اندھیری رات میں اٹھو جو چہرے سے نقاب — رشکِ مہر ذرّوں کو جگا دے خواب سے

ردیف تائے مثناۃ

قامت سے دکھا یار تماشائے قیامت
ہو آج ہی ہونا ہے جو فردائے قیامت

واعظ سے تری جلوہ نمائی جو سنی ہے
دیدار کے بھوکوں کو ہے سودائے قیامت

دونوں سے علاقہ نہ رہا چاہ کے تم کو
جنت کے، نہ دوزخ کے ہوئے، وائے قیامت

اس مرحلے میں خونِ جگر کھانا پڑے گا
بے دانہ و بے آب ہے صحرائے قیامت

شاعر ہوں، یہی عرصۂ محشر میں کہوں گا
کیا مصرع برجستہ ہے بالائے قیامت

رحمت سے تری ڈر نہیں، ہر چند کہ ہووے
فردائے قیامت پسِ فردائے قیامت

کشتے تری خلخال کی آواز کے ہیں ہم
ہم سے نہ سنا جائے گا غوغائے قیامت

دو گام جو محشر میں چلے تم. روشِ ناز
پامال ہوئے فتنۂ صحرائے قیامت

اس قدِ کشیدہ کا نہ مشتاق ہو اے دل
اللہ نہ دکھلائے تماشائے قیامت

فریاد جنوں کی نہیں اللہ سے کرتے
ہو یا نہ ہو، ہم کو نہیں پروائے قیامت

ہمراہ میرے یہ بھی جہنم میں پڑیں گے
اعضا جو کریں گے مجھے رسوائے قیامت

اے داغِ جنوں حشر کا خورشید ہے تو بھی
گرمی سے تری ہوتی ہے ایذائے قیامت

کشتے ہیں محبت کے ترے زندۂ جاوید
مُردوں کو مبارک ہو تمنائے قیامت

آتش نہیں بچ رہنے کے، تم کو بھی کرے گا
صحبت کا شریک انجمن آرائے قیامت

عجب تیری ہے اے محبوب صورت
نظر سے گر گئے سب خوب صورت

صفائے قلب سے ہوتا ہے روشن
اس آئینے کو ہے مطلوب صورت

نقاب الٹو رخِ زیبا سے اللہ
نہیں بھاتی ہمیں محجوب صورت

جبیں پر سے کرو چین و شکن صاف
حسینوں کو ہے یہ معیوب صورت

پری و حور بھی رکھتے نہ ہوں گے
تمھاری شکل سی محبوب صورت

وہ عاشق ہوں مرے آگے ہے آتا
بنا کر حسن خوش اسلوب صورت

مبدّل صبر بیتابی سے ہو جائے
اگر دیکھیں تری ایوبؑ صورت

اُڑے گا شوق سے، پیدا کرے گا
کبوتر کی مرا مکتوب، صورت

سرِ بازار تم سے جبکہ چاہے
ملا لے یوسفِ یعقوبؑ صورت

ہلا دیں دل نہ کیونکر شعرِ آتش
صفا بندش ہے، معنی خوب صورت

لبِ شیریں تک اُن کے آئی بات — بن گئی قند کی مٹھائی بات
دہنِ یار میں نہ آئی بات — شاعروں نے بہت بنائی بات
دامن اُس گل کا کیا چھوئے گی صبا — یہ کسی نے ہے جھوٹ اُڑائی بات
قصہ کوتہ دہانِ یار کا تھا — تہمتوں نے مری بڑھائی بات
کھیل زلفوں کا ہے اُلجھ پڑنا — اُن کی آنکھوں کو ہے لڑائی بات
نہ کسی کو کڑی کہی ہم نے — نہ کسی کی کڑی اُٹھائی بات
دہنِ تنگ یار میں کیا کیا — تنگ ہو ہو کے ہے سمائی بات
دردِ دل کہنے میں ہے کیا پس و پیش — کہی جاتی ہے منہ تک آئی بات
تازگی فکر کی مبھی نہ گئی — جب سنائی نئی سنائی بات
دم ہے چینِ جبینِ یار سے بند — کرنے دیتی نہیں رُکھائی بات
چشم پوشی ہے قہر ان آنکھوں کو — سرمے نے بھی نہ یہ سجھائی بات
کہہ گئے تم کنایے میں کیا کیا — نہ کسی نے تمھاری پائی بات
تم جو گویا ہوئے تو پھول جھڑے — غنچے سے منہ میں رنگ لائی بات
یہ صدا آتی ہے خموشی سے — منہ سے نکلی، ہوئی پرائی بات

تیرے شیریں کلام کو سن کر
پھر نہ آتش کسی کی بھائی بات

مہندی سے لال لال ہوئے دست و پائے دوست — خونِ شہید ناز ہوا ہے حنائے دوست
حصے میں دوستوں کے ہے جور و جفائے دوست — دشمن خدانخواستہ ہوں خاک پائے دوست
دل کو ہوئے ہیں معنیٔ توحید منکشف — آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا سوائے دوست
لاتیں چلیں گی سینے پر اپنے شبِ وصال — کیا کیا نہ غل مچائے گی خلخالِ پائے دوست
کیا مال ہے، ہزار کوئی مال دار ہو — ہم بھی ہیں سائلِ درِ دولت سرائے دوست
زندہ سنے تو مردہ ہو، ہو جائے دم فنا — مُردے کو زندہ کرتی ہے آوازِ پائے دوست

ردیف تائے ہندی

دولتِ حسن کی بھی ہے کیا لوٹ — آنکھوں کو پڑ گئی ہے لوٹا لوٹ

چل رہی ہے ولا ہوائے بہار
لالہ پھولا ہے، داغِ سودا لُوٹ

سامنے تیرے جو پڑے اے تُرک!
اس میں کعبہ ہو یا کلیسا، لُوٹ

چار دن ہے بہار اے بلبل!
زرِ گل کا ہزار توڑا لُوٹ

صفِ مژگاں سے کہہ رہی ہے وہ چشم
دل ملیں جتنے، بے تحاشا لُوٹ

صرفِ للہ مالِ دنیا کر
مرد ہے کچھ تو بہرِ عقبیٰ لوٹ

صاف دل ہو تو جلوہ گر ہو یار
آئینہ ہو تو ہو تماشا لُوٹ

نعمتِ خوانِ حسن جو مل جائے
یہ سمجھ لے ہے مَنّ و سلویٰ، لُوٹ

گوہرِ آبلہ ہوے تو چلے
لیں گے دیوانو خارِ صحرا لُوٹ

کیا عجب جو وہ گیسو رہزن
لیں متاعِ دلِ احبا لُوٹ

جانتے ہیں کہ فوجِ جنگی سے
نہیں سردار پھیر لیتا لُوٹ

کام مردوں کا ہے یہ اے آتش
رکھتی ہے جان کا بھی کھٹکا لُوٹ

وصل کی شب نہیں عاشق سے سزاوار لپیٹ
نیند کا حیلہ نہ کر، منہ کو نہ اے یار لپیٹ

مثلِ گل تو نے جو پہنی ہے قبا اے محبوب!
لالے کی طرح سے بھی لٹپٹی دستار لپیٹ

جان پر بنتی ہے، ہو جاتا ہے اک سودا سا
دل کو لیتے ہیں ترے گیسوئے خم دار لپیٹ

قتل پر میرے اُٹھایا ہے جو بیڑا تو نے
خوب کس کر کمر اے تُرکِ جفا کار لپیٹ

داغِ عشق آپ ہی کھا اُس کو نہ کھلوا للہ
ساتھ اپنے نہ جگر کو بھی دلِ زار لپیٹ

چاند سے منہ کو دکھا ابرِ سیہ سی زلفیں
کبک و طاؤس کو بھی اپنی طرف یار لپیٹ

بھیڑ سی بھیڑ رہا کرتی ہے دروازے پر
رکھے کس کس کو ترے قصر کی دیوار لپیٹ

خطِ مشکیں سے رُخِ یار کے اوپر یہ کھلا
روزِ روشن کو بھی لیتی ہے شبِ تار لپیٹ

شانِ مریخ بھی دکھلا چکے قاتل مجھ کو
اُس خوش اندام کو اے جامۂ گلنار لپیٹ

آمد آمد کی اطبا کی جو سنتے ہیں خبر
منہ کو لیتے ہیں کفن سے ترے بیمار لپیٹ

کافی ابرو کا اشارہ ہے مجھے اے قاتل!
خونِ ناحق میں مرے اپنی نہ تلوار لپیٹ

یہی بازارِ جہاں میں ہے تمنا آتش
جنسِ دل لے کوئی خوش رو سا خریدار لپیٹ

ردیف جیم تازی

بنیں گے کس کا زیور چاند سورج
گھڑا کرتے ہیں زرگر چاند سورج

چڑھیں کیا تیرے منہ پہ چاند سورج
جواں ہے تو، معمّر چاند سورج

قسم تیرے ہی سر کی اے رخِ یار!
نہیں تیرے برابر چاند سورج

جبیں سا ہوتے ہیں جب دیکھتے ہیں
سرائے یار کا در، چاند سورج

وہ رخسارے جو ہوتے ہیں مقابل
نکل جاتے ہیں دب کر چاند سورج

ترے جویا ہیں اے محبوب! یہ بھی
پھرا کرتے ہیں گھر گھر چاند سورج

چراغوں میں ہیں تیرے راستے کے
رہیں روشن نہ کیونکر چاند سورج

وہ رُخ ہوتے تو پھر اندھیر کرتے
چھپاتے منہ مقرّر چاند سورج

تمھارے روبرو ہو کر ہوئے ہیں
سفید و زرد اکثر چاند سورج

وہ بنگا نور کا ہے تُو جو دیکھے
رہیں حیران و ششدر چاند سورج

صفا جتلا کے چار ابرو کو اپنے
ہوئے تیرے قلندر چاند سورج

چڑھے میری طرح سے جو تپ عشق
ہلال آسا ہوں لاغر چاند سورج

وہ بالوں میں اگر رکھیں نہ باندھیں
اُڑیں، پیدا کریں پر چاند سورج

ہم اُس مے خانے کے ہیں مست آتش
کہ جس کے ہیں دو ساغر چاند سورج

ردیف جیم فارسی

بلا اُس زُلفِ پیچاں کا ہے ہر پیچ
خم اندر خم ہے ہر مُو پیچ در پیچ

تری دستار پہ عاشق کشی کو
ستم ہے گوشوارہ، قہر سرپیچ

الٰہی! خیر کیجو، کھا رہی ہے
اِدھر وہ زلف، اِدھر نازک کمر پیچ

ہوئے ہیں زلفِ پیچاں سے بھی طُرّے
تری دستار کے بیداد گر پیچ

اُٹھائے عشق پیچاں کی طرح سے
گلستانِ جہاں میں پیچ پر پیچ

نہ ہو اُس زلفِ پیچاں کا جو سودا
سمجھ لے اپنی قسمت کا بشر پیچ

جوابِ خط خبرداری سے لاتا
نہ پڑنے پائے کچھ اے نامہ بر! پیچ

تری زلفوں کا دھوکا ہم کو دے گا
سراسر خم ہے سنبل، سر بسر پیچ

نہیں دم باز ہم، ہم کو نہ دم دے
کرے جو پیچ اے یار اُس سے کر پیچ

فراقِ یار سے کُشتی پڑی ہے
پچھاڑا ، چل گیا آتش اگر پیچ

رہِ الفت میں نقدِ عمر کر خرچ
کہیں ہر چند ممسک تجھ کو زر خرچ

کہاں اب طاقتِ صبر و تحمل
یہ دولت ہو چکی ہے بیشتر خرچ

وہ کالے سانپ وہ گیسو ہیں جن کے
تماشے میں ہوئے ہیں گنج زر خرچ

نہیں یہ یار گیسو سی لچکتی
نزاکت کرتی ہے اُن کی کمر خرچ

خدا دے دولتِ قاروں تو کیجیے
نہ حاتم نے کیا ہو، اس قدر خرچ

وہی دے گا لبِ شیریں کا بوسہ
منوں کرتا ہے جو رازقِ شکر خرچ

ہم اپنے نقدِ جاں پر کھیلتے ہیں
ترا ہوتا ہے کیا اے سیم بر! خرچ

جنونِ عشق ہے غارت گرِ ہوش
کرے کیا عقل مندی یاں بشر خرچ

رہا کرتی ہے فکرِ شعر گوئی
کیا کرتے ہیں ہم خونِ جگر خرچ

چلے دنیا سے داغِ عشق لے کر
یہ توشہ ہے، یہ ہے بہرِ سفر خرچ

ملا جو اُس کو سمجھے منّ و سلویٰ
توکّل پر رہا شام و سحر خرچ

حسینوں نے بھی خوب آتش کو لوٹا
رہا فرمائشوں سے خرچ پر خرچ

ردیف حائے حطی

بہار آئی، چمن میں چلی ہوائے قدح
پڑھے وہ مست، جسے یاد ہو دعائے قدح

دکھا رہی ہے عجب آئینہ صفائے قدح
سرور اُسے ہے جو ہے صورت آشنائے قدح

نکالے دل سے کدورت اگر صفائے قدح
نثار شیشے کے ہو محتسب، فدائے قدح

زمانے میں کوئی مجھ سا نہیں ہے دریا نوش
حباب وار ہے سر میں بھری ہوائے قدح

شراب خوار کرے گی بہار صوفی کو
دکھائے گی لبِ بیگانہ آشنائے قدح

صراحی دار ہی گردن نہیں فقط اُن کی
دو چشمِ مست کی گردش بھی ہے ادائے قدح

مزے کے ساتھ ہو غم ہو کہ اس میں شادی ہو
مثالِ گریۂ مینا وہ خندہ ہائے قدح

شراب خانے میں کرتا ہوں سیر دریا کی
دکھایا کرتا ہے لہرِ آبِ با صفائے قدح

بلند بعدِ فنا ہو گی قدر مستوں کی
بنے گی خشتِ سرِ خم کی خاکِ پائے قدح

سبو و شیشہ و خم کس کی کی نہ پابوسی
کسی نے منہ نہ لگایا مجھے سوائے قدح

عوضِ طبیب کے میکش ہے واسطۂ عطا ساقی! ہوا ہے خونِ صراحی سے امتلائے قدح
جہاں کی سیر دکھاتا ہے نشۂ صہبا دماغ رکھتے ہیں جمشید کا گدائے قدح
اُن انکھڑیوں میں جو کندن سی سرخ ہو دیں گی کہوں گا لچھے کے ڈوروں کو میں طلائے قدح
حجاب دور کیا کیفِ مے نے اُس بت کا جزائے خیر دے ساقی! تجھے خدائے قدح
دو چشمِ مست کا ساقی کے وصف ہے مقصود کنایہ ہے جو یہ کرتے ہیں ہم ثنائے قدح
شرابِ عشق کی پیتے ہیں ہوش اُڑے ایسے کہ ابتدا میں ہوا حالِ انتہائے قدح
فراقِ یار میں دورانِ سر ہے دورِ شراب لڑا کے شیشے سے توڑوں یہ ہے سزائے قدح
یہ جلوۂ مہ و خورشید سے کھلا آتش
ہنوز باقی ہے دورِ فلک میں جائے قدح

ردیف خائے معجمہ

لگا دے پھر وہی اے گنجِ زر شاخ ہوا ہے دستِ خالی بے ثمر شاخ
چمن کی سیر کو مے پی کے چلیے بہار آئی، لدی پھولوں سے ہر شاخ
یہ خوش چشموں کے سودے میں ہوں سوکھا ہرن کی بھی نہ سوکھے اس قدر شاخ
قدم سے تیرے اے ابرِ کرامت! پھلے پھولے برابر خشک و تر شاخ
قریبوں کی جدائی کے الم سے ہوا ہوں سوکھ کر بے برگ و بر شاخ
کھڑے سایے تلے جس کے ہوئے تم نکالی اُس شجر نے شاخ در شاخ
تماشا نخل ہے نخلِ توکل ہر اک میوہ ہے رکھتی اُس کی ہر شاخ
جوانی کو غنیمت جان غافل! ہری ہوتی نہیں پھر سوکھ کر شاخ
نہالِ حسن جو ہم نے کہا ہے لگائی جاتی ہے واں شاخ پہ شا
سرائے یار کی محفل میں جلتی درختِ عود کی ہوتی اگر شا
وہ نخلِ خشک ہوں ہر ایک جس کے ہرے پن سے ہے مشتاقِ تبر شا
مقدر میں اگر ہے میوہ چکھنا
ملے گی جھک کے آتش بارور شاخ

ہوا نہ حسن سے خالِ سیاہِ جاناں سرخ نہ کر سکا رُخِ کافر کو نورِ ایماں سرخ
حلال ہونے کو سب سے ہیں پہلے ہم موجود وہ پان کھا کے کریں تو لب اور دانداں سرخ
یہ اشتیاقِ شہادت میں خون روتا ہوں بریدہ حلق سے ہے حلقۂ گریباں سرخ

ہوئی ہیں غصّے سے کیا لال لال وہ آنکھیں
نظر پڑا ہے کبھی جو لباسِ ترکاں سرخ

عجب عداوتِ اخوانِ دہر سے یہ نہیں
کرے جو خون سے یوسف کے گرگ دنداں سرخ

ترا وصال ہے اے سیم برا! عجب دولت
خوشی سے ہوتا ہے کندن سے رنگِ انساں سرخ

ہمیشہ کرتی ہے اُس بحرِ حسن سے پنجہ
حنا کا رنگ ہو کیونکر مثلِ مرجاں سرخ

ترے شہیدوں کے آگے نہ رنگ پکڑے گا
ہزار رنگ سے ہو لالۂ گلستاں سرخ

سفید کپڑے نہیں پہنتا وہ خسروِ حسن
سنی ہے جب سے کہ تاجِ قبائے سلطاں سرخ

چمن میں لالہ وگل رہتے ہیں گریباں چاک
دکھا دیا کسی رنگیں ادا نے داماں سرخ

شراب دینے میں وقفہ نہ کیجیو ساقی!
ہوا نہیں ابھی رخسارِ یار چنداں سرخ

اثر پذیرِ طبیعت بھی شرط ہے آتش
نہ کیفِ مے سے ہوں آنکھوں کی طرح مژگاں سرخ

کرتا ہے زندگی کو تمھارا حجاب تلخ
اُلٹو، نہیں تو ہم سے سنے گا نقاب تلخ

آغازِ شرِ عشق کا انجام ہے بخیر
کیفیتِ شراب ہے شیریں، شراب تلخ

شربت کے گھونٹ کا مزہ لے لے کے پیجیے
ہر چند تیغ کا ہو تمھارے لعاب تلخ

سائل ہوں بوسۂ لبِ شیریں کا یار سے
شانِ کریم ہے نہ اگر دے جواب تلخ

عاشق ہی ہیں جو سنتے ہیں اے نونہالِ حسن!
حنظل سے ہیں ترے سخنِ ناصواب تلخ

بیمار کا مذاق ہوں میں، ہجرِ یار میں
سم ہے طعام میرے لیے اور آب تلخ

سودائے زلفِ یار سے نیند اُڑ گئی مری
اس دردِ سر نے کر دیا آنکھوں کو خواب تلخ

شیریں لبوں کی کیوں نہ گوارا ہوں گالیاں
ملنے سے قند کے نہیں رہتا گلاب تلخ

بھنتا ہے جبکہ عشق کی آتش سے دل مرا
ٹپکے ہیں اشک صورتِ اشکِ کباب تلخ

شیریں اداؤں سے جو محفوظ تو کرے
شکر کو مور شہد کو سمجھے ذباب تلخ

وصلت کی شب میں ہوتا ہے ہر بات پر ترش
عیش و نشاط کرتا ہے اُن کا عتاب تلخ

غافل نہ ہو مزے سے محبت کے آشنا
یہ چاشنی ہے آتشِ خانہ خراب تلخ

ردیف دال مہملہ

وغ مہر کا پیدا کرے ہمارا چاند
ہلال سامنے سے اُس کے ہووے سارا چاند

م رات ہوئی کر گیا کنارہ چاند
اتریے بام سے، تم جیتے اور ہارا چاند

نقاب اُلٹ کے رُخِ رشکِ ماہ دکھلا دو
اندھیری رات میں ہے ایک ایک تارا چاند

وہ ماہ آج جو آیا تو کل کیا غرّہ
نشاط و عیش میں گزرا کبھی نہ سارا چاند

وہی ہے خوب جسے جو پسندِ خاطر ہے
نگاہِ کبک میں سورج سے ہے پیارا چاند

ہلالِ بدر سے ہر چاند میں ہوا ہر چند
نہ کر سکا ترے ابرو کا یار اشارا چاند

شراب پی کے کرو گے رخِ صبیح کو سرخ
حرارہ لائے گا خورشید کا تمھارا چاند

فراقِ یار میں کوئی حسیں نہیں بھاتا
گراں ہے مہرِ جہاں تاب کو ناگوارا چاند

مقابلہ جو رخِ آتشیں یار سے ہو
یہ بیقرار ہو، اُڑ جائے بن کے پارا چاند

تری غلامی کا دعویٰ ہے یار اس کو بھی
جبیں کے داغ کو رکھتا ہے آشکارا چاند

زمانہ یار کا آیا گزر گیا یوسف
طلوعِ نیرِ اعظم ہوا سدھارا چاند

ہمارے دل میں نہیں نقش روئے روشنِ یار
پری کے بدلے ہے اُس شیشے میں اُتارا چاند

ملاؤں گا تری پاپوش کے ستاروں سے
کبھی ادھر سے کرے گا نہ کیا گزارا چاند

رُخِ حبیب سے ممکن نہیں فروغ آتش
اگر وہ حسن سے شعلہ ہے تو شرارا چاند

وہ آستاں ہے ترا اے فلک جناب بلند
کہ جس کے ذرے ہیں مانندِ آفتاب بلند

اسیرِ زلف دلِ داغ دار ہے اپنا
ہوا ہے اُڑ کے یہ طاؤس تا سحاب بلند

خیال نے قدِ بالا کے جب رلایا ہے
کیا ہے سر سے مرے ایک نیزہ آب بلند

نگہ نہ پہنچی اُٹھا کر جو آنکھ کو دیکھا
ہماری آنکھوں سے اُڑ کر ہوا یہ خواب بلند

یہ تیرے عشق سے جوش و خروشِ دریا ہے
تری ہوا نے کیے ہیں سرِ حباب بلند

شبِ فراق میں گھبرا کے کھو نہ جان اے دل
قریب صبح ہی ہوتا ہے آفتاب بلند

یہ اپنے خط کے کبوتر کو ہے دعا اپنی
نہ اُڑ کے ہو سکے تیرے لیے عقاب بلند

کیا ہے جس نے کرم میں ترے سوال اے دوست
ہوا ہے غیب سے آوازۂ جواب بلند

خدا کے آگے ہے سرکش سے خاکسار عزیز
ابو لہب سے ہے قدرِ ابو تراب بلند

کھنچی ہے دور یہ تشبیہِ قدِ بالا سے
ہوئے ہیں تاڑ سے بھی سرو بے حساب بلند

شرف ہے زین کو تیری نشست سے اے تُرک
ترے قدم نے کیا پایۂ رکاب بلند

قدِ کشیدہ کا مضموں ہر ایک شعر میں ہے
مطالب اپنے ہے رکھتی مری کتاب بلند

رہیں حجاب و حیا کی یہ پست فطرتیاں
نگاہِ یار کرے نشۂ شراب بلند

مری طرف سے یہ اے خواجہ کہہ دو آتش سے
جنابِ عشق ہے، اے خانماں خراب بلند

مری پسند طبیعت نہ ہے، نہ حور پسند
تمھارے بندے ہیں ہم، ہم کو ہیں حضور پسند

ہر ایک شہر خریدار ہے دل و جاں سے
وہ جنس حسن ہے تو جو ہے دور دور پسند

تارے پرزے اُڑا کر بہار میں اب کی
برہنگی کی قبا ہے جنونِ عور پسند

نگاہ اپنی ہے دل بستگی کے سودے میں
مصوروں کی کچھ اس میں نہیں ضرور پسند

نگہ میں اپنے سماتا نہیں ہر ایک حسیں
پری سے چہرے کے اوپر ہے چشمِ حور پسند

ہوا ہے جب سے کہ ساقینِ یار کا سودا
زیادہ تر مجھے ہیرے سے ہے بلور پسند

ہوئی ہے خانۂ دل میں جو روشنی منظور
کیا ہے آنکھوں نے اپنی چراغِ طور پسند

گناہِ عشق کا جب سے کہ مرتکب دل ہے
زبان کو ہے مری ذکرِ یا غفور پسند

نہ دور کھینچ کے ملا ہم کو خاک میں اے بُت
سنا نہیں ہے خدا کو نہیں غرور پسند

خیال یار کا رہنے لگا ہے اس میں بھی
ہوا ہے دل کو بھی آنکھوں کی طرح نور پسند

نہ طفل بن، نہ دلا محوِ حسنِ صورت ہو
کھلونے مٹی کے کرتے ہیں بے شعور پسند

دل اک نگاہ کے اوپر ہے بیچتا آتش
کریں جو آپ اسے بے صرف و بے قصور پسند

رتبہ رکھتے ہیں ترے ابروئے خم دار بلند
طاقِ کعبہ سے ہیں یہ طاقِ خوش آثار بلند

کیا کہوں کہتے ہیں مضمونِ قدِ یار بلند
سرو و شمشاد سے ہیں مصرعِ اشعار بلند

دیکھیے کس کو شرف ہو تری پابوسی کا
رکھتے ہیں دستِ دعا کافر و دیں دار بلند

گوشِ گل تک ہو قفس میں سے رسائی ایسی
تری آواز ہو اے مرغِ گرفتار بلند

یک سرِ جنگ میں مَیں رند اسے ڈھا دوں گا
محتسب لاکھ کرے گنبدِ دستار بلند

تری درگاہ کی اللہ رے رفعت اے دوست!
آستاں سے کسی گھر کی نہیں دیوار بلند

گوشِ عارف سے سُنے تُو تو ہر اک قبر سے ہے
نعرۂ فاعتبروا یا اولی الابصار بلند

سیکڑوں مصرِ محبت میں مہِ کنعاں سے
چاہیے اخترِ اقبال خریدار بلند

تخت پر بیٹھ کے کر سیرِ چمن اے محبوب!
پایہ رکھتا ہے ترے حسن کا گلزار بلند

شمع رو یار شبِ ہجر میں جو یاد آیا
شعلے کی طرح ہوئی آہِ شرر بار بلند

تختۂ زخم ہے دل، دیکھیے کب کرتی ہے
پانی اپنا مرے سر سے تری تلوار بلند

رو کے آبِ اشک سے کر نامۂ عصیاں سفید
روسیاہی کو جو کرتا ہے تو یہ باراں سفید

اُن لب و دنداں کی کچھ تعریف ہو سکتی نہیں
لعل سے لب سرخ تر، الماس سے دنداں سفید

خوش سیہ خانے ہی میں اپنے ترے دیوانہ ہیں
ہوں مبارک بادشاہوں کے لیے ایواں سفید

حسنِ روئے یار کی ممکن نہیں ہے دل کشی
سرخ ہو مہرِ درخشاں یا مہِ تاباں سفید

دستِ نازک میں ترے دیکھے جو شوخیِ حنا
رنگ اُڑے ایسا کہ موتی سے بھی ہو مرجاں سفید

پان مِسّی کا جو لب پر اپنے تو دکھلائے رنگ
یاسمیں سے لالہ ہو، شبو سے نافرماں سفید

دل صفا ہو پہلے، پیچھے جلوہ گاہِ یار ہو
فرشِ یوسف کے لیے پیدا کرے زنداں سفید

عہدِ پیری تک جوانی سے رہا عشقِ جمال
کیں ہیں آنکھوں نے ترے نظارے میں نرگس سفید

جام بلوری، صراحی نقرئی، پیری میں ہو
چاندنی میں چاہیے سب عیش کا ساماں سفید

خانۂ شادی کا شک ہوتا ہے مجھ کو گور پر
جاتے ہیں اس گھر میں کپڑے پہن کر مہماں سفید

تازہ رکھے سونگھ کر سیب ذقن اپنا دماغ
خوابِ غفلت میں نہ موئے سر کرے انساں سفید

قتل آرائش کرے کیونکر نہ آتش یار کی
سرخ رنگِ رُو غضب، اُس پر ہے قہر افشاں سفید

مول اک نگاہ ہے جو ہو دل یار کی پسند
بڑھ کر جو لے تو آگے خریدار کی پسند

اے قصرِ یار خوب ہے پٹنے کے واسطے
مٹی مری جو ہو تری دیوار کی پسند

عالم فریب حسنِ دلآویزِ یار ہے
سکّہ کھرا ہے کیوں نہ ہو بازار کی پسند

ہوتا ہے صبرِ فرقتِ جاناں میں ناگوار
کڑوی دوا نہیں دلِ بیمار کی پسند

حسن و جمال کو بھی طمع سیم و زر کی ہے
افشاں ہوا ہے یار کے رخسار کی پسند

قاضی نے حکم قتل دیا تو کہوں گا میں
جلّاد خوب رُو ہے گنہگار کی پسند

سودے میں اُس کے شیخ و برہمن ہیں ایک سے
وہ دلربا ہے کافر و دیں دار کی پسند

مردودِ نیک و بد چمنِ دہر میں رہے
مقبولِ گل ہوئے نہ تو ہم خار کی پسند

چُن چُن کے عاشقوں کو ملاتی ہے خاک میں
چل یار دیکھ لی تری رفتار کی پسند

دل خانۂ خدا جو سنا تو یقین ہوا
وہ گھر بنا کہ ہو گیا معمار کی پسند

محوِ تصورِ رُخِ رنگینِ یار میں
آنکھوں کو اپنی سیر ہے گلزار کی پسد

اے جامہ زیب سیرِ چمن کو گیا جو تو
گل نے قبا، تو لالہ نے دستار کی پسد

کس کو عشق حسنِ خدا داد سے ہوا
یوسف ہوا ہر ایک خریدار کی پسد

ذرّے ہماری خاک کے برباد تو رہیں
ہوں گے کسی تو روزنِ دیوار کی پسد

یوسف کا مول دے کے ابھی لے جو ہاتھ آئے
بنت العنب ہے آتش مے خوار کی پسند

ردیف دال ہندی

نہ دے سکے گی زمستاں میں مجھ کو ایذا ٹھنڈ
لپٹ کے سوئے گا وہ گل، رہے گی تنہا ٹھنڈ
پڑا ہے جب سے دم سرد سے مجھے پالا
بدن کو دیتی ہے لرزے کی تپ کی ایذا ٹھنڈ
برہنہ پھرتے ہیں جاڑے میں تیرے دیوانے
پھٹکنے دیتی نہیں گرد داغ سودا ٹھنڈ
دکھاتی ہے مے گلرنگ سبزۂ مینا
شراب خوار کو ہے باعثِ تماشا ٹھنڈ
فراق یار میں لی ہے جو میں نے ٹھنڈی سانس
ہوئی ہے گرمی میں جاڑے کی طرح پیدا ٹھنڈ
غضب خدا کا صنم تیری سرد مہری سے
نہ کر سکے گا گزند ایسی گر کے پالا ٹھنڈ

کروں گا سوزِ دروں سے جو اُف میں پیری میں
پھرے گی ڈھونڈتی آتش کنارِ دریا ٹھنڈ

ردیف ذال معجمہ

مرغوب طبع کیوں نہ ہو ایسی چٹک لذیذ
چکھا تو حسن کا ہے تمھارے نمک لذیذ
اے حور! اپنے سیب ذقن کا مزہ نہ پوچھ
جنت کا میوہ مغز سے ہے پوست تک لذیذ
مستی میں بوسے اس لب لعلیں کے لیجیے
کیفیتِ شراب میں ہے یہ گزک لذیذ
کس کس طرح کے ذائقہ دلپذیر ہیں
کیا کیا طعام رکھتا ہے خوانِ فلک لذیذ
شیریں کلام کا بھی مزہ بھولتا نہیں
شیر و شکر سے ہے یہ بلا شبہ و شک لذیذ
شیریں وہ لب ہو یا نمکیں، جو ہو خوب ہے
شکر نمک سے ہے، تو شکر سے نمک لذیذ

بریاں ہو سوزِ غم سے محبت کے ساتھ دل
آتش کباب کرتا ہے دخلِ نمک لذیذ

ردیف رائے مہملہ

بیت ہیں دو ابروئے زیبائے یار
مصرع برجستہ ہے بالائے یار
محو کر دیتا ہے سر تا پائے یار
کیا مناسب تن کے ہیں اعضائے یار

دونوں ہیں اپنے لیے ایذا دہند
عشق بے خود، حسن بے پروائے یار

آج کل سے کچھ میں دیوانہ نہیں
سر نہ تھا جب سے کہ ہے سودائے یار

مصلحت ہے واسطے اپنے وہی
جو رضائے یار ہے، جو رائے یار

شہرِ خوباں میں ہیں دو میرے خطاب
عاشقِ دل دادہ و شیدائے یار

عشقِ شور انگیز پیدا کیجیے
جلوہ گر ہے حسنِ شوق افزائے یار

ساقی و مے، شیشہ و ساغر ہیں سب
خالی ہے، یادش بخیر، اک جائے یار

میرے گھر میں جو قدم رنجہ کرے
اپنی آنکھوں سے لگاؤں پائے یار

آئینے سے یہ ہمیں روشن ہوا
محوِ حیرت رہتے ہیں بینائے یار

وصفِ چشمِ سُرمگیں کیا کیجیے
دیکھتی ہے نرگسِ شہلائے یار

حسن میں کچھ ماہ کو نسبت نہیں
بے کلف، بے داغ ہے سیمائے یار

باندھیے مضموں تو مضمونِ دہن
کیجیے پیدا تو ناپیدائے یار

خودہ گی بے وجہ آتش کی نہیں
یہ بھی ہے میری طرح جویائے یار

دکھائے حسن کی اپنے جسے کہ یار بہار
یہ عشق ہو کہ پکارا کرے بہار بہار

ظہور داغِ محبت ہے یوں مرے دل سے
چمن کی جیسے ہو پروردۂ کنار بہار

فراقِ یار مبدل وصال سے ہووے
نکالے دل سے خزاں کا یہ خار خار بہار

چمن کی سیر میں مجھ مست کو دلاتی ہے یاد
دکھا کے آتشِ گل آپ خوش گوار بہار

شباب کا ترے اے یار رنگ لا کے ہوئی
بلائے عالم و آشوبِ روزگار بہار

شگفت غنچہ سے اُس گل کو آتی ہے یہ صدا
ترے فدا، ترے صدقے، ترے نثار بہار

پیادہ پا ہوں پری کی تلاش میں پھرتا
جنوں کی رکھتی ہے سر پر مرے سوار بہار

نمود کی خطِ مشکیں نے لالہ و رخ پر
یہ داغ چھوڑ چلی اپنا یادگار بہار

کنارِ جوئے چمن جھومتے ہیں مست ترے
بطِ شراب کا کھلواتی ہے شکار بہار

وہ رنگ و بو بدنِ یار میں جو ہے سو کہاں
شگوفے ایسے کھلایا کرے ہزار بہار

کرم سے ابرِ کرم کے ترے یہ فیض ہے عام
ترا دیا ہوا رکھتی ہے اقتدار بہار

تصورِ رُخِ رنگیں میں بند رکھتا ہوں
چہار فصل میں آنکھوں سے ہے دو چار بہار

شگفتہ ہو کے نسیمِ سحر سے غنچے ہوں گل
اُٹھائے پردۂ روئے نقاب دار بہار

نظارۂ دیدۂ بلبل سے کیجیے اب کی
خدا جو چاہے تو آتش ہو سازوار بہار

پڑ گئی آنکھ جو اُن چاند سے رخساروں پر — لوٹتے کبک نظر آ گئے انگاروں پر
ابروئے یار کا سر میں ہے جنھوں کے سودا — رقص وہ لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر
روز و شب رہتے ہیں بلبل کی طرح سے نالاں — ٹوٹی پھولوں کی چھڑی ہم سے گنہگاروں پر
باؤ کے جھونکے کے لگنے سے ہیں میلے ہوتے — نازکی ختم ہے اُن پھول سے رخساروں پر
موسمِ گل میں جو ہوتا ہے زیادہ سودا — دوڑتے پھرتے ہیں ہم باغ کی دیواروں پر
جگر و دل ہیں کبابوں کی طرح سے بھنتے — کثرتِ داغِ جنوں رکھتے ہیں انگاروں پر
عشق بازوں کو دکھاؤ رُخِ رنگیں تم بھی — مست بلبل ہوئے ہیں رنگ ہے رخساروں پر
سن جو پائی ہیں تری ابرِ سیہ سی زلفیں — رقص طاؤس کیا کرتے ہیں کہساروں پر
کر رہی ہے شبِ ہجراں کی سیاہی اندھیر — چاند پر ہے نہ وہ رونق، نہ چمک تاروں پر
بزمِ خوباں میں تکلف نہیں کس کو ہے پسند — طرّے ہی طرّے نظر آتے ہیں دستاروں پر
مردنی چھائی ہوئی دیکھیں گے منہ پر جو طبیب — خشمگیں ہوں گے تری چشم کے بیماروں پر
جا نکلتا ہے جو بازار میں وہ شوخ مزاج — پھبتیاں ہوتی ہیں یوسفؑ کے خریداروں پر
خاک چھنوائی ہے سودائے گلستاں نے بہت — ایڑیاں برسوں ہی رگڑا کیے ہیں خاروں پر
دلِ احباب کا دم بند ہے اُن زلفوں میں — کیا تعدی ہے شکنجے کے گرفتاروں پر

شور نالے کا مرے جب سے سنا ہے آتش
قفل مرغانِ چمن رکھتے ہیں منقاروں پر

وہ گل جو آئے تو کیا لالہ زار میں ہو بہار — دو چند لطفِ چمن ہو بہار میں ہو بہار
شہید ہو کے چلو اس گلستانِ دنیا سے — جو خانہ باغ کی چاہے مزار میں ہو بہار
وہ رشکِ حور الٰہی ہو اپنے پہلو میں — بہشت کی چمنِ روزگار میں ہو بہار
چمن میں دیکھ کے نرگس کو دل دھڑکتا ہے — خزاں کی تو نہ کہیں انتظار میں ہو بہار
گلے کو کاٹ کے رہرو ہمیشہ مرتے ہیں — چمن میں ہو کہ نہ ہو، کوئے یار میں ہو بہار
لباسِ سرخ پہن کر ہو یار ہم آغوش — چمن کی طرح مرے بھی کنار میں ہو بہار
خیالِ گل میں دم اپنا فنا کرے بلبل — نہ دیکھی ہو جو ترے اختصار میں ہو بہار
دکھائی ہے مجھے حسنِ شباب یار کا رنگ — نہ جانے دوں جو مرے اختیار میں ہو بہار
شریکِ حال جو مٹی ترے شہید کی ہو — چمن تو کیا ہے، چمن کے غبار میں ہو بہار

فراقِ یار میں بدتر خزاں سے ہے آتش
ہزار عالمِ نقش و نگار میں ہو بہار

ردیف زائے معجمہ

دکھلائیں گے کیا یار کا شمس و قمر انداز
ایجاد نئے ہوتے ہیں شام و سحر انداز

موسیٰؑ کو غش آجائے گا جلوے سے تمہارے
دم دو گے مسیحا کو بھی ہے اگر انداز

دیوانہ ہو جس نے رُخِ یار کو دیکھا
رکھتا ہے پری کا بھی جمالِ بشر انداز

دل صید گہِ عشق میں کب سے ہے نشانہ
للّٰہ اُڑا دے اسے کوئی قدر انداز

پابوس کو ہر روز گیا یار کے گھر میں
پٹکا کیے سر کو پسِ دیوار در انداز

منہ پھیر نہ بوسے کے طلبگار سے ظالم!
دل توڑ کے کعبے کو نہ ڈھا خانہ بر انداز!

دکھلائی ہے دانتوں کی صفا یار نے جب سے
موتی مری آنکھوں کے کیے ہیں نظر انداز

جاں بر کوئی ہووے گا نہ دل تم سے لگا کر
جو ناز ہے آفت ہے، قیامت ہے ہر انداز

واپس دلِ احباب کو لے لے کے ہو کرتے
یہ غمزہ نیا ہے، یہ نہ تھا پیشتر انداز

گل سننے کو نالے ہمہ تن گوش ہیں آتش
بلبل نے اُڑایا ہے تمہارا مگر انداز

ردیف کاف فارسی

ایک سے ایک ہے تماشا رنگ
دیدنی ہے جہانِ رنگا رنگ

سامنے تیرے روئے رنگیں کے
لالۂ و گل نے بھی نہ پکڑا رنگ

آنکھیں ہیں اور زلفِ یار کا دھیان
کچھ نہ کچھ لائے گا یہ سودا رنگ

تم جو خم خانے میں نہیں آئے
مئے گلرنگ کا ہے پھیکا رنگ

زلف و رُخ سے ترے کھلا کہ نہیں
ایسا کالا نہ ایسا گورا رنگ

مست تیرے نہ لیں جو نذر بھی دے
مئے سرخ آسمانِ مینا رنگ

حسن نے گیسوؤں کو تیرے دیا
مشک کی بُو کے ساتھ کالا رنگ

فکرِ رنگیں نے تیری اے آتش
کیسے کیسے کیے ہیں پیدا رنگ

ردیف لام

کانوں میں ترے دیکھ کے سونے کے کرن پھول
اے سروِ رواں! بھول گئے مرغِ چمن پھول

پیدا کرے سو رنگ کے گو خاکِ چمن پھول
ممکن نہیں رخ سا ترے اک غنچہ دہن پھول

ساقی! یہ بہارِ چمنستاں ہے دو ہفتہ
پانی بھی جو مانگوں تو پلا مشفقِ من پھول

دم سادگیِ یار کے اوپر ہے نکلتا
جھمکا ہے نہ مدِ نظر اپنا، نہ کرن پھول

زلفوں کی لٹک دیکھ کے سودائی ہو سنبل
نازک بدنی پر تری گل کھائے سمن پھول

سنتے ہیں جو شہرت تری ناوک فگنی کی
ہوتی ہے خوشی ایسی کہ جاتے ہیں ہرن پھول

دکھلائے گی کیا شامِ غریباں کے شگوفے
ہر چند کہ غنچوں کو کرے صبحِ وطن پھول

عشرت کدۂ عاشق، معشوق نہیں باغ
دولھا ہی بلبل نہ تو اک شب، نہ دلھن پھول

تلووں کے تلے رکھ کے ملے یار نے سمجھا
سونگھے ہوئے بلبل کے جو وہ غنچہ دہن پھول

بلبل سے جو کی ہے کی اس شوخ نے تری
جھنکوائے گئے بھاڑ میں ہیں سیکڑوں من پھول

بے فائدہ قمری کا ہے یہ دردِ سرِ عاشق
پھل ہی نہ تو رکھتے ہیں، نہ کچھ سروِ چمن پھول

جو دیکھے بہارِ چمنستاں کو وہ رو دے
ٹھیک آئیں تو نہیں ترے کشتوں کے کفن پھول

آنکھوں کو نہ دکھلائیں ترے غصے کی صورت
صاف اپنی جبیں پر کی کریں چین و شکن پھول

بے وجہ یہ انکار ہم آغوشی کا کیسا
کانٹا نہ تن اپنا ہے نہ اُن کا ہے بدن پھول

قرآں کے عوض چل کے پڑھو مطلعِ رنگیں
آتش سے سخن گو کے ہیں اے اہلِ سخن پھول

محبت کوڑیوں کے ہو اگر مول
بنی آدم نہ لے یہ دردِ سر مول

پسندِ دل ہوا ہے حسنِ صورت
فلک بیچے تو لیں شمس و قمر مول

تری زلفوں سا کالا ہو تو کم ہے
اگر ہو اژدہے کا گنجِ زر مول

ہوا صف بندیِ مژگاں سے ظاہر
لڑائی لیں وہ آنکھیں ڈھونڈھ کر مول

لب و دنداں تمھارے بے بہا ہیں
نہیں رکھتے ہیں یہ لعل و گہر مول

وہ سودا ہے تری زلفوں کا جس کو
سپاہی لیتے ہیں بیچ کر مول

بہادر تیغ چہرے پہ ہیں کھاتے
کرے کالا جو منہ، وہ لے سپر مول

اٹھائی آنکھ تم نے، مر گئے ہم
ہماری جان کی تھی ایک نظر مول

ملیں گی گالیاں قیمت کے بدلے
نہ دے گا لے کے دل وہ مفت بر مول

لبِ شیریں سا اک میٹھا نہ نکلا
لیے ہم نے ہزاروں نیشکر مول

عجب دولت ہے یہ احسان، اس سے
بشر کو بھی ہے لے لیتا بشر مول
سنگھا زلفوں کو پیچھے پہلے لے لے
جو کچھ ہو مشک کا اے سیم بر مول
عوض میں دل کے بوسہ دے کے ہم کو
خدا کا لے لیا اُس بُت نے گھر مول
یہ حسنِ یار نے قیمت بڑھائی
نہ تھا یوسفؑ کا ورنہ اس قدر مول
بھروسا زندگانی کا نہیں کچھ
کفن لے رکھیے اے آتشؔ بشر مول

درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول
دستِ دعا بلند تو کر، ہے دعا قبول
باندھے گرہ میں اپنے مرے دل کو زلفِ یار
حاضر یہ گنج ہے جو کرے اژدہا قبول
شب کو کہا جو آؤ، تو بولا وہ مہروش
ہوتی نہیں محال طلب کی دعا قبول
داغِ فراق دے کے نہ جا قبلِ صبح کے
سب کچھ قبول ہے، یہ نہیں مہ لقا قبول
یہ وقت لہو ولعب میں کھو دے نہ آدمی
کرتا ہے بندگی کو جو اُن کی خدا قبول
ایسا اثر زباں میں مری اے کریم! دے
جو کچھ کہوں، کہے وہ مرا دلربا "قبول"
وہ لوگ ہیں جو دردِ محبت سے آشنا
کرتی نہیں ہے اُن کی طبیعت دوا قبول
عالم سے کچھ غرض نہیں اے جانِ جاں! ہمیں
دل کو نہیں ہے کوئی تمہاری سوا قبول
کہنے کو میرے یار جو مانے تو کیا عجب
کرتے ہیں آشنا سخنِ آشنا قبول

ردیف میم

ڈھلتی ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام
چھانے ہوئے ہیں کوئے فرنگی محل تمام
وہ پھول کون سا ہے کہ سونگھا نہیں جسے
چکھے ہوئے ہیں باغِ جہاں کے یہ پھل تمام
زیبِ کنار عطر وہ مل کر ہوئے تھے شب
اب تک مہک رہی ہے ہماری بغل تمام
دل کی کشش کا ایک بھی رکھتا نہیں اثر
اپنے کیے ہوئے ہیں یہ خب کے عمل تمام
اہلِ جہاں برادرِ مومن بنیں ہزار
یوسفؑ کے واسطے ہیں یہ گرگِ بغل تمام
ڈھونڈھا ہے جس جگہ وہیں پایا ہے آپ کو
اس شش جہت میں ہیں یہ تمہارے محل تمام
مضمونِ بستہ آئیں سراپائے یار کے
ہو جائے اس علاقے میں اپنا عمل تمام
داغوں سے بھر چکا نہیں سینہ مرا ہنوز
روشن نہیں ہوئے ہیں ابھی یہ کنول تمام
ایذائے ہجرِ یار سے آتی ہے آرزو
آنے نہ پائے تو کہ ہوں میں اے اجل تمام
آتشؔ قدم وہ ہوں، مری ٹھوکر جو کھائے کوہ
پتھر ہوں نرم ہو کے روئی کے پہل تمام

شیریں شکری جاں گئی سودائے خال میں
مکھی کے چاٹنے نے کیا یہ عسل تمام

شانے کا کام لیجیے گستاخ ہاتھ سے
ناخن سے زلفِ یار کے عقدے ہوں حل تمام

کیونکر کریں نہ ناز وہ حسن و جمال پر
کبر و غرور رکھتے ہیں اہلِ دُوَل تمام

عالم کے دل لبھاتے ہیں خالِ رُخِ حبیب
سمجھے ہیں اپنے حصے میں بھونرے کنول تمام

آنکھوں میں جان حسرتِ دیدار لائی ہے
آئی نہ اب اجل تو ہوے بے اجل تمام

کہتا ہے سن کے حالتِ دل روزِ وصلِ یار
فرقت کی شب میں ہو گی تمہاری زٹل تمام

دوڑا کے راہِ سخت محبت میں پاؤں کو
ایسا تھکایئے کہ بدن ہووے شل تمام

ہر عضو ہے مناسبِ اندامِ نازنیں
سر سے ہے تا قدم وہ صنم بے بدل تمام

دل کو لگا ہے روگ محبت کا بے طرح
جان آج بچ گئی تو یقیں ہے کہ کل تمام

حیلے سے کام لیتا ہے وہ تُرک تیغ کا
کرتی ہے عشق باز کو لیت و لعل تمام

سیب ذقن سنگھائے جسے وہ مسیحِ وقت
صورت سے اُس کی بھاگیں دماغی خلل تمام

آتش کی فکر کھودتی ہے اے زمینِ شعر
گنجِ نہاں ہیں جتنے کہ تجھ میں، اُگل تمام

ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل جل کے دل تمام
کرتی ہے روح مرحلۂ آب و گل تمام

حقا کے عشق رکھتے ہیں تجھ سے حسینِ دہر
دم بھرتے ہیں ترا بُتِ چین و چگل تمام

ٹپکاتے زخمِ ہجر پر اے تُرک کیا کریں
خالی ہیں تیل سے ترے چہرے کے تل تمام

دیکھا ہے جب تجھے عرق آ آ گیا ہے یار!
غیرت سے ہو گئے ہیں حسیں منفعل تمام

عشقِ بتاں کا روگ نہ اے دل لگا مجھے
تھکوا کے خون کرتا ہے آزارِ سل تمام

قدسی بھی کشتہ ہیں تری شمشیرِ ناز کے
مارے پڑے ہیں متصل و منفصل تمام

دردِ فراقِ یار سے کہتا ہے بند بند
اعضا ہمارے ہو گئے ہیں مضمحل تمام

ساری عدالت الفتِ صادق کی ہے گواہ
مہروں سے ہے لپی ہوئی اپنی سجل تمام

کرتے ہیں غیر یار سے میرا بیانِ حال
اُلفت سے ہو گئے ہیں موافق مخل تمام

تیرِ نگاہِ ناز کا رہتا ہے سامنا
چھلنی ہوا ہے سینہ، مشبک ہے دل تمام

ہوتا ہے پردہ فاش کلامِ دروغ کا
وعدے کے دن سمجھ لے وہ پیماں گسل تمام

خلوت میں ساتھ یار کے جاتا نہ تھا تمھیں
اربابِ انجمن ہوئے آتش خجل تمام

ردیف نون

• رہا کرتا ہے درد اک رات دن بے یار پہلو میں
دلِ نالاں ہوا ہے خانۂ بیمار پہلو میں

تپِ ہجراں کی گرمی دور ہی سے پھونکے دیتی ہے
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر کوئی غم خوار پہلو میں

کسی کروٹ سے نیند آئی نہ اس ابرو کے سودے میں
نہ رکھی میں نے جب تک کھینچ کر تلوار پہلو میں

عجب کیا ہے خطِ نورس کا گرد اس روئے رنگیں کے
وہ گُل ہے کون سا، رکھتا نہیں جو خار پہلو میں

شبِ مہتاب ہو، ہر چند شمعیں لاکھ روشن ہوں
اندھیرا ہے، نہ ہو جو چاند سا رخسار پہلو میں

گھڑا رہ کر جو میں حسرت سے دروازے کو تکتا ہوں
بٹھا لیتی ہے قصرِ یار کی دیوار پہلو میں

دعائیں مانگ کر اللہ سے تجھ کو جگایا ہے
سُلا دے یار کو اے طالعِ بیدار! پہلو میں

قبائے یار کو دتی کے تکمے نے ہے چمکایا
جگہ طرّے کو بھی دے لٹپٹی دستار پہلو میں

بھلا دیں شاخِ گُل پر چہچہوں کو تیرے اے بلبل!
ہمارے بھی جو ہو وہ غیرتِ گلزار پہلو میں

پری سی شکل لڑکوں نے آئینے میں جب سے دیکھی ہے
لگائے رکھتے ہیں دیوانے بھی دو چار پہلو میں

اڑا دیتا ہے بیتابیِ دل سے تکیۂ پہلو
فراقِ یار بن بیٹھا ہے کیا مختار پہلو میں

بازیِ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو، یہ وہ شطرنج نہیں

پھیر کے منہ کو دکھاتے ہیں وہ زلفیں، یعنی
سانپ پالو تو ہیں موجود، مگر گنج نہیں

ہاتھ ملتا ہوں جو میں دیکھ کے سینے کا اُبھار
کہتے ہیں توڑیے جن کو یہ وہ نارنج نہیں

تم خفا ہم سے ہو، ہم تم سے نہیں آزردہ
ہم سے ہے رنج تمھیں، تم سے ہمیں رنج نہیں

دل سے آتی ہے محبت کے جو لے میں یہ صدا
جان پر کھیلنے والوں کو کشش و پیچ نہیں

غزلِ خواجہ ہے مطلب کو پہنچ اے آتش!
نالۂ بے اثرِ مرغِ نوا سنج نہیں

باہر نہ پائنچے سے ہوں اس گلبدن کے پاؤں
پھیریں چھری نہ پنجۂ قصاب بن کے پاؤں

ہستی سے جاؤں بے سر و پا جانبِ عدم
اندر کفن کے سر ہو، نہ اندر کفن کے پاؤں

یک سالہ راہ سے ہے چلی آئی باغ میں
شبنم دھلا رہی ہے بہارِ چمن کے پاؤں

بے اختیار ضعفِ تپِ ہجر سے ہوں میں
کہنے میں ہاتھ ہیں، نہ تو مجھ خستہ تن کے پاؤں

کوشش سے راہِ عشق کے باز آئیں گے نہ ہم
ہر چند سُوج سُوج کے ہوں لاکھ من کے پاؤں

جوشِ جنوں میں پھٹ کے نہ رہ جاتا ساتھ سے
ہوتے مری طرح جو مرے پیرہن کے پاؤں

شربت وصل میسر ہو، شفا حاصل ہو
تپِ ہجراں سے جو صحت ہو تو حمام کریں

دوپہر گرمیوں کی لطف سے گزرے، گر آپ
ساتھ لے کر ہمیں خس خانے میں آرام کریں

نرگسِ یار! وہ آشوبِ زمانہ تُو ہے
آنکھ پھوٹے جو ترا سامنا بادام کریں

دل کو پھندے میں نہ اُن گیسوؤں کے پھنسنا تھا
جس قدر چاہیں وہ اب کشمکشِ دام کریں

کیونکر اُن گیسوؤں سے جان بچے جوا ئے دل!
جھٹکے زنجیر کے دیں، کشمکشِ دام کریں

ہی اے کعبۂ مقصود! تمنا ہے ہمیں
سجدۂ شکر تری راہ میں ہر گام کریں

حسن نے چودھویں کے چاند سی صورت دی ہے
کیا تماشا ہو جو وہ سیرِ لبِ بام کریں

غیرت آتی ہے ہمیں بوسے کا سائل ہوتے
حرکتِ یار سے کیا قابلِ دشنام کریں

کششِ دل عملِ حب کا اثر رکھتی ہے
چاہیے خود وہ ملاقات کا پیغام کریں

ہم تو کہتے ہیں وہ ہو گا جو خدا نے چاہا
وہ بھی سنتے ہیں منجم جو کچھ احکام کریں

آتش آغازِ محبت کا ہو انجام بخیر
خاک پر تیری قدم رنجہ گل اندام کریں

خورشیدِ حشر سے ہے سینے کا داغ روشن
اندھیر ہے جو کہیے اس کو چراغ روشن

دن کو تو سیرِ گلشن کرتے ہو فصلِ گل میں
شب باش بھی جو ہو تو ہو جائے باغ روشن

بُلبُل ہزار ہیں، جب تک بہارِ گل ہے
پروانے بھی ہیں حاضر، تا ہے چراغ روشن

پروانے بن کے مضمون آتے ہیں عرش پر سے
رہتی ہے شمعِ فکرِ عالی دماغ روشن

اے سوزِ عشق! تجھ سے اتنی ہی التجا ہے
دے مجھ کو داغ دستِ موسیٰ" سے داغ روشن

کوئے حبیب میں ہے چلی ہوائے جنت
مردے ہیں زندہ ہوتے، کشتے چراغ روشن

طرزِ نمو ہمیشہ دکھلائیں موجۂ مے
شیشہ مدام رکھیں چشمِ ایاغ روشن

مرنے سے اپنے پہلے جو مر گئے ہیں اُن کو
قیدِ حیات میں ہے حالِ فراغ روشن

آتش کے استخواں کو کھایا تو دیکھ لینا
مشعل کی طرح ہو گی منقارِ زاغ روشن

موسمِ گل ہے، جنوں ہے شور و شر پر ان دنوں
دامن چڑھا رہتا ہے دیوانوں کے سر پر ان دنوں

روئے روشن یار کا پیشِ نظر ہے روز و شب
آنکھ کس کی پڑتی ہے شمس و قمر پر ان دنوں

بوسۂ لب ہائے شیریں کا ہے دل کو اشتیاق
رال ٹپکی پڑتی ہے شہد و شکر پر ان دنوں

پہلوؤں میں درد رہتا ہے فراقِ یار سے
گاہ دل پر ہاتھ ہے، گاہے جگر پر ان دنوں

بادشاہِ وقت ہے حسنِ جوانی نے کیا
لال پردہ ہے لٹکتا اُن کے در پر ان دنوں

دیکھتے ہیں ہنس کے دانتوں کی چمک وہ آج کل — کوندتی بجلی نہیں کس کس کے گھر پر ان دنوں
رُخ سے پہلے کارِ عاشق کرتے ہیں گیسوئے یار — شام کا قصہ نہیں رہتا سحر پر ان دنوں
بانس لگواتا ہے اکثر جا کے وہ بالا بلند — سرو و شمشاد و صنوبر کے شجر پر ان دنوں
سُرخ کندن سے ہے رکھتا نشۂ مے رنگِ یار — زر طلب مر جاتے ہیں اس سیم بر پر ان دنوں
عشقِ دنداں نے نہایت کر دیا ہے ناتواں — دوڑتی نیت ہے معجونِ گہر پر ان دنوں
کوٹ کر ہی زور سودائے پری نے بھر دیا — دیو بھی چڑھتا نہیں اپنی نظر پر ان دنوں
متصل عاشق روانہ ہوتے ہیں سوئے عدم — ہاتھ رکھے پھرتے ہیں وہ بھی کمر پر ان دنوں
کون اُس محبوب کو لکھتا نہیں حالاتِ شوق — مار رہتی ہے خطوں کی نامہ بر پر ان دنوں
موم آہن کرتے تھے یا دل پگھل سکتا نہیں — آہ کیا پتھر پڑے تیرے اثر پر ان دنوں

کون فصلِ گل میں اے آتش! نہیں پیتا شراب
بھیڑ سی ہے بھیڑ ے خانے کے در پر ان دنوں

بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں — گریباں پھاڑ کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں
چلے تو سیر کو ہیں آپ مسّی مل کے گلشن میں — اشارے کیسے کیسے ہوں گے نافرمان و سوسن میں
خزاں میں بلبلوں سے رکھیے بحثِ نالہ گلشن میں — شراکت کیجیے ماتم زدوں کی چل کے شیون میں
لگائی آگ بجلی کی چمک ہے خانۂ تن میں — برستا مینہ نہیں بے یار، خاک اُڑتی ہے ساون میں
یہ سودائے شہادت ہے ہمارے سر کو اے قاتل! — تری تلوار کا دم بھرتی ہے رگ ہے جو گردن میں
سنا ہے عاشقوں سے برق وش بھی نام جو اپنا — تماشا دیکھتے ہیں وہ لگا کر آگ خرمن میں
زبان و چشم کا اُس گل کے دھوکا کھا چکے عاشق — نہ بینائی ہے نرگس میں، نہ گویائی ہے سوسن میں
نہیں روزن جو قصرِ یار میں پروا نہیں ہم کو — نگاہِ شوخ رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں
طریقِ عشق میں آتش قدم مجھ سا نہ گزرے گا — گریباں میں بجھی ہے جب لگی ہے آگ دامن میں
پلاتا ے نہیں ہوں دوستی سے اُس ستم گر کو — چھری دیتا ہوں اپنے ذبح کو میں دستِ دشمن میں
پریشاں عاشقوں کی خاک کے ذرّے تو ہیں دیکھیں — کس کس کو دے دیوار قصرِ یار روزن میں
جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا — کبھی گلشن سے صحرا میں، کبھی صحرا سے گلشن میں
عذابِ گور کا واں سامنا، یاں رنجِ دنیا کا — نہ گھر میں چین زندوں کو نہ مردوں کو ہے مدفن میں
کرتے ہیں آنکھیں اپنی دیوانے رکابوں سے — پری کی شوخیاں ہیں اُس پری پیکر کے توسن میں
کھلا زلفوں کے لہرانے سے اُس رخسارِ رنگیں پر — زرِ گل کی نگہبانی کو دو کالے ہیں گلشن میں
گوارا نا گوارا بھی ہو بد گردیِ دوراں سے — اُبالی پر قناعت کرتے ہیں سب قحطِ روغن میں

شریفِ کعبہ کو کعبہ مبارک، ہم تو اے آتشؔ
بتوں کے گھورنے کو جاتے ہیں دیرِ برہمن میں

تیغِ قاتل کے کھلیں دیکھیے جوہر کس دن
یہ ہُما سایہ فگن ہو مرے سر پر کس دن

غمزے کرتا نہیں بے جا وہ ستم گر کس دن
ناز ہوتے نہیں، انداز سے باہر کس دن

پیچ دیتی نہیں وہ زلفِ معنبر کس دن
گردشِ چشم سے آتے نہیں چکر کس دن؟

یاد آتی نہیں وہ قندِ مکرر کس دن
ہونٹھ چراتی نہیں حسرتِ شکر کس دن

پرزے خط کے نہیں کرتا وہ ستم گر کس دن
کئی بنتے نہیں نامے کے کبوتر کس دن

خوانِ نعماتِ جنوں کا ہوں میں مہمانِ عزیز
دستِ اطفال سے کھاتا نہیں پتھر کس دن

بحرِ الفت کی بھی اللہ ری طوفاں خیزی
ڈوب مرتے نہیں دو چار شناور کس دن

مرگِ عاشق سے ہوا کون سے معشوق کو رنج
قبرِ بلبل پہ پڑی پھولوں کی چادر کس دن

گالیاں دیں بتِ بے دیں تو عجب کیا اس کا
نہیں ہوتے ہیں شرر سنگ سے باہر کس دن

کیوں نے عاشق رہے مشتاقِ پیامِ معشوق
نہ رہے منتظرِ وحیِ پیمبر کس دن

صُور پھونکا نہ مرے نالۂ شبگیر نے کب؟
چونک چونک اٹھتے نہیں فتنۂ محشر کس دن

لا مکاں یار کو لکھتا ہوں خطِ شوقیہ
نہیں رہتے ہیں جاہی میں کبوتر کس دن

کیوں نہ بوسے لبِ شیریں کے بہت سے میں لوں
سیر ہو کر نہیں چکھتے ہیں قلندر کس دن

واعظا! دیکھ تو رندانِ خرابات کا ظرف
کی کسی مست نے ہُو حق سرِ منبر کس دن

آگ پر کب نہیں بھنتے ہیں کلیجی کے کباب
داغِ دل کرتی نہیں گرمیِ اخگر کس دن

عشق کی اپنے سوا کب نہ قسم لی مجھ سے
ہاتھ رکھوایا نہیں یار نے سر پر کس دن

میں ہی خود اس کا خریدار نہیں ہوتا ہوں
بکنے آتا نہیں یوسفؑ مرے در پر کس دن

کب اشارہ نہیں ان آنکھوں سے مژگاں کرتیں
باڑھ دیتے نہیں ترکوں کو یہ خنجر کس دن

بوسۂ لب نہ ملیں حیف ہمیں پیری میں
نہ ہوئی شیر سے آمیزشِ شکر کس دن؟

ادا و ناز نہیں جس میں، خوش جمالی نہیں
ہوئی جو چاند سی صورت تو کچھ کمال نہیں

صفا میں سینۂ عارف سے کم وہ گال نہیں
جو خال ہے وہ سویدائے دل ہے، خال نہیں

فروغِ عشق کو پیری میں بھی زوال نہیں
بجھایا دن کو بھی جاتا چراغِ مال نہیں

کسی کے کہنے کے قابل تمھارا حال نہیں
سکوت کا ہے محل، جائے قیل و قال نہیں

خدا بچائے نظر سے سیاہ چشموں کے
فریب دینے کو یہ غول ہیں، غزال نہیں

تمھارے دیکھنے والوں کی آنکھ جھپکا دے
یہ برقِ طور پہ بھی ہم کو احتمال نہیں

نہ چھیڑ گوہرِ گوشِ حبیب کو اے زلف!
یتیم طفل سزاوارِ گوشمال نہیں

دکھائی دے گی نہ باریک بینیوں سے کبھی
کمر ہے یار کی، اے شاعرو! یہ بال نہیں

تمھاری تیغ کے زخموں کے ماسوا کوئی
بہادروں کے جو منہ پر چڑھے، مجال نہیں

اشارہ ہے یہی ان کالی کالی آنکھوں کا
شکارِ شیر نہ کھیلیں تو ہم غزال نہیں

مراد منہ سے بوسے کی یہ وہ کہتے ہیں
ہمارا مصحفِ رخسار بہرِ فال نہیں

کہاں ہوئی ابھی معراج خاکساری کی
ہنوز کاسۂ سر اپنا پائمال نہیں

زمانہ عاشق و معشوق سے نہیں خالی
گلوں کو قحط نہیں، بلبلوں کا کال نہیں

جو چاہے بیچ لے چھپوا کے اپنے دیواں کو
ہمارے پاس سوا اس کے اور مال نہیں

ہٹا کے زلف کو بوسہ رخِ حبیب کا لوں
نگاہبان ہے، گنج اژدہے کا مال نہیں

تلاشِ گنج میں جیسا خراب و خستہ ہوں
خرابہ بھی کوئی ایسا خراب حال نہیں

رہ نہ اے مانی! شبیہِ یار کی تدبیر میں
قدرت اللہ دیکھ اس بولتی تصویر میں

اے حسینو! کیا ہو میرے قتل کی تدبیر میں
لچک کمر میں آئے گی، بال آئے گا شمشیر میں

بزدلِ اغیار کب ٹھہرے مری تقریر میں
شیر کا ناخن ہے جو جوہر ہے، اس شمشیر میں

طوق میں گردن ہے، میرے پاؤں ہیں زنجیر میں
دو علاقے ہیں یہ مجھ دیوانے کی جاگیر میں

سبزۂ نورس نہیں روئے صبیحِ یار پر
مارِ گیسو کا یہ زہر اُگلا ہوا ہے شیر میں

ابروؤں سے جانبِ مژگاں اشارہ کیجیے
زورِ بازوئے کہاں ہے صرف ہوتا تیر میں

نفسِ سرکش کو کیا ہے خاکساری سے مطیع
اے پری خوانو! یہ دیو ہے اپنی بھی تسخیر میں

عاشقوں کی مرغِ جاں کا یار کھیلے گا شکار
چلّہ چڑھتا ہے کہاں پر، پر ہیں لگتے تیر میں

ہنس پڑے تم دیکھ کر جو عاشقوں کا رنگِ زرد
زعفراں کے کھیت پر بجلی گری کشمیر میں

دوسرا مجھ سا نہیں دنیا میں دیوانہ فقیر
گوشہ گیری بھی جو کی تو خانۂ زنجیر میں

سینہ مقناطیس کا دیتا خدا عشاق کو
آہنی پیکاں جو ہوتا اس نگہ کے تیر میں

دیدنی عالمِ ایجاد میں تعمیر ہوں میں
آئنہ خانۂ محبوب کی تصویر ہوں میں

چشمِ کم سے نہیں لازم ہے مرا نظارہ
زنگِ آئینہ نہیں، جوہرِ شمشیر ہوں میں

کوئی بے درد سمجھتا نہیں میرے دل کی
مثلِ نَے گرچہ سراپا لبِ تقریر ہوں میں

تا کجا سر کو جھکائے رہوں، جلد آ قاتل! دیر سے منتظرِ نعرۂ تکبیر ہوں میں
نازِ معشوق اسے کہتے ہیں کہ یوسف نے کبھی نہ زلیخا سے کہا خواب کی تعبیر ہوں میں

کیوں نہ لوٹیں مری آغوش میں یہ طفلِ سرشک
آتش ان کے لیے بازیچۂ تقدیر ہوں میں

ردیف واوٌ

رخ ہو، خطِ رخسار سے کیا کام ہے ہم کو گل سے ہے غرض، خار سے کیا کام ہے ہم کو
مطلب ہے دُرِ صاف سے خط سے نہیں مطلب آئینہ ہو، زنگار سے کیا کام ہے ہم کو
گلزار ترا تجھ کو مبارک رہے بلبل بلبل ترے گلزار سے کیا کام ہے ہم کو
دیوانے ہیں، صحرائے جنوں خیز محل ہے بام و در و دیوار سے کیا کام ہے ہم کو
خواہاں سے ترے رشک ہے اے غیرتِ یوسف یوسف کی خریداری سے کیا کام ہے ہم کو
کافی ہے ہمارے لیے دل ہی کا اشارہ رمّال سے جفّار سے کیا کام ہے ہم کو
جب جوشِ جنوں نے ہمیں گھر ہی سے نکالا پھر سایۂ دیوار سے کیا کام ہے ہم کو
اللہ ہے مشکل میں مددگار ہمارا اعوان سے، انصار سے کیا کام ہے ہم کو

مرتا ہوں، جو کہتا ہوں، تو کہتے ہیں وہ ہنس کر
"عیسیٰ" نہیں، بیمار سے کیا کام ہے ہم کو"

حسرتِ شادی نہیں جانِ غم آلود کو لالہ سمجھتا ہے دل داغِ نمک سود کو
داغِ غمِ عشق کو دل میں جگہ دیجیے ڈھونڈھیے لے کر چراغ شاہدِ مقصود کو
لعلِ شکر بار کے بوسے میں کیونکر نہ لوں کوئی نہیں چھوڑتا حلوۂ بے دود کو
پردۂ غفلت اٹھا، پیشِ نظر یار ہے دیر و حرم میں نہ جا ڈھونڈھنے موجود کو
سجدے کے انکار سے فوق نہ ہو جائے گا خاکیِ مقبول پر ناریِ مردود کو
صبح تھی شبِ ہجر کی، نالہ کیا جس گھڑی ایک شرارہ ہے بس تودۂ بارود کو
سینۂ بے معرفت حلقے میں اپنے نہیں رہ نہیں اس بزم میں مجمرِ بے عود کو
صاحبِ اقبال کو خوب ہے پہچانتا آنکھ خدا نے ہے دی کوکبِ مسعود کو
طائرِ دل ہو گیا بستۂ زلفِ ایاز بندہ کیا حسن کا، عشق نے محمود کو
خاک سے بھر دیجے اسے، چاہ جو بے آب ہو آگ لگا دیجیے مطبخِ بے دود کو
جھاڑ دیے مغز سے، کبر کے کیڑے جو تھے خاک برابر کیا پشے نے نمرود کو

یادِ الٰہی میں جو نعرۂ "یا. ہو" کیا
بھول گئے وحش و طیر نغمۂ داؤد کو

ہجر کی ایذا سے چھٹ، دل کو جلا بہرِ وصل
داغ کے اچھا کر اس زخمِ نمک سود کو

راہ کی آفات کا کیجیو آتشؔ بیاں
سامنے آنے تو دے منزلِ مقصود کو

ردیف ہائے ہوز

ظاہر کسی کے دل کا ہو کیا خار خار کچھ
سنتا نہیں وہ گل کہے کوئی ہزار کچھ

توفیقِ خیر رکھتی ہے جو تیغِ یار کچھ
زخم اتنے کھاوے گا نہ رہے گا شمار کچھ

پوچھی کسی نے محکمۂ حشر میں نہ بات
ٹھہرے نہ ہم حساب میں روز شمار کچھ

ردیف یائے تحتانی

گل کی قبا نہ لالے کی دستار لے چلے
عریاں بدن وہ لائے جو تھے خار لے چلے

سر میں ہوائے کوچۂ دلدار لے چلے
باغِ جہاں سے حسرتِ گلزار لے چلے

نیت کو عاشقوں کی کیا سیر حسن نے
آنکھوں کے جام شربتِ دیدار لے چلے

کرتے ہیں سیر چشم خریدار سے مدام
یوسف ملا تو لوٹ کے بازار لے چلے

سودا بنا نہ یار کے حسن و جمال کا
اُس لالہ رو کا داغ خریدار لے چلے

مقصودِ دل ہے قلزمِ خوں میں شناوری
جس گھاٹ چاہے یار کی تلوار لے چلے

اے نونہالِ حسن جو اُن کی نظر پڑے
عناب لب کو توڑ کے بیمار لے چلے

بولی یہ روح پھینک کے پشتارہ جسم کا
بھاری ہے بوجھ، کون یہ بیگار لے چلے

آ جائے جوش پر تو ابھی قصرِ یار میں
سیلابِ اشک توڑ کے دیوار لے چلے

جامے سے باہر اپنے مرا شوقِ وصل ہے
تشریف اب تو پیرہنِ یار لے چلے

کیفِ شراب سے دو جہاں کا ہو غم غلط
بحرین سے یہ کشتیِ مے پار لے چلے

دوڑا ہے اُن کے پیچھے کس انداز سے وہ شوخ
طاؤس و کبک اُڑا کے جو رفتار لے چلے

دارالسرور میں بھی کروں سجدۂ پائے خم
مسجد سے شوقِ خانۂ خمار لے چلے

شمشیر سے بلا کا ہو ہر چند سامنا
چلیے جدھر وہ ابروئے خم دار لے چلے

ایسی رسائی کیجیے پیدا کہ کھینچ کر
خلوت میں انجمن سے ہمیں یار لے چلے

سایے نے دی ڈھئی جو تیرے آستان پر — در سے اُٹھا کے ہم پسِ دیوار لے چلے
داغِ فراق و حسرتِ دیدار و شوقِ وصل — دنیا سے ہم یہ عاقبتِ کار لے چلے
بازارِ دہر میں نہ رہی جنسِ دل پسند — سودا جو تھا وہ تیرے خریدار لے چلے
نالوں نے اپنے آنکھ جھپکنے نہ دی کبھی — سودائے خوابِ فتنۂ بیدار لے چلے
انصاف ہو تو محکمۂ عدل و داد میں — جلّاد اپنے ساتھ گنہگار لے چلے
تم سیر کرکے کیا پھرے اندھیر ہو گیا — بازار آکے رونقِ بازار لے چلے
حاصل ہوا نہ خاک بھی آپ کی نزع سے — دل میں غبار کافر و دیں دار لے چلے

آتش جرس کے نالوں کی پھر ہو نہ احتیاج
ہم کو جو ساتھ قافلہ سالار لے چلے

اسیرِ لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے — نگیں کو نام سے تیرے جدائی مشکل ہے
ہزار دعویٰ باطل کیا کریں یا رب! — بتوں کو تیری طرح سے خدائی مشکل ہے
پھرایا سر کو ترے زمزموں نے اے بلبل! — خفا نہ ہو تو کہوں خوش نوائی مشکل ہے
بہت سی دیکھیں ہیں خم دار ہم نے تلواریں — تمھارے ابروؤں کی کج ادائی مشکل ہے
وہ اتحاد نہیں ہے کہ جس میں فرق پڑے — ہماری اور تمھاری جدائی مشکل ہے
کمر سے بڑھ چلے گیسوئے یار قہر کیا — عدم سے دو قدم آگے رسائی مشکل ہے
ولایتی بھی حسینوں کو ہم نے دیکھ لیا — منش تری سی کہاں میرزائی مشکل ہے
پھریں گے ہم نہ ہزار آپ ہم سے منہ پھیریں — تمھیں ہے سہل، ہمیں بے وفائی مشکل ہے
جلا کیا کریں آئینہ ساز آئینے — صفائے رُخ کی تمھارے صفائی مشکل ہے
حیائے یار نے بدلا جو کیفِ مے میں رنگ — یقیں ہوا یہ ہمیں پارسائی مشکل ہے
عنایت اُس کو ہو بے مانگے بوسہ اے شہِ حُسن — فقیرِ مست کو تیرے گدائی مشکل ہے
ہزار پنجۂ مرجاں کا چھپا ہو رنگ — وہ دلربائیِ دستِ حنائی مشکل ہے
کنارہ کش نہ ہوا اے بحرِ حسن! عاشقوں سے — نہیں تو کہتے ہیں ہم آشنائی مشکل ہے

خلیل کا اسے کعبہ نہ جانو آتش
خدا کا گھر ہے یہ، دل تک رسائی مشکل ہے

وردِ زباں جنابِ محمدؐ کا نام ہے — قابل درود پڑھنے کے اپنا کلام ہے
مومن پسند یار کا شیریں کلام ہے — کیا چاشنی ہے، کیا مزہ ہے، کیا قوام ہے
حق ہے جو موشگاف کا اس میں کلام ہے — دیکھا کمر کو یار کی، نازک مقام ہے

اک حال پر کبھی نہیں اُس کو قیام ہے
دنیا کا کارخانہ طلسمی مقام ہے

عاشق کا نالہ سن کے یہ اُن کا کلام ہے
باقی دھواں ہے عود میں جب تک کہ خام ہے

زنجیر ہے وہ طرّۂ مشکیں، نہ دام ہے
شاعر کہا کریں اُنھیں سودائے خام ہے

آزاد کردہ سرو اک اُس کا غلام ہے
قدِ بلند یار کا عالی مقام ہے

مطلب ہے دخترِ گل و لالہ میں مختصر
دو دن کی سیر میں یہ گلستاں تمام ہے

صبحِ بہار ہے، مجھے ساقی پلا شراب
سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے

اُس شاہِ حسن کو یہ سجھاتی ہے تمکنت
وہ کام اشارے سے ہو، زباں کا جو کام ہے

حسن و جمالِ یار کی شہرت کہاں نہیں
روشن تر آفتاب ہے اُس مہ کا نام ہے

عاشق نوازِ حسن کی تعریف کیا کروں
یوسفؑ سے بھی عزیز اُسے اپنا غلام ہے

دکھلا رہی ہے سیرِ چمن گفتگوئے یار
جھڑتے ہیں پھول منہ سے یہ رنگیں کلام ہے

کس کشتنی کو عشق تری تیغ سے نہیں
مشتاق جوئے آب ہے جو تشنہ کام ہے

زیبندہ چشمِ یار میں سرخی ہے نشے کی
کیفیتِ شراب کے قابل یہ جام ہے

ایک سجدۂ نیاز میں ہے فرضِ عشق ادا
میں مقتدی ہوں اور مرا دل امام ہے

ہم چشمِ تر کو سامنے کرتے ہیں ابر کے
تم ہنس پڑو تو برق کا قصہ تمام ہے

رہتے ہیں جبہہ سا جو ترے آستاں پہ
آنکھوں میں اُن کی پست بلندیِ بام ہے

خوں ریز ہے نقابِ رُخِ یار سے کھلا
جوہر ہیں جس میں تیغ کے یہ وہ نیام ہے

بے معنی ہے وہ عشق کہ جس میں کشش نہیں
دلچسپ ہو نہ حسن تو صورت حرام ہے

نکلے بخارِ دل جو زباں سے عجب نہیں
چھلکے تو کیا بعید ہے، لبریز جام ہے

سودائی زلفِ یار کا جب سے ہوا ہے دل
قالب میں مرغِ روح کو ایذائے دام ہے

جب تک حلال کرلے نہ مجھ بے گناہ کو
قاتل کو دہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے

رکھتے ہیں وہ قدم تنِ بے جاں میں حکمِ روح
پاپوشِ یار کبک سے بھی خوش خرام ہے

کیا کیا شگوفے پھولتے رہتے ہیں رات بھر
صبحِ بہار یار کے کوچے کی شام ہے

دولت کے سامنے نہیں کچھ قدرِ حسن بھی
محمود کا ایاز سا خوش رُو غلام ہے

اک دن حضورِ قلب سے ہوتی نہیں ادا
زاہد تری نماز کو میرا سلام ہے

مہندی ہمارے قتل کی خاطر ہے لگ رہی
خونِ حنا کا ہم سے اُنھیں انتقام ہے

معشوق ہی نہیں جو نہ وعدہ خلاف ہو
چاہے جو تجھ سے پختگیِ عہد، خام ہے

خلخالِ پائے یار سے آتی ہے یہ صدا
مردے سے لیجیے وہ جو زندہ کا کام ہے

بت خانہ کھود ڈالیے مسجد کو ڈھائیے
دل کو نہ توڑیے، یہ خدا کا مقام ہے

جس مسئلے میں شک ہو جسے، آ کے پوچھ لے
مسجد ہے وقتِ صبح ہے، موجود امام ہے

ہوتا ہے خوش نوائیِ بلبل سے آشکار
یہ مشتِ پر بھی شاعروں کا احتلام ہے

انگشتری ہنوز نہیں دستِ یار میں
نا آشنا نگینے کی صورت سے نام ہے

بے باکیِ زباں سے نہیں کون خوفناک
ہر عضو اُٹھ کے صبح کو کرتا سلام ہے

آتش برا نہ مانیو حق حق جو پوچھیے
شاعر ہیں ہم، دروغ ہمارا کلام ہے

باغباں انصاف پر بلبل سے آیا چاہیے
پہنچی اُس کو زرِ گل کی پنھایا چاہیے

فرشِ گل بلبل کی نیت سے بچھایا چاہیے
شمع پروانوں کی خاطر سے جلایا چاہیے

پان بھی کھاؤ، جمائی ہے جو مسّی کی دھڑی
شام تو دیکھی، شفق کو بھی دکھایا چاہیے

آئینے میں خطِ نورس کا نظارہ کیجیے
آہوانِ چشم کو ریحاں چرایا چاہیے

بوسہ اُس لب کا ہے قوت بخشِ روحِ ناتواں
ایسی یاقوتی میسر ہو تو کھایا چاہیے

عشق میں حدِ ادب سے آگے رکھتا ہے قدم
شاخِ گلبن پر سے بلبل کو اُڑایا چاہیے

دیکھیے کرتا ہے کیونکر یار سے گستاخیاں
شوق کے بھی حوصلے کو آزمایا چاہیے

ہو گیا ہے ایک مدت سے دلِ نالاں خموش
باغ میں چل کر اسے بلبل سنایا چاہیے

فصلِ گل ہے چار دن، ساقی تکلف ہے ضرور
پر جواہر کے بطِ مے کو لگایا چاہیے

خم میں جوشِ مے سے مجھ کو یہ صدا ہے آ رہی
ظرفِ مستی ہو تو کیفیت اُٹھایا چاہیے

حالِ دل کچھ کچھ کہا میں نے تو بولا سن کے یار
بس عبارت ہو چکی، مطلب پہ آیا چاہیے

شیر سے خالی نہیں رہتا نیستاں زینہار
بوریائے فقر بچھا چھوڑ جایا چاہیے

رنگِ زرد و چشمِ تر سے کیجیے دعوائے عشق
دو گواہِ حال اس قصے کے لایا چاہیے

رام ہوتے ہی نہیں، وحشی مزاجی ہے سو ہے
ان سیہ چشموں کو چوپہرہ جگایا چاہیے

دیکھ کر خلوت سرائے یار، کہتے ہیں فقیر
عود کے مانند یاں دھونی لگایا چاہیے

خاطرِ آتش سے کہیے چند جز شعر اور بھی
بے نشاں کا نام باقی چھوڑ جایا چاہیے

دل بہت تنگ رہا کرتا ہے
رنگ بے رنگ رہا کرتا ہے

حسن میں تیرے کوئی عیب نہیں
قبح میں ڈنگ رہا کرتا ہے

صلح کی دل سے ہیں یاں مصلحتیں
واں سرِ جنگ رہا کرتا ہے

محتسب کو ترے مستانوں سے
خوف سرچنگ رہا کرتا ہے

دل مرا پی کے محبت کی شراب
نشے میں بھنگ رہا کرتا ہے

عار سی عار ہے مجھ مجنوں کو
ننگ سے ننگ رہا کرتا ہے

جوہرِ تیغ دکھاتا ہے حسن
عشق چورنگ رہا کرتا ہے

گفتنی حال نہیں ہے اپنا
کچھ عجب رنگ رہا کرتا ہے

حلب رُخ میں ترے خالوں سے
لشکرِ زنگ رہا کرتا ہے

منزلِ گور کے دیوانوں کے
سینے پر سنگ رہا کرتا ہے

عالمِ وجد ترے مستوں کو
بے دف و چنگ رہا کرتا ہے

فندقِ دستِ صنم سے نادم
گُلِ اورنگ رہا کرتا ہے

تیرے گوشِ شنوا کا مشتاق
ہر خوش آہنگ رہا کرتا ہے

بندشِ چست سے تیری آتش
قافیہ تنگ رہا کرتا ہے

زخمِ دل میں تیری فرقت سے، جگر میں داغ ہے
ایک گھر میں گل محبت، ایک گھر میں داغ ہے

رخ ترا بے داغ ہے، روئے قمر میں داغ ہے
دیکھ لے جو چاہے، آنکھوں کی نظر میں داغ ہے

عشق کی دل سوزیوں سے بحر و بر میں داغ ہے
یہ وہ آتش ہے کہ جس سے خشک و تر میں داغ ہے

دیدۂ احباب سے بے وجہ پوشیدہ نہیں
لالہ رُو شاید کوئی تیری کمر میں داغ ہے

آج کل ہوتا ہے ہم آغوش وہ رشکِ بہار
بوئے گل دیتا ہے جو جو اپنے بر میں داغ ہے

اشک کے پانی سے نہلا دے مجھے اے چشمِ تر
گرمیوں سے سوزشِ دل کی جگر میں داغ ہے

ناکسوں سے اہلِ عزت کو ہے لازم احتراز
میل تانبے کا ہوا، جس سیم و زر میں داغ ہے

گل ترے چھلّے کا سینے پر نہیں اے تیغ زن
چار پھولوں کے عوض اک اس سپر میں داغ ہے

اشتیاقِ گور میں دیتی ہے ایذا طولِ عمر
منزلِ مقصود کی دوری، سفر میں داغ ہے

کوتہی کرتے ہیں راہِ دشتِ وحشت میں قدم
آبلہ پائی کے ہاتھوں مغزِ سر میں داغ ہے

زلف و خالِ یار پر جب سے پڑی ہے اپنی آنکھ
مشکِ چین و عنبر سارا نظر میں داغ ہے

واں تلاش ایذا ہے دیتی، اور یہاں شوقِ وصال
زخم باہر اپنی قسمت کا ہے، گھر میں داغ ہے

ناگوار اپنے سوا ہے یار دل کو دخلِ غیر
سایے کا بھی ساتھ تیری رہ گزر میں داغ ہے

دیتے ہیں تشبیہ روئے روشنِ محبوب سے
داغ ہے اُس کا ہمیں وہ جو قمر میں داغ ہے

زاہد سالوس کے ماتھے کے گھٹے سے کھلا
لگ ہی رہتا ہے جو تقدیرِ بشر میں داغ ہے

کوئی گردن پر ترے زیبندہ ہے خالِ سیاہ
خوش نما خورشید سے بھی اس سحر میں داغ ہے

داغ کھانے نے مزا ایسا دیا ہے عشق میں
دوڑتی ہے رُوح اُس پر جس ثمر میں داغ ہے

عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتشؔ نقصِ شعر
داغ جب پھل میں لگا، عینِ شجر میں داغ ہے

چمنستاں کی گئی نشوونما پھرتی ہے
رُت بدلتی ہے، کوئی دن میں ہوا پھرتی ہے

خالِ مشکیں کو ترے کرتے ہیں فتنے سجدے
عنبریں گیسوؤں کے گرد بلا پھرتی ہے

خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش
ساتھ ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے

کج نگہ تُو نے تو کی ہم سے، کجے رکھتے ہیں
آنکھ اپنی بھی صنم سوئے خدا پھرتی ہے

ملتجی جو تری درگاہ کے ہیں اے محبوب!
پہنے تشریفِ قبول اُن کی دعا پھرتی ہے

نشۂ مے نے نقابِ رُخِ زیبا اُلٹا
ٹھوکریں کھاتی اُن آنکھوں کی حیا پھرتی ہے

قتل کس کس کو کرے دیکھیے ہنگامِ خرام
یہ قدم سے جو لگی اُن کے حنا پھرتی ہے

پاؤں تک یار کے پہنچے گی لٹک کر سر سے
پھیرنے سے کوئی وہ زلفِ رسا پھرتی ہے

وہ جنوں خیز ہے، وہ مایۂ سودا ہے وہ زلف
دیکھتی ہے جو پری برہنہ پا پھرتی ہے

اپنے جامے سے ہوں میں مے کشِ مفلس باہر
رہن ہوئی ہوئی دستار و قبا پھرتی ہے

صبحِ محشر کے سوا صبحِ شبِ ہجر نہیں
یہ بلا وہ نہیں آتشؔ جو بلا پھرتی ہے

آئی ہے عیدِ قرباں خنجر کو لال کرتے
دنبے کے بدلے فربہ عاشق حلال کرتے

نالہ کا بُت کدے میں ہم کیا خیال کرتے
سنتا تھا کون، کس سے اظہارِ حال کرتے

ہنس کر کلام ہم سے یوسفؑ جمال کرتے
کانوں کو آشنائے فرخندہ فال کرتے

حسنِ شباب اُن کا، موسم بہار کا ہے
بوٹا سا قد دکھاتے جس کو، نہال کرتے

حیرانِ کار ہوتے معنی تلاش شاعر
صورت جو تم دکھا کر محوِ جمال کرتے

باہر بساط سے تھے ہم عشق کے جوئے میں
دل ہارتے تو جاں سے گوہر کو مال کرتے

ماہِ چہاردہ ہے رُخسارۂ منوّر
ایک دم نقاب اُلٹتے تو تم کمال کرتے

آزردہ دل سے جاں ہے، دل جان سے رکا ہے
تم درمیان پڑ کر رفعِ ملال کرتے

منظور ہوتی ہم کو حجت جو اُس دہن میں
اندیشے کو نہ سوجھیں، وہ احتمال کرتے

لٹکاتے دوش سے بھی تھوڑا سا اُن کو صاحب
بازو کی مچھلیوں کا، زلفوں کو جال کرتے

ہم چشمی آہوؤں سے زیبا نہ تھی، وہ کیونکر
چشمِ سیہ کو کیفِ مے سے زلال کرتے

سودا زدہ جو تیرے خالوں کا جا نکلتا
قربان مشک نافے اُس پر غزال کرتے

رُخِ یار کا نہ ہوتا جو چاند چودھویں کا
اندھیر ابروؤں کے دونوں ہلال کرتے

سودا زدہ سے اپنے پھر جاتی ہیں وہ آنکھیں
مجنوں سے بھی ہیں وحشت شہری غزال کرتے

ہوتا ہے یہ نقابِ یوسف سے ہم کو روشن
ناقص ہیں آشکارا اپنے کمال کرتے

ہم پایہ ہے دو نالی بندوق سے وہ بینی
چھروں کا کام روئے قاتل کے خال کرتے

لاشہ پڑا ہے میرا صحرا میں زخم کھا کر
حصے پلنگ و شیر و گرگ و شغال کرتے

بوسے کے مانگنے پر منہ کو نہ پھیرنا تھا
حاتم تھے تم نہ رَد جو میرا سوال کرتے

فصلِ بہار آئی، سر سبز باغ ہوتا
ظاہر شگوفے اپنے اپنے نہال کرتے

ہٹتا نہیں اک دم آئینہ سامنے سے
اپنی طرف ہو تم بھی اب تو خیال کرتے

کافی تھی بہرِ مستی ساقی کی مہربانی
دیتا جو دُود بھی تو شکرِ زلال کرتے

فرقت کی شب میں سنتا، باتیں جو دل ہماری
یاوش بخیر ذکرِ روزِ وصال کرتے

تُربت پر اپنی مشقِ رفتار چاہیے تھی
ہم پائمال ہوتے، تم پائمال کرتے

خُم سے زیادہ پیدا کرتا وہ ظرف آتش
مٹی جو میری صرف ساغر کلال کرتے

تماشائے چمن سے سیرِ کوئے یار بہتر ہے
گل و سنبل سے یاں خار و خسِ دیوار بہتر ہے

جبیں سائی کو سنگِ آستانِ یار بہتر ہے
کمر ٹیکنے کو قصرِ دوست کی دیوار بہتر ہے

یہی آواز آتی ہے درِ مہر و محبت سے
علاقہ اُس سے ممکن ہو تو یہ سرکار بہتر ہے

اطبا دیکھ کر بیمار کو تیرے یہ کہتے ہیں
بہم پہنچے تو اس کو شربتِ دیدار بہتر ہے

کہا کرتے ہیں عاشق لوگ اکثر پیار سے یوسف
تمھارے حسن کو بھی گرمیِ بازار بہتر ہے

صباحت سے ہے رشکِ صبحِ نوروزی وہ پیشانی
ہلالِ عید سے وہ ابروئے خم دار بہتر ہے

سنا ہے شاعروں سے بیشتر قندِ مکرر بھی
لبِ شیریں کے بوسہ لینے سے تکرار بہتر ہے

نگاہیں مردمِ دیدہ کو ہر دم یہ سجھاتی ہیں
ملے لوٹنے سے جتنی دولتِ دیدار بہتر ہے

بہارِ بے خزاں ایسی نہیں کوئی چمن رکھتا
خدا جو فکرِ رنگیں دے تو یہ گلزار بہتر ہے

اسیرِ عشق کو ہے فوق آزادانِ عالم پر
جہاں کے تندرستوں سے ترا بیمار بہتر ہے

رہے جاتے ہیں عاشق نیم جاں، کیا قہر کرتے ہو
قبائے تنگ پر تھوڑی سی کج دستار بہتر ہے

چلے گا کبک کیا، طوطی کرے گا کیا سخن سازی
تری گفتار بہتر ہے، تری رفتار بہتر ہے

بہارِ باغ ہے نظارۂ محبوب دکھلاتا
وہ قامت سرو سے تو گل سے وہ رخسار بہتر ہے

کہاں نظارۂ روزن، رہا پردہ نہ جب باقی
تمھاری اور میرے درمیاں دیوار بہتر ہے

سوالِ بوسہ پر ہنس کر وہ بت کہتا ہے اے آتش
خیالِ بد اگر گزرے تو استغفار بہتر ہے

عتابِ لب کا اپنے مزا کچھ نہ پوچھیے
کس درد کی ہیں آپ دوا، کچھ نہ پوچھیے

ناز و نیازِ عاشق و معشوق کیا کہوں
عجز و غرورِ شاہ و گدا کچھ نہ پوچھیے

خوشبو سے ہو رہا ہے معطر دماغِ جاں
چلتی ہے کس طرف کی ہوا، کچھ نہ پوچھیے

کیا کیا نگہ پھسلتی ہے رُخسارِ یار پر
کیسا یہ آئینہ ہے صفا، کچھ نہ پوچھیے

جامے سے باہر اپنے جو ہوں میں، عجب نہیں
کھولے ہیں کس کے بندِ قبا، کچھ نہ پوچھیے

آئینہ لے کے کیجیے اپنا مشاہدہ
ہم سے سلوکِ شرم و حیا، کچھ نہ پوچھیے

اللہ نے کیا ہے کے بادشاہِ حسن
سر پر ہے کس کے ظلِ ہُما، کچھ نہ پوچھیے

رنگیں کیے ہیں یار نے جب سے کہ دست و پا
کیا رنگ لا رہی ہے حنا، کچھ نہ پوچھیے

ناگفتنی ہے عشقِ بُتاں کا معاملہ
ہر حال میں ہے شکرِ خدا، کچھ نہ پوچھیے

کیا شے ہے وہ کمر، جو گزرتا ہے یہ خیال
آتی ہے غیب سے یہ صدا، کچھ نہ پوچھیے

کوتاہ خالِ روئے منور ہے کس قدر
کتنی ہے زلفِ یار رسا، کچھ نہ پوچھیے

آتش گناہِ عشق کی تعزیر کیا کہوں
مشفق! جو کچھ ہے اُس کی سزا کچھ نہ پوچھیے

باز آئیں گے نہ بازیٔ عیش و نشاط سے
باہر میں اِس جوئے میں ہم اپنی بساط سے

حیراں اُن ابروؤں کو ہیں معمار دیکھ کر
دو طاق ہیں بلند فلک کے رباط سے

حلقے میں آہوؤں کے ہیں دیوانے جس طرح
عاقل حصار میں نہ ہوں اس احتیاط سے

جور و جفا ہزار کرے، ہم خفا نہ ہوں
خوش رو سے، خوش جمال سے، خوش اختلاط سے

کھا کھا کے زخم کرتے ہیں مستوں کی طرح رقص
بسمل تمھاری تیغ کے کس کس نشاط سے

خواہانِ مرگ دل ہے جدائی میں یار کی
بیزار رُوح جسم کے ہے ارتباط سے

انجام ہو بخیر قیامت کا آتشاؔ!
داخل بہشت میں ہو گزر کر صراط سے

زندے وہی ہیں جو کہ ہیں تم پر مرے ہوئے
باقی جو ہیں سو قبر میں مردے بھرے ہوئے

مستِ الست قلزمِ ہستی میں آئے ہیں
مثلِ حباب اپنا پیالہ بھرے ہوئے

اللہ رے صفائی تنِ نازنینِ یار
موتی ہیں کوٹ کوٹ کے گویا بھرے ہوئے

دو دن سے پاؤں جو نہیں دبوائے یار نے
بیٹھے ہیں ہاتھ ہاتھ کے اُوپر دھرے ہوئے

اُن ابروؤں کے حلقے میں وہ انکھڑیاں نہیں
دو طاق پر ہیں وہ گلِ نرگس دھرے ہوئے

بعد فنا بھی آئے گی مجھ مست کو نہ نیند
بے خشتِ خُم لحد میں سرہانے دھرے ہوئے

نکلیں جو اشک بے اثر آنکھوں سے کیا عجب
پیدا ہوئے ہیں طفل ہزاروں مرے ہوئے

لکھے گئے بیاضوں میں اشعارِ انتخاب
رائج رہے وہی کہ جو سکے کھرے ہوئے

اُلٹا صفوں کو تیغ نے ابروئے یار کی
تیرِ مژہ سے درہم و برہم پرے ہوئے

آتشؔ خدا نے چاہا تو دریائے عشق میں
کودے جواب کی ہم تو ورے سے پرے ہوئے

دو دن کی زندگی میں رہے ہم مرے ہوئے
جوشِ جنوں نے زرد کیا جب ہرے ہوئے

ناقوس میں سے آئی صدائے "ہوالغفور"
ہم بُت کدے گئے جو خدا سے ڈرے ہوئے

خط پر جو آئینے میں پڑی ہے نگاہِ یار
آہوئے چشمِ مست ہیں سبزہ چرے ہوئے

شوقِ شکار مجھ کو جو اے ترک ہے سنا
چر چر کے سبزہ آہو ہیں کیا کیا ہرے ہوئے

مہندی لگانے کا جو خیال آیا آپ کو
سوکھے ہوئے درخت حنا کے ہرے ہوئے

آرائش اُن کے حسن کی موقوف کب ہوئی
نوچے گئے درختِ حنا جب ہرے ہوئے

کیا ہوں گے لے کے خط کو مرے راہ میں تباہ
کوچے میں یار کے ہیں کبوتر چرے ہوئے

وہ صیدِ سخت جان ہوں میں جس پر ہزار بار
خالی ہوئے ہیں تیروں کے ترکش بھرے ہوئے

دینے میں جام کے ہے تامّل کا کیا سبب
ساقی! شراب سے ہیں قرابے بھرے ہوئے

بعد فنا بھی عشق کا آتشؔ اثر رہا
تربت سے اپنی بید مُولہ ہرے ہوئے

کہتے ہیں ذکرِ لیلیٰ و مجنوں جو چھیڑیے
چپ رہیے بس نہ گور کے مردے اکھیڑیے

خوشحال ہیں مٹا کے مجھے ہفت آسماں
یوسف کو کھا کے ہو گئے ہیں شیر بھیڑیے

ساقی ہے، مے ہے، یار ہے، بزمِ نشاط ہے
چھیڑے جواب نہ ساز تو مطرب کو چھیڑیے

تدبیر ہے تو کام نہ تقدیر کا ہوا
تکیہ خدا پہ کیجیے، دروازہ بھیڑیے

آئی بہار، گل نے قبا اپنی چاک کی
بخیہ جو پیرہن میں ہے اُس کو اُدھیڑیے

آتش قمارِ عشق میں تیرے حضور یار
چالوں کو اپنی بھول گئے ہیں بکھیڑیے

بہار آئی، مرادِ چمن خدا نے دی
شگفتہ غنچے ہوئے، بوئے گل صبا نے دی

دکھائے روئے مخطط نے یار کے اعجاز
گلیم پوش کو پیغمبری خدا نے دی

گئی ہے دیر سے، اب تک نہیں پھری، شاید
درِ قبول کے اوپر اٹھی دعا نے دی

کفن کی فکر ہمارے لیے بھی واجب ہے
نقاب کی جو تمھیں مشورت حیا نے دی

دمِ اخیر تصور بندھا ترے رُخ کا
طرف کو کعبے کی کروٹ مجھے قضا نے دی

لڑانے آئے تھے آنکھیں غزالِ چین و ختن
شکست اُن کو تری چشمِ سرمہ سا نے دی

جہاں سے حسرتِ منزل کا داغ لے کے گیا
تمھاری راہ میں جاں ایک شکستہ پا نے دی

محال کیا کوئی سودا زدہ جو دم مارے
گلو میں پھانسی ہے اُس کاکلِ رسا نے دی

یہ چاہا دیکھیے دونوں میں چھپتا ہے کون
ہمارے خون کی رغبت اُنھیں حنا نے دی

فقیر ہو کے جو تجھ پر موا ہے اے شہِ حُسن!
جگہ ہے سایے میں اپنے اُسے ہُما نے دی

کیا ہے عشق نے بالائے یار کے بے خود
پری کے سایے کی ایذا ہے اُس بلا نے دی

رہِ عدم میں سب آواز اپنی بھول گئے
صدا نہ قافلۂ اشک میں درا نے دی

وہ بحرِ حسن ہے کس لہر میں رہا کرتا
خبر کچھ اُس کی نہ لا کر اک آشنا نے دی

مریضِ عشق کو ہے مرگ زیست سے اولیٰ
گلے کو کاٹیے صحت اگر دوا نے دی

ہوا نہ کوئی توجہ کا یار کی شاکر
دعا یہ اُس شہِ خوباں کو کس گدا نے دی

عزیز داغِ محبت کو رکھتے ہو آتش
نشانی اپنی ہے کس لالہ گوں قبا نے دی

یا علی کہہ کر بُتِ پندار توڑا چاہیے
نفسِ امّارہ کی گردن کو مروڑا چاہیے

تنگ آ کر جسم کو اے روح! چھوڑا چاہیے
طفل طبعوں کے لیے مٹی کا گھوڑا چاہیے

زلف کے سودے میں اپنے سر کو پھوڑا چاہیے
جب بلا کا سامنا ہو منہ نہ موڑا چاہیے

گھورتی ہے تم کو نرگس، آنکھ پھوڑا چاہیے
گل بہت ہنستے ہیں، کان اُن کے مروڑا چاہیے

آج کل ہوتا ہے اپنا عشقِ پنہاں آشکار
پک چکا ہے خوب، اب پھوٹے یہ پھوڑا چاہیے

مانگتا ہوں میں خدا سے اپنے دل سے داغِ عشق
بادشاہِ حسن کے سکے کا توڑا چاہیے

اُن لبوں کے عشق نے ہے جب سے دیوانہ کیا
بڑ بھی اپنی ہے ایک لالوں کا جوڑا چاہیے

دے رہا ہے گیسوئے مشکین سودے کو جگہ
کس کے آگے جا کے اپنے سر کو پھوڑا چاہیے

بادۂ گلگوں کے شیشے کا ہوں سائل ساقیا!
ساتھ کیفیت کے اُڑتا مجھ کو گھوڑا چاہیے

یہ صدا آتی ہے رفتارِ سمندِ عمر سے
وہ بھی گھوڑا ہے کوئی جس کو کہ کوڑا چاہیے

قطع مقراضِ خموشی سے زباں کو کیجیے
قفلِ دیگر گنج پر مفتاح توڑا چاہیے

بچے دیوانے کا دل لے کر یہ کہتا ہے وہ طفل
یہ کھلونا ہے اسی قابل کہ توڑا چاہیے

زلفیں روئے یار پر بے وجہ لہراتی نہیں
کچھ نہ کچھ زہر اُگلے یہ کالے کا جوڑا چاہیے

باغباں سے چھپ کے گل چینی جو کی تو کیا کیا
آنکھ بلبل کی بچا کر پھول توڑا چاہیے

فصلِ گل میں بیڑیاں کاٹی ہیں میرے پاؤں کی
ہاتھ میں حداد کے سونے کا توڑا چاہیے

باغِ عالم میں یہی میری دعا ہے روز و شب
خارِ خارِ عشقِ گل رخسار توڑا چاہیے

عشق کی مشکل پسندی سے ہوا یہ آشکار
خوبصورت کو غرورِ حُسن تھوڑا چاہیے

رحم سے سن کر مرے صیادِ گل رُو نے کہا
ذبح کیجیے، ایسے بُلبُل کو نہ چھوڑا چاہیے

پیر ہو آتش کفن کا سامنا ہے عنقریب
توبہ کیجیے، دامنِ تر کو نچوڑا چاہیے

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں، گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

نہایت دل کو ہے مرغوب بوسہ خالِ مشکیں کا
دہن تنگ اپنے کب تک دیکھیے یہ دانہ آتا ہے

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گزری
جو اشک آنکھوں میں آتا ہے سو بے تابانہ آتا ہے

بگولے کی طرح کس کس خوشی سے خاک اُڑاتا ہوں
تلاشِ گنج میں جو سامنے ویرانہ آتا ہے

سمجھتے ہیں مرے دل کی وہ کیا نافہم و ناداں ہیں
حضورِ شمع بے مطلب نہیں پروانہ آتا ہے

طلب دنیا کو کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروئے ہمتِ مردانہ آتا ہے

ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنی بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے

تماشا گاہِ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو
کے اس انجمن میں یادِ خلوت خانہ آتا ہے

صبا کی طرح ہر اک غیرتِ گل سے ہیں لگ جاتے
محبت ہے سرشت اپنی، ہمیں یارانہ آتا ہے

زیارت ہوگی کعبے کی، یہی تعبیر ہے اس کی — کئی شب سے ہمارے خواب میں بت خانہ آتا ہے
خیال آیا ہے آئینے کا منہ اس میں وہ دیکھیں گے — اب الجھے بال سلجھانے کی خاطر شانہ آتا ہے
پھنسا دیتا ہے مرغِ دل کو دامِ زلفِ پیچاں میں — تمھارے خالِ رخ کو بھی فریبِ دانہ آتا ہے
عتاب و لطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں — شکایت سے نہیں واقف، ہمیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے، بت خانہ ہمارا دل نہیں آتش
مقامِ آشنا ہے، یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

جاں بخش لب کے عشق میں ایذا اٹھایئے — بیمار ہو کے نازِ مسیحا اٹھایئے
قدسی نگاہِ لطف کے امیدوار ہیں — آنکھیں تو سوئے عالمِ بالا اٹھایئے
اب کی بہار میں جو ہمیں لے چلے جنوں — چُن چُن کے داغ لالۂ صحرا اٹھایئے
خامے سے کام لیجیے ہنگامِ فکرِ شعر — میدانِ کارزار میں گھوڑا اٹھایئے
دکھلائے حسنِ یار کا جلوہ ہمیں جو عشق — کس کس طرح سے لطفِ تماشا اٹھایئے
تجھ سا حسیں ہو یار تو کیونکر نہ اس کے پھر — نازِ بجا و غمزۂ بے جا اٹھایئے
مفلس ہوں لاکھ، پر یہی دل کو بندھی ہے دُھن — یوسفؑ کو قرض لے کے تقاضا اٹھایئے
سختی راہ کھینچیے منزل کے شوق میں — آرام کی تلاش میں ایذا اٹھایئے
فصلِ بہار آئی، پیو صوفیو شراب — بس ہو چکی نماز، مصلّا اٹھایئے
جامِ شرابِ ناب ہے ساقی لیے کھڑا — گردن تو مثلِ گردنِ مینا اٹھایئے
آواز کو سنا کے کیے کان مستفیض — رحم آنکھوں پہ بھی کیجیے پردا اٹھایئے
جوشِ جنوں میں دیکھیے پیچھے نہ مڑ کے پھر — منہ جس طرف کو صورتِ دریا اٹھایئے

شمشیر زن ہو یار بہار جوان ہو
آتش جہادِ عشق پہ بیڑا اٹھایئے

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے — کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
تمھارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں — گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے
بہار آئی ہے، نشے میں جھومتے ہیں — مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے
عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن — لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے
تپ ہجر کی کاہشوں نے کیے ہیں — جدا پوست سے استخواں کیسے کیسے

نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا — تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد — خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے
توجہ نے تیری ہمارے مسیحا — توانا کیے ناتواں کیسے کیسے
دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے — تمہارے لیے ہیں مکاں کیسے کیسے
غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں — ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
ترے کلکِ قدرت کے قربان آنکھیں — دکھائے ہیں خوش رُو جواں کیسے کیسے

کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

چپ ہو کیوں کچھ منہ سے فرماؤ خدا کے واسطے — آدمی سے بُت نہ بن جاؤ خدا کے واسطے
کبک کی آنکھوں سے نظارے کو عاشق آئے ہیں — چاند سی صورت کو دکھلاؤ خدا کے واسطے
دردِ دل سے دم فنا ہوتا ہے، جائے رحم ہے — جان جاتی ہے مری، آؤ خدا کے واسطے
جھومتی زلفیں تو ہیں کالی گھٹا کی طرح سے — ہنس پڑو، بجلی بھی چمکاؤ خدا کے واسطے

پاسِ رسوائی کا دونوں جانبوں سے شرط ہے
میں تمھیں، تم مجھ کو سمجھاؤ خدا کے واسطے

چلا وہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی — ٹھہر گیا جو کہیں بوئے آشنا آئی
بہارِ گل میں ہیں دیوانے جامے سے باہر — پری کا بھیس ہے بدلے ہوئے بلا آئی
لیا جو بوسہ تو ہنس کر یہ اُس صنم نے کہا — خدا سے شرم نہ اے بندۂ خدا آئی
شراب اُن کو پلا کر ہوئی پشیمانی — وہ بے حجاب ہوئے تو مجھے حیا آئی
لباسِ کعبہ کا حاصل کیا شرف اُس نے — جو کوئے یار میں کالی کوئی گھٹا آئی
سروہیاں ہیں، نہیں دونوں ابروئے خم دار — وہ منہ چڑھے ترے جس کی کہ ہو قضا آئی
ہماری خاک رہی کوئے یار کی مشتاق — پہنچی اُڑ کے، نہ ایسی کوئی ہوا آئی
نہ روزِ حشر بھی فریاد ہو سکی مجھ سے — جفائے یار کے آڑے مری وفا آئی

مریضِ عشق کیا حسنِ یار نے جب سے
مزاج سے نہ موافق کوئی دوا آئی

سانپ کا زہر وہ گیسو ہیں اُگلنے والے
آہوئے چشم چھلاوے کو ہیں چھلنے والے

کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او! زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

کششِ عشق میں بارے اثر اتنا تو ہوا
پھر کھڑے ہوتے ہیں منہ پھیر کے چلنے والے

حسن نے روشنی خورشید کی پیدا کی ہے
شب کو باہر نہیں وہ گھر سے نکلنے والے

آئینہ رکھ کے کیا ہے جو کبھی تم نے بناؤ
خاک میں مل گئے ہیں دیکھ کے جلنے والے

پاؤں تک تیرے جو پہنچے نہیں اے مایۂ ناز
کفِ افسوس وہی ہاتھ ہیں ملنے والے

گوش زد ہو تو کہیں کوس سفر کی آواز
چل کھڑے ہوں گے کمر باندھ کے چلنے والے

یہی سوزش، یہی گرمی ہے اگر نالوں کی
صورتِ موم ہیں فولاد پگھلنے والے

باغ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح
رہیں سر سبزہ شجر پھولنے پھلنے والے

اُن سے کہہ دو نہیں آہستہ جو رکھتے دو گام
گر بھی پڑتے ہیں بہت دوڑ کے چلنے والے

نعمتِ عشق کا راغب نہیں کوئی پاتا
مر گئے کیا غم و غصّہ کے نگلنے والے

اشک باقی جو نہ آنکھوں میں رہے تو نہ رہے
جگر و دل میں لہو ہو کے نکلنے والے

بس قلم صفحۂ ہستی سے اُٹھا اے آتش
ڈھل چکے شعر جو تھے فکر سے ڈھلنے والے

اُٹھتے ہی تیرے بزم سے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
وہ یار رہ گئے کہ جو تھے غش پڑے ہوئے

نالوں سے میرے مل گئے رنگیں ادائے دہر
بُلبل کو سن کے کان گلوں کے کھڑے ہوئے

بے نشۂ شرابِ محبت نہ جائیں گے
ساقی کے در پر اب تو ہیں ہم بھی اڑے ہوئے

ٹھیک آئی تن پہ اپنے قبائے برہنگی
باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے

جو بچ گئے ہیں جنبشِ مژگانِ ناز سے
ابرو کے نیچے حشر میں ہوں گے کھڑے ہوئے

دیوانگانِ عشق جو زینت پسند ہوں
سونے کی بیڑیوں میں ہوں ہیرے جڑے ہوئے

بے مہر یار کا نہ گلہ ہم سے ہو سکا
پُھوٹے نہ تھے جو دل میں پھپھولے پڑے ہوئے

کشتوں کی طرح زیست میں تیرے نیاز مند
شمشیرِ ناز سے رہے بے دم پڑے ہوئے

آئینے نے کیا ہے جو صورت سے آشنا
گردن میں اُن کی ہاتھ ہیں اُن کے پڑے ہوئے

باتوں میں اُن کی ہو گئے عاشق غریب قتل
تلوار کی طرح جو وہ منہ کے کڑے ہوئے

روزِ وصال آنکھوں کو اپنی دکھائے گا
روزِ شب فراق کے پچھن جھڑے ہوئے

ساقی کی بندگی نے کیا خاتمہ بخیر
خم کے تلے ہیں مے کدے میں ہم گڑے ہوئے

اب پاؤں رکھ کے وہ نہیں چلتے زمین پر
اک اک کڑے کے ساتھ ہیں دو دو چھڑے ہوئے

بوسہ جو نخلِ لب کا لیا، یار نے کہا
اس حل کا تیل پی لے ہو چکنے گھڑے ہوئے

نہ فکرِ شعر ہے نہ وہ مضموں تلاشیاں
آتش سے تو نہیں کہیں خواجہ لڑے ہوئے

طاقِ ابرو ہیں پسندِ طبع اک دلخواہ کے
عمر ہوتی ہے بسر گنبد میں بسم اللہ کے

جاؤں کیونکر بن بلائے اُس بُتِ دلخواہ کے
بے طلب کوئی نہیں پہنچا حضور اللہ کے

رُوئے نورانی کا تیرے ہو گیا ہے شک جو یار
رات بھر دوڑا ہوں کیا کیا پیچھے پیچھے ماہ کے

شامِ وصل آئی اِدھر موجود تھی صبحِ فراق
کم گھڑی سے بھی پہر ہیں اس شبِ کوتاہ کے

داغِ عشقِ حسن کا لقمہ نوالہ ہے کڑا
سیر دل ہیں کھانے والے اس غمِ جاں کاہ کے

کہتے ہیں شاعر قیامت ہو گی قدِ یار سے
مرد عاشق ہیں، مُقر ہیں ہم تو اس افواہ کے

ناتوانی سے ہے حالت غیر ہجرِ یار میں
دم نکل جاتا ہے اپنا ساتھ ہر اک آہ کے

عشقِ بُت میں کوہ پر جا جا کے سر پٹکا کیے
پاؤں کو صدمے رہے پست و بلندِ راہ کے

سال ہا عشقِ زنخداں نے لہو پانی کیا
مدتوں روئے ہیں جا جا کر کنارے چاہ کے

حشر تک یوں ہی رہیں گے غمزہ و انداز و ناز
عشق عالی منزلت ہے، حسن والا جاہ کے

جانکلتا ہے جو مجھ سا تشنۂ دیدارِ حسن
ذکرِ یوسف کرنے لگتے ہیں کبوتر چاہ کے

منزلِ مقصود میں چل کر نکالوں گا اُنھیں
آبلوں میں یہ جو ہیں پیوست کانٹے راہ کے

اُس بُتِ بے دیں کی زلفوں کا اشارہ ہے یہی
اس بلا میں وہ پھنسیں عاشق ہوں جو اللہ کے

کب سماتی ہے نظر میں روشنیِ آفتاب
چشمِ بینا رکھتے ہیں ذرّے تری درگاہ کے

ہوائے دورِ مئے خوشگوار راہ میں ہے
خزاں چمن سے ہے جاتی، بہار راہ میں ہے

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے
بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے

شباب تک نہیں پہنچا ہے عالمِ طفلی
ہنوز حسنِ جوانیِ یار راہ میں ہے

عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں
نہ کوئی شہر، نہ کوئی دیار راہ میں ہے

طریقِ عشق میں اے دل! عصائے آہ ہے شرط
کہیں چڑھاؤ، کسی جا اُتار راہ میں ہے

طریقِ عشق کا سالک ہے، واعظوں کی نہ سن
ٹھگوں کے کہنے کا کیا اعتبار راہ میں ہے

جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر اُس کو بھی
شہیدِ ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے

سمندِ عمر کو اللہ رے شوقِ آسائش
عناں گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے

نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
فقط عنایتِ پروردگار راہ میں ہے

نہ جائیں آپ ابھی دوپہر ہے گرمی کی
بہت سی گرد، بہت سا غبار راہ میں ہے

تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈیے کسی کا ساتھ
ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے

جنوں میں خاک اُڑاتا ہے ساتھ ساتھ اپنے
شریکِ حال ہمارا غبار راہ میں ہے

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

کوئی تو دوش سے بارِ سفر اُتارے گا
ہزار راہ زن اُمیدوار راہ میں ہے

مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ ہی جائیں گے
خدا تو دوست ہے، دشمن ہزار راہ میں ہے

بہت سی ٹھوکریں کھلوائے گا یہ حسن اُن کا
بتوں کا عشق نہیں، کوہسار راہ میں ہے

بلائے جانِ مسافر ہے خوابِ شیریں بھی
یہی وہ شہد ہے جو زہر مار راہ میں ہے

پتا یہ کوچۂ قاتل کا سن رکھ اے قاصد!
بجائے سنگِ نشاں اک مزار راہ میں ہے

پیادہ پا ہوں رواں سوئے کوچۂ قاتل
اجل مری مرے سر پر سوار راہ میں ہے

چلا ہے تیر و کماں لے کے صیدگاہ وہ تُرک
خوشا نصیب وہ جو جو شکار راہ میں ہے

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل، نہ ٹھہر آتشؔ
گلِ مراد ہے منزل میں، خار راہ میں ہے

عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے
ہوائے گل میں ہم کس وادیِ پُرخار میں آئے

نہ چیں اے تُرکِ بے رحم ابروئے خم دار میں آئے
لگا خامی کا دھبا، بل جہاں تلوار میں آئے

اُٹھائے بارِ عشق اس عالمِ غدّار میں آئے
کہاں سے ہم کہاں پکڑے ہوئے بیگار میں آئے

اشارہ ہے یہی اُن کے لبِ شیریں کے خالوں کا
ملانے کو نمک ہم شربتِ دیدار میں آئے

نہ دی بو ایک نے اے گلبدن! تیرے پسینے کی
ہزاروں عطر کھنچ کر طبلۂ عطار میں آئے

کمندوں سے نہیں کم سبحہ و زنار کے حلقے
پھنسے وہ جو فریبِ کافر و دیں دار میں آئے

خریداروں میں عاشق اپنے ناموس کو ہیں لکھواتے
تماشا ہے، وہ یوسف بن کے ہیں بازار میں آئے

نموئے سبزۂ نورس نہیں اُس روئے رنگیں پر
جنابِ خضر بہرِ سیر ہیں گلزار میں آئے

ہر اک حلقے میں اُن زلفوں کے ہیں سو سو دلِ عاشق
بہت سے مشتریِ مشک ہیں تاتار میں آئے

بہارِ حسن دکھلائی نہ مشتاقوں کی آنکھوں کو
نہ نکلے گھر سے تم، گل باغ سے بازار میں آئے

رہا اے بادشاہِ حسن تو جس قصرِ عالی میں
ہما بہرِ سعادت سایۂ دیوار میں آئے

گئے جس بزم میں، روشن چراغِ حسن سے کردی
بہارِ تازہ آئی، تم اگر گلزار میں آئے

وضو ہوتے ہیں مے سے خشتِ خم پر شکر کے سجدے
نمازی لوگ بھی ہیں خانۂ خمار میں آئے

کیا ہے حُسن نے سلطانِ خوباں، چاہیے تم کو
ملے داد اُن کی، فریادی جو ہیں سرکار میں آئے

اُڑے ہوش اپنے نظارے میں اے گل تیری صورت سے
غش آیا جب مقامِ نرگسِ بیمار میں آئے

جوانی ہے کہاں اب یار کی وہ صورت طفلی
ہوئے ڈھنگ اور ہی، رنگ اور ہی رخسار میں آئے

مشقت کر کے دیوانے نہ تھے جو بے سبب آئے
پری کو ڈھونڈھنے اس قصرِ مینا کار میں آئے

بجا کرتے ہیں نحوی احتمالِ صدق و کذب آتش
بہت سے مختلف احوال بھی اخبار میں آئے

معرفت میں تیری ذاتِ پاک کے
اُڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

گُل کھلے پُرزے اُڑا پوشاک کے
پاؤں پھیلا تا بدامن چاک کے

نام لے سکتے نہیں محبوب سے
کیا کہیں گھٹتے ہیں کس سفاک کے

وہ گریباں آگ میں رکھ دیجیے
موسمِ گل میں جو ہوں بے چاک کے

خوش نویسوں سے مَیں لکھواتا ہوں وصف
لام سی کاکل، الف سی ناک کے

قید رکھتے موسمِ گل کی نہیں
ولولے تیرے گریباں چاک کے

صید گاہِ عشق میں مُردار ہے
صید جو قابل نہیں فتراک کے

مست ہو کر جائینگے اے مغبچو!
آئے ہیں بنت العنب کو تاک کے

تیرے دیوانوں سے بننے کی نہیں
آگ کی پریاں ہیں انساں خاک کے

توڑنے والے گلِ زنبق کے ہیں
کاٹنے والے چمن کی ناک کے

بحرِ اُلفت میں بہارِ باغ ہے
بھولتے ہیں دست و پا تیراک کے

نیشکر کی پور اے شیریں دہن
پھیکی ہے آگے تری مسواک کے

آفریں! صد آفریں! دستِ جنوں
خوب ہی لتّے لیے پوشاک کے

عشق میں رہتے ہیں آتش سامنے
بے مروّت، بے وفا، بے باک کے

بخارِ دل ہے گھر آیا سحاب کے بدلے
اک آگ ہے کہ برستی ہے آب کے بدلے

دو داغ دوں میں مہ و آفتاب کے بدلے
فلک سے لوں ستم بے حساب کے بدلے

لہو پلاتی ہے فرقت شراب کے بدلے
کھلاتی ہے غم و غصہ کباب کے بدلے

صباحِ حشر بھی آنکھوں کو میں نہ کھولوں گا
خیالِ یار ہے بند ان میں خواب کے بدلے

تمھارے کان کی بجلی تمھاری زلف ہے بس
شراب پینے برق و سحاب کے بدلے

مانہ رہتا نہیں ایک حال پر اے دوست!
کبھی تو لطف بھی فرما، عتاب کے بدلے

عجب ہے کیا جو گلا کاٹ کے مریں عاشق
ملی ہے تیغ انھیں، حُسنِ شباب کے بدلے

یہ دوں کبھی ترے بالوں کے چاند سورج کو
فلک جو مانگے مہ و آفتاب کے بدلے

عزیز ہم سے کرو آب تیغ تم افسوس
پلاتے پیاسے کو شربت ہیں آب کے بدلے

اشارہ حسنِ خدا دادِ یار کا ہے یہی
گناہِ عشق کیا کرو ثواب کے بدلے

یہ آرزو ہے کہ زینِ سمندِ یار میں ہوں
ہماری آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے

یہ طولِ عمر ہمیں دے رہا ہے ایذائیں
کسے قبول تھی پیری شباب کے بدلے

تمھاری تیغ جو دریائے خوں کرے جاری
سر اور تن ہمیں موج و حباب کے بدلے

پڑھا ہوں علمِ محبت میں روز بسم اللہ
کتابی چہرہ ہے دیکھا کتاب کے بدلے

لگی ہے دیر بہت نامہ بر کے پھرنے میں
وہ خود ہی آتے ہیں، خط کے جواب کے بدلے

ہوا میں دخترِ رز پر جو غش تو ساقی نے
دیے شراب کے چھینٹے، گلاب کے بدلے

اسیر ہم ہوئے، سودا ہوا اُسے آتش
دھرے گئے دلِ خانہ خراب کے بدلے

مضمونِ حسن و عشق نہیں کس غزل میں ہے
سنیے اگر تو لطف ہماری زٹل میں ہے

دارِ فنا سے اُٹھ گئے کیا کیا نہ تاج دار
کسریٰ نہ طاق میں، نہ فریدوں محل میں ہے

معشوق بن کے آئیں گے مجھ تک بلائے جاں
مہندی بندھی ہوئی ابھی پائے اجل میں ہے

خالِ رخِ حبیب کا ہے دل میں اپنے نقش
اس مور کے بھی ملکِ سلیماں عمل میں ہے

چند قید رکھتے نہیں ہو مکاں کی تم
خالی جگہ تمھارے لیے ہر محل میں ہے

انجامِ کار کون سے آغاز کا نہیں
شامِ ابد نوشتۂ روزِ ازل میں ہے

بے یار سیرِ باغ ہے بے لطف و بدمزہ
خوشبو نہ پھول میں ہے، حلاوت نہ پھل میں ہے

موش رہیے یا تو نہ تکرار کیجیے
کچھ لطفِ گفتگو نہیں رد و بدل میں ہے

شرِ زمانہ سے نہیں بے عشق کے نجات
چاہے جو چھٹن تو اِسی حسنِ عمل میں ہے

روتا ہوں بسکہ میں رخِ رنگیں کی یاد میں
ہر طفلِ اشک دابے گلستاں بغل میں ہے

اے شاہِ حسن تو نے جو پہلو کیا ہے گرم
بو سلطنت کی تیرے گدا کی بغل میں ہے

نیلو فر آنکھ ہے مرے دریائے حسن کی
شبرنگ مردمک نہیں، بھنورا کنول میں ہے

بے صبر دل نہ عشق میں اس سیم بر کے ہو
مفلس ذلیل دیدۂ اہلِ دُوَل میں ہے

کیا ہاتھ اس نگار سے مرجاں ملائے گا
پنجہ کرے، یہ زور کہاں دستِ شل میں ہے

غنچے شگفتہ ہوتے ہیں، آتے ہی فصلِ گل
کپڑوں کے پھاڑنے کی بہار آج کل میں ہے

بے داغِ عشق کیوں نہ مرا دل بجھا رہے
اندھیر ہے چراغ نہیں جس کنول میں ہے

عاشق کے جذبِ دل کو بھی کچھ کم نہ جانیے
اس میں بھی وہ اثر ہے جو جذب کے عمل میں ہے

ہر دل میں منزلت ہے ترے داغِ عشق کی
خورشید کو شرف ہے تو برجِ حمل میں ہے

کیا بھاگتا ہے تیرِ حوادث سے، جائے امن
فولادی قلع میں، ہے نہ سنگیں محل میں ہے

ہشیار رشک کرتے ہیں آتش کی چال پر
دیوانہ خوش پری لیے اپنی بغل میں ہے

فصلِ گل میں کس کو عقلِ ذوفنوں درکار ہے
لالہ پھولا ہے، ہمیں داغِ جنوں درکار ہے

ہجر میں کس کو شرابِ لالہ گوں درکار ہے
چاہ چلّو غم کے پی لینے کو خوں درکار ہے

تجھ سوا دنیا و مافیہا سے کچھ مطلب نہیں
تو ہمیں اے کائناتِ کاف و نوں درکار ہے

پاؤں بسم اللہ کہہ کر طریقِ عشق میں
فال کی حاجت، نہ کچھ اس میں شگوں درکار ہے

دیدہ و دل دونوں صورت آشنائے یار ہے
صاف آئینے سے بیرون و دروں درکار ہے

کوچۂ جلاد میں گردن جھکا کر رکھ قدم
یہ ادب کا ہے محل، یاں سرنگوں درکار ہے

واردِ ماتم سرائے دہر ہوں میں، مجھ کو کیا
محفلِ عشرت میں چنگ و ارغنوں درکار ہے

زندگی کی گور میں اے دل نہ ہوں بے تابیاں
راہ میں تحریک، منزل میں سکوں درکار ہے

بد زبانی سے تمھاری یہ ہمیں ظاہر ہوا
خوب صورت کے لیے خوئے زبوں درکار ہے

درہمِ داغِ جنوں دے موسمِ گل بے شمار
حوصلے سے مجھ کو یہ دولت فزوں درکار ہے

یہ لبِ جاں بخش و چشمِ یار سے ظاہر ہوا
دل فریبی کو بھی اعجاز و فسوں درکار ہے

بعد مدّت کے قدم رکھتا ہے قصرِ یار میں
اب ہمیں اِستادگیِ مثلِ ستوں درکار ہے

سخت جاں ہوں ایک دو سے نیم جاں رہ جاؤں گا
قتلِ عاشق کو حسینوں کا قشوں درکار ہے

سروِ قد کا ترے دیوانہ ہوں او سبزہ رنگ
سر پٹکنے کو زمرد کا ستوں درکار ہے

چاہتا ہوں واسطے عقبیٰ کے میں حسنِ عمل
کس کو آتش دولتِ دنیائے دوں درکار ہے

موسیٰ و فرعون میں کچھ فرق، غافل! چاہیے
آدمی کو امتیازِ حق و باطل چاہیے

انتظامِ ملکِ وحشت کے لیے دل چاہیے
اس علاقے کے لیے دیوانہ عامل چاہیے

حسن کا دکھلائے جلوہ عشق کامل چاہیے
شہد سے شیریں ہو، یہ زہرِ ہلاہل چاہیے

بوسۂ خطِ یار سے ہو جائے حاصل، چاہیے
اس عبارت میں سے نکلے مطلبِ دل چاہیے

دید کو تجھ سے کہ روشن دیدہ و دل چاہیے
لو، تری پروانے کو اے شمعِ محفل چاہیے

خوش نما ہے نازِ لیلیٰ سے تری کافر ادا
چاہیے تو تجھ کو اے شیریں شمائل چاہیے

لشکرِ اندوہ و غم سے سامنا ہے عشق میں
خونِ دل بھی اشک کے ہو جائے شامل چاہیے

کون ہے تجھ سا سزاوارِ پرستش دوسرا
بندہ پرور! سر ترے سجدے کے قابل چاہیے

یہ کھلا تن پروری سے اہلِ دنیا کی ہمیں
چار دیوارِ عناصر کو بھی کہگل چاہیے

دل ہے جس لیلیٰ کا مجنوں اس سے رکھتا ہوں غرض
ناقے سے مطلب ہے کچھ مجھ کو نہ محمل چاہیے

نقشِ پائے رفتگاں سے یہ صدا ہے آ رہی
دو قدم میں راہ طے ہے، شوقِ منزل چاہیے

اشکِ خونی اس قدر شوقِ شہادت میں بہا
پیرہن ہو جائے تیرا رختِ بسمل چاہیے

کافی اپنے واسطے ہے، جو ہے قسمت میں لکھا
کچھ نہ باقی چھوڑ جانا ہے، نہ فاضل چاہیے

نزع میں آ کر مرے بالیں یہ اُس بت نے کہا
حق تعالیٰ پر نظر ہنگامِ مشکل چاہیے

جنبش اس ابرو کی کس کس کا نہیں کرنے کی خوں
سر ہزاروں ہوں گے، خیرِ تیغِ قاتل چاہیے

اور کچھ تجھ سے طلب ہم کو نہیں اے آسماں!
شعر گوئی کو زمینِ سیر حاصل چاہیے

کعبے میں جا کر خدا سے یہ دعا مانگوں گا میں
عشقِ بت میں سر کے ٹکرانے کو ساحل چاہیے

بے تصور دل مکانِ یار ہونے کا نہیں
بند کرنے کو پری شیشے میں، عامل چاہیے

سامنا ہونا ہے تُرکِ تیغ زن کا ایک دن
دل کو بے تابی سے مشقِ رقصِ بسمل چاہیے

دیدہ و دل بھی ترے شیدا ہیں اے زہرہ جبیں!
ان فرشتوں کے لیے بھی چاہِ بابل چاہیے

پیشتر منزل سے مر جا اشتیاقِ گور میں
بھول جائے یاد خلوت میں یہ محفل چاہیے

باوجودِ قربِ دریا ہے دُرِ مقصود گم
خاک سر پر ڈالنی یاں مثلِ ساحل چاہیے

آسماں پر روح، تن زیرِ زمیں کیوں کر نہ جائے
اپنی اپنی گور، اپنی اپنی منزل چاہیے

شعر گوئی کے لیے جمعیتِ خاطر ہے شرط
اس مشقت کے لیے مزدور خوش دل چاہیے

کیا کام خاصگانِ خدا کو ہے عام سے
غافل ہے یہ خلافِ جماعت امام سے

رہتی ہے ہمسری انھیں ماہِ تمام سے
دکھلاتے ہیں وہ چاند سی صورت کو شام سے

نفرت ہوئی ہے دل کو یہ فعلِ حرام سے
قے آتی مجھ کو دخترِ رز کے ہے نام سے

ساقی چھکا ہمیں بھی مے لعل فام سے
ہم کو بھی چشم داشت ہے چشمک کی جام سے

کھنچئے دو، دورِ یار کو ماہِ تمام سے
ہمت بلند چاہیے دو ہاتھ بام سے

چمکے گا وہ رخ اور خطِ مشک فام سے
فوق اس سیہ قلم کو ہے مینے کے کام سے

غافل نہیں قضا و قدر اپنے کام سے
انگلی ہی پڑتی ہے یہ سروہی نیام سے

باہر حساب سے کرم بے شمار ہے
باراں ہے ایک قطرہ ترے فیضِ عام سے

کیونکر شبِ فراق کٹی، کچھ نہ پوچھیے
چلائے نام صبح کا لے لے کے شام سے

بسمل کی طرح لوٹتے ہیں مست، ساقیا!
شیشے سے ہوشیار! خبردار جام سے

ابرو و چشم و زلف میں کیا کیا ہیں صنعتیں
تصویر بے خبر ہے مصور کے کام سے

جس گھر سے تم نکلتے ہو، ہوتا ہے گوش زد
شور الفراق کا در و دیوار و بام سے

تیرے قدم سے گھر میں مرے اے شبِ وصال
نورِ سحر کی روشنی ہوتی ہے شام سے

زلفوں سے بدبلا ہوئی چشمِ سیاہِ یار
شاہیں کے پنجے میں پھنسے چھوٹے جو دام سے

اے برہمن! تجھے مری توقیر چاہیے
بت پوجنے کو آیا ہوں بیت الحرام سے

بحرِ جہاں کے شور سے آتی ہے یہ صدا
منزل میں ہے جو کوچ کیا اس مقام سے

سرنامے سے زیادہ تر ان کا ہو رُوسیاہ
لکھتے ہیں غیر یار کو خط میرے نام سے

صیادِ حسن کھیلتا ہے جب شکارِ عشق
بلبل کو پھانستا ہے رگِ گل کے دام سے

عریاں کو تیرے قید نہیں پیرہن کی ہے
یہ ذوالفقار رہتی ہے باہر نیام سے

سودائے زلف میں ہے مجھے جس قدر خوشی
شادی نہ روزہ دار کو اتنی ہو شام سے

شاعر ہوں، کیا سمجھ کے ہنسوں بادہ خوار پر
قولِ دروغ کم نہیں فعلِ حرام سے

اللہ رے شان و عظمتِ بت خانہ ہائے ہند
ہر آستاں بلند ہے کعبے کے بام سے

آوازِ دوست آتی ہے پردے سے ساز کے
ظاہر ہے وجدِ صوفیِ عالی مقام سے

گردش میں رہتے ہیں تو رہیں ہفت آسماں
جنبش نہ ہو گی قطب کو اپنے مقام سے

مغرور کس قدر ہیں حسینانِ روزگار
عاشق کو کم سمجھتے ہیں اپنے غلام سے

بت خانے سے خدا کی طرف جو پھرا ہوں میں
گھی کے چراغ جلتے ہیں مسجد میں شام سے

حیران ہوں نکل کے کدھر سے وہ جائیں گے
مسدود راستے ہوئے ہیں ازدحام سے

اے مرغِ دل ہے فاصلہ اُس زلف و خال میں
دانہ ترے نصیب کا باہر ہے دام سے

رغبت کی آنکھ ڈالیے اس بحرِ حسن پر
دریا کو دیکھیے نگہِ تشنہ کام سے

کیفیت شراب ہے امرد کے حسن میں
کیا کیا جواں ہیں مست اس انگورِ خام سے

تیرا شہیدِ ناز ہوں، لینے کو آئیں گے
ارواحِ مومنیں مجھے دارالسلام سے

گھٹی میں دی ہے دایہ نے مجھ کو شرابِ ناب
میں آشنائے دخترِ رز ہوں مدام سے

زاہد! مزا نہ پوچھ شراب و کباب کا
دنیا کا لطف ہے اسی آب و طعام سے

اللہ رے قدر و منزلتِ پیشوائے دیں
چاہ انبیا ہیں مقتدیانِ امام سے

دل سوختوں سے گرمیِ حسن و جمال پوچھ
آگاہ یہ کباب ہیں آتش کے کام سے

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
موت آئی ہے، سر چڑھتا ہے، دیوانہ ہوا ہے

آسیب پری جلوۂ جانانہ ہوا ہے
جس کو نظر آیا ہے وہ دیوانہ ہوا ہے

اس عالمِ ایجاد میں گردش سے فلک کے
کیا کیا نہیں ہونے کا ہے، کیا کیا نہ ہوا ہے

ساقی نے چھکایا ہے پلا کر جو پیالہ
جمشید گدائے درِ مے خانہ ہوا ہے

خالِ رخِ روشن سے یہ روشن ہے الٰہی
قدرت سے تری آگ میں یہ دانہ ہوا ہے

تا صبح شبِ ہجر میں جھپکی نہیں آنکھیں
نیند اُڑ گئی ہے، دردِ سر افسانہ ہوا ہے

حیرت ہے رخِ روشنِ محبوب کا افشاں
کیا ذرّہ و خورشید میں یارانہ ہوا ہے

خوش رکھتا ہے زنداں میں بھی مجنوں کو تصور
لیلیٰ کا یہ خیمہ، یہ خانہ ہوا ہے

بلبل نے لحد پر ہیں مری پھول چڑھائے
موجود لیے شمع کو پروانہ ہوا ہے

نالوں سے مرے کون نہ تھا تنگ مرے بعد
کس گھر میں نہیں سجدۂ شکرانہ ہوا ہے

یاد آتی ہے مجھ کو تنِ بے جاں کی خرابی
آباد مکاں کوئی جو ویرانہ ہوا ہے

مطلب کی کہی ہے جو کبھی یار سے ہم نے
نا محرم و ناواقف و بیگانہ ہوا ہے

زنجیر کا خواہاں نہ ہو سرکارِ جنوں سے
بے قید ہوا ہے وہ جو دیوانہ ہوا ہے

اللہ رے مرے عہد میں یوسفؑ کی گرانی
قیمت نہ ہوئی تھی سو وہ بیعانہ ہوا ہے

ہندو و مسلماں ہیں ترے سجدے کو آئے
مسدود درِ کعبہ و بُت خانہ ہوا ہے

منہ دھو کے وہ زلفوں کو بنا کر ہیں نکلتے
آئینے کو دیکھا ہے طلب شانہ ہوا ہے

اک طفل کو دکھلا کے کیا کشتہ فلک نے
کس پیر سے کیا کارِ جوانانہ ہوا ہے

سچ تو یہ ہے آتش، نہیں تجھ سا کوئی شاعر
شہروں میں ترے جھوٹ کا افسانہ ہوا ہے

جنوں سے حسرتِ بوس و کنار باقی ہے — ہنوز مرحلۂ کوہسار باقی ہے

یہ مرمٹوں کا ترے یادگار باقی ہے — کوئی کوئی جو نشانِ مزار باقی ہے

تپ جنوں سے فقط جسمِ زار باقی ہے — بدن کے جامے سے یہ ایک تار باقی ہے

حرارت آتشِ گل میں ہزار باقی ہے — یہی سمجھ کہ دو ہفتہ بہار باقی ہے

غبار جسم، نہ جانِ نزار باقی ہے — سوار ہے، نہ تو گردِ سوار باقی ہے

ہوا ہے حشر، نہ خورشیدِ حشر ہے نکلا — قیامتِ رخ و بالائے یار باقی ہے

بلند و پستِ جہاں سے گزر چکا ہوں کہاں — چڑھاؤ روح کو، تن کو اُتار باقی ہے

وہی ہے حسنِ سفید و سیاہ کا عالم — وہی دو رنگیِ لیل و نہار باقی ہے

دکھا رہے ہیں گل و لالہ اپنا اپنا رنگ — طلسم بندیِ نقش و نگار باقی ہے

چمن کی سیر سے پھرتا ہے مست ہو کے، ہمیں — کنارِ جُو بطِ مے کا شکار باقی ہے

دکھائی دیں گے نہ یہ زرد زرد پتے بھی — خزاں کی بھی کوئی دس دن بہار باقی ہے

اِدھر بھی آنکھ اُٹھا کر ہے دیکھنا لازم — نگاہِ لطف کا اُمیدوار باقی ہے

سمجھ کم ان کو جو کچھ کھینچتے ہیں خمیازے — جوانی نشہ ہے، پیری خمار باقی ہے

گئی ہے روح یہ کہتے ہوئی بدن میں سے — فنا ہے غیر، جو ہے ذاتِ یار باقی ہے

نیام میں ابھی قاتل نہ کیجیو شمشیر — جھکائے گردن اک اُمیدوار باقی ہے

مٹا فساد کی بنیاد، نرم کر دلِ سخت — وجودِ سنگ ہے جب تک، شرار باقی ہے

کہا ہے کس نے نہ آہ و فغاں کرو آتش

اُٹھاؤ جبر جو خود اختیار باقی ہے

سرمہ لگا کے یار نے ترچھی نگاہ کی — موت آئی پھر کسی نہ کسی بے گناہ کی

آمد ہمارے گھر میں ہے اس رشکِ ماہ کی — دعوت فقیر خانے میں ہے بادشاہ کی

خط سے رہی وہ آنکھ نہ اُس رشکِ ماہ کی — سیدھی زوالِ حسن نے ترچھی نگاہ کی

آئینے میں جو شکل پہ اپنی نگاہ کی — مجھ سے زیادہ یار نے حالت تباہ کی

دیکھی نہ شکل دلبرِ خورشید جاہ کی — حسرت رہی ملازمتِ بادشاہ کی

بو یار کی سنگھا کے صبا نے اڑائے ہوش — بادِ مراد نے مری کشتی تباہ کی

فصلِ بہار آئی، مبارک ہو اے جنوں! — خار اور آبلے سے ملاقات راہ کی

ہو گا کبھی تو اس رخِ روشن کا سامنا — قلعی کھلے گی آئینۂ مہر و ماہ کی

اُلجھا میں حالِ دل کے جو کہنے میں تو کہا
لکنت زبان کرتی ہے جھوٹے گواہ کی

پھرنا شتاب لے کے خطِ شوق کا جواب
قاصد! تجھے قسم ہے رسالت پناہؐ کی

دل میں ہمارے جلوہ نما ہے خیالِ یار
بُرجِ شرف میں روشنی ہے مہر و ماہ کی

ناگفتنی ہے مہر و محبت کا ماجرا
مدّت بیان ہو نہیں سکتی ہے چاہ کی

صورت دکھائی خواب میں بھی تو کبھی کبھی
صحبت ہماری اُن کی رہی گاہ گاہ کی

ماتم کدے میں دہر کے وہ درد مند ہوں
بے درد نے بھی سن کے مرا نالہ، آہ کی

پہروں رہا ہے اُس شہِ خوباں کے در پہ گوش
فریاد جب سنی ہے کسی داد خواہ کی

دیوانوں کو رعایتِ اطفال چاہیے
سردار قدر کرتے ہیں کیا کیا سپاہ کی

کہتے ہیں تیرگی شبِ دیجور کی جسے
چشم و چراغ ہے مرے روزِ سیاہ کی

مائل ہے طوفِ کعبۂ رُو کا نقابِ یار
تدبیر پہلے کیجیے اس سدِّ راہ کی

پائی سزا گناہ نہ کرنے کی روزِ حشر
پوچھی گئی نہ بات کسی بے گناہ کی

کھنچتا ہے سوئے یار دلِ زار یوں مرا
حالت جو کہربا کی کشش سے ہو کاہ کی

نکلا ہے خط جو اس رخِ رنگیں کے گرد و پیش
گل سے سوا نمود ہوئی ہے گیاہ کی

مجھ ناتواں کی خاک جو اس میں ہوئی شریک
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ گئی گرد راہ کی

نالاں نہیں دل اپنا زنخدانِ یار میں
آواز آ رہی ہے، گرفتارِ چاہ کی

مژگانِ یار سے بھی ہے قاتل غبارِ خط
خوں ریز ہے سپاہ سے گرد اس سپاہ کی

چپیاں قبا ہی یار نہیں خوش نما تجھے
زیبندہ راستی سے کجی ہے کلاہ کی

رنگِ بہار، بادِ خزاں نے اڑا دیا
سرخی نہ گل کی ہے، نہ وہ سبزی گیاہ کی

آتش نہ پوچھ ہجر کی شب کس طرح کٹی
نالے سے دردِ سر جو ہوا، تھک کے آہ کی

عنایت و کرم ابرِ بہار رکھتا ہے
ہرا بھرا چمنِ روزگار رکھتا ہے

جب آئے قابضِ روح اختیار رکھتا ہے
درِ فقیر نہیں چوب دار رکھتا ہے

چمن غریب دو ہفتہ بہار رکھتا ہے
بہار ہے وہ جو رخسارِ یار رکھتا ہے

تصورِ گل و گلشن ہزار رکھتا ہے
قفس میں بھی وہی نقش و نگار رکھتا ہے

بلا وہ خال ہے جو روئے یار رکھتا ہے
یہ مور بھی اثرِ زہرِ مار رکھتا ہے

فسوں کوئی، نہ تو اعجاز، یار رکھتا ہے
فریبِ حسن سے عاشق کو مار رکھتا ہے

دو نیم دل، لبِ جاں بخشِ یار رکھتا ہے
دمِ مسیح، دمِ ذوالفقار رکھتا ہے

وہ کون ہے جو نہیں حسنِ یار کا بندہ
جمالِ قدرتِ پروردگار رکھتا ہے

عجب ہے خال کا اے شعلہ رُو ترے منہ پر
سپند آگ میں کیوں کر قرار رکھتا ہے

کھلا یہ یار کے الطاف غائبانہ سے
خیال بندے کا پروردگار رکھتا ہے

خفا جو ہیں کوئی ان سے مری طرف سے کہے
اُمید عفو کی تقصیروار رکھتا ہے

عجب ہے کیا کہ جو بُت حالِ برہمی پوچھے
محال پر بھی خدا اختیار رکھتا ہے

محل ادب کا ہے، ٹھکرا کے چل نہ قبروں کو
پیادہ ہو کے قدم یاں سوار رکھتا ہے

خدا کے حکم سے آئی ہے روح قالب میں
پری طلسم میں پروردگار رکھتا ہے

دروغ سے شعرا کے کھلا یہ حال ہمیں
وہ حق کہے جو نہیں خوف دار رکھتا ہے

خدا کا گھر اسے سنتے ہیں عارفوں سے ہم
جمیل کشورِ دل شہریار رکھتا ہے

کیا ہے موت نے شرِ زمانہ سے محفوظ
پناہ میں مجھے کنجِ مزار رکھتا ہے

ہوا ہے عاشقِ مژگانِ یار طائرِ دل
گلا چھری کے تلے یہ شکار رکھتا ہے

جدا تو روح کو ہوئے دے جسمِ خاکی سے
یہی غبار ہے جو شہ سوار رکھتا ہے

تلاش رہتی ہے مضمونِ چشم کی شب و روز
خراب مجھ کو ہرن کا شکار رکھتا ہے

فضول خرچ ہوں، ڈرتا ہوں، دیکھیے کب تک
حساب میں مجھے روزِ شمار رکھتا ہے

پھنسا ہے زلف کے پھندے میں مرغِ دل جب سے
وہ حال ہے کہ جو بستہ شکار رکھتا ہے

سنی نہ یار نے اک، غیر نے ہزار کہی
یہ سچ ہے، جھوٹ نہیں اعتبار رکھتا ہے

اشارہ نرگسِ بیمار یار کا ہے یہی
طبیب کو یہی بیمار مار رکھتا ہے

نہ باغ باغ رہوں حسن و عشق سے کیونکر
بہارِ گل ہے جو دل خار خار رکھتا ہے

ہوا جو غصے سے منہ لال لال تو یہ کھلا
عتابِ یار بھی رنگِ بہار رکھتا ہے

وہی ہے حافظ اہلِ زمیں بھی جو عالی
زمیں کے گرد فلک کا حصار رکھتا ہے

سوال ہے مجھے تُرکوں سے زخمِ کاری کا
کوئی بھی ہمتِ عالی وقار رکھتا ہے؟

نفس کی آمد و شد سے ہیں دست و پا تیجے
نمود دم سے ہوا کے غبار رکھتا ہے

مریضِ عشق کو کیا دو گے شربتِ دیدار
جواں طبیب نہیں اعتبار رکھتا ہے

سوال بوسے کا ہم بھی کریں گے اے آتش!
سنا ہے خیر کی توفیق یار رکھتا ہے

ہنر فرشتے کا خاکی بشر نہیں رکھتے
پہنچتے اُڑ کے، کریں کیا کہ پر نہیں رکھتے

نمود یار کی شمس و قمر نہیں رکھتے
یہ اعتبار کبھی سیم و زر نہیں رکھتے

حقیقت آدمی کی گاؤ خر نہیں رکھتے
بیاں میں لطف، زباں میں اثر نہیں رکھتے

شریکِ اشک جو لختِ جگر نہیں رکھتے
دکانِ عشق میں لال و گہر نہیں رکھتے

خوشا وہ مست جو دنیا میں گھر نہیں رکھتے
درونِ خانہ و بیرونِ در نہیں رکھتے

اشارہ دیدۂ بینا کا ہے یہی تجھ سے
سوا ترے کوئی مدِ نظر نہیں رکھتے

وہ بد مرض ہیں یہ عشق و جنوں کہ اپنے لیے
دوا میں اور دعا میں اثر نہیں رکھتے

وہ جھالرے ترے کانوں کے اے پری رُو! ہیں
فرشتے ایسے جواہر کے پر نہیں رکھتے

خدا کو اہلِ توکل ہیں جانتے رزّاق
سحر کے واسطے ہم شب کو دھر نہیں رکھتے

کھلا یہ گیسو و رخسارِ نازنیناں سے
طلسمِ حسن یہ شام و سحر نہیں رکھتے

بُتوں کے جور و جفا سے جو رہتے ہیں نالاں
مگر یہ لوگ خدا پر نظر نہیں رکھتے

نہ کس کے باندھ سکیں جس کو قتلِ عاشق پر
حسین اتنی تو پتلی کمر نہیں رکھتے

سعادتِ ابدی سے وہ جو کہ ہیں مایوس
مشیّتِ ازلی کی خبر نہیں رکھتے

ملی ہے پاؤں میں مہندی انھوں نے پہلے پہل
زمیں تو کیا ہے، قدم عرش پر نہیں رکھتے

سمجھ کم اُس کو جو کچھ ہو بتوں سے بے رحمی
خدا کا خوف یہ بے داد گر نہیں رکھتے

مسافرانہ بسر کر، اشارہ کرتے ہیں
کمر بندھی ہوئی یہ نیشکر نہیں رکھتے

نہ خوفِ دُزد، نہ ہے بیمِ حاکمِ ظالم
ہزار شکر کہ ہم سیم و زر نہیں رکھتے

ہر ایک پھول ہے نرگس کا دیدۂ بینا
ریاضِ حسن کے گل گوش کر نہیں رکھتے

علاقہ جسم سے جس وقت تک ہے، خام ہے روح
لگاؤ شاخ سے پختہ ثمر نہیں رکھتے

بتوں کے حسن کی خاطر بھی اک فضیلت ہے
کتابی چہرہ ہے، قرآں اگر نہیں رکھتے

عجب کی جا ترے بالوں کے چاند سورج ہیں
یہ اتفاق تو شمس و قمر نہیں رکھتے

نہیں ہے جن کو حلاوت کلامِ شیریں سے
وہ بد مذاق، مذاقِ شکر نہیں رکھتے

گئی عدم کو یہ ہستی سے روح کہتے ہوئی
جریدہ روز قضائے سفر نہیں رکھتے

نہ دیجیے لبِ لعلیں سے گالیاں مجھ کو
اگرچہ لعل ہیں پتھر، شرر نہیں رکھتے

نہ ہو جو روح تو پھر جسم کس شمار میں ہے
حساب میں صدفِ بے گہر میں رکھتے

زباں کو بند سخن گوئی سے کر، اے آتش!
یہ بیت بخشی کا ہم دردِ سر نہیں رکھتے

گور میں دل سے خیالاتِ جہاں دور رہے
وہ دیار، اور وہی بستی، وہ مکاں دور رہے

عشرت آباد سے آفاتِ جہاں دور رہے
برہمی بزم سے، گلشن سے خزاں دور رہے

فطرت پیر سے لازم ہے جواں دور رہے
تیر کو پیش کرے، آپ کماں دور رہے

ایک دم دل سے نہ جو جانِ جہاں دور رہے
حیف آنکھوں سے وہ موجود و عیاں دور رہے

دلِ احباب سے فریاد و فغاں دور رہے
چیں جبیں سے تری اے راحتِ جاں دور رہے

روح کو قالب خاکی سے نکل چلنے دے
لا مکاں سے بہت اے قیدِ مکاں دور رہے

اتفاق ابرو و مژگاں کا ہے شر کی بنیاد
خیر ہے، تیر سے جب تک کہ کماں دور رہے

نفع ان سخت نہادوں سے نہیں غیرِ ضرر
بیچ میں پڑنے سے دانتوں کے زباں دور رہے

یاد فرماتے نہیں سامنے دس دس دن تک
بھول جاتے ہیں وہ اک آن جہاں دور رہے

تلخ کامی دمِ نزع بھی شیریں ہو جائے
زندگی میں جو حلاوت سے زباں دور رہے

اے زباں! ہجر کے شب کا نہ ہو افسانہ بیاں
ہولِ دل سے ہو ایسا خفقاں دور رہے

پیشِ منعم نہیں کم مایہ کی عزت ہوتی
آبرو چاہے تو دریا سے کنواں دور رہے

بند کیں خوابِ اجل نے مری آنکھیں آتش
وہ تماشائے جہانِ گزراں دور رہے

اندیشۂ صیاد نہ یاں بیم خزاں ہے
بلبل مرے گلشن کا ہر اک سیف زباں ہے

پہلو میں مرے دل نہیں اے اہلِ جہاں ہے
بندہ ہوں میں جس کا، یہ اُس آقا کا مکاں ہے

بے تیرِ مژہ ابروئے یار آفتِ جاں ہے
تلوار کی بھی طرح سے چلتی یہ کماں ہے

واں اشک فشانی ہے، نہ یاں شور و فغاں ہے
کچھ ہولِ دل اُن کو ہے، نہ مجھ کو خفقاں ہے

قد سا ترے اے یار! نمودار کہاں ہے
شمشاد نہ گلشن میں، نہ لشکر میں نشاں ہے

غم خانۂ عاشق میں بھی شادی کا سماں ہے
نوبت نہیں تو نوبتِ فریاد و فغاں ہے

پہنچے جو تری عزّ کو اے ذاتِ مقدّس
اندیشۂ جبریل سے بھی وہم و گماں ہے

مجھ زار سے کھنچنے کا نہیں رنجِ جدائی
کمزور کماں کش ہے، زبردست کماں ہے

ل دولتِ دنیا سے نہ ہو زر کی طرح سرخ
مسجد ہو طلائی تو قیامت کا نشاں ہے

شیخی و مشیخت نہیں مے خانے میں چلتی
یاں پگڑی اُچھلتی ہے، خراباتِ مُغاں ہے

ہو ہی رہے گا گوش زدِ گل کوئی نالہ
بلبل بھی نہ خاموش رہے، منہ میں زباں ہے

آواز یہی کوچۂ قاتل سے ہے آتی
جلّاد ہے موجود، گنہ گار کہاں ہے؟
مستوں کو بلندی نہ دکھا اے فلکِ دوں
اونچی ترے گنبد سے ہر اک مُغ کی دکاں ہے
دکھلاتے ہیں بہمن و دے میں بھی منہ اپنا
زرد ایسی بہارِ چمنستاں سے خزاں ہے
فردوس بھی بستی ہے مگر اہلِ دُوَل کی
جنت میں جو گھر ہے سو جواہر کا مکاں ہے
دنیا سے گزرنا سفرِ مصر ہے ہم کو
چاہِ لحد اپنے لیے یوسف کا کنواں ہے
لختِ دلِ عاشق نہیں یہ آنسوؤں کے ساتھ
یوسفؑ کے لیے قافلۂ اشک رواں ہے
نالے کی کسی قدِ خمیدہ سے ہے اُمید
کیا تیر لگائے گی کبادہ جو کماں ہے
پھیرے گا نہ منہ معرکۂ عشق سے آتشؔ
جاں بازی ہے کھیل اس کو بہادر جو جواں ہے

گردن کو جھکائے صفِ احباب کھڑی ہے
اس تُرک کی تلوار پہ کیا، بھیڑ بڑی ہے
پھیریں گے نہ منہ کو تری تلوار سے، قاتل!
ہم دل کے کڑے ہیں، وہ اگر منہ کی کڑی ہے
چرچے مرے نالوں کے عبث کرتی ہے بُلبُل
تو اپنی خبر لے، تجھے کیا میری پڑی ہے
کچھ عشق میں مجنوں ہے سوا ہے، نہ تو فرہاد
لیلیٰ ہی نہ چھوٹی ہے، نہ شیریں ہی بڑی ہے

رخ کا پتا ملے، جو وہ زلفِ رسا ملے
پوچھوں میں راہِ گنج، اگر اژدہا ملے
بے صرفہ نوش کر نہ مجھے اے غمِ فراق
کھا اس طرح کہ تجھ کو ذرا کچھ مزا ملے
اے شاہِ حسن! ہو گی ترقی جمال میں
لے، جس قدر فقیروں کی تجھ کو دعا ملے
عشقِ بُتاں میں لطف اٹھایا ہے تُو نے کیا
آتشؔ سے پوچھیے جو وہ مردِ خدا ملے

تنگ دامی نے نہ دم لینے کی فرصت دی مجھے
رہ گئی دیدِ رخِ صیاد کی حسرت مجھے
دستِ حاجت کو کیا تیغِ قناعت نے قلم
گنجِ قاروں سے خدا نے دی بڑی دولت مجھے
شفقتِ پیرِ دبستاں ہوا ابتر میں طفل
سات دن کے میلے میں دی سیر کی رخصت مجھے
تا کجا کُنجِ قفس میں سر کو پٹکوں مَیں اسیر
کھینچ اے موجِ نسیمِ گلشنِ جنت مجھے
جوہرِ ذاتی ہے سوزِ سینۂ شوریدگاں
مثلِ ماہی داغ بن آتشؔ ہوئی زینت مجھے

فردیات

سوائے نام کے باقی اثر نشاں سے نہ تھے ۔۔۔ زمیں سے دب گئے، جھکتے جو آسمان سے نہ تھے
یادِ ابروئے صنم رکھتی ہے بے تاب مجھے ۔۔۔ نیشِ عقرب ہوئی ہے میری رگِ خواب مجھے
عشرتِ میں مثلِ شمع ہم اپنے جلال کے ۔۔۔ اقبال دن دکھاتا ہے ہم کو زوال کے

مخمس

بھڑک کے عشق کی سارے بدن میں آگ لگی ۔۔۔ یہ شعلہ آہ کا نکلا، دہن میں آگ لگی
ترے تو آتشِ رخ سے چمن میں آگ لگی ۔۔۔ مری تو جان و جگر اور من میں آگ لگی
یہ رو رو کہتی تھی بُلبُل وطن میں آگ لگی

یہ کیا حنا تھی منگائی چمن سے شیریں نے ۔۔۔ اور اس کی خلق میں خوش بُو اڑائی شیریں نے
ادھر تو ہاتھوں میں مہندی لگائی شیریں نے ۔۔۔ مگر یہ سیر عجائب دکھائی شیریں نے
پھر اُس طرف کو دلِ کوہ کن میں آگ لگی

کیا علاج اطبّا نے نارسائی سے ۔۔۔ نہ آخرش ہوئی صحت کسی دوائی سے
یہ رنگ جسم کا ہے تیری آشنائی سے ۔۔۔ جلے ہے لاش مری آتشِ جدائی سے
مدد کو پہنچو صنم! اب کفن میں آگ لگی

تمھاری چپ سے مری چپ زباں ہے، بولو تو ۔۔۔ لبوں کو دیکھ کے حیراں جہاں ہے، بولو تو
مرے تو دل میں کچھ اور ہی گماں ہے، بولو تو ۔۔۔ یہ مسّی ہونٹوں پہ ہے یا دھواں ہے، بولو تو
یہ سرخی پان کی ہے یا دہن میں آگ لگی؟

بھرے تھے قہقہے ہر ایک گل کی جھولی میں ۔۔۔ گلوں نے گھیر لیا تھا اسے ٹھٹھولی میں
بھڑکتے جاتے تھے ہنس ہنس کے رنگ چولی میں ۔۔۔ گلال زلف میں ان کی پڑا تھا ہولی میں
تو لالہ بولا کہ مشکِ ختن میں آگ لگی

گرچہ ہوتے ہیں گل رخ، ہزار غصے میں ۔۔۔ پر اس طرح کی نہ دیکھی بہار غصے میں
یہ وصف تجھ ہی میں دیکھا نگار غصے میں ۔۔۔ ہوا جو سرخ ترا چہرہ یار غصے میں
تو بُلبُلوں نے ہی جانا، چمن میں آگ لگی

ہوا اثر کشش دل کا، دل میں جب اس کے — تو خود بخود وہ لگا دوڑ کر گلے میرے
یہ سیر جس نے نہ دیکھی ہو، آن کر دیکھے — طلب جو بوسہ کیا میں نے، اس بھبھوکے سے
زباں تو شمع بنی اور دہن میں آگ لگی

ملا ہے نام خدا مجھ کو ایک صنم ایسا — کہ جس کے دیکھے سے ہوتے ہیں سیکڑوں شیدا
میں بھولی باتوں کا اس کی بیاں کروں کیا کیا — شفق کو دیکھ کے کہتا ہے نوجواں میرا
عجب تماشا ہے، چرخ کہن میں آگ لگی

واسوخت

آگے اک یار نہ تھا یار، ترے یار تھے ہم — ہمدم و ہم سخن و مونس و غم خوار تھے ہم
لطف و اشفاق و عنایت کے سزاوار تھے ہم — مدعی اب جو ہیں مجبور تھے، مختار تھے ہم
چیں جبیں پر نہ تھی، رنجش کی نہ یہ باتیں تھیں
مہربانی تھی، شب و روز ملاقاتیں تھیں

انس تھا ہم سے تمھیں، ہم تھے تمھارے مائل — عشق تھا حسن خدا داد سے ہم کو کامل
غم و اندوہ و جدائی سے نہ واقف تھا دل — باغ عالم میں مرادیں تھیں ہماری حاصل
سرو قد قمری بے صبر و تحمل ہم تھے
گل تمھارا رخ گل رنگ تھا، بلبل ہم تھے

گوش زد یار ترے نام نہ تھا غیروں کا — لانے پاتا کوئی پیغام نہ تھا غیروں کا
خلوت و بزم میں کچھ کام نہ تھا غیروں کا — گرد حلقہ سحر و شام نہ تھا غیروں کا
دامن پاک سے گرد نجس آگاہ نہ تھی
کوچہ گردوں کو طبیعت میں تری راہ نہ تھی

دلبری اپنی تجھے بنتی تھی منظور اے دوست — ایکدم آنکھوں سے ہم ہوتے نہ تھے دور اے دوست
دشمنی طرفین سے ہوتے نہ تھے مغرور اے دوست — جو خدا چاہے کرے، بندہ ہے مجبور اے دوست
پاس ہوتے ہیں وہ جو دور پڑے رہتے تھے
بیٹھتے ہیں وہ برابر جو کھڑے رہتے تھے

گفتگو تجھ سے نہیں ہوتی ہے سادوں سے — پہروں سرگوشی رہا کرتی ہے غمازوں سے
حال دل کا ہے بیاں طرفہ اندازوں سے — صحبت اب آن رہی ہے غلط اندازوں سے

فرق آیا حرکاتوں میں، خدا خیر کرے
"نہ" نکلنے لگی باتوں میں، خدا خیر کرے

جو کڑی کہتے تھے ہم، تم پہ اُسے سہتے تھے
سخت کہتے تھے تو سن کر اسے چپ رہتے تھے
رونے لگتے تھے نہ یوں، پھوٹ نہ یوں بہتے تھے
اس مروت پہ تمھاری یہی ہم کہتے تھے
اس پہ قربان رہیں گے، اسے چاہیں گے ہم
منہ سے نکلا ہے جو کچھ اس کو نباہیں گے ہم

کوئی آ سکتا نہ تھا اپنے سوا صحبت میں
دوسرے کو نہ رسائی تھی تری خدمت میں
مختصر قصہ ہمیں ہم تھے ہر اک حالت میں
انجمن میں ہمیں ہوتے تھے، ہمیں خلوت میں
مصحفِ رخ کو سمجھتا نہ تھا ایماں کوئی
خالِ ہندو کا نہ عاشق تھا مسلماں کوئی

کیسی تدبیر تمھاری ہے یہ کیسی تجویز
نہ رہی آپ کو ہرگز کس و ناکس کی تمیز
چیز ایک اُن کو سمجھنے لگے، جو تھے ناچیز
ہم سے دیکھا نہیں جاتا ہے ذلیلوں کو عزیز
ان سے نیکی کرو ممنوں جو بد افعال نہ ہوا
لوٹیں وہ دولتِ دیدار جو کچھ مال نہ ہوا

عیش باغ آپ کبھی سیر کو جو جاتے تھے
خار ہوتا تھا جو بندے کو نہ واں پاتے تھے
غنچہ ساں تیری جدائی سے یہ تنگ آتے تھے
بھیج کر پیکِ صبا، ڈھونڈھ کے بلواتے تھے
ہر روش پر مجھے تم ساتھ لیے پھرتے تھے
ہاتھ میں اپنے مرا ہاتھ لیے پھرتے تھے

شاذ تھا رنج، مری جان! کدورت نادر
حال پر اپنے توجہ تھی تمھاری ظاہر
کبھی خدمت میں جو ہوتے نہ تھے چندے حاضر
منتیں مانتے پھرتے تھے ہماری خاطر
روشنی مسجدوں میں جا کے کیا کرتے تھے
چلّے درگاہوں میں دن رات بندھا کرتے تھے

روز و شب وہ جو رہا کرتی تھی صحبت، نہ رہی
ہم نشینی کی جو خدمت تھی، وہ خدمت نہ رہی
قصہ کوتاہ ہے، وہ مہر و محبت نہ رہی
منہ دکھانے کو ہمارے، کوئی صورت نہ رہی

التماس اتنی تو رکھتے ہیں تیری ذات سے ہم
پھر گیا تو، مگر اپنی نہ پھرے بات سے ہم

اُٹھ گیا مہر و محبت کا زمانے سے رواج
بیٹھے بیٹھے اس اُلجھ پڑنے کا کیا کیجیے علاج
یوں تو معشوقوں کا ہوتا ہے تلون کا مزاج
پر نہ اتنا بھی کہ کل تھی سو طبیعت نہیں آج
یا ہمیں ساتھ رہا کرتے تھے اندر باہر
یا ہمیں ہیں کہ ہمیں حکم ہے "باہر باہر"

یہی طرزیں ہیں جو صاحب کی، یہی ہیں انداز
ہم نے بھی عہد کیا دل سے بس اے بندہ نواز!
نہ کریں گھر کی طرف تیری کبھی روئے نیاز
اس طرف کعبہ بھی ہووے تو کریں ترک نماز
واں نکل جاویں جہاں کا نہ پتا ملتا ہو
نہ ملیں، ملنے سے تیرے جو خدا ملتا ہو

جانِ جاں دل کا جلانا نہ تمھیں آتا تھا
بگڑی صورت کا بنانا نہ تمھیں آتا تھا
خندہ زن ہو کے رلانا نہ تمھیں آتا تھا
منہ کو دکھلا کے چھپانا نہ تمھیں آتا تھا
گرہ ابرو میں نہ تھی کاکلِ پیچاں کی طرح
زلفوں کا رخ نہ پھرا رہتا تھا مژگاں کی طرح

خود فروشی کے مقید تھے، نہ خود کامی کے
پختہ کامی کے چلن چلتے نہ تھے خامی کے
ہونٹ سلواتے تھے دم بازوں کے پیغامی کے
ننگ آتا تھا تمھیں نام سے بدنامی کے
پری و حور سے بھی حسن میں مغرور تھے تم
پاس تم کو نہ کسی کا تھا، بہت دور تھے تم

سرمہ دیتے تھے تو آنکھوں کو چراتے تھے تم
پان کھاتے تھے تو منہ کو نہ دکھاتے تھے تم
مہندی ملتے تھے تو ہاتھوں کو چھپاتے تھے تم
پاؤں خلخال پہن کر نہ ہلاتے تھے تم
قتل سے عاشقِ صادق کے وفا مانع تھی
خونِ ناحق سے تمھیں شرم و حیا مانع تھی

جو خوشی خاطرِ نازک کی نہیں اُس کا غم
کھایئے ترکِ محبت کی، جو کھاتا ہے قسم
رہ نہیں سکتے کہ بے شغل، یہی کہتے ہیں ہم
ڈھونڈھ لیں گے کوئی زیبا صنم عیسیٰ دم
عشق بازی کا نہ بھولیں گے مزا، یاد رہے
دل لگا لیں گے، فرنگی محل آباد رہے

یہ غلط فہمی ہے "ہم سا کوئی محبوب نہیں" کیا کوئی اور زمانے میں خوش اسلوب نہیں؟
راست بازوں سے یہ ابرو کی کجی خوب نہیں نہ سہی، دوستی صاحب کو جو مطلوب نہیں
تم کو غیروں کی مدارات مبارک ہووے
ہم کو جس سے ہے ملاقات، مبارک ہووے

ایسا شاہد ہے اب اللہ سے ہم کو مقصود آشنائی جسے مقبول ہو، رنجش مردود
سامنے اپنے تجھے کچھ نہ وہ سمجھے موجود رخِ گل رنگ جو دکھلائے تو بھیجے وہ درود
نرگسی چشم کا حیرت سے تماشائی ہو
سنبلیں زلف کی بُو سونگھ کے سودائی ہو

خوں کرے دل کو تمھارے رگِ جاں سی وہ کمر حلقۂ ناف کی تنگی سے رہو تنگ اکثر
ہاتھ ملتے پھرو، پڑ جائے جو پاؤں پہ نظر چھلّے ہاتھ آئیں تو گل کھایا کرو چھاتی پر
لعلِ لب دیکھے تو سر پیٹے بہت تنگ سے تُو
ہونٹ چاٹا کرے نامِ دہنِ تنگ سے تو

خوبیِ گوش کرے اپنا تمھیں حلقہ بہ گوش پہروں ہی رکھے وہ گردن کی صراحی مدہوش
دیکھ کر آئینہ ساں سینہ ہو حیرت سے خموش حسن میں اس کے غرض ہو نہ سکے دوش بدوش
نقش دل پر ترے نقشِ دُرِ دنداں سے رہے
خار خار آٹھ پہر کاوشِ مژگاں سے رہے

مقر اس کا ہر وہ الزام تجھے جو جو دے عرقِ شرم سے رخسار و جبیں دھو دے
خندہ زن ہو کے حقیقت کو تری کھو دے آگے اس گل کے تو شبنم کی طرح رو رو دے
طعن و تشنیع وہی مہر لقا تجھ کو کرے
صورتِ ماہِ نو انگشت نما تجھ کو کرے

طنز آمیز کلامات سے آگاہ کروں چھیڑ کر باتیں بتاؤں اسے تجھ سے سمجھوں
اس کی زلفوں کی طرح کان تک اس کے پہنچوں جو فرشتے نے نہ پھونکی ہو سو اُس کے پھونکوں
دل جلاوے وہ ترا، تجھ سے جگر جل نہ سکے
تجھ سے چل نکلے وہ، تو اُس سے مگر چل نہ سکے

لب بہ لب اس سے رہوں، منہ نہ لگاؤں تجھ کو — راہ پر لاؤں اسے، راہ بتاؤں تجھ کو
جس طرح تو نے جلایا ہے، جلاؤں تجھ کو — تنگ آغوش میں لوں اور دکھاؤں تجھ کو
شادماں خاطرِ نازک ہو، تجھے غم ہووے
میرے گھر عید، ترے گھر میں محرم ہووے

یاری غیر سے تا آپ کرو تم پرہیز — گفتگو اتنے لیے تھی یہ شکایت انگیز
متوجہ ہو ادھر کو نگہِ لطف آمیز — نقضِ بے جا کے لیے میرے لکھو دستاویز
پھر پری ہو وہی تم اور وہی دیوانے ہم
پھر وہی شمع ہو تم اور وہی پروانے ہم

چھیڑنے کے لیے صاحب کے فقط تھا یہ کلام — غیرِ معشوق کا نکلا ہے زباں سے جو نام
مت برا مانیو اس بات کا، آتش ہے غلام — حرفِ حق کہہ کے یہ واسوخت کو کرتا ہے تمام
دوستی غیر سے واللہ جو منظور بھی ہو
آنکھ اُٹھا کر نہ کبھی دیکھیں، اگر حور بھی ہو

عبارتِ سرورقِ کلیات طبع ۱۲۶۳ھ

بہ توفیقِ خدائے سخن آفریں و نعتِ رسول سید المرسلین، نسخۂ مشترکہ، حسب الحکم مہر ذبل مطبع کثیر المنافع المسمی بسلطان المطابع: حسب فرمائش برگزیدۂ ازلی شیخ رجب علی عفی عنہ ذنبہ الخفی والجلی، دیوان دوم خواجہ حیدر علی آتش، مع الحاق غزل ہائے بقیہ کہ بہ تفتیشِ بسیار فراہم آوردہ داخل نمودہ شد، بمرتبۂ ثانیہ باہتمام کپتانی مقبول الدولہ مرزا محمد مہدی عالی خاں، بہادر قبول، بہ کارخانۂ علی بخش خاں مطبوع طبائع خاص وعام گردید۔

خاتمۃ الطبع

۱۲۶۳ھ

للہ الحمد والمنۃ کہ دریں ایامِ فرحت فرجام دیوانِ اول خواجہ حیدر علی آتش بطبقِ فرمایش شفیقِ دلی، برگزیدۂ ازلی، فیاض فتوت معلی شیخ رجب علی سلمہ اللہ القوی، در کارخانۂ منِ ہیچمدان بندۂ سراپا خطاو نسیان علی بخش خاں در ماہِ ذی الحجہ ۱۲۲۷ ہجری حلیہ انطباع در بر گرفتہ مطبوعِ طبایع خاص و عام گردید۔

(حاشیے پر ہے):

قطعہ تاریخ از نتایجِ افکارِ محبِ دلی شیخ اشرف علی المتخلص بہ اشرف

نبود در جہاں نظیر و عدیل　　بحر جود و سخا و فیض و ہم
آنکہ اسمش دو لطف می دارد　　از رجب وز علی شدہ باہم
خوست دیوانِ آتشِ مرحوم　　کہ شود طبع بار دیگر ہم
ز علی بخش خانِ نیک نہاد　　کرد ایما بہ طبعِ آں ہیم
بہ ظہور آمد آنچہ دل می خواست　　مشتری شد ز نقدِ دل عالم
چرخ چارم زمین شعر گرفت　　لطف پرداشت عیسیٰؑ مریمؑ

فکر تاریخ چوں نمود اشرف
"مخزنِ شعر" خامہ کرد رقم

۱۲۶۷ھ

ایضاً

گر .... اقلیمِ سخن کہیے بجا ہے　　اُستاد ہے، عالی ہے بہت پایۂ آتش
دیواں جو چھپا منہ سے یہ نکلی مرے تاریخ　　مطبوع ہوا طبع کے سرمایۂ آتش

(۱۲۶۳ھ)

تمت تمام شد

تاریخِ وفات خواجہ حیدر علی آتش، از طبع دبیر بے نظیر
منشی مظفر علی اسیر

دلم از مرگِ آتش بود غم کش ز آتش یافتم تاریخ آتش
زغم "تا" و "الف" خود را سہ تا ساخت تپش از دامن گیتیں نقطہ انداخت

۱۲۶۳ھ

قطعۂ تاریخ دوست سراسر ذوق میر ولد حسن فوق

خواجہ صاحب نے قضا کی جس گھڑی دارِ فانی سے سوئے کوثر گئے
فوق نے تاریخ برجستہ کہی لکھنؤ میں نام آتش کر گئے

۱۲۶۳ھ

تاریخ وفات ازطبع وقاد و اعرف منشی اشرف علی اشرف

در بحرِ معانی خواجہ آتش سوئے ملکِ عدم فرمود رو حیف
زہاتف سالِ رحلت جست اشرف بگفتا "انتخاب لکھنؤ حیف"

۱۲۶۳ھ

ایضاً

ناظمِ ملک نظم آتش بود کرد در گلشنِ جناں مسکن
از سرِ آہ سالِ رحلتِ او گفت ہاتف بمرد شاہِ سخن

۱۲۶۳ھ

نثر خاتمہ ریختہ کلک گوہر سلک، پسندیدۂ درگاہ الٰہی مولوی محمد معشوق علی سلمہ اللہ تعالیٰ

حمد و ثنا سر خالقِ ارض و سما را سزا است کہ بیت وجودِ کائنات را بشیرازہ بندیِ ارکانِ رباعی عناصر جلوۂ تزیین بخشیدہ، و درود محمود تا محمد و شار بارگاہ صدر آرا کہ از مطلع دیوان نبوتش مقطع قصیدہ رسالتش مجموعۂ جریدۂ عالم خلعتِ آفرینش و دولت جمعیت در بر گرفتہ، و آل و اصحاب کالنجوم ش کہ تقطیع بحر طویل شریعت غرا ابدرخشانیدگی شمشیر بر اں بنظمِ عالم و انتظامِ عالم بعلم در دادہ۔

اما بعد، می گوید فقیرِ ژولیدہ بیان، امیدوار مغفرت ایزد منان مستدعی عطایای لم یزلی محمد معشوق علی حفظہ اللہ عن ذنب الخفی والجلی کہ چوں کلیات سرِ دفتر شعرای عصر و سر منشاء فصحای دہر کہ در علم و عمل چشمۂ فیض ز آتش، خواجہ حیدر علی آتش شاعر خوش خرام روضۂ جنان یادگار گذارندۂ مضامین آبدار گہر افشاں اگرچہ سابقاً رو بر ے مصنف زیب طبع یافتہ بود مگر تا حال از اں شائقان راغب و متلاشیان طالب بودند۔ بار دیگر از الہامات غیبی و فتوحات لاریبی در لوح دل صافی منزل، خان سموالکان، مجسم

اخلاقِ بے پایان، سراپا مروت، عین احسان، علی بخش خان عفاہ اللہ المنان۔
بفرمائش۔ شیخ پیر معارف، عارف با وظائف فیاض فتوت ممتلی شیخ رجب علی سلمہ اللہ العلی و
حبیب باخلیق (؟) ورفیق سراسر شفیق حکیم شیخ احمد بخش سلمہ اللہ وابقاہ۔
چناں منقش گردیدہ کہ آنچہ روبروی مصنف زیب طبع شدہ باشد سوای آں ہر قدر غزلیات وغیرہ
کہ بعد ازاں مرتب شدہ باشد، آنہم جمع نمودہ آرائش طبع دہد۔ چنانچہ بسعی موفور وکوشش مشکور غزلیات
بقیہ را در دیوانِ دوم اضافہ نمودہ کلیاتِ خوش اسلوب بطرزِ مطلوب و اسلوبِ مرغوب (با) قطعات
وفاتِ مصنف ترتیب دادہ۔

بتاریخ...... پانزدہم جمادی الاولی ۱۲۶۸ ہجری حلیہ اختتام پذیرفتہ زیب دہ محفلِ سخن گردیدہ۔

تاریخ طبع از مہر سپہر جلال امیر علی خان ہلال

کیا کلامِ بے تکلف ہے کہ وقتِ استماع　　کہتے ہیں بے ساختہ اربابِ محفل واہ واہ
طبع کی تاریخ کا لکھتا ہے یہ مصرع ہلال　　چھپ چکا اب کلیات آتش اے دل! واہ واہ

۱۲۶۸ھ

تاریخ طبع از منشی اشرف علی اشرف

یکتائے وقت خواجہ آتش بے مثل　　شاعر ایسا جہاں میں نادر اور شاذ
اشرف! دیوان چھپا جو ان کا، میں نے　　لکھی تاریخ 'ہے کلامِ استاذ''

۱۲۶۸ھ

الحمد للہ والمنۃ کہ اس زمان میمنت اقتران میں کلام افصح الفصحا خواجہ حیدر علی متخلص آتش
مرحوم لکھنوی نہایت سعی اور اہتمام سے شایع ہوا اور اُس پر نظر ثانی کر کے ایک بہت قدیم نسخہ سے
اس کا مقابلہ کر کے بہت سی غلطیوں کو درست کیا اور بعض اُن شعروں کا جو اس نسخہ میں نہ تھے اور اس
میں موجود تھے اضافہ کیا اب یہ کلیات آتش مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں حسب ایمائے جناب منشی بشن
نرائن صاحب مالک مطبع و باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ بماہ ستمبر ۱۹۲۹ء بحسن وخوبی طبع ہو کر
شائع ہوا۔ طبع جدید زیر اہتمام ''مکتبہ شعروادب'' سمن آباد لاہور 2004ء بحسن وخوبی انجام پایا۔

شہرہ آفاق عظیم شعراء کے شعری مجموعے

کلیاتِ میر	میر تقی میر
کلیاتِ نظیر	نظیر اکبر آبادی
کلیاتِ سودا	مرزا محمد رفیع سودا
کلیاتِ آتش	خواجہ حیدر علی آتش
کلیاتِ ناسخ	شیخ امام بخش ناسخ
کلیاتِ ذوق	شیخ ابراہیم ذوق
کلیاتِ مومن	مومن خان مومن
کلیاتِ داغ	داغ دہلوی
کلیاتِ اکبر	اکبر الہ آبادی
کلیاتِ حسرت	حسرت موہانی
کلیاتِ فانی	فانی بدایونی
کلیاتِ اصغر	اصغر گونڈوی
کلیاتِ جگر	جگر مرادآبادی

مکتبہ شعر و ادب۔ سمن آباد۔ لاہور